نام کتاب: آئینۂ کردار یزید

مؤلف: مولانا عطاء الرحمٰن صاحب عطا مفتاحی
بانی ومہتمم الجامعۃ الحبیبیہ پورینی بھاگلپور

کمپوزنگ: عبید الرحمٰن قاسمی استاذ مدرسہ اصلاح المسلمین چمپانگر

فہرست عنوانات

ہدیۂ تشکر	۱۳
انتساب	۱۴
حرف آغاز	۱۵
تاریخی روایتوں کا حال	۱۷
شیعہ راویوں کی تاریخ پر محنت	۲۰
محمود عباسی کی کتاب	۲۲
شہید کربلا پر محدث اعظمیؒ کا تبصرہ	۲۲
مولانا نوری صاحب کا تبصرہ اور اس کا جواب	۲۳
علامہ گیاوی صاحب کا مقدمہ اور اس کا جواب	۳۰
دار العلوم دیوبند کا فتویٰ	۳۳
دوسرا فتویٰ	۳۴
مزید فتاویٰ	۳۵
یزید جنتی ہے	۳۷
مفتی تقی عثمانی کا فتویٰ کہ یزید کی شراب نوشی وغیرہ کا ثبوت نہیں ہے	۳۸
علامہ گیاوی کا واقعہ حرہ سے کتاب کا آغاز	۳۹
فتح الباری کی انتہائی ضعیف روایت سے استدلال	۴۰
ابو مخنف راوی کا حال	۴۳
مولانا طاہر صاحب کی توجیہہ	۴۷

مولانا کی توجیہہ کا جواب	۴۸
ابان ابن تغلب پر قیاس اور اس کا جواب	۴۹
رفض کا آغاز	۵۳
مولانا طاہر صاحب کی عبارت	۵۵
مولانا طاہر صاحب کی بے خبری اور اس کا جواب	۵۵
ابان ابن تغلب کی حقیقت	۵۷
یزید کے عزل ونصب امراء کا ذکر	۵۸
حضرت حکیم الاسلام کا دعویٰ اور محدث اعظمی کی گرفت	۶۰
محدث اعظمی پر مولانا طاہر کا الزام اور اس کی حقیقت	۶۱
مولانا طاہر صاحب کی غلط بیانی	۶۶
محدث اعظمی کا دعویٰ اور اس کا اثبات	۶۷
یزید کی شراب نوشی کی روایت	۷۱
مولانا طاہر صاحب کا جوڑ توڑ	۷۲
سعید ابن محمد کون ہیں	۷۳
واقدی کی شیعیت	۷۶
تعدد طرق کی حقیقت	۷۸
علامہ ذہبیؒ کی عبارت سے استدلال اور اس کا جواب	۸۰
سبائی روایتوں کی درایتی حیثیت	۸۱
علامہ طاہر صاحب کا جذباتی استدلال اور اس کا آپریشن	۸۳

علامہ کا سبائی روایت سے استدلال	۸۵
محمد بن زکریا رافضی کی حقیقت	۸۶
متہم اور کذاب راوی کی روایت سے حضرت معاویہؓ کی تنقیص	۸۶
حضرت عبداللہ بن مطیع کا الزام اور محمد بن الحنفیہ کا بھرپور جواب	۸۷
حضرت ابن مطیع کا دیکھنے سے انکار	۸۹
علامہ طاہر کا اعتراف کہ تاریخی اور حدیثی روایت کا درجہ ایک نہیں	۹۲
محمد بن الحنفیہ کی جرح پر علامہ گیاوی کی تنقید اور اس کا جواب	۹۳
حضرت اسامہؓ کے عمل پر حضورؐ کی ناراضگی	۹۷
علم تحقیقی کا اعتذار اور اس کی حقیقت	۱۰۱
مسلمان کی طرف بلا تحقیق کبیرہ گناہ کا انتساب جائز نہیں	۱۰۴
صاحب اغانی کا حضرت سیدنا حسین پر الزام اور مولانا طاہر کی خاموش تائید	۱۰۵
محمد ابن الحنفیہ کے مکالمے کی پوری روایت	۱۰۷
البدایہ کی پوری عبارت	۱۰۸
مولانا طاہر صاحب کی زبردستی	۱۱۰
مولانا طاہر صاحب کی کٹ حجتی کا جواب	۱۱۱
حضرت محدث اعظمی پر تکذیب صحابہ کا ناشائستہ الزام	۱۱۳
حضرت عبداللہ بن مطیع کی صحابیت	۱۱۵
تکذیب کی حقیقت	۱۱۵
مولانا طاہر صاحب کا آدھا سچ	۱۲۱

علامہ طاہر صاحب کا حنفی علماء پر ظلم و جہالت کا ناروا الزام	۱۲۵
صحابۂ کرام پر مداہنت کا الزام	۱۲۶
الزام کے لئے شہادت کا شرعی معیار	۱۲۸
مولانا طاہر صاحب کی الٹی گنگا	۱۳۲
مولانا طاہر کے دلائل وشواہد اور ان کی حقیقت	۱۳۴
مولانا کی گردن اپنے ہی شکنجے میں	۱۳۸
خبروں کی تحقیق کے بارے میں قرآنی ہدایت	۱۴۰
شریعت کی نظر میں سب برابر	۱۴۱
حضرت ابن العربی کی دلیل کا نامعقول جواب	۱۴۴
مولانا کی غلط اردو	۱۴۶
اکابر کی کتابوں میں نقل در نقل	۱۴۷
مولانا طاہر صاحب کا دورُخا پن	۱۵۰
علامہ ابن تیمیہؒ کی عبارت سے غلط استدلال	۱۵۵
علامہ ابن تیمیہ علیہ الرحمہ کا موقف	۱۵۶
مولانا طاہر صاحب کی نافہمی	۱۶۱
مولانا طاہر صاحب کا مغالطہ	۱۶۳
فسانۂ شراب نوشی کے باطل ہونے کے قرائن	۱۶۵
ضعیف روایت کو اعلیٰ درجہ کی صحیح روایت کہنا	۱۶۹
وفات یافتہ صحابی سے شراب نوشی کی شہادت	۱۷۲

الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے	۱۷۵
راوی کی تعیین میں مولانا کی نادانی	۱۷۷
راوی کے صحیح نام کی تحقیق	۱۷۸
کتب اسماء الرجال میں یزید کی شراب نوشی کا ذکر	۱۷۹
مولانا کی تضاد بیانی	۱۸۱
صحیح منقطع السند روایتیں؟	۱۸۴
الزام بلا ثبوت	۱۸۶
روایت کی توثیق کے لئے مولانا کا جوڑ توڑ	۱۹۰
مولانا گیاوی صاحب کی تعلّی	۱۹۴
تواتر کی حقیقت	۱۹۶
امام ابوبکر ابن العربی کا استدلال	۱۹۷
غیر عادل وغیر فاسق کون ہے؟	۲۰۰
مالکی مسلک کی غلط ترجمانی	۲۰۲
لفظ امیر المؤمنین احترام پر دلالت کرتا ہے یا نہیں؟	۲۰۴
امام غزالی پر علامہ مقبلی کا تبصرہ	۲۰۵
مولانا طاہر صاحب کی خیانت	۲۰۶
امام غزالی کا قصور؟	۲۰۷
علامہ مقبلی کا بے ثبوت الزام	۲۰۹
مولانا طاہر صاحب کا غلط ترجمہ	۲۱۲

علامہ مقبلی کی بنیادی اینٹ ہی غلط	۲۱۳
علامہ مقبلی کا حضرت معاویہ کو جاہل گمراہ کہنا	۲۱۴
مولانا طاہر صاحب کی دوہری پالیسی	۲۱۵
مقبلی کی بحثوں کے عنوانات	۲۱۵
مولانا طاہر صاحب کی زبردستی اور محدث کبیر پر جھوٹا الزام	۲۱۸
مولانا طاہر صاحب کو کھلا چیلنج	۲۲۰
کیا حضرت ابن زبیرؓ نے یزید پر شراب نوشی کا الزام لگایا	۲۲۴
موسیٰ شہوات کے اشعار کی حقیقت	۲۲۷
کتاب الاغانی سے استدلال اور اس کا تجزیہ	۲۳۴
حضرت معاویہؓ کی یزید کو نصیحت	۲۳۷
مولانا طاہر کی نامناسب تحریر اور اس کا جواب	۲۴۳
مولانا طاہر صاحب کا غلط استدلال	۲۴۶
یزید کی ولیعہدی پر حضرت ابن زبیرؓ کا فرمان	۲۴۸
نبوی ہدایت کے مقابلے میں اجتہاد کی حقیقت	۲۵۳
علامہ طاہر صاحب کا جذباتی استدلال اور اس کا تجزیہ	۲۵۴
مولانا طاہر کا مغالطہ کہ صحابۂ کرام یزید کی خلافت سے ناراض تھے	۲۵۷
مولانا طاہر صاحب کی غلط بیانی اور اس کی حقیقت	۲۶۹
انتخاب میں اہلیت مطلوب ہے نہ کہ فضیلت	۲۷۸
کیا حضرت معاویہؓ نے یزید کی ولیعہدی کے لئے زور وزر کا استعمال کیا	۲۷۹

مولانا طاہر کی انتہائی گستاخ تحریر اور اس کا جواب	۲۸۳
ابن حجر ہیتمی کا بیان اور اس کا جواب	۲۸۹
ساٹھویں سال کی حقیقت	۲۹۱
مولانا طاہر صاحب کی بددیانتی	۲۹۴
مولانا طاہر صاحب کا استدلال اور اس کا حشر	۲۹۹
مولانا طاہر صاحب کی بے ادبی اور اس کا جواب	۳۰۳
سنۃ ستین یا سنۃ سبعین	۳۰۶
مولانا طاہر صاحب کی کاریگری	۳۱۰
سوال کچھ جواب کچھ اور	۳۱۲
امام حاکم پر تہمت کے الزام کی حقیقت	۳۱۵
مولانا طاہر صاحب کی سینہ زوری	۳۱۷
چونتیس سالہ بچہ	۳۲۰
مؤرخین کا بیان کہ یزید بے وقوف نہیں تھا	۳۲۲
کیا یزید بڑوں کو معزول کر کے نوعمر لڑکوں کا تقرر کیا کرتا تھا	۳۲۴
بچوں کی امارت کا حقیقی محمل	۳۲۸
یزید کی داد و دہش	۳۳۰
اولہم یزید کی اصلیت	۳۳۱
بارہ خلفاء کا ذکر	۳۳۲
مولانا طاہر صاحب کا استدلال اور اس کا جواب	۳۳۵

مولانا طاہر صاحب کا طنز اور اس کا جواب	۳۴۴
غزوۂ قسطنطنیہ اور یزید	۳۴۵
امام مہلب کا استدلال کہ یزید جنتی ہے	۳۵۰
یزید اور ہمارے اکابر رحمہم اللہ	۳۵۳
منظّم پروپیگنڈے کی تاثیر	۳۵۵
یزید اور سبائی جماعت	۳۶۲
مولانا طاہر صاحب کا جذباتی استدلال اور اس کا تجزیہ	۳۶۶
شہادت سیدنا حسینؓ، واقعات، الزامات اور حقیقت	۳۶۷
کوفیوں کے خطوط	۳۷۰
حضرت حسینؓ کو صحابۂ کرام کی نصیحت	۳۷۶
حضرت مسلم بن عقیل کے کوفہ پہونچنے پر حضرت نعمان ابن بشیرؓ کا طرز عمل	۳۸۱
مسلم بن عقیل کا فرمان کہ کوفیوں نے ہمیں دھوکہ دیا	۳۸۲
حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا فرمان کہ کوفہ والے ہی میرے قاتل ہیں	۳۸۳
حضرت حسینؓ کی تجویز کہ مجھے امیر المؤمنین یزید کے پاس بھیج دو میں بیعت کرلونگا	۳۸۵
حضرت حسینؓ کو کس نے شہید کیا	۳۹۰
بوقت موت یزید کا آخری کلام	۳۹۲
مولانا طاہر صاحب کی بے انصافی	۳۹۴
علامہ ابن کثیر علیہ الرحمہ کا اعتراف	۳۹۷
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے خط کی حقیقت	۳۹۹

مولانا طاہر صاحب کی زبردستی اور اس کا جواب	۴۰۱
حضرت ابن عباس کا بیان کہ یزید نیک ہے	۴۰۳
مولانا طاہر صاحب کا غلط ترجمہ	۴۰۵
ابن زیاد کے یزید کو فاسق کہنے کی روایت	۴۰۸
سر مبارک شام لے جایا گیا یا نہیں؟	۴۱۰
علامہ ابن کثیرؒ کا قول اور علامہ طاہر صاحب کی ڈھٹائی	۴۱۴
ریّا کون تھی؟	۴۱۹
مرغے کی ایک ٹانگ	۴۲۳
تصویر کا دوسرا رخ	۴۲۴
شیعہ مؤرخ کا اعتراف کہ قتل سیدنا حسینؓ میں کوئی شامی شریک نہیں	۴۲۷
مولانا طاہر صاحب کا اعتراف کہ قتل کا حکم دینا یا راضی ہونا یزید سے ثابت نہیں	۴۲۹
یزید نے قاتلین حسینؓ کو سزا کیوں نہ دی	۴۳۰
ابن زیاد نے قاتل حسینؓ کی گردن مروادی	۴۳۲
مولانا طاہر صاحب کی غلط بیانی اور اس کی حقیقت	۴۳۴
حضرت معاویہؓ پر امت کو متحد نہ ہونے دینے کا سنگین الزام اور اسکا جواب	۴۴۰
مولانا طاہر صاحب کا طنز	۴۴۳
واقعۂ حرہ منظر پس منظر اور حقیقت	۴۴۴
سیدنا حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی تنبیہ	۴۴۷
اطاعت امراء کے متعلق نبوی ارشادات	۴۵۳

فقہائے کرام کی تصریحات	۴۵۵
حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا تبصرہ	۴۵۸
منقطع روایت سے استدلال	۴۶۳
علامہ ابن کثیرؒ کا تسامح	۴۶۴
یزیدی فوج کے کمانڈر صحابی ہیں	۴۶۶
مغیرہ بن مقسم کی منقطع روایت سے احتجاج	۴۶۹
ایک ہزار عورتوں سے بدکاری کی حقیقت	۴۷۱
اباحت مدینہ کی حقیقت	۴۷۳
مولانا گیاوی کی طنزیہ عبارت	۴۷۴
بخاری کی روایت لم تبق الخ کا مفہوم	۴۷۷
واقعۂ حرہ کے بعد حدیبی صحابۂ کرام کی موجودگی	۴۷۷
سیدنا ابوسعید خدریؓ کے قتل کے درپے کون	۴۸۰
ربیبۂ رسول اکرم حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا دونوں بیٹوں کی شہادت پر تأثر	۴۸۱
دلائل النبوۃ کی منقطع روایت سے استدلال اور اس کا جواب	۴۸۳
یزیدی لشکر کی تعداد	۴۸۵
مولانا طاہر صاحب کی نام بگاڑنے کی وکالت	۴۸۶
دارالعلوم دیوبند کا فتویٰ کہ یزید کو رحمۃ اللہ کہنا چاہئے	۴۸۹
موت کے وقت مسلم بن عقبہ کی دعا	۴۹۰
علامہ ابن کثیر علیہ الرحمہ کی سادگی	۴۹۱

مسلم بن عقبہ نے صرف باغیوں کے خلاف کارروائی کی تھی	۴۹۴
مولانا طاہر صاحب کی بے بنیاد توجیہہ اور اس کا جواب	۴۹۶
مولانا طاہر صاحب کی غلط بیانی کہ شامی فوج میں کوئی صحابی نہیں ہے	۴۹۸
فسق یزید کی سبائی روایتیں تائیدی یا بنیادی	۵۰۰
حضرت محدث کبیر کی فقہی بصیرت پر اکابر کا اعتماد	۵۰۱
مولانا کی پیش کردہ حدیثی روایت کی اصلیت	۵۰۳
مولانا گیاوی کا فرمان کہ یزید کی بیعت کا توڑنا اسکی تفسیق کے بغیر درست نہیں ہوسکتا	۵۰۴
تواتر کی گیاوی تشریح اور اس کا جواب	۵۰۶
مولانا طاہر صاحب کا دوہرا معیار	۵۰۸
حضرت عمر بن عبدالعزیز کے کوڑے لگانے کی تحقیق	۵۰۹
بخاری کی روایت سے استدلال اور اس کی حقیقت	۵۱۰
مولانا طاہر صاحب کا بالکل غلط ترجمہ	۵۱۲
آیت کا صحیح مفہوم	۵۱۳
مقتولین سے زیادہ خندق میں گر کر مر گئے	۵۱۴
واقعۂ حرہ کا یزید پر اثر	۵۱۷
قاضیٔ بحرین کا خواب	۵۱۸
مقتولین حرہ کے متعلق مولانا طاہر کا مغالطہ	۵۱۸
حضرت محدث اعظمی کا تبصرہ اور مولانا طاہر کی تنقید	۵۲۰
تنقید کا مدلل جواب	۵۲۱
آخری دم تک مغالطہ	۵۲۵

ہدیۂ تشکر

اس کتاب کی تیاری میں جن عزیزوں نے اپنا کسی بھی طرح کا تعاون عنایت فرمایا ہے، میں ان سب کا شکر گذار ہوں ۔خصوصاً عزیزی مولوی محمود سلمہ، کا جنہوں نے نیٹ سے متعلقہ کتب کی فراہمی میرے لئے آسان بنائی ،اور عزیزم مولانا عبید الرحمٰن سلمہٗ کا جنہوں نے مسودے کی کمپوزنگ اور اسکی تصحیح پر اپنا قیمتی وقت صرف فرمایا،محترم مولانا مفتی خورشید انور صاحب قاسمی قاضی شریعت ضلع بھاگلپور کا بھی ممنون ہوں ، جنہوں نے کمپوزنگ کی نگرانی فرمائی،مفید رائیں عنایت فرمائیں،اپنی ذاتی دلچسپی سے حوصلہ افزائی فرماتے رہے،اسی طرح مولانا عاکف رحمانی سلمہ، کا جو مفید مشوروں سے نوازتے رہے،ساتھ ہی عزیزی محمد یاسین سلمہٗ کا جنہوں نے اپنے پرنٹر سے دسیوں کتابوں کے نسخے مخلصانہ طور سے نکال کر مرحمت فرمائے ،اور بھی رفقاء واعزہ جنہوں نے نیک مشوروں اور دعاؤں سے نوازا، اللہ رب العزت ان سب کو اپنے خزانۂ غیب سے بہترین بدلہ عطا فرمائے ،اور مؤلف کی اس کاوش کو بشرط نیک نیتی واخلاص قبول تام عطا کرے۔آمین

انتساب

ان تمام انصاف پسند
قارئین کرام کے نام جو اپنے دلوں کے
دروازے قبول حق کیلئے ہمیشہ کھلے رکھتے ہیں۔
اور کوئی آبائی تصور اور موروثی مزعومہ اور
مفروضہ انھیں جادۂ انصاف پر چلنے
سے روک نہیں سکتا۔
گر قبول افتد زہے عز وشرف

عطاؔ مفتاحی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرف آغاز

الحمد للہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی سید الانبیاء والمرسلین وعلیٰ آلہ وصحبہ الراشدین المھدیین وعلیٰ من تبعھم باحسان الیٰ یوم الدین اما بعد۔

گذشتہ احوال وواقعات کے علم کا ایک بڑا ذریعہ تاریخ ہے جس سے گذشتہ زمانوں میں پیش آئے واقعات وحادثات کی سچائی تک پہونچا جاسکتا ہے، بشرطیکہ یا تو معتمد علیہ غیر جانبدار اور حق نگار مؤرخ نے خود ان واقعات کا مشاہدہ کیا ہو، یا اس کے دور میں واقعات ہوئے ہوں اور اس نے بااعتماد راویوں سے سن کر انھیں اپنے سفینے میں محفوظ کیا ہو، کیونکہ اگر خود مؤرخ یا اس کے راوی سچائی کے معیار پر کھرے نہیں ہوں یا بذات خود وہ سچے، متورع اور قوی حافظے والے تو ہوں لیکن پیش آمدہ صورت حال میں ان کا رجحان کسی ایک جانب ہو تو ان تمام صورتوں میں ان کی روایتیں شک کے دائرے سے باہر نہیں ہوسکیں گی، اور ان سے کسی قطعی حکم کا استخراج غیر یقینی ہوجائے گا۔

ہمارے اسلاف کبار نے اللہ انہیں ان کی جانفشانیوں کا بھرپور صلہ عطا فرمائے، احادیث نبویہ علیٰ صاحبہا اکمل الصلوۃ والتسلیم کی چھان پھٹک، کمزور اور بیمار روایتوں سے صحیح ارشادات نبوی کے امتیاز، اور اس ذخیرۂ صافی کی حفاظت کے لئے انتہائی عرق ریزی اور باریک بینی سے جو گراں قدر اصول مرتب فرمائے، اور اس مبارک خدمت کی انجام دہی کے لئے جس قدر جاں گسل محنت شاقہ برداشت فرمائی پوری امت مل کر بھی انھیں اس عظیم خدمت کا صلہ نہیں دے سکتی، یہ صلہ تو انھیں خالق

کائنات ہی عطا فرما سکتا ہے، اور یقیناً اس کا کرم انھیں اس سے ضرور سرفراز فرمائے گا۔

ہمارے ان بزرگوں نے اس قدر جان توڑ محنت اس لئے بھی فرمائی کہ اللہ رب العزت کی یہ ہدایت ان کے سامنے تھی ''اے ایمان والو اگر تمارے پاس کوئی فاسق شخص کوئی خبر لے کر آئے تو خوب اچھی طرح جانچ لو! ایسا نہ ہو کہ اس خبر پر بھروسہ کر کے تم نادانی سے کسی قوم پر چڑھائی کردو اور بعد میں حقیقت کا علم ہونے پر تمہیں شرمندگی ہو''۔ پھر احادیث کی نسبت چونکہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہوتی ہے، اور اس باب میں خود رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی سخت ہدایت تھی کہ ''جس نے میری طرف دانستہ کوئی جھوٹ بات منسوب کی اسے اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالینا چاہئے'' ان پاکیزہ ہدایتوں کی روشنی میں محدثین کرام نے راوی کی حقیقت کا پتہ لگانے کے لئے جرح وتعدیل کے اصول مرتب فرمائے، پھر کسی بھی راوی کو بلا کسی رورعایت کے ان اصولوں پر پرکھا، کوئی کمزوری سامنے آئی تو اس کے متعلق اپنی بے لاگ رائے ظاہر فرمائی، اور اس کی مطلقاً پرواہ نہیں فرمائی، کہ یہ راوی کتنا بڑا عبادت گذار یا کتنی بڑی حیثیت کا مالک ہے۔ یقین مانئے اگر یہ بزرگ ذرا بھی مروت سے کام لیتے تو آج ہمارے سامنے حدیثیں تو ہوتیں لیکن ان کی اعتباری حیثیت مفلوج ہوکر رہ جاتی۔ جو بلند معیار احادیث نبوی کے رد اور قبول کے متعلق قائم کیا گیا تھا ہم بڑے افسوس کے ساتھ عرض کرنے پر مجبور ہیں کہ تاریخی واقعات کے جمع کرنے میں وہ معیار کمزور ہوگیا اور تاریخ کے ذخیرے میں ایسی رطب ویابس بلکہ کہیں کہیں ایسی واہیات چیزیں جمع ہوگئیں کہ آج اگر کوئی شخص اس کی گہرائی اور اس کی سچائی تک پہونچنا چاہے تو اسے بعض بعض مواقع پر بڑی حیرانی اور شاید کہیں کہیں بڑی مایوسی ہوگی، اس تساہل کا احساس ہمارے بزرگوں کو بھی ہوا ہے۔

تاریخی روایتوں کا حال

ابن الجوزیؒ فرماتے ہیں۔ان عموم القصاص لا یتحرون الصواب ولا یحترزون من الخطاء لقلة علمهم وتقواهم ۔عمومی طور پر واقعات بیان کرنے والے (قصہ گو) نہ واقعات کی درستگی پر غور کرتے ہیں اور نہ اپنی کم علمی اور کم پرہیزی کے باعث غلطیوں سے ا جتناب فرماتے ہیں۔

(القصاص والمذکرین ص ۴۱۰ معارضہ ص ۳۱)

عبدالرحمٰن ابن مہدیؒ کہتے ہیں ثلثة لا یحمل عنهم: الرجل المتهم بالكذب ، والرجل كثير الوهم والغلط، ورجل صاحب هوى بدعة يدعو الى بدعته۔

تین قسم کے لوگوں کی روایتیں نہیں لی جائیں گی ،جس راوی پر جھوٹ کی تہمت لگی ہو، جو شخص روایت کے باب میں بڑا وہمی ہو اور روایتوں کو الٹ پلٹ کر دیتا ہو، اور ایسا شخص جو خواہش و بدعت پسند ہو، اپنے ایجاد کردہ عقیدہ و عمل کی دعوت دیتا ہو۔

(العلل ومعرفۃ الرجال ج ۲ ص ۲۱۴)

قال البيهقيؒ وضرب لا يكون راويه متهما با لوضع غير انه عرف بسوء الحفظ وكثرة الغلط فى رواياته او يكون مجهولاً لم يثبت من عدالته وشرائط قبول خبره ما يوجب القبول فهذا الضرب من الاحاديث لا يكون مستعملاً فى الاحكام كما لا تكون شهادة من هذا صفتهٔ مقبولة عند الحكام وقد يستعمل فى الدعوات والترغيب والترهيب والتفسير والمغازى فيما لا يتعلق به حكم ۔امام بیہقیؒ فرماتے ہیں ایک قسم وہ ہے جس کے راوی پر وضع حدیث کی تہمت تو نہ ہو لیکن وہ اپنی روایتوں میں غلطیوں کی کثرت اور

حافظے کی خرابی سے مشہور ہو، یا ایسا غیر معروف راوی ہو جس کی عدالت اور روایتیں مقبول ہونے کی ضروری شرائط ثابت نہ ہوں تو اس قسم کی حدیثیں احکام کے باب میں مستعمل نہ ہونگی جیسے اس طرح کی حدیثوں سے حکام کے یہاں شہادت مقبول نہ ہو پائیگی ، ہاں دعوات ، ترغیب وترہیب، تفسیر ومغازی میں جس سے حکم کا استنباط متعلق نہ ہو تو ان کا استعمال کیا جاسکتا ہے۔ (دلائل النبوۃ ج ۱ ص ۳۴ ر معارضہ ص ۴۹)

امام احمد ابن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ثلثة كتب ليس لها اصول المغازى والملاحم والتفسير ۔تین قسم کی کتابوں کا کوئی اصول نہیں ہے۔مغازی، ملاحم، اور تفسیر۔ (ابن النجار ج ۲ ص ۱۵۸ شرح الکوکب المنیر ولسان المیزان ج ۱ ص ۲۰۷)

وقال ابن حجر معقبا على قول احمد "قلت ينبغى ان يضاف اليها الفضائل فهذه اودية الاحاديث الضعيفة اذ كانت العمدة فى المغازى مثل الواقدى وفى التفسير على مثل مقاتل الكلبى وفى الملاحم على الاسرائيليات واما الفضائل فلا يحصىٰ كم وضع الرافضة فى فضل اهل البيت وعارضهم جهلة اهل السنة بفضائل معاوية بل وبفضائل الشيخين وقد اغنا هما الله واعلىٰ مرتبتهما عنها ۔ ابن حجرؒ نے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی تعقیب کرتے ہوئے لکھا ''میں نے کہا کہ ان تین قسم کی کتابوں میں فضائل کو بھی جوڑ دینا مناسب ہے، کیونکہ یہ تو کمزور حدیثوں کی وادی ہے کیونکہ مغازی میں واقدی، تفسیر میں مقاتل کلبی جیسے لوگوں، اور ملاحم میں اسرائیلی روایتوں پر بھروسہ کیا جاتا ہے، لیکن فضائل میں تو روافض نے آل بیت کے فضائل میں، اور اہل سنت کے جاہلوں نے ان کے بالمقابل حضرت معاویہ بلکہ حضرات شیخین کے فضائل میں بے شمار روایتیں بنالی ہیں، حالانکہ اللہ نے ان بزرگوں کو اس سے بے نیاز رکھا ہے اور ان کا

مرتبہ اس سے بلند تر بنایا ہے۔ (لسان المیزان ج ۱ ص ۲۰۷ معارضہ ۳۲)

حضرت سیدنا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں لا یوخذ العلم من اربعة وخذوا ممن سوی ذالك لا یو خذ من سفیه معلن بسفهه وان كان اروی الناس ولا من صاحب هوی یدعو الناس الی هواه ولامن كذاب یكذب فی احادیث الناس ولا من شیخ له عبادة وفضل اذا كان لا یعرف مایحدث۔ چار قسم کے لوگوں سے علم حاصل نہیں کیا جائے گا انہیں چھوڑ کر دوسروں سے حاصل کرو، چاہے سب سے زیادہ روایت کرنے والا ہو لیکن جس کی بیوقوفی مشہور ہو اس سے مت لو، ایسے ہوا پرست سے بھی علم مت لو جو لوگوں کو اپنے من پسند طریقے کی طرف بلاتا ہو، ایسے جھوٹے سے جو لوگوں سے باتوں میں جھوٹ بولتا ہے، اور اس بزرگ سے بھی علم حاصل مت کرو جو خواہ کیسا عبادت گذار اور بزرگ کیوں نہ ہو لیکن اُسے خود اپنی بیان کردہ روایت کا اتہ پتہ معلوم نہ ہو۔ (الکامل فی الضعفاء ج ۱ ص ۲۴۸)

ابن الجوزیؒ لکھتے ہیں۔ فقد زلت اقدام كثیر من الاثبات والمؤرخین الحفاظ فی مثل هذه الاحادیث والآراء وعلقت بافكارهم ونقلها عنهم الكافة من ضعفة النظر والغفلة عن القیاس وتلقوها ایضاً كذالك من غیر بحث ولا روایة واندرجت فی محفوظاتهم حتی صار فن التاریخ واهیاً مختلطاً۔ بہت سے مستند اور حفاظ مؤرخین کے قدم بھی اس طرح کی حدیثوں اور روایتوں کے باب میں پھسل گئے ہیں، اور انھیں غیر مستند راویوں کی فکروں کو قبول کر بیٹھے ہیں اور ان سے بہت سے کم نظر قیاس سے بے خبر لوگوں نے بلا تفتیش نقل کر دیا ہے اور یہی روایتیں ان کے ذخیروں میں شامل ہو گئیں۔ یہاں تک کہ فن تاریخ ہی مخلوط اور واہی بن کر رہ گیا۔ (مقدمۃ ابن خلدون ج ۱ ص ۵۸ معارضہ ص ۳۴)

شیعہ راویوں کی تاریخ پر محنت

اس باب میں شیعوں نے کتنی محنت کی ہے اسے بھی دیکھ لیجئے۔ وقد برز من الشیعة مؤرخون كبار اصبح الا عتماد فیما بعد علی اخبارهم من امثال الكلبی ونصر بن مزاحم وابی مخنف وغیرهم والتقیة عند الشیعة دین قائم ومعتقد اساسی فی مذهبهم بحیث یحق لأ ی شیعی ان یكذب وان یظهر خلاف ما یبطن وذالك فی سبیل خدمة مذهبه ومعتقده الذی یعتقده فالكلبی مثلاً اخباری معروف و رأس فی الانساب ثم هو مفسر لكتاب الله فحینما ناخذ اسناده فی تفسیره نجده یروی عن ابی صالح عن ابن عباس رضی الله عنه ساق البخاری باسناد صحیح عن سفیان قال قال لی الكلبی قال لی ابو صالح كل شئ حدثتك فهو كذب۔

شیعہ جماعت سے بڑے مؤرخین ظاہر ہو گئے، بعد والوں نے ان کی روایتوں پر بھروسہ کر لیا، مثلاً کلبی، نصر بن مزاحم، ابومخنف وغیرہم اور شیعوں کے یہاں تقیہ دین کا بڑا حصہ اور ان کے مذہب کا بنیادی عقیدہ ہے جس کے رو سے ہر شیعی کو جھوٹ بولنے اور مافی الضمیر کے برخلاف دوسری بات ظاہر کرنے کا حق حاصل ہے، اور یہ کام ان کے نزدیک مذہب کی خدمت اور اپنے عقیدے کی تبلیغ کی غرض سے ہے مثلاً کلبی مشہور اخباری اور انساب کی روایتوں میں اصل مانا جاتا ہے پھر وہ کتاب اللہ کا مفسر بھی ہے، تو جب ہم اس کی سند پر غور کرتے ہیں تو اسے ابوصالح عن ابن عباس کے طریق سے پاتے ہیں، امام بخاری نے صحیح سند کے ساتھ سفیان سے بیان کیا ہے کہ مجھ سے کلبی نے بیان کیا کہ اس سے صالح نے کہا کہ میں نے تم سے جتنی روایتیں

بیان کی ہیں سب جھوٹ ہیں۔ (معارضۃ ص ۲۸ ر التاریخ الکبیر ج ا ص ۱۰۱)

حضرت امام احمد ابن حنبل کلبی کی تفسیر کے متعلق فرماتے ہیں: ھو کذب ولا یحل النظر فیہ۔ وہ جھوٹ ہے اسے دیکھنا درست نہیں۔

(میزان الاعتدال ج ۳ ر ص ۵۵۸)

ابن حبان فرماتے ہیں۔ فما رواہ الکلبی فلا یحل ذکرہ فی الکتب فکیف الاحتجاج بہ کتابوں میں کلبی کی روایت کا ذکر بھی جائز نہیں تو اسے حجت بنانا کیسے درست ہوگا۔ (المجروحین ج ۲ ص ۲۵۳) انھیں وجوہ سے محض تاریخی کتابوں کی منقولہ روایتوں پر بھروسہ کر کے کسی کے بارے میں کوئی حتمی رائے قائم کرنا انتہائی دشوار کام ہے۔ حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے معارضے کی وجہ سے حضرت سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے واقعہ کربلا کے باعث یزید بن معاویہ پر ان شیعہ مؤرخین کی خصوصی نظر عنایت رہی ہے، یہی وجہ ہے اکابر علماء اہل سنت کی ایک بڑی تعداد انھیں روایتوں کی بنا پر شرف صحابیت کی وجہ سے حضرت سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے باب میں تو انتہائی محتاط رہتی ہے، لیکن یزید بن معاویہؒ کے بارے میں تفریط کا شکار ہو کر بدظنی کی اسیر ہی نہیں ہوتی بلکہ بہت آگے بڑھ کر اسے کفر کے قریب پہونچا کر چھوڑتی ہے، تاہم ایک بہت بڑی تعداد انکی بھی ہے جو ان روایتوں کا تجزیہ کرتی ہے، اور انھیں صرف تقلیداً قبول نہیں کرتی، بلکہ ان کو عدالت کے کٹہرے میں کھڑا کر کے پہلے ان کی صحت ثبوت کا مطالبہ کرتی ہے، پھر انھیں ساقط الاعتبار قرار دے کر ان روایتوں کی بنا پر جو سنگین الزمات یزید پر عائد کئے گئے ان الزامات کو محض اتہام مان کر خارج کر دیتی ہے۔

محمود عباسی کی کتاب

تقریباً ۱۹۵۸ء میں پاکستانی مؤلف محمود احمد عباسی کی کتاب ''خلافت معاویہ ویزید'' منظر عام پر آئی تو اس میں بیان کردہ غلط موقف کی وجہ سے اہل علم بزرگوں میں ایک طرح کی بے چینی پیدا ہوگئی، اور جواباً مہتمم دارالعلوم دیوبند حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب نور اللہ مرقدہ کی قابل ذکر کتاب ''شہید کربلا اور یزید'' سامنے آئی، لیکن چونکہ عباسی صاحب نے حضرت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو اس میں جادۂ مستقیم سے منحرف، اسلامی امارت کا باغی، معاذ اللہ ضدی اور بہت کچھ قرار دے کر ان کی تنقیص شان کی مذموم کاوش کی تھی، تو فطری طور سے جواب میں حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فسق یزید کو اپنی کتاب کا بنیادی محور بنالیا، اور پھر ہر طرح کی روایتوں سے اپنے حکیمانہ اور فلسفیانہ معروف انداز میں یزید کے فسق کو اہل سنت کا اجماعی عقیدہ قرار دیدیا۔ حالانکہ جس طرح عباسی صاحب کی کوشش مذموم تھی اسی طرح حضرت قاری صاحب نور اللہ مرقدہٗ بھی اپنی تمام تر نیک نیتی کے باعث اپنی کاوش میں محمود نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ ایک طرف بالکل افراط تھا تو دوسری طرف مکمل تفریط تھی۔

شہید کربلا اور یزید پر محدث اعظمیؒ کا تبصرہ

محدث کبیر حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب الاعظمی نور اللہ مرقدہٗ جنھیں دنیا ایک باوقار اور محتاط محقق کی حیثیت سے جانتی اور آپ کا غایت درجہ احترام بھی کرتی ہے، آپ کے سامنے جب حضرت قاری صاحبؒ کی یہ کتاب آئی تو از روئے تحقیق آپ کو کتاب کے مندرجات خصوصاً فسق یزید کو اہل سنت کا متفق علیہ عقیدہ قرار دیئے جانے سے سخت اختلاف ہوا اور آپ نے اس باب میں اپنی ذمہ داری محسوس فرما کر

اس پر ایک وقیع تبصرہ سپرد قلم فرمایا، جو حضرت کے وصال کے بعد ''تبصرہ بر شہید کربلا و یزید'' کے نام سے طبع ہو کر سامنے آیا۔ اس تبصرہ کے منظر عام پر آنے کے بعد جناب مولانا سید طاہر حسین صاحب گیاوی مدظلہ، کی ایک کتاب ''شہید کربلا اور کردار یزید'' کے نام سے منظر عام پر آ گئی، جسے مولانا اور انکے ہمنواؤں نے محدث کبیر حضرت اعظمی نور اللہ مرقدہ کے تبصرے کا علمی محاسبہ قرار دیا ہے، اس کتاب میں بھی جوڑ توڑ کے ذریعہ واہی تباہی روایتوں کو صحیح بنانے اور کرم خوردہ منجنیقوں کی مدد سے حضرت محدث کبیر رحمۃ اللہ علیہ کے قائم کردہ مضبوط قلعے کو ڈھانے کی ناکام کوشش کی گئی ہے۔ اسی طرح ریت کی دیوار کھڑی کر کے اپنے معتقدین کو یہ باور کرایا گیا ہے کہ ہم نے فسق یزید کا شاندار محل تعمیر کر دیا، لیکن ریت کی دیواریں اگر اپنا وجود برقرار رکھ سکتیں تو انکی ناپائیداری کی مثالیں دنیا بھر میں قابل قبول کیوں ہوتیں۔

مولانا نوری کا تبصرہ اور اس کا جواب

کردار یزید کے آغاز میں مولانا نوشاد نوری استاذ وقف دارالعلوم دیوبند تحریر فرماتے ہیں ''اس قضیہ سے متعلق اہل سنت والجماعت کے صحیح موقف کو اجاگر کرنے کے لئے جماعت دیوبند میں حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب دارالعلوم دیوبند سے بڑی شخصیت موجود نہیں تھی''۔ (کردار یزید ص ٦)

بصد ادب عرض ہے کہ فسق یزید کو اہل سنت کا متفقہ عقیدہ قرار دینے کی طرح یہ دعویٰ محض ذاتی اور یک طرفہ ہے، حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی نکتہ سنجی، سخن آفرینی، شیریں بیانی اور کسی بھی موضوع پر ساحرانہ خطابت کا ہنر بیشک قابل تسلیم ہے لیکن تحقیق کی دنیا الگ ہی طرح کی زمین رکھتی ہے۔

یہاں پگڑی اچھلتی ہے اسے خم خانہ کہتے ہیں

یہاں صرف پختہ دلیلیں چلتی ہیں، ٹھوس حوالوں کو قبول کیا جاتا ہے۔ اور معاف رکھا جائے کہ حضرت اقدس کا طبع نازک اس پر خار وادی کا متحمل نہیں، اس میدان کے شہسوار تو کچھ اور ہی صفات کے حامل ہوتے ہیں اور بلاشبہ اس میں حضرت والا کی کوئی تنقیص نہیں۔ ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است۔

مولانا نوشاد نوری قاسمی تحریر فرماتے ہیں ''ناقابل تردید تاریخی حوالوں سے نیز اکابر اہل سنت والجماعت کی تحریروں کی روشنی میں فسق یزید کے مسئلہ تک مباحث کتاب کو محدود رکھا گیا۔ (کردار یزید ص ٦)

گستاخی معاف لیکن کتاب کے اندر کی فراہم کردہ دلیلیں واقعۃً اگر دعویٰ سے میل کھاتیں تو ہمیں بھی ان سے اتفاق کرنے میں بشاشت و فرحت محسوس ہوتی، ناقابل تردید سے مراد حوالوں کا درست نقل کرنا ہے تو ہمیں کوئی اشکال نہیں لیکن اگر اس سے منقولہ مضامین کا پختہ اور ناقابل تردید ہونا مقصود ہے، تو ہمیں اس سے ذرہ بھر بھی اتفاق نہیں، کیونکہ یہ روایتیں صحت کے معیار پر پوری تو کیا اترتیں اپنے رافضی اور شیعہ راویوں کی وجہ سے کوڑے دان کے قابل ہی لگتی ہیں۔

مولانا نوری فرماتے ہیں ''انھوں نے کتاب کے آخر میں خلاصۂ مباحث لکھا ہے اور یزید کے فسق کو بلا دلیل گردانا ہے، ساتھ ہی یہ بھی تسلیم کیا ہے کہ فسق یزید متفق علیہ مسئلہ نہیں ہے، بلکہ یزید کو فاسق ماننے والے اور نہ ماننے والے دونوں ہی اہل سنت والجماعت کا حصہ ہیں، اگر بات وہی ہے جو حضرت محدث اعظمی فرما رہے ہیں تو حضرت کو چاہیئے تھا

کہ انصاف کے ساتھ دونوں طرح کی روایتیں جمع کرتے اور اپنی گفتگو
میں حد اعتدال پر قائم رہتے تا کہ اس مسئلہ میں اہل سنت والجماعت کا
نقطۂ نظر مکمل واضح ہوتا اور یہ معلوم ہوسکتا کہ اہل سنت والجماعت میں
دونقطۂ نظر پائے جاتے ہیں فسق یزید کی تردید اور اس پر دلالت کرنے
والی تمام روایتوں کو یکسر مسترد نہیں کرنا چاہیے''۔(کردار یزید ص ۷)

ہمیں اس تحریر پر جو حیرت ہے اس کے لئے ہم اتنا ہی کہہ سکتے ہیں

ع حیراں ہیں سر کو پیٹیں کہ روئیں جگر کو ہم

(مصرع میں اس معمولی تغیر کیلئے ہمیں معاف رکھا جائے۔عطا) فسق یزید کا دعویٰ حضرت اقدس قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے پیش کیا گیا تھا، اور اس کی دلیلیں حضرت محدث کبیر رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس معیار سے بہت فروتر تھیں جسکی بنیاد پر پیش کردہ دعوے کو متفق علیہ عقیدے کے طور پر قبول کر لیا جائے، بنا بریں حضرت نے تبصرہ رقم فرمایا اور دلیلوں کی خامیاں اجاگر فرمائیں، دعویٰ حضرت مہتمم صاحب کی طرف سے تھا تو ان کے حامیوں پر لازم تھا کہ صحیح، واضح اور غیر مجروح دلیلیں بھی وہی فراہم کرتے، ایک مسلمان کی طرف صریح گناہ کبیرہ کا انتساب کیا جائے، اسے فاسق ماننے کو اہل سنت کا متفقہ عقیدہ قرار دیا جائے، اور ناقابل تردید ثبوت کی فراہمی سے پلہ جھاڑ لیا جائے اور کوئی خیر خواہ اس پر متوجہ کرے تو یہ کہا جائے کہ آپ ہی کو چاہیے تھا کہ انصاف کے ساتھ دونوں طرح کی روایتیں جمع کریں اور اپنی گفتگو میں حد اعتدال پر قائم رہیں، آپ کو ''فسق یزید کی تردید اور اس پر دلالت کرنے والی تمام روایتوں کو یکسر مسترد نہیں کرنا چاہیے''۔مولانا نوری صاحب ہی ارشاد فرمائیں کہ ان کا یہ نظریہ دنیا کی کوئی عدالت قبول کرے گی؟

مولانا فرماتے ہیں فسق یزید پر دلالت کرنے والی تمام روایتوں کو یکسر مسترد نہیں کرنا چاہیے! تو کیا معنوی طور پر مولانا فریق مقابل سے یہ نہیں فرما رہے ہیں کہ آپ کو ہماری پیش کردہ کچھ دلیلوں سے چشم پوشی اختیار کرنی چاہیے، اور انھیں برقرار رہنے دینا چاہیے تا کہ ہم بھی دنیا کو دکھا سکیں کہ ہمارا موقف بالکل بے بنیاد نہیں ہے، اور ہم بھی اپنے نظریئے کے اثبات کے لئے دلیلیں رکھتے ہیں، تو مولانا کو کسی نے روکا تو نہیں ہے، ہم بھی منتظر ہیں کہ کوئی صاحب ہمت تاریخ کے اوراق میں سر کھپائے۔ غیر شیعی ثقہ راویوں کی ایسی روایت پیش کرے، جو قائم کردہ اصولوں کی بنیاد پر صحیح روایتوں کی صف میں جگہ پانے کے قابل ہو، پھر اس سے اپنا مدعا ثابت کرے، یقین مانیں ہمیں حقیقت قبول کرنے میں کوئی تأمل نہ ہوگا۔لیکن مخدوش و مجروح راویوں کی روایتوں کا پہاڑ کھڑا کر کے ہم سے کہا جائے، کہ ہم نے تو اپنا دعویٰ ثابت کر دیا پھر انھیں قبول کرنے پر اصرار کیا جائے، تو شاید معتقدین و مریدین کی جماعت اس سے متأثر ہو جائے۔ہم کسی مسلمان پر گناہ کبیرہ کا الزام ڈالنے کے باب میں یہ کھوٹے سکے قبول کرنے سے خود کو معذور پاتے ہیں۔

مولانا محمد نوشاد نوری صاحب فرماتے ہیں ''انھوں نے اس مسئلہ میں اہل سنت والجماعت کے ''حقیقی موقف'' کا جائزہ لیا ہے اور اس شان کی تحقیق پیش کی ہے کہ منصف انسان اسے قبول کئے بغیر نہیں رہ سکتا، تاریخی روایتوں میں ردوقدح کا انداز خالص علمی ہے، اس کتاب کا حقیقی موضوع صرف فسق یزید اور اس سے متعلقہ مباحث ہیں، مولانا نے روایتوں کے رفض وقبول میں جانبداری سے گریز کیا ہے اور بہت حد تک اعتدال کا دامن تھام رکھا ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ حضرت حکیم الاسلامؒ

نے شہید کربلا اور یزید میں اہل سنت والجماعت کا جو موقف لکھا ہے وہی صحیح ہے اور اسی پر اعتماد کرنا چاہیے''۔ (کردار یزید ص ۷)

پھر عرض ہے کہ معاف فرمایئے! جب مجھ جیسے طالب علم کا ذہن اس کے مشمولات سے مطمئن نہیں ہو رہا، اور ان سے اختلاف رکھنے پر مجبور ہو رہا ہے، تو انصاف پسند وسیع النظر اہل علم اسے خاک قبول فرمائیں گے؟ جہاں تک روایتوں کے رفض وقبول میں جانبداری سے گریز اور بہت حد تک دامن اعتدال تھامنے کا سوال ہے، تو صرف اتنا عرض کرونگا کہ کسی غیر جانبدار، منصف مزاج اہل علم کے سامنے تینوں کتابیں، شہید کربلا اور یزید، تبصرہ، اور کردار یزید رکھدی جائیں اور ان سے بے لاگ تبصرے کی گذارش کی جائے، حقیقت خود بخود سامنے آجائیگی۔

مولانا فرماتے ہیں کہ شہید کربلا اور یزید میں اہل سنت کا انکا پیش کردہ موقف ہی صحیح ہے تو مولانا کو اس کے ثبوت میں عقائد کی کتابوں کے ٹھوس حوالے دینے چاہئیں۔ صرف چند تاریخی حوالوں اور چند مجمل حدیثوں سے گو وہ صحیح کیوں نہ ہوں اپنے مدعا کے اثبات کو حرف آخر سمجھ لینا کس زمرے میں آتا ہے مولانا بھی اس سے بے خبر نہ ہونگے؟

مولانا لکھتے ہیں۔ ''یہ اعلیٰ درجے کی جرأت ہے کہ مولانا اعظمی اس مسئلہ میں اہل سنت والجماعت کے دو نقطہائے نظر تسلیم کریں اور ناشر صاحب دوسرے نظریئے کو لغزش، حد اعتدال سے خارج، بلکہ سرے سے مسترد کر دیں''۔ (کردار یزید ص ۸)

میرے سامنے تبصرہ کا نسخہ ہے عرض ناشر کی سطریں بھی میرے پیش نظر ہیں۔

محترم ناشر صاحب فرماتے ہیں ''یزید کے فاسق وفاجر ہونے کا جیسا کہ حضرت محدث الاعظمی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب سے معلوم ہو جائے گا، کوئی تاریخی وتحقیقی ثبوت نہیں ہے اس صورت میں اس کو فاسق وفاجر سمجھنا یا لکھنا اسلامی تعلیم کی رو سے انتہائی سنگین اور خطرناک بات ہے''۔ (تبصرہ ص ۶)

محترم مولانا نوری صاحب فرمائیں! کہ ان سطور میں کہاں کسی نظریئے کو لغزش، حد اعتدال سے خارج قرار دیا گیا ہے یا سرے سے مسترد کیا گیا ہے، یہاں تو صرف یہ بات کہی گئی ہے کہ یزید کے فاسق وفاجر ہونے کا کوئی تاریخی وتحقیقی ثبوت نہیں ہے، اگر انکے علم میں کوئی حتمی تاریخی اور تحقیقی ثبوت ہو تو پہلی فرصت میں اسے منظر عام پر لائیں تاکہ علمائے اہل سنت کے درمیان کا یہ اختلاف دور تو ہو۔ اور اس کا سارا ثواب انکے نامۂ اعمال میں جائے۔ محترم! یہ اختلاف تو ہے ہی اسی وجہ سے کہ تاریخ کا ذخیرہ ناقدین اور محدثین کے قائم کردہ اصولوں کی روشنی میں معیاری روایتوں سے خالی ہے۔ روایتیں بہت ہیں لیکن اکثر غیر معیاری، اب کچھ علماء انھیں غیر معیاری روایتوں کو بے تکلف قبول فرما لیتے ہیں، اور محتاط علماء ان بیمار روایتوں کی وجہ سے کسی مسلمان پر فسق کا شرعی حکم لگانے سے اجتناب فرماتے ہیں۔ اب اگر کوئی مُصر ہے تو اسے محتاط علماء پر الزام قائم کرنے سے پہلے پیش کئے جانے والے اپنے کھوٹے سکوں کی اچھی طرح جانچ کر لینی چاہئے، پھر بازار کا رخ کرنا چاہئے، محترم ناشر نے یہ بھی عرض کیا تھا کہ ''یہ دونوں رسالے اس خیال سے پیش کئے جا رہے ہیں کہ واقعۂ کربلا اور یزید کے سلسلے میں جذبات سے الگ ہٹ کر تاریخی بیان اور تحقیقی روایات کی روشنی میں، عدل وانصاف کی نظر سے غور وفکر کیا جائے اور ہمارے افکار وخیالات اور موقف میں عام طور سے جو بے اعتدالی اور افراط وتفریط پائی جاتی

ہے اسکی اصلاح کی جائے''۔ (تبصرہ ص۹)

اسی کے ساتھ اسی سے متصل یہ بھی سپرد قلم فرمایا تھا کہ ''اس کتاب کی اشاعت سے ہمارا مقصد حضرت قاری صاحب یا حضرت مولانا قاضی اطہر صاحب میں سے کسی کی ذات کو ہدف تنقید یا نشانۂ طنز وتعریض بنانا نہیں ہے حاشا وکلا۔ یہ سب لوگ ہمارے بڑے بزرگ اور محترم تھے ہمارے دلوں میں ان سب حضرات کی غیر معمولی عزت اور قدر ومنزلت ہے، اور اسکی ہم دوسروں سے بھی پرزور گذارش کرتے ہیں۔ ہمارا مقصد ایک نہایت اہم اور معرکۃ الآراء مسئلے کی تحقیق اور اس سے متعلق معتدل اور متوازن موقف کو پیش کر دینا ہے۔ جو تاریخی روایات کے لحاظ سے بھی ایک درست اور صحیح موقف ہے، اور روح اسلام کے موافق اور اس سے ہم آہنگ بھی ہے۔

(تبصرہ ص۹)

محترم جناب مولانا نوری صاحب! پیش کردہ سطور پڑھیں اور دیکھیں کہ مؤلف تبصرہ اور ناشر کا مقصود اصلی کیا ہے؟ کیا وہ نہیں چاہتے کہ مخدوش وقابل ترک روایتوں کو پس پشت ڈال کر صحیح روایتوں کی روشنی میں اس مسئلے کی تنقیح وتوضیح ہو؟ کیا حضرت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ، کی محبت کا یہی تقاضا ہے، کہ ان کی وجہ سے کسی پر بھی بے بنیاد الزام عائد کر دیا جائے؟ میں سمجھتا ہوں کہ اگر حضرت سیدنا حسینؓ بھی تشریف لے آئیں تو ان کا عظیم المرتبت مقام اور بلندترین منصب انھیں ایسا کرنے کی اجازت نہیں دے گا، کہ ان کے نام پر کسی بے قصور یا مولانا کی رعایت سے عرض کروں کہ کسی مشکوک شخص پر صرف الزام عائد کر کے ہی اسے مجرم مان کر پابند سلاسل کر دیا جائے۔ پھر بڑی دلسوزی سے یہاں مجھے اپنا یہ درد پیش کرنا ہے کہ بزم علم کی رونق ہی اختلافات کے دم سے ہے۔ اختلاف کہاں نہیں ہے؟ کیا حضرت سیدنا امام

اعظم علیہ الرحمۃ اور ان کے قابل قدر شاگردوں میں یہ اختلاف نہیں پایا جاتا؟ قدم قدم پر شاگردوں کے اپنے استاذ محترم کی تحقیق سے غیر متفق ہونیکی روایات سے، فقہ حنفی کی کتابیں بھری پڑی ہیں، لیکن کوئی باریک بیں محقق ایک واقعہ بھی پیش کر سکتا ہے کہ انھوں نے اپنے عظیم استاذ کی شان میں ادنیٰ گستاخی بھی روا رکھی ہو؟ حضرت حکیم الاسلامؒ اور حضرت محدث کبیر علیہما الرحمۃ والرضوان معاصر ہیں، اور معاصرت میں چشمک عام بات ہے، لیکن کیا کوئی حضرت محدث کبیر رحمۃ اللہ علیہ کی تحریروں سے حضرت حکیم الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کی ذاتی تنقیص دکھا سکتا ہے؟ لیکن مولانا نوری صاحب جو مولانا طاہر صاحب گیاوی کی کتاب کا وقیع انداز میں تعارف کراتے ہیں تو کیا ان کو اندرونی صفحات میں گیاوی صاحب کا بھونڈا پن دکھائی نہیں دیتا؟ اپنی بات کہنے کا حق سب کو ہے، لیکن جواب میں بدتمیزی کی جھلک، وہ بھی عالم اسلام کی مانی ہوئی محترم شخصیت کے حضور، جبکہ گیاوی صاحب ان کے شاگردوں کے شاگردوں کے درجے میں ہیں، ان کی نظر میں کیا یہی اسلامی اخلاق اور تہذیب کا نمونہ ہے؟ اور کیا انکی نگاہوں میں اسی کا نام غیر جانبداری ہے؟ سچ ہے، برتن سے وہی ٹپکتا ہے جو اس میں ہوتا ہے۔

آپ اپنا ہی ذرا طرز تکلم دیکھیں
ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہوگی

علامہ گیاوی صاحب کا مقدمہ اور اس کا جواب

خطبۂ مسنونہ کے بعد محترم مولانا سید طاہر حسین صاحب گیاوی تحریر فرماتے ہیں۔

''محدث جلیل حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی رحمۃ اللہ علیہ کوئی غیر معروف عالم نہیں ہیں، وہ ایک معروف عالم اور جلیل القدر محدث کی

حیثیت سے علمی حلقوں میں جانے پہچانے جاتے ہیں انھوں نے سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی معروف کتاب شہید کربلا و یزید پر ایک تبصرہ لکھا ہے، جو ان کے علم و فضل سے بہت فروتر ہے اور اہل سنت والجماعت کے موقف سے بھی منحرف ہے، حیرت ہے کہ مولانا مرحوم نے کیسے یہ تبصرہ لکھا، اور اگر انھوں نے لکھ ہی دیا تھا، تو ان کے وارثین نے، اور مکتبہ ابوالمأثر مرقاۃ العلوم مئو نے اسکو زیور طبع سے آراستہ کیونکر کر دیا، جب کہ ان کا یہ تبصرہ تمام اہل علم اور اکابر اہل سنت کے نزدیک غلط ہے، ولی اللہی جماعت اس تبصرہ کو رد کرتی ہے اور اہل سنت والجماعت اس کی مخالفت پر متفق اللسان نظر آتے ہیں''۔ (کردار یزید ص۱۰)

ابتدا ہی میں مولانا نے کئی دعوے کر دیئے ہیں۔

(۱) حضرت محدث اعظمی کا تبصرہ ان کے علم وفضل سے بہت فروتر ہے۔

(۲) یہ تبصرہ اہل سنت والجماعت کے موقف سے منحرف ہے

(۳) اہل سنت والجماعت اس کی مخالفت پر متفق اللسان نظر آتے ہیں۔

پہلے دعوے کے متعلق عرض ہے کہ محدث کبیر علیہ الرحمۃ کی علمی ذمہ داری یہ تھی کہ خلاف تحقیق کوئی تحریر یا تقریر ان کے سامنے آئے اور اس سے غلط فہمیوں پر جمنے یا مزید غلط فہمیاں پھیلنے کا امکان ہو تو صاحب تحریر خواہ کوئی بھی کیوں نہ ہو، کسی شخصیت کی پرواہ کئے بغیر اس کی طرف سے پھیلنے والی غلط فہمیوں کا تحقیق کی روشنی میں ازالہ فرمائیں۔ چاہے یہ تحقیق کسی کو پسند آئے یا نہ آئے، اور بلاشبہ حضرت علیہ الرحمۃ نے بلاخوف لومۃ لائم یہ ذمہ داری پوری فرمائی، جہاں تک حضرت کے وارثین کی طرف

سے اس کی طباعت واشاعت کا مسئلہ ہے، تو حضرت نے یہ کتاب طاق نسیاں کی زینت یا دیمکوں کی خوراک بنانے کیلئے تو ہرگز نہیں لکھی تھی، شاید مولانا یہ کہنا چاہتے ہیں کہ کم از کم حضرت کے وارثین اور مکتبہ ابوالمأثر کے ذمہ داروں کو مصلحت کوشی کی آڑ میں حق پوشی کی فنکاری دکھانی چاہئے تھی، لیکن شاید مولانا کو معلوم نہیں کہ یہ مرد درویش اگر زمانہ شناسی اور زمانہ سازی کی راہ پر چلنا چاہتا تو اپنے قدموں میں زریں ٹھیکروں کے انبار جمع کر لیتا۔ لیکن حق گوئی اور حق روی، جو اسکی شناخت بن چکی تھی یہ مرد حق آگاہ پوری استقامت کے ساتھ اس پر زندگی کی آخری سانس تک ڈٹا اور جما رہا۔

(۲) مولانا گیاوی صاحب کے دوسرے دعوے سے بھی ہمیں بالکل اتفاق نہیں ہے کیونکہ علمائے اہل سنت کا موقف وہ ہرگز نہیں ہے جسے مولانا نے اپنی کتاب میں دکھانا چاہا ہے، حضرت محدث اعظمی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت قاری صاحب علیہ الرحمۃ کے تسامحات کی نشاندہی فرمائی تھی کہ ''ان (حضرت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ) کے کربلائی اقدام کو طلب خلافت پر محمول کرنا خلافت کی حقیقت اور اس کی تاریخ سے ناواقفی یا بے ذوقی کی دلیل ہے''۔ (شہید کربلا اور یزید ص۹۴) اگر حضرت قاری صاحبؒ کے فرمان کے موافق یہی سچائی ہے، تو مورخین اہل سنت نے سفر کربلا پر طلب امارۃ کا عنوان کیوں چسپاں کیا؟ یہ حضرات کیا اہل سنت نہیں تھے؟ یا خلافت کی حقیقت سے ناواقف اور بے ذوق تھے؟ محترم مولانا طاہر حسین صاحب نے بھی اپنے خیال کو تمام اہل سنت کا عقیدہ قرار دے کر حضرت اعظمی علیہ الرحمہ کے تبصرے کے تمام اہل علم اور اکابر اہل سنت کے نزدیک غلط ہونے کا دعویٰ ہی غلط کیا ہے، جس سے ہم تو کیا کوئی بھی انصاف پسند ذی علم اتفاق نہیں کرے گا۔

مولانا کا تیسرا دعویٰ یہ تھا کہ ولی اللہی جماعت اس تبصرے کو رد کرتی ہے

اوراہل سنت والجماعت اس کی مخالفت پر متفق اللسان نظر آتے ہیں۔

میں سمجھتا ہوں محترم مولانا نے خواب دیکھا ہوگا، یا کسی چہار دیواری کے باشندگان کو اہل سنت والجماعت سمجھ لیا ہوگا۔ ورنہ زمینی حقیقت تو کچھ اور ہی کہتی نظر آتی ہے۔ انٹرنیٹ پر دارالافتاء دارالعلوم دیوبند سے سوال کیا گیا۔

دارالعلوم دیوبند کا فتویٰ

میرا سوال تاریخ کے حوالے سے ہے کیا اہل سنت والجماعت کی کوئی کربلا کی معتبر تاریخ ہے اگر ہے تو اس تاریخ کی کتاب کا نام اور اس کے مصنف کا نام بتائیں۔

جواب نمبر ۱۶۶۱۲۵ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کربلا کی تاریخ کے تعلق سے اہل سنت والجماعت کی بہت سی کتابیں ہیں چند کتابوں کے نام لکھے جاتے ہیں۔

(۱) شہید کربلا، مصنف مفتی شفیع صاحب سابق مفتی اعظم پاکستان

(۲) تبصرہ بر شہید کربلا اور یزید مصنف محدث کبیر مفتی حبیب الرحمٰن اعظمی

(۳) شہید کربلا اور یزید، مصنف حکیم الاسلام مولانا قاری طیب صاحب

انصاف سے بتایا جائے کہ جو جماعت تبصرے کو رد کردے کیا کبھی اس کے مطالعے کا مشورہ دے سکتی ہے؟ نہیں اور ہرگز نہیں، مطالعے کا مشورہ ہی اس بات کی دلیل ہے کہ اس کے نزدیک یہ تبصرہ قابل مطالعہ ہے مردود نہیں، اب ہمارے مناظر اسلام دارالعلوم دیوبند ہی کو ولی اللہی جماعت سے خارج کرنے کا ذہن بنالیں تو اور بات ہے۔

دوسرا فتویٰ

ایک فتویٰ اور ملاحظہ ہو۔

جواب نمبر ۳۸۳۸۹ B=6/1433/810-985

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یزید صحابی نہ تھے بلکہ صحابی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بارگاہ نبوی کے امین، کاتب وحی کے لڑکے تھے، یعنی تابعی تھے، حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کے خاص شاگرد تھے، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بعد یزید خلیفہ ہوئے تھے، قسطنطنیہ کی جنگ میں شریک ہوئے تھے، اس جنگ میں شریک ہونے والوں کے لئے مغفور لہم بخشے بخشائے ہونے کی خوشخبری دی ہے۔ شیعوں نے ان کیخلاف بہت زیادہ پروپیگنڈے کئے ہیں، انھیں فاسق وفاجر اور قاتل حسین تک کہتے ہیں حالانکہ صحیح اور راجح روایت سے تو ان کا فسق وفجور ثابت نہیں ہمیں خاموش رہنا چاہیے۔

واللہ تعالیٰ اعلم دارالافتاء دارالعلوم دیوبند

حضرت محدث اعظمی رحمۃ اللہ علیہ نے مضبوط ترین قرینوں اور دلیلوں کی روشنی میں اہل علم کو بنظر انصاف غور وفکر کی دعوت دی، تو محترم مولانا گیاوی صاحب نے اپنی اوقات بھول کر انہیں یزیدی حمایت کا سرگرم اہل علم، مغرور، متکبر اور نہ جانے کیا کیا کہہ دیا۔ دارالعلوم کا مذکورہ فتویٰ تو نہ صرف یزید کے ثبوت فسق وقتل حسین رضی اللہ عنہ پر ہی سوالیہ نشان کھڑا کرتا ہے بلکہ اس کے لئے احترام کے تعظیمی الفاظ بھی استعمال کرتا ہے دیکھیں اپنے مزعومہ کی مخالفت پر دارالعلوم کیلئے مولانا کی زنبیل سے کیا کیا برآمد ہوتا ہے؟ خدا خیر کرے۔

جواب ۵۷۰۵۱ FATWA ID:ISI-130 D=2/1436- 4

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ہمیں اس کی تحقیق نہیں یہ کوئی فقہی مسئلہ نہیں ہے جس سے کوئی عقیدہ وعمل

متعلق ہو یا آخرت میں اس کا سوال ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم دارالافتاء دارالعلوم دیوبند

مولانا فرمارہے تھے فسق یزید اہل سنت کا متفق علیہ عقیدہ ہے اور یہاں دارالعلوم دیوبند کا دارالافتاء واضح کررہا ہے اس سے کوئی عقیدہ وعمل متعلق ہی نہیں ہے۔

مزید فتاویٰ

ایک فتویٰ یہ بھی دیکھ لیجئے۔

سوال: کیا یہ سچ ہے کہ یزید کے حوالے سے بانی دارالعلوم دیوبند مولانا قاسم نانوتوی، مفتی رشید احمد گنگوہی اور کئی اکابرین کا موقف انتہائی سخت تھا، جیسا کہ قاضی اطہر مبارک پوری نے اپنی کتاب ''علی وحسین'' میں لکھا ہے بعض نے اسے پلید بھی لکھا ہے اگر یہ سچ ہے تو آپ نے یزید کیلئے رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ کیوں استعمال کئے ہیں۔

جواب FATWA ID: 543/ 438/D=5/1436-4

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اکابر کا موقف اس سلسلہ میں سکوت کا ہے، توضیح کے لئے امداد الفتاویٰ ۵/۴۲۶ کا مطالعہ فرمائیں جس کی آخری سطروں سے پہلے یہ جملے بھی ہیں، پس توسط اس میں ہے کہ اس کے اعمال کو مفوض بعلم الٰہی کرے اور خود اپنی زبان سے کچھ نہ کہے لان فیہ خطر۔ اور اگر کوئی اس کی نسبت کچھ کہے تو اس سے کچھ تعرض نہ کرے۔

واللہ تعالیٰ اعلم دارالافتاء دارالعلوم دیوبند

فتاویٰ رشیدیہ میں ہے ''یزید اول صالح تھا بعد خلافت کے خراب ہوا تھا''۔

(فتاویٰ رشیدیہ ص ۱۸۱)

فتویٰ ۸۵۴۶۱ ۲۰۱۵/۳/۲۲

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم:۔ فتاویٰ محمودیہ میں ہے: یزید کے متعلق امام ابوحنیفہؒ

فرماتے ہیں کہ سکوت اور توقف کرنا چاہئے نہ اس کو کافر کہا جائے نہ اس پر لعنت کی جائے، بلکہ اس کے امر کو خدا تعالیٰ کے حوالہ کردینا چاہئے جن علماء کو تحقیق سے ثابت ہے کہ یزید بن معاویہ میں کفریہ افعال موجود ہیں وہ لعن یزید اور تکفیر کو جائز قرار دیتے ہیں، پس حنفی کو اس بارے میں توقف کرنا چاہئے، اور تکفیر منع ہے تاہم اگر لعنت اور تکفیر کرے گا تب بھی دائرۂ اسلام سے خارج نہ ہوگا۔ کیونکہ امام احمد بن حنبل اور علامہ کیا ہراسی شافعی سے تکفیر منقول ہے، لیکن امام غزالی، اور دوسرے علمائے شافعیہ اور اکثر احناف نے تصریح کی ہے کہ اس کی تکفیر اور اس پر لعنت کرنا منع ہے پس سکوت چاہئے واجب کسی نے نہیں کہا۔

فقط واللہ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور

الجواب صحیح سعید احمد غفرلہ الجواب صحیح عبداللطیف مظاہر علوم

(فتاویٰ محمودیہ ج ۶ ص ۴۸)

اس قدر اختلاف صرف اس لئے دکھائی دے رہا ہے کہ ان فتووں کا مدار اطلاع پر ہے، جس کو یزید کے خلاف روایت ملی تو جس درجہ کی روایت ملی اسی لحاظ سے اس کا ذہن بنا، جس نے روایتوں کو پرکھا اور ان پر انھیں شک ہوا انھوں نے تکفیر و تفسیق سے کنارہ کشی اختیار کرلی، لیکن دراصل یہ ساری کہانی تقیہ باز رافضیوں کی تیار کی ہوئی ہے، جس کا بنیادی محور ابتدائی دور میں انہوں نے ایجاباً حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت سیدنا حسین ابن علی رضی اللہ عنہ، اور سلباً حضرت سیدنا معاویہ بن سفیان اور ان کے صاحبزادے یزید بن معاویہ کو بنایا ہوا ہے، اسی سازش کے تحت جعلی حدیثیں اور جعلی روایتیں گھڑی گئیں، یا ثقہ راویوں میں گھس پیٹھ کر کے روایتوں میں

ایسا جزئیہ داخل کیا گیا، جس میں حضرت معاویہ ویزید کی تنقیص کی طرف واضح اشارہ پایا جائے، جن ناقدین نے ان کی ظاہری دینداری کو دیکھا وہ ان کی روایتوں پر اعتماد کر کے اپنی آراء کا اظہار فرماتے گئے، اور جنہوں نے صرف ظاہری دینداری نہیں دیکھی بلکہ بطور خود ان روایتوں کا تجزیہ کیا وہ تکفیر وتفسیق سے اپنا دامن بچا گئے اور ہر حال میں خود کو آخرت کے خطروں سے محفوظ رکھنے کا یہی مامون راستہ ہے۔

مزید ملاحظہ فرمائیے۔

یزید جنتی ہے

سوال: میرا سوال یہ ہے کہ یزید بن معاویہ کو رضی اللہ عنہ کہہ سکتے ہیں یا نہیں، اس کے بارے میں کیا عقیدہ ہونا چاہیے، ان کو امیر المؤمنین کہنا کیسا ہے؟

جواب:FATWA:ID: 503 499/B=6/1436-4

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یزید حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے تھے اس لئے وہ تابعی تھے، ان کے لئے رحمہ اللہ کہنا چاہئے کیونکہ رضی اللہ عنہ کو صحابۂ کرام کے ساتھ خاص کر دیا گیا ہے۔ حضرت امیر معاویہ کے بعد بے شک وہ امیر المومنین بنائے گئے تھے۔ ان کے ہاتھ پر بیعت عامہ ہوئی صحابہ وتابعین نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی تھی، خلفائے راشدین کے بعد جتنے خلفاء ہوئے اگر چہ ان کی خلافت بالکل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ پر نہ تھی تاہم ان خلفاء کو امیر المؤمنین کہنا درست ہے ملا علی قاریؒ نے مرقات میں لکھا ہے ''ولا باس بان یسمی القائم بامور المسلمین امیر المؤمنین''۔ مرقات ج ۱۰/ص ۱۲۳ یزید کے بارے میں شیعوں نے فاسق وفاجر ہونے کا عقیدہ پھیلایا ہے، لیکن صحیح روایات سے ان کا فسق وفجور ثابت نہیں ہوتا، بلکہ

بخاری شریف کی روایت میں آیا ہے کہ جو لوگ قسطنطنیہ کی جنگ میں شریک ہونگے وہ جنتی ہیں، اور بلاشبہ یزید بھی اس جنگ میں شریک ہوئے تھے، بلکہ فوج کے ایک حصہ کے امیر تھے امام بخاری نے اس کی تصریح کی ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم دارالافتاء دارالعلوم دیوبند ماخذ دارالافتاء

فتویٰ ۵۸۶۴۲ تاریخ اجراء ۸/اپریل ۲۰۱۵ء

یزید کی شراب نوشی ثابت نہیں ہے

عالم اسلام کی مقتدر شخصیت حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم کا ارشاد ہے ''یزید کا شراب پینا یا زنا کرنا کسی بھی قابل اعتماد روایت سے ثابت نہیں ہے زنا کی روایت میں نے کسی بھی تاریخ میں نہیں دیکھی قمی نے جو شیعہ راوی ہے، یزید کا شراب پینا وغیرہ بیان کیا ہے لیکن کسی مستند روایت میں اس کا ذکر نہیں اگر یزید کھلم کھلا شرابی ہوتا تو حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی اتنی بڑی جماعت اس کے ساتھ قسطنطنیہ کے جہاد میں نہ جاتی، اس دور کے حالات کو دیکھ کر ظن غالب یہی ہے کہ یزید کم از کم حضرت معاویہؓ کے عہد میں شراب نہیں پیتا تھا، اور حد شرعی اسی وقت قائم ہوسکتی ہے جب کہ دو گواہوں نے پیتے وقت دیکھا ہو ایسا کوئی واقعہ کسی شیعہ روایت میں بھی موجود نہیں ہے، یزید کے بارے میں صحیح بات وہی ہے جو میں لکھ چکا ہوں، قانون الٰہی کو بدلنے کا کوئی ثبوت کم از کم مجھے نہیں ملا یزید ایک سلطان متغلب تھا، شرعاً اس کا حکم یہ ہے کہ اگر وہ پورا کنٹرول حاصل کر چکا ہو تو اس کے خلاف خروج نہ کیا جائے گا، اور اس کا غلبہ روکنا ممکن ہو تو روکنے کی کوشش کی جائے، حضرت حسینؓ یہ سمجھتے تھے کہ اس کا غلبہ روکنا ممکن ہے اس لئے وہ روانہ ہوگئے اور دوسرے حضرات صحابہ کا خیال تھا اب اس کے غلبہ کو روکنا استطاعت میں نہیں، اور اس کو روکنے کی کوشش میں

خونریزی کا اندیشہ ہے اس لئے وہ خود بھی خاموش رہے اور حضرت حسینؓ کو بھی اپنے ارادے سے باز آنے کا مشورہ دیا، سر داد نداد دست در دست یزید۔ کوئی نقطۂ نظر نہیں ہے، حضرت حسینؓ شروع میں سمجھتے تھے کہ سلطان متغلب کا غلبہ روکنا ممکن ہے اس لئے روانہ ہوئے، اور اہل کوفہ پر اعتماد کیا، لیکن جب عبید اللہ بن زیاد کے لشکر سے مقابلہ ہوا تو کوفیوں کی بدعہدی کا اندازہ ہوا، اس وقت آپ کو یقین ہو گیا کہ اہل کوفہ نے بالکل غلط تصویر پیش کی تھی، حقیقت میں یزید کا غلبہ روکنا اب استطاعت میں نہیں ہے، اس لئے انھوں نے یزید کے پاس جا کر بیعت تک کا ارادہ ظاہر کیا، مگر عبید اللہ ابن زیاد نے انہیں غیر مشروط طور پر گرفتار کرنا چاہا اس میں انھیں مسلم بن عقیل کی طرح اپنے بے بس ہو کر شہید ہونیکا اندیشہ تھا، اس لئے انکے پاس مقابلہ کے سوا چارہ نہ رہا۔

(فتاویٰ عثمانی جلد اول فتوی ۲۲/۴۰۴/ص ۱۷۹ ج ۱)

اب جو مولانا سید طاہر حسین صاحب گیاوی مدظلہ بقلم خود تحریر فرماتے ہیں کہ

''ہماری کتاب کے اندر زیادہ حصے پر یزیدی کردار اور اسکے فاسق ہونے کے کارنامے بدلائل ذکر کئے گئے ہیں''۔ (کردار یزید ص ۱۱)

تو اس کی حقیقت کا اندازہ منقولہ فتووں سے ہی لگا لینا چاہئے۔

ع قیاس کن زگلستانِ من بہارِ مرا

علامہ گیاوی صاحب کا واقعۂ حرہ سے کتاب کا آغاز

محترم مولانا طاہر حسین صاحب نے اپنی کتاب کا آغاز واقعۂ حرہ سے متعلق بخاری شریف کی ایک حدیث سے فرمایا ہے، جس پر انھوں نے سرخی قائم کی ہے۔ ''یزید کی بیعت اور اہل مدینہ'' پھر خلاف ترتیب بحث شروع کرنے پر معذرت کا اظہار فرمایا ہے، پیش کردہ حدیث کا ترجمہ ہم انھیں کے الفاظ میں پیش کرتے ہیں۔

''جب اہل مدینہ نے یزید بن معاویہؓ کی بیعت توڑ دی تو حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے خاص لوگوں اور اپنے لڑکوں کو جمع فرمایا اور کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے وہ فرما رہے تھے، ہر غدار کے لئے قیامت کے دن ایک جھنڈا نصب کیا جائے گا، اور ہم نے اس شخص (یعنی یزید بن معاویہ) کے لئے اللہ اور رسول کے نام پر بیعت کی ہے، اور میں اس سے بڑی غداری نہیں جانتا کہ کسی شخص کے ہاتھ پر اللہ اور رسول کے نام پر بیعت کی جائے، اور پھر اسی کے خلاف جنگ وقتال بھی کیا جائے اس لئے میں تم میں سے کسی کے بارے میں نہیں جاننا چاہتا ہوں کہ اس شخص کی بیعت توڑے اور نہ یہ کہ اس معاملہ میں کسی کی بیعت کرے الا یہ کہ یہ بات میرے اور اس شخص کے علیحدگی کی باعث ہوگی''۔ (صحیح بخاری ص ۱۰۵۳ ج ۲ باب اذا قال عند قوم شیئاً ثم خرج فقال بخلافہ حدیث نمبر ۷۱۱۱/کردار یزید ص ۱۲)

فتح الباری کی انتہائی ضعیف روایت سے استدلال

پھر اسی حدیث کی شرح میں حافظ ابن حجر عسقلانی علیہ الرحمۃ کی طبری کی بیان کردہ روایت پیش کر کے اسی روایت سے یزید کی شراب نوشی پر استدلال کرتے ہیں۔ شرح کا ترجمہ مولانا ہی کے الفاظ میں اس طرح ہے۔

''میں ابن حجر کہتا ہوں کہ اس بیعت کو توڑنے کا سبب جو علامہ ابن جریر طبری نے مسنداً ذکر کیا ہے، یہ ہے کہ یزید بن معاویہ نے اپنے چچا زاد بھائی عثمان بن محمد بن ابی سفیان کو مدینہ کا امیر مقرر کیا تھا، اور اس نے اہل مدینہ کی ایک جماعت کو بطور وفد یزید کے پاس بھیجا، جس میں عبد اللہ بن

حنظلہ، اور عبداللہ بن ابی عمرو بن حفص مخزومی اور دوسرے لوگ بھی تھے، یزید نے انکا اعزاز واکرام کیا، اور انعامات سے نوازا، لیکن جب یہ لوگ لوٹ کر آئے تو انھوں نے یزید کا عیب بیان کیا، اور اس کو شرابی بتایا، اور اس کے علاوہ بھی اس کے عیوب بیان کئے''۔

(کردار یزید ص ۱۳ / فتح الباری ج ۱۳ / ص ۸۷ مطبوعہ المکتبۃ الاشرفیہ دیوبند)

مولانا محترم نے اپنی کتاب کا آغاز بخاری شریف کی حدیث سے اسی لئے فرمایا ہے کہ مولانا کو فتح الباری کی اس مردود السند روایت میں یزید کو بادہ نوش ثابت کرنے کیلئے چٹخارے دار مسالہ مل جائے، ورنہ یہی علامہ ابن حجر علیہ الرحمۃ طبری کی روایت کے متصلاً ابن ابی خیثمہ کی روایت بیان فرمارہے ہیں اور اس سند کو بقول خود جویریہ بن اسماء رحمۃ اللہ علیہا تک صحیح بھی بتارہے ہیں، حضرت جویریہ نے بھی اس روایت کو مدینہ کے بزرگوں سے سن کر بیان کیا ہے، لیکن چونکہ اس روایت میں اپنے مطلب کا مسالہ نہیں ہے اس لئے ہمارے مناظر اسلام نے اپنی مکمل توجہ دوسری روایت کی طرف مبذول رکھی ہے، بہرحال ابن ابی خیثمہ کی روایت دیکھ لیجئے۔

واخرج ابو بكر بن ابى خيثمة بسند صحيح الى جويرية بن اسماء سمعت اشياخ اهل المدينة يتحدثون ان معاوية لما احتضر دعا يزيد فقال له ان لك من اهل المدينة يوماً فان فعلوا فارمهم بمسلم بن عقبة فانى عرفت نصيحته فلما ولى يزيد وفد عليه عبد الله بن حنظلة وجماعة فاكرمهم واجازهم فرجع فحرض الناس على يزيد وعابه ودعاهم الى خلع يزيد فاجابوه فبلغ يزيد فجهز اليهم مسلم بن عقبة فاستقبلهم اهل المدينة بجموع كثيرة فها بهم اهل الشام وكرهوا قتالهم فلما نشب القتال سمعوا

فى جوف المدينة التكبير وذالك ان بنى حارثة ادخلوا قوماً من الشاميين من جانب الخندق فترك اهل المدينة القتال ودخلوا المدينة خوفاً على اهلهم فكانت الهزيمة وقتل من قتل وبايع مسلم الناس انهم خول ليزيد يحكم فى دمائهم واموالهم واهلهم بما شاء۔

(فتح الباری ج ۲۵ ص ۱۳۹ ۱۴۰ تحت حدیث ۷۱۱۱)

''جب یزید امیر بن گیا تو اس کے پاس عبداللہ بن حنظلۃ اور ایک جماعۃ کا وفد گیا، یزید نے ان کی عزت کی اور انھیں انعام دیا، ابن حنظلہ لوٹے تو انہوں نے لوگوں کو یزید کے خلاف ورغلایا، اس پر عیب لگایا اور انہیں یزید کی بیعت شکنی کی دعوت دی لوگوں نے اس کو مان لیا، یہ خبر یزید کو ملی تو اس نے مسلم بن عقبہ کو ایک لشکر کے ساتھ بھیجا، مدینہ والوں نے ایک بہت بڑے مجمع کے ساتھ ان کا سامنا کیا، شام والوں نے انھیں ڈرایا اور ان سے لڑنا ناپسند کیا، جب لڑائی چھڑ گئی تو لوگوں نے مدینہ کے اندر سے تکبیر کی آواز سنی، یہ اس طرح ہوا کہ بنو حارثہ نے خندق کی طرف سے شامی فوجوں کو اندر داخل کرلیا، تو مدینہ والوں نے لڑنا چھوڑ دیا اور گھر والوں کے اندیشہ سے مدینہ میں داخل ہو گئے تو انھیں شکست ہوگئی اور جس کو قتل ہونا تھا وہ مقتول ہوگیا، اور مسلم نے لوگوں سے اس شرط کے ساتھ بیعت لی کہ وہ یزید کے مکمل محکوم ہونگے اور وہ ان کی جان مال اہل و عیال کے ساتھ جو چاہے کرے گا''۔

اب دیکھئے! مولانا نے طبری کی روایت کو اپنا مستدل بنایا ہے جس میں یہ بیان ہے کہ فرجعوا فاظهروا عيبه ونسبوه الى شرب الخمر، وہ لوگ لوٹے تو انھوں نے یزید کا عیب بیان کیا اور اس کو شرابی بتایا، لیکن بقول ابن حجر ابن ابی خیثمہ والی صحیح

روایت میں ایسا کچھ بھی نہیں ہے، بلکہ یہ ہے کہ فرجع فحرض الناس علی یزید وعابہ ودعاھم الی خلع یزید ۔ابن حنظلہ واپس آئے تو انھوں نے لوگوں کو یزید کے خلاف ابھارا، اس پر عیب لگایا اور انھیں یزید کی بیعت توڑنے کی دعوت دی، طبری کی روایت کے مطابق واپس آنے والے حضرات یزید کو شرابی کہتے ہیں۔ جویریہ بن اسماء رحمہما اللہ کے بیان کے مطابق یہ کام صرف ابن حنظلہ کا ہے، طبری کی روایت میں یزید کی شراب نوشی کا تذکرہ ہے، ابن ابی خیثمہ کی صحیح روایت میں شراب نوشی کے ذکر کا کوئی اتہ پتہ نہیں ہے۔ پھر بھی مولانا مُصر ہیں ہم یزید کو شرابی بتا کر ہی چھوڑیں گے، اور انھوں نے اس ''عزم مصمم'' پر عمل درآمد کے لئے اپنی فنکاری کے جو جوہر دکھائے ہیں شاید آج کے عدالت کے وکلاء بھی بغلیں جھانکنے پر مجبور ہو جائیں۔ مولانا سید طاہر حسین صاحب مدظلہ نے اپنی کتاب میں درج کردہ فتح الباری کی روایت کے بارے میں خود لکھا ہے کہ اس میں ایک ''جلا بھنا شیعہ'' راوی لوط بن یحییٰ شامل ہے، جو غیر معتبر راوی ہے لیکن پھر اس روایت کو صحیح قرار دینے کے لئے مولانا زمین آسمان کے قلابے ملانے میں لگ گئے ہیں، اور انھوں نے اپنی کتاب میں ص ۱۳، ۱۴، ۱۵ پر یہ بحث پھیلائی ہے، پھر مولانا نے درمیان میں دوسری بحث داخل کر کے یزید کی شراب نوشی کی بحث ص ۱۹ر کے آخر سے شروع کر کے اسے ص ۳۶ر کے ابتدائی حصے تک دراز کیا ہے، فی الحال ہم مختصراً شیعی راوی کی پیش کردہ روایت کو صحیح قرار دینے کی بحث میں مولانا کے اہم نکتوں کو پیش کر کے ان کا جائزہ لیتے ہیں۔

ابومخنف راوی کا حال

لیکن زحمت فرما کر ذرا ٹھہر جایئے! اور بحث کے لئے ایں جناب (ابومخنف) لوط بن یحیی کو اچھی طرح پہچان لیجئے! مولانا طاہر صاحب

بقول ابن عدی اس کا اقرار تو کر ہی چکے ہیں کہ یہ شخص (۱) جلا بُھنا شیعہ ہے۔ (کردار یزید ص ۱۳)

(۲) امام ابوحاتم رازی متوفی ۲۷۷ھ نے اسے متروک الحدیث فرمایا ہے۔

(الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم ج ۷ر ص ۱۸۲)

(۳) امام یحیی ابن معین متوفی ۳۲۷ھ کے شاگرد عباس الدوری کہتے ہیں، سمعت یحییٰ یقول ابو مخنف وابو مریم وعمر و بن شمر لیسوا ھم بشئ قلت لیحیی ھم مثل عمر و بن شمر ؟ قال ھم شر من عمرو بن شمر میں نے یحیی بن معین کو فرماتے سنا کہ ابومخنف، ابومریم اور عمرو بن شمر کچھ بھی نہیں، میں (دوری) نے یحیی سے کہا کیا وہ عمرو بن شمر کی طرح ہیں فرمایا وہ عمرو بن شمر سے بھی برے ہیں۔

(تاریخ ابن معین بروایۃ الدوری ج ۳ر ص ۴۳۹)

ابن معین نے فرمایا ابو مخنف لیس بثقة، ابومخنف بھروسے کے لائق نہیں۔

(ایضاً ج ۳ر ص ۳۶۶)

مزید فرمایا وابو مخنف لیس بشئ، اور ابومخنف کچھ نہیں ہے۔

(تاریخ ابن معین ج ۳ر ص ۲۸۵)

امام یحیی ابن معین نے ابومخنف کو عمرو بن شمر سے بھی زیادہ برا بتایا ہے تو ذرا پہلے عمرو بن شمر کی حقیقت معلوم کر لیں ابومخنف کا پتہ چل جائے گا۔

(۱) امام جوزجانی نے فرمایا زائغ کذاب، گمراہ جھوٹا ہے۔

(۲) ابن حبان کہتے ہیں، رافضی یشتم الصحابة ویروی المو ضوعات عن الثقات

(۳) سلیمان رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں۔ کان یضع للروافض، رافضیوں کے لئے جعلی حدیثیں بناتا تھا۔ (لسان المیزان لابن حجر ج ۶ر ص ۲۱۰)

(۴)ابومخنف کے متعلق ابن عدی متوفی ۳۶۵ھ کہتے ہیں،شیعی محترق صاحب اخبارھم ،جھلا بھنا شیعہ اورانھیں کا راوی ہے۔(الکامل فی ضعفاءالرجال ج۷ص۲۴۱)

(۵)امام اسماعیل اصبہانی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۵۳۵ھ فرماتے ہیں۔فا ما ما رواہ ابو مخنف وغیرہ من الروافض فلا اعتماد بروایتھم ۔ابومخنف اوردوسرے رافضی جو بیان کریں توان کی روایتوں کا کوئی بھروسہ نہیں۔

(الحجۃ فی بیان المحجۃ ج۲ص۵۶۸)

(۶)امام دارقطنی متوفی ۳۵۸ھ فرماتے ہیں:لوط بن یحیی الکوفی ابو مخنف اخباری ضعیف ۔ (الضعفاءوالمتروکون ج۳ص۱۲۸)

(۷)ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۵۹۷ھ نے ایک روایت کے بارے میں کہا وفی حدیث ابن عباس ابو صالح الکلبی وابومخنف وکلھم کذابون۔

(الموضوعات لابن الجوزی ج۱ص۴۰۶)

ابن عباس کی حدیث میں ابوصالح،کلبی اورابومخنف ہیں اور یہ سب جھوٹے ہیں۔

(۸)ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۷۲۸ھ روافض کے علماء کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:وعلماء ھم یعتمدون علی نقل مثل ابی مخنف لوط بن یحیی وھشام بن محمد بن السائب وامثالھما من المعروفین بالکذب عند اھل العلم ۔ اوران کے علماء ابومخنف اور ہشام بن محمد ابن سائب کلبی اوران جیسوں کی روایت پر اعتماد کرتے ہیں جن کا جھوٹا ہونا اہل علم کے نزدیک معروف ہے۔

(منہاج السنۃ ج۱ص۵۸)

دوسری جگہ علامہ صحابۂ کرام پر رافضیوں کے طعن کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:واکثر المنقول من المطاعن الصریحۃ ھو من ھذا الباب یرویھا

الکذابون المعروفون بالکذب مثل ابی مخنف لوط بن یحیی و مثل ھشام بن محمد بن السائب الکلبی وامثالھما من الکذابین۔

زیادہ تراس باب کے صریح منقول مطاعن وہ ہیں جنھیں جھوٹ میں مشہور جھوٹے راوی بیان کرتے ہیں جیسے ابومخنف لوط بن یحیی ،اورمثلاً ہشام بن محمد بن سائب کلبی اوران دونوں کی طرح کے جھوٹے راوی۔ (ایضاً ج۱ص۸۱)

(۹)امام ذہبی متوفی ۷۴۸ھ نے فرمایا: لوط بن یحیی ابو مخنف اخباری تالف لا یوثق بہ ۔لوط بن یحیی تاریخ بیان کرنے والامتروک راوی ہے،اس پر بھروسہ نہ کیا جائے۔ (میزان الاعتدال ج۳ص۴۱۹)

دوسری جگہ فرماتے ہیں:ابو مخنف اسمہ لوط بن یحیی ھالك ابومخنف جس کا نام لوط بن یحیی ہے ہلاکت میں پڑنے والا راوی ہے۔

(میزان الاعتدال ج۴ص۵۷۱)

ایک جگہ فرمایا: لوط بن یحیی ابو مخنف ساقط ۔لوط بن یحیی ابومخنف بےاعتبار راوی ہے۔ (المغنی فی الضعفاء ج۲ص۱۳۵)

ایک اورجگہ فرمایا:لوط بن یحیی ابو مخنف الکوفی الرافضی الاخباری ۔ لوط بن یحیی ابومخنف کوفی تاریخ گورافضی ہے۔

(تاریخ الاسلام ج۴ص۱۸۹)

(۱۰)ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۸۵۲ھ نے ابومخنف کا تعارف یوں کروایا ہے، لوط ابن یحیی ابو مخنف اخباری تألف لا یوثق بہ ترکہ ابو حاتم وغیرہ ، وقال الدار قطنی ضعیف وقال ابن معین لیس بثقۃ وقال مرۃ لیس بشئ وقال ابن عدی شیعی محترق صاحب اخبارھم ۔

(لسان المیز ان بتحقیق ابوغدۃ ج۶ ص۴۳۰)

لوط بن یحییٰ ابومخنف تاریخی روایات بیان کرنے والا بیکار راوی ہے جس پر بھروسہ نہیں کیا جاسکتا، ابوحاتم اور دوسروں نے اس کی روایت ترک کردی ہے دارقطنی نے اسے ضعیف کہا، ابن معین نے فرمایا قابل اعتماد نہیں ہے، اور ایک مرتبہ فرمایا وہ کچھ بھی نہیں، ابن عدی نے کہا وہ جلا بُھنا شیعہ ہے اور شیعہ کا راوی ہے۔ حافظ ابن حجر نے دوسری جگہ لکھا ابو مخنف لو ط بن یحیی هالك ، ابومخنف لوط بن یحیی ہلاکت زدہ ہے۔ (لسان المیز ان ج۹ ص۱۵۹)

(۱۱) امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا، لوط والکلبی کذابان ۔ لوط اور کلبی دونوں بڑے جھوٹے ہیں۔ (اللالی المصنوعۃ فی الاحادیث الموضوعۃ ج۱ ص۳۵۵)

(۱۲) ابن عراق الکنانی متوفی ۹۶۳ھ نے کہا لو ط بن یحیی ابو مخنف کذاب تالف۔ لوط بن یحییٰ ابومخنف جھوٹا بیکار راوی ہے۔

(تنزیہہ الشریعۃ المرفوعۃ عن الاخبار الشنیعۃ ج۱ ص۹۸)

مولانا طاہر صاحب کی توجیہہ

ابومخنف لوط بن یحی کے اس تعارف کے بعد مولانا نے شیعہ راوی کو سہارا دے کر صحیح اور مضبوط قرار دینے کے لئے جو تکلیف اٹھائی ہے، ہم اس کے اہم نکتے پیش کر کے ان کا جائزہ لیتے ہیں۔

(۱) حافظ ابن حجر نے اس سند پر کوئی جرح نہیں کی اور خاموشی سے گذر گئے جو روایت کو قبول کرنے کی علامت ہے۔ (کردار یزید ص۱۳)

(۲) یہ بات دوسرے معتبر راوی بھی نقل کرتے ہیں اس لئے روایت معتبر ہوگی۔ (کردار یزید ص۱۴)

(۳) ابان ابن تغلب کو کئی محدثین نے غالی شیعہ بتایا ہے اور اس کی وفات ۲۴۰ھ یا ۲۴۱ھ میں ہوئی ہے تو ابومخنف لوط بن یحییٰ جس کی وفات ۱۷۰ھ سے کچھ قبل ہی ہوئی اس کی روایت کیوں نہ قبول کی جائے حالانکہ وہ متقدمین شیعہ میں سے ہے۔ (کردار یزید ص۱۴)

(۴) متقدمین میں شیعہ حضرت علی کی طرف میلان والے کو کہا جاتا تھا اور اسے بھی، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت علی کو افضل الخلق مانتا ہو، متأخرین کی اصطلاح میں خالص رافضی کو شیعہ کہا جانے لگا۔

(کردار یزید ص۱۵)

مولانا کی توجیہہ کا جواب

پہلے نکتے کے متعلق عرض ہے کہ حافظ ابن حجر کا خاموشی سے گذر جانا صحت روایت کی دلیل ہرگز نہیں ہوسکتا، کیونکہ موصوف خود فرما چکے ہیں لو ط بن یحییٰ ابو مخنف اخباری تالف لا یوثق به۔ (لسان المیز ان ج۶ ص۳۴۰)

لوط بن یحییٰ ابومخنف تاریخی روایات بیان کرنے والا بیکار راوی ہے جس پر بھروسہ نہیں کیا جاسکتا۔ اب یا تو حافظ ابن حجر نے اپنی بیان کردہ جرح کی خود پابندی نہیں کی ہے، یا پھر انہیں اس کی صحت کا علم کسی دوسرے ذریعے سے ہوا ہے تو وہ خاموش رہ گئے ہیں لیکن اس صورت میں حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کی ذمہ داری تھی کہ وہ اس کی صحت کے دوسرے طریقوں کی وضاحت فرماتے، جب کہ ایسا نہیں ہوا ہے، ہم سمجھتے ہیں کہ اس روایت سے مولانا طاہر صاحب کا روایت کی صحت کا نتیجہ اخذ کرنا صرف اور صرف زبردستی ہے، کیونکہ حافظ ابن حجر علیہ الرحمۃ نے اس روایت کے بعد

آ گے جویریہ بن اسماء کی جو روایت ذکر فرمائی ہے جس میں شراب نوشی کا کوئی ذکر نہیں ہے اس کو بسند صحیح کہا ہے، تو کیا واضح طور پر ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ یہ نہیں بتانا چاہتے کہ بطور سبب جس روایت کو میں نے نقل کیا ہے اس میں ابومخنف کی وجہ سے ضعف ہے، لیکن ابن ابی خیثمہ والی جویریہ بن اسماء کی روایت میں شراب نوشی کو چھوڑ کر یہی مضمون واقع ہوا ہے اور وہی روایت درست بھی ہے، تو اسی روایت پر اعتماد کرنا چاہیے، اس توجیہہ کے بعد مولانا کی طرف سے مذکورہ روایت کو بنیاد بنا کر اس سے شراب نوشی پر استدلال کرنا زبردستی ہی کہلائے گا۔ دوسری تعلیل مولانا نے فرمائی ہے کہ ''یہ بات دوسرے معتبر راوی بھی نقل کرتے ہیں اس لئے روایت معتبر ہوگی''۔

(کردار یزید ص۱۴)

تو عرض ہے کہ دوسرے معتبر راویوں نے جب یہی بات نقل کی ہے تو انھیں چھوڑ کر اس واہیات راوی سے استدلال پر مولانا کیوں مجبور ہوئے؟ بھلا کوئی ہوشمند جیب میں کھرا سکہ رکھ کر بازار میں کھوٹہ سکہ پیش کر کے اپنی آبرو داؤ پر لگاتا ہے؟ اور ابھی کیا ہوا ہے؟ ناقدین حدیث کے معیار پر جو روایت سنداً و معنیً کھری اترے، وہ روایت پیش کی جائے ہمیں قبول کرنے میں کوئی عار نہیں، ہم بھی مولانا کی طرح یزید کی شراب نوشی کے قائل ہو جائیں گے۔ لیکن سچائی تو یہ ہے کہ تاریخ کے پورے خزانے میں ایک بھی صحیح روایت اس باب میں موجود ہی نہیں ہے، اس لئے ہمارے بزرگوں کو روایتوں کے جوڑ توڑ سے اپنی بات پیش کرنی پڑ رہی ہے، اور جب حقیقت پردے کے پیچھے سے جھانکتی ہے تو بڑی محنت سے تعمیر کیا ہوا عظیم الشان قلعہ ریت کے محل کی طرح زمین بوس ہوتا دکھائی دیتا ہے۔

ابان ابن تغلب پر قیاس اور اس کا جواب

تیسری تعلیل مولانا کی یہ ہے کہ ابان بن تغلب کی وفات ۲۴۰ھ یا ۲۴۱ھ میں ہوئی اور اسے کئی محدثین نے غالی شیعہ بتایا ہے، پھر بھی اس کی مرویات قبول کی گئی ہیں، تو ابومخنف کی وفات تو ۱۷۰ھ سے قبل ہوئی ہے، اس کی مرویات شیعہ ہونے کی وجہ سے مردود کیوں ہوں؟ کیوں کہ جب ابان بن تغلب پر رافضیت کا جرم عائد نہیں ہوتا تو اس سے تقریباً ستر سال متقدم ابومخنف کیسے رافضی ہو جائے گا، اور اس کی روایات کیوں مردود ہو جائیں گی؟ (ملخص کردار یزید ص۱۴)

محترم مولانا نے ابومخنف کو رافضیت کی دلدل سے نکالنے کے لئے اپنے قلم کی بہت سی طاقت جھونک دی ہے لیکن ؎

کیا بنے بات جہاں بات بنائے نہ بنے

امام یحییٰ بن معین متوفی ۲۳۳ھ کے شاگرد عباس دوری بیان کرتے ہیں میں نے یحییٰ بن معین کو فرماتے سنا کہ ''ابومخنف ابومریم اور عمرو بن شمر یہ سب کچھ نہیں (کسی اعتبار کے قابل) نہیں ہیں''۔ میں نے یحییٰ سے کہا یہ لوگ عمرو بن شمر کی طرح ہیں؟ فرمایا ''یہ لوگ عمر بن شمر سے بھی برے ہیں''۔ (تاریخ ابن معین بروایۃ الدوری ج۳ ص۴۳۹)

اب ذرا عمرو بن شمر کو بھی دیکھ لیجئے۔

امام جوزجانی اس کے متعلق فرماتے ہیں زائغ کذاب گمراہ جھوٹا ہے۔

ابن حبان فرماتے ہیں رافضی یشتم الصحابة ویروی الموضوعات عن الثقات۔ رافضی ہے، صحابۂ کرام کو برا بھلا کہتا ہے اور ثقہ راویوں کے حوالے سے جعلی حدیثیں بیان کرتا ہے۔

سلیمانی فرماتے ہیں، کان یضع للروافض ،رافضیوں کے لئے جعلی حدیثیں بناتا تھا۔ (لسان المیزان ج۶ رص۲۱۰)

اندازہ فرمائیں کہ عمرو بن شمر کا یہ حال ہے تو جو اس سے بھی زیادہ برا ہے اسکا حال کیا ہوگا؟ قوام السنۃ امام اسماعیل اصبہانی (متوفی ۵۳۵ھ فرماتے ہیں فاما ما رواہ ابو مخنف وغیرہ من الروافض فلا اعتماد بروایتھم ۔ابومخنف اور دوسرے رافضی جو کچھ بیان کریں تو ان کی روایت کا کچھ اعتبار نہیں۔

(الحجۃ فی المحجۃ ج۲ رص۵۶۸)

امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں لوط بن یحییٰ ابو مخنف الکوفی الرافضی الاخباری ،لوط بن یحییٰ ابومخنف کوفی رافضی تاریخ گو ہے۔

جرح وتعدیل کے ائمہ کبار فرماتے ہیں کہ یہ شخص رافضی ہے جھوٹا ہے، نا قابل اعتبار ہے ،اور ہمارے علامہ فرماتے ہیں کہ ۱۷۰ھ میں مرا ہے اس لئے رافضی نہیں ہے ۔

حیراں ہوں دل کو روؤں کہ پیٹوں جگر کو میں

اصول جائے بھاڑ میں؟ کیا مولانا کو اپنے مطلب کی چیزیں جن سے بھی مل جائیں خواہ وہ کوئی بھی ہوں کیسے بھی ہوں مولانا ان سب کی توثیق کے لئے اپنا قلم وقف کردیں گے؟ بات جب ابومخنف کی چل رہی ہے تو لگے ہاتھوں یہ بھی دیکھتے ہیں کہ علمائے روافض کے یہاں ان صاحب کی کیا قدر و قیمت ہے۔

عباس ابن رضا بن ابی القاسم القمی نے ابومخنف کے بارے میں لکھا کان من اعاظم مؤرخی الشیعۃ ''یہ شیعوں کے بڑے مؤرخوں میں سے تھا''۔

(الکنی والالقاب ج۱ص۱۶۳)

ابوالقاسم الخوئی نے کہا فھو ثقۃ مسکون الی روایتہ ۔وہ ثقہ ہے اس کی روایت قابل اعتماد ہے۔ (معجم رجال الحدیث ج۱۵ رص۱۴۲ راوی ۹۷۹۲)

شیعہ علم رجال کے ماہر احمد بن علی النجاشی نے اس کا تعارف اس طرح کروایا شیخ صاحب الاخبار بالکوفۃ ووجھھم و کان یسکن الیٰ ما یرویہ ۔یہ کوفہ کے اخباریوں کا شیخ اور ان کی اہم شخصیت تھا، اس کی روایت پر بھروسہ کیا جاتا تھا۔

(رجال النجاشی ص۳۰۶، راوی ۸۷۵)

معروف شیعہ عالم عبداللہ المامقانی نے ابومخنف کے بارے میں لکھا ہے، انہ لا ینبغی التامل فی کونہ شیعیاً امامیاً وبالجملۃ فکون الرجل شیعیاً امامیاً لا ینبغی الریب فیہ ۔اس آدمی کے امامی شیعہ ہونے میں تامل نہیں کرنا چاہیے،۔۔۔ خلاصہ یہ ہے کہ اس شخص کے امامی شیعہ ہونے میں کسی شک کی گنجائش نہیں ہے۔

(تنقیح المقال قدیم ج۳ رص۴۴ مرویات ابی مخنف فی تاریخ الطبری ص۴۲)

اب بھی اگر ہمارے مولانا اس کو رافضی سمجھنے کے لئے تیار نہیں ہیں تو انھیں اللہ ہی سمجھائے ۔مولانا سید طاہر حسین صاحب گیاوی مدظلہ نے ابان بن تغلب کے تقابل سے ابومخنف کی توثیق کی نا مبارک جسارت کی ہے، لیکن شاید اس وقت مولانا یزید کو شرابی ثابت کرنے کے جنون میں ہر قسم کی تمیز سے ہاتھ دھو بیٹھے تھے، ورنہ مولانا کو اپنی ہی کتاب کے اسی صفحے پر علامہ ابن حجر کا قول سامنے رکھنا تھا جس میں مولانا ہی کا ترجمہ اس طرح ہے

''وہ روایت میں سچائی برتنے والوں میں سے ہے، اگرچہ اس کا مذہب شیعہ کا مذہب ہے لیکن نقل میں ٹھیک ٹھاک اور لاباس بہ ہے، منصفانہ بات یہی ہے''۔ (کردار یزید ص۱۴)

اور دوسری طرف ابومخنف روایت میں کسی درجے کا نہیں، ''گمراہ جھوٹے واضع حدیث عمرو بن شمر سے زیادہ برا جلا بھنا شیعہ، جھوٹوں کے گروپ کا ایک فرد جھوٹ میں مشہور، متروک اور ہالک راوی، جھوٹا اور مردود راوی ہے، اب مولانا ہی بتائیں صرف برسوں کی تقدیم وتاخیر سے اس ابومخنف سے رافضیت، جھوٹ، اور ہلاکت کا داغ مٹ جائے گا اور مجموعۂ عیوب ہوتے ہوئے بھی اس گمراہ جھوٹے شخص کی بیان کردہ تاریخی روایت قابل قبول ہوجائے گی؟

ع ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

رفض کا آغاز

بات رفض کی چل پڑی ہے تو یہ بھی دیکھ لیجیے کہ رفض کا آغاز کب سے ہوا

واخرج الدارقطنی ایضاً عن زید بن علی انه قال لمن یتبرأ منهما۔ اعلم والله ان البراءة من الشیخین البراءة من علی فتقدم او تاخر وزید هذا کان اماماً جلیلاً استشهد فی صفر سنة احدیٰ وعشرین ومأة ولما صلب عریاناً جاءت العنکبوت ونسجت علیٰ عورته حتی حفظت عن رؤیة الناس فانه استمر مصلوباً مدة طویلة وکان قد خرج و بایعه خلق من الکوفة وحضر الیه کثیر من الشیعة فقالوا له، ابرأعن الشیخین ونحن نبایعك فابیٰ فقالوا انا نرفضك فقال اذهبوا فانتم الرافضة فمن حینئذ سموا الرافضة وسمیت الشیعة بالزیدیة۔

علامہ ابن حجر مکیؒ دارقطنیؒ کی روایت نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں زید بن علی رحمۃ اللہ علیہما سے مروی ہے کہ انھوں نے ان دو شخصوں سے جو حضرات شیخین سے تبری کا اظہار کررہے تھے فرمایا خدا کی قسم جان لو کہ حضرات شیخین (ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما) سے

تبری حضرت علی رضی اللہ عنہ سے برأت کا اعلان ہے، تم مقدم کرلو یا مؤخر، اور یہ زید جلیل القدر امام تھے، ایکسوبیس ہجری میں بماہ صفر شہید ہوئے۔ اور انھیں برہنہ سولی پر لٹکایا گیا تو مکڑیوں نے آکر جالا بنکر ان کی ستر پوشی کردی کہ ستر لوگوں کی نگاہوں سے محفوظ رہے، آپ طویل مدت تک سولی پر لٹکے رہے، آپ نے خروج فرمایا تو کوفہ کے بہت سے لوگوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کرلی، اور آپ کے پاس بہت سے شیعہ حاضر ہوئے اور بولے آپ حضرات شیخین (سیدنا ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما) سے تبری فرمائیے اور ہم آپ کے ہاتھوں پر بیعت کرتے ہیں، آپ نے انکار فرمادیا، وہ بولے تب ہم آپ کو چھوڑ دینگے، فرمایا جاؤ تم روافض (چھوڑنیوالے) ہو اسی وقت سے ان کا نام رافضہ اور باقی شیعوں کا نام زیدیہ ہوگیا۔ (الصواعق المحرقۃ لابن حجر ہیتمی ص ۴۵)

ملا علی قاریؒ شرح فقہ اکبر میں فرماتے ہیں واصل الرفض انما احدثه منافق زندیق قصده ابطال دین الاسلام والقدح فی الرسول علیه الصلواة والسلام کما ذکر ذالك العلماء الاعلام فان عبد الله بن سبا لما اظهر الاسلام اراد ان یفسد دین الاسلام بمکره وخبثه کما فعل بولس بدین النصاریٰ فاظهر التنسك ثم اظهر الامر بالمعروف والنهی عن المنکر حتی سعیٰ فی فتنة عثمان وقتله ثم لما قدم علی الکوفة اظهر الغلو فی علی والنص علیه لیتمکن بذ الك من اعتراضه وبلغ ذالك علیاً فطلب قتله فهرب منه الی قرقیسا۔ (شرح فقہ اکبر ص ۸۵)

رفض کی اصل یہ ہے کہ اس کو زندیق منافق نے ایجاد کیا جس کا مقصد دین اسلام کو بگاڑنا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر عیب لگانا تھا، جیسا کہ معتبر علماء نے بیان فرمایا ہے، تو عبداللہ بن سبا نے جب اپنا مسلمان ہونا ظاہر کیا تو اس نے اپنی مکاری اور خباثت سے چاہا کہ اسلام میں بگاڑ پیدا کردے جیسا کہ نصاری کے دین کے ساتھ

پولس نے کیا تھا، پھر وہ بھلی باتوں کے حکم دینے اور بری باتوں سے روکنے میں لگ گیا، یہاں تک کہ اس نے فتنۂ سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور ان کی شہادت کے معاملے میں بڑی جدوجہد کی، پھر حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کوفہ تشریف لائے تو اس نے حضرتؓ کے باب میں غلو کرنا اور ان کی منقبت بیان کرنی شروع کر دی تا کہ اس کی آڑ میں وہ اپنے اعتراضات کو قوی کر سکے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ بات معلوم ہوئی آپ نے اسکو طلب فرمایا، تو وہ آپ کے پاس سے بھاگ کر قرقیسا چلا گیا''۔

مولانا سید طاہر حسین صاحب گیاوی مدظلہ نے یزید کی شراب نوشی ثابت کرنے کے شوق میں طبری کی روایت کے راوی ابومخنف لوط بن یحییٰ کو مستند و معتبر دکھانے کے لئے ابان بن تغلب پر قیاس کرتے ہوئے لکھا ہے۔

مولانا طاہر صاحب کی عبارت

''ابان ابن تغلب جس کی وفات ۲۴۰ھ یا ۲۴۱ھ میں ہوئی اس کے متعلق محدثین کی یہ رائے ہے تو ابومخنف لوط بن یحییٰ جسکی وفات ۱۷۰ھ سے کچھ قبل ہی ہوئی ہے اس کی روایت کیوں نہ قبول کی جائے گی حالانکہ وہ متقدمین شیعہ میں سے ہے''۔ (کردار یزید ص ۱۴)

مولانا طاہر صاحب کی بے خبری اور اس کا جواب

یہاں پر مولانا نے بہت سخت ٹھوکر بھی کھائی ہے اور اپنے قارئین کو زبردست مغالطہ بھی دیا ہے، کیونکہ مولانا کا دعویٰ یہ ہے کہ ابان ابن تغلب کی وفات ۲۴۰ھ یا ۲۴۱ھ میں ہوئی ہے جب کہ یہ بالکل غلط ہے، دراصل مولانا نے تہذیب التہذیب میں ابوبکر ابن منجویہ سے اس کی وفات کا سنہ عدد میں دیکھا اور بلا تحقیق اس پر اپنے

مفروضوں کا محل تعمیر کرنے بیٹھ گئے۔ وقال ابو بکر بن منجویه مات ۲۴۱ھ (تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۹۳)

مولانا اگر تحقیق کے لئے زحمت فرماتے تو انھیں تہذیب الکمال میں الفاظ مل جاتے'' ابان بن تغلب: قال ابو بکر احمد بن علی بن منجویه مات سنة احدی واربعین ومائة (۳)۔ (تہذیب الکمال ج ۲ ص ۸)

(۳) کا نمبر دے کر حاشیے پر مرقوم ہے۔''قال مغلطائی وقال ابو نعیم الفضل بن دکین فی تاریخه روایة ابن عقدة مات سنة اربعین و مأة وقال احمد بن سیار المروزی عن عبید الله بن یحییٰ بن بکیر مات بعد سنة احدیٰ واربعین''۔ علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ سیر اعلام النبلاء میں فرماتے ہیں توفی سنة احدیٰ واربعین ومائة۔ (سیر اعلام النبلاء ج ۶ ص ۳۰۸)

شیعہ رجال کی کتاب تنقیح المقال فی علم الرجال للمامقانی میں ہے۔''ابان بن تغلب، ومات فی سنة احدیٰ واربعین ومائة''۔ (تنقیح المقال ج ۳ ص ۸۹)

دوسری شیعہ رجال کی کتاب رجال النجاشی میں ہے۔ ''ومات ابان فی حیاة ابی عبد الله علیه السلام سنة احدیٰ واربعین و مائة''۔ (رجال النجاشی ص ۱۳)

مولانا نے ابان بن تغلب کی وفات ۲۴۰ھ میں دکھا کر یہ ثابت کرنا چاہا تھا کہ جب دوسو چالیس میں مرنے والے ابان کو شیعہ ہونے کے باوجود قبول کیا جا سکتا ہے تو ہمارا راوی تو اس سے ستر سال قبل کا ہے اسے کیوں نہ قبول کیا جائے۔ مگر یہاں تو بات الٹی نکلی یعنی ابان بن تغلب ہی مقدم نکلے، یعنی جس نقطے پر استدلال کی عمارت کھڑی تھی وہی زمین بوس ہو گیا۔ وہ شاخ ہی نہ رہی جس پہ آشیانہ تھا

مغالطے کی بات میں نے اسلئے عرض کی ہے کہ اگر ابومخنف متقدم ہوتا تب

بھی مولانا کا پیش کردہ قیاس مع الفارق ہوتا، کیونکہ جہاں محدثین نے ابان پر اعتماد کیا ہے وہیں ابومخنف کو سب نے دتکار دیا ہے، ابومخنف کو ابان پر قیاس کرنے کا مطلب ایک سچے کے ساتھ ایک جھوٹے اور ایک معتمد علیہ کے ساتھ ایک نا قابل اعتبار اور متروک کو قابل وثوق بنانے کی نامحمود کوشش اور قارئین کو صراحۃً مغالطہ دینا ہے۔

ابان ابن تغلب کی حقیقت

اور اگر یہ کہا جائے کہ دونوں شیعہ ہیں تو ابان بن تغلب کے ساتھ رعایت کیوں ہے تو اس کا جواب علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے میزان میں دے دیا ہے فرماتے ہیں۔ ابان بن تغلب : الکوفی شیعی جلد لکنه صدوق فلنا صدقه وعلیه بدعته فلقائل ان یقول کیف ساغ توثیق مبتدع وحد الثقة العدالة والاتقان فکیف یکون عدولاً من هو صاحب بدعة وجوابه ان البدعة علی ضربین فبدعة صغری کغلوا لتشیع او کا التشیع بلا غلو ولا تحرف ، فهذا کثیر من التابعین وتابعیهم مع الدین والورع والصدق فلورد حدیث هؤلاء لذهب جملة من الآثار النبویة وهذه مفسدة بینة ثم بدعة کبری کالرفض الکامل والغلو فیه والحط علی ابی بکر وعمر رضی الله عنهما والدعاء الی ذالك فهذا النوع لا یحتج بهم ولا کرامة ولم یکن ابان بن تغلب یعرض للشیخین اصلاً بل قد یعتقد علیاً افضل منهما ۔ (میزان الاعتدال ج۱ص۶)

ابان بن تغلب کوفی پکا شیعہ ہے لیکن سچا ہے، تو ہمارے لئے اس کی سچائی اور اس پر اس کی بدعت ہے، کوئی کہہ سکتا ہے کہ بدعتی کی توثیق کیسے ہوئی، اعتماد کی حد تو اس کی عدالت اور مضبوطی ہے تو یہ بدعتی شخص عادل کیسے ہوگا ؟ اس کا جواب یہ ہے کہ بدعت کی دو قسمیں ہیں، چھوٹی بدعت جیسے تشیع میں غلو کرنا یا بلا غلو اور ہیر پھیر کے تشیع

اختیار کرنا تو یہ بات دین پر ہیز گاری اور صداقت کے ساتھ ساتھ بہت سے تابعین اور تبع تابعین میں پائی جاتی ہے، اگر ان لوگوں کی حدیث رد کر دی جائے تو نبوی آثار کا سارا ذخیرہ ضائع ہو جائے گا، اور یہ کھلی ہوئی خرابی ہے پھر بڑی بدعت جیسے پورا رافضی ہونا اس میں غلو کرنا حضرت ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کا درجہ گھٹانا اور اس عقیدے کی دعوت دینا، تو اس قسم کے لوگوں سے حجۃ حاصل نہیں کی جائے گی، اور انکا اکرام نہیں ہوگا، اور ابان بن تغلب حضرات شیخین سے بالکل تعرض نہیں کرتا تھا، بلکہ اس کو مانتا تھا کہ حضرت علی ان دونوں سے افضل ہیں۔

قارئین دیکھیں! کہ اعتماد کی اصل بنیاد عدم تشیع نہیں بلکہ راوی کی صداقت ہے اور ابان بن تغلب اور ابومخنف لوط بن یحییٰ کے درمیان اس باب میں کافی فرق ہے ابومخنف پر غیر معتبر ہونے کے ساتھ ساتھ وضع اور دروغ گوئی کا الزام بھی ہے، جب کہ ابان بن تغلب کو ناقدین نے سچا کہا ہے اس لئے ابان بن تغلب کی آڑ میں ابومخنف کو سند توثیق دینا چور کو ٹھکانا دینا ہے، اور یہی کمال مولانا نے یہاں پیش فرمایا ہے۔

یزید کے عزل ونصب امراء کا ذکر

مولانا سید طاہر حسین صاحب گیاوی مدظلہ، نے اپنی کتاب ص۱۵ کے نصف سے یزید کی شراب نوشی کی بحث چھوڑ کر حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ کی اقتداء میں یزید کی امارت کے ابتدائی دور کا حال بیان کرنا شروع کر دیا ہے، جب کہ حضرت قاری صاحب نور اللہ مرقدہ کی شخصیت ہو، یا مولانا گیاوی یہ بحث چھیڑیں، اہل شعور خوب اچھی طرح جانتے ہیں کہ امراء کے عزل ونصب کا تعلق امور ولایت سے ہے، اور امیر مملکت اپنی صوابدید پر امراء کا تقرر یا ان کا عزل کرتا ہے۔ وہ کسی کو بھی معزول کرے یا اس کی جگہ کسی نئے شخص کو ولایت دے، اس بنا پر اس کو فاسق نہیں کہا جا سکتا

ہے، اگر اس کا عزل ونصب سلطنت کے لئے ناسازگار اور نقصان دہ ہے تو اس کی وجہ سے اسے ناعاقبت اندیش اور غیر مدبر تو کہا جائے گا، اور یہ اس کے معائب میں شمار ہوگا، لیکن اس کی بنیاد پر اس کو فاسق تو ہرگز نہیں کہہ سکتے، اور اگر مولانا کے پاس ایسی کوئی پختہ دلیل ہے تو وہ ضرور پیش فرمائیں، ہم بسر وچشم اس دلیل کا استقبال انتہائی بشاشت سے کریں گے، لیکن اگر نہیں ہے اور ہم سمجھتے ہیں بالکل نہیں ہے، تو ایک جاری بحث کو روک کر غیر متعلق نئی بحث کا دروازہ کھولنا ہم سمجھتے ہیں کہ نہ حضرت قاری صاحبؒ کے شایان شان ہے اور نہ مولانا گیاوی صاحب کے۔

مولانا لکھتے ہیں: ''ایک سال بعد ۶۱ھ میں سجستان وخراسان سے دونوں بھائیوں عباد وعبدالرحمٰن کو خراسان اور سجستان سے ہٹا کر مسلم بن زیاد کو دونوں جگہ کا گورنر بنادیا۔ (کردار یزید ص ۱۵)

اور پھر اس کیلئے ابن کثیر کی البدایۃ اور ابن اثیر کی الکامل کا حوالہ دیا ہے۔

(کردار یزید ص ۱۶)

یہاں ایک غلطی کی طرف اشارہ کرنا ضروری ہے کہ مولانا نے البدایۃ اور الکامل دونوں جگہوں کی عربی عبارتوں اور ان کے اردو ترجمے میں لکھا ہے مسلم بن زیاد کو خراسان وسجستان کا والی بنادیا، جب کہ صحیح لفظ مسلم بن زیاد نہیں بلکہ سلم ابن زیاد ہے ممکن ہے یہ طباعت کی غلطی ہو لیکن دوسروں کی آنکھوں کا تنکا دور بین سے تلاش کرنیوالے کو اپنی آنکھ کے شہتیر پر بھی دھیان دینا چاہیئے۔ دوسری بات یہ ہے کہ مولانا نے یہ تو ذکر فرمادیا کہ یزید نے عباد وعبدالرحمٰن دونوں بھائیوں کو خراسان و سجستان سے ہٹا کر سلم ابن زیاد کو دونوں جگہ کا گورنر بنادیا'' لیکن مولانا یہاں پر یہ بتانا بھول گئے یہ سلم ابن زیاد کوئی اور نہیں انھیں کا تیسرا بھائی تھا، یعنی یزید نے اگر دونوں

بھائیوں کو معزول کیا بھی تھا تو ان کی جگہ انھیں کے بھائی کو مامور کیا تھا، پھر مولانا نے یہ بتانا بھی مناسب نہیں سمجھا کہ گورنری ملنے کے فوراً بعد یہ سلم ابن زیاد اپنی تیاریوں میں مشغول ہوگیا اور تیاری کے بعد فوج لے کر مملکت اسلامی کی فتوحات کے لئے نکل پڑا اور کارنامے انجام دیئے۔

(ابن اثیر ج ۳ ص ۴۴۵ ذکر ولایۃ سلم بن زیاد خراسان وسجستان)

حضرت حکیم الاسلامؒ کا دعویٰ اور محدث اعظمی کی گرفت

علامہ ابن حجرؒ نے فتح الباری اور علامہ عینیؒ نے عمدۃ القاری میں لکھ دیا تھا کہ یزید شہروں کی امارت سے شیوخ کو ہٹا کر اپنے کم عمر رشتہ داروں کو حاکم مقرر کردیا کرتا تھا، تو اس کو حضرت مہتمم صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے دلیل بنا کر اپنی کتاب میں لکھ دیا کہ

''اس امارت میں اکابر ملت کو کلیدی عہدوں سے ہٹا کر بطور خویش پروری نوخیز عزیز واقربا کو ان کی جگہ بھرتی کیا جاتا تھا''۔

(شہید کربلا اور یزید ص ۱۶۷)

اس پر حضرت محدث اعظمی نے گرفت فرمائی تھی اور فرمایا تھا کہ ''بعض تاریخی بیانات کی بنا پر کسی کو شبہ ہو کہ اس نے ولید بن عتبہ کو ولایت مدینہ سے اور حضرت نعمانؓ بن بشیر کو ولایت کوفہ سے معزول کردیا تھا، لیکن یہ شبہ صحیح نہیں ہے اس لئے کہ یزید نے ولید بن عتبہ کو معزول کرنے کے بعد پھر مدینہ کا والی مقرر کردیا تھا، (دیکھو ابن اثیر ج ۳ ص ۳۰۵) اور حضرت نعمان ابن بشیر رضی اللہ عنہ کو کوفہ کی ولایت سے اس نے معزول تو ضرور کیا تھا، مگر ان کو اپنے سے جدا نہیں کیا تھا، بلکہ ان کو اپنے پاس رکھا تھا اور ان کے مشورہ پر کاربند ہوتا تھا، اور بعد میں حمص کا والی بھی ان کو مقرر کیا تھا، (دیکھو ابن کثیر ج ۸ ص ۲۴۴ و ۸/۴۴۵) اور استیعاب میں ہے کان امیراً علیٰ

حمص لمعاویة ثم لیزید فلما مات یزید صار زبیریاً (۲۹۹/۱) یعنی نعمان بن بشیر حضرت معاویہ پھر یزید کی طرف سے حمص کے حاکم تھے جب یزید کا انتقال ہوا تو وہ حضرت ابن الزبیرؓ کے طرفدار ہوگئے، یزید کے حکم سے انھوں نے شہادت حسین کے بعد اہل بیت کو شام سے مدینہ پہونچایا تھا، اور انھوں نے یزید کو اہل بیت کے اکرام و احترام اور ان کے ساتھ احسان وسلوک کا مشورہ دیا تھا۔ (ابن کثیر ۲۴۵/۸)

بہر حال اپنے والد کے عہد امارت کے کسی والی کو یزید نے بالکلیہ معزول نہیں کیا۔ (تبصرہ بر شہید کربلا و یزید ص ۳۲)

محدث اعظمیؒ پر مولانا طاہر صاحب کا الزام اور اس کی حقیقت

اب اس تحریر پر مولانا طاہر حسین گیاوی مدظلہ نے انصاف کا جو منہ چڑایا ہے میں پہلے اس کے اقتباسات نقل کرتا ہوں پھر اسکے متعلق کچھ عرض کروں گا، مولانا نے لکھا ہے۔

''محدث جلیل محقق کبیر حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی علیہ الرحمہ نے نہ معلوم کہاں سے اور کیسے اسکے برخلاف لکھ دیا''۔ (کردار یزید ص ۱۶)

حضرت مولانا نے یہ نہیں بتایا کہ ۶۲ھ سے پہلے دوبارہ مدینے کا والی بنایا تھا یا ۶۲ھ کے بعد میرا دعویٰ ۶۲ھ کے بعد دوبارہ والی نہ بنانے کا ہے، مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی علیہ الرحمہ نے مزید لکھ دیا ''بہر حال اپنے والد کے کسی والی کو یزید نے بالکلیہ معزول نہیں کیا'' یہ بات بھی مولانا مرحوم کی بالکل خلاف تحقیق ہے، یہ صرف اتنا ہی مولانا نے لکھا ہوتو ثابت بھی غلط ہوتا، مزید ستم یہ فرمادیا کہ قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر الزام یہ بھی دے ڈالا کہ ''اگر مہتمم صاحب کے علم میں اس کے خلاف ایک بھی تاریخی شہادت موجود ہوتو ہم کو اس بیان سے رجوع کرنے میں

مطلقاً تأمل نہیں ہوگا، لیکن محض تخرص اور صرف اٹکل سے بلا ثبوت و بے حوالہ مہتمم صاحب یا ان سے بھی بڑے کسی عالم کا یہ کہدینا کہ یزید عموماً شیوخ کو ہٹا کر صبیان کو نامزد کرتا تھا انصاف کی رو سے قابل قبول نہیں مہتمم صاحب کو سوچنا چاہیے کہ یزید فاسق سہی مگر مسلمان تھا کافر نہیں تھا اور کافر بھی ہوتا تو یہ کس طرح جائز ہے کہ بے سروپا الزامات اس کے سر تھوپے جائیں''۔ (کردار یزید ص ۱۷)

''محدث جلیل مولانا حبیب الرحمٰن علیہ الرحمہ نے ابن اثیر ج ۳ ص ۳۰۵ کے حوالے سے جو غلط بات لکھی افسوس کہ ابن اثیر کی عبارت نہیں نقل فرمائی ہے جس کی وجہ کر یہ کہنا پڑتا ہے کہ اتنے بڑے عالم محدث اور محقق کیلئے ایسی غلط بات ان کی شان کے لئے کتنا بڑا عیب ثابت ہوتی ہے''۔ (کردار یزید ص ۱۸)

جواباً عرض ہے کہ نہ محدث اعظمی نور اللہ مرقدہ نے کوئی بے ثبوت بات فرمائی ہے نہ ان کی شان عالی پر کوئی ادنیٰ خراش آئی ہے، ہاں مولانا گیاوی کی نگاہوں میں فتور ضرور آ گیا ہے یا جوش تکدر سے ان کے حواس مختل ہوگئے ہیں، مولانا مناظر اسلام کہلاتے ہیں میں ان سے کیسے عرض کروں ؎ سخن شناس نۂ دلبرا خطا اینجاست

مولانا کو چاہئے، چشمہ لگا کر پہلے حضرت محدث اعظمیؒ کا پورا بیان بغور دیکھیں، پھر اپنی اوقات بھول کر ان کی شان کی طرف بے ادبی کے جملے اچھالیں، میرے سامنے ''تبصرہ بر شہید کربلا و یزید'' کا ص ۳۲ ہے جس میں حضرت محدث کبیر کا یہ جملہ موجود ہے جس پر مولانا حضرت رحمۃ اللہ علیہ پر ابن اثیر پر تہمت لگانے اور علمی دنیا کو دھوکہ دینے کا الزام لگا رہے ہیں، مولانا غور سے پڑھیں، ''ہاں ممکن ہے بعد کے

تاریخی بیانات کی بنا پر کسی کو شبہ ہو کہ اس نے ولید بن عتبہ کو ولایت مدینہ سے اور حضرت نعمانؓ بن بشیر کو ولایت کوفہ سے معزول کر دیا تھا، لیکن یہ شبہ صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ یزید نے ولید بن عتبہ کو معزول کرنے کے بعد پھر مدینہ کا والی مقرر کر دیا تھا۔

(دیکھو ابن اثیر ۳/۳۰۵)

مولانا طاہر کہتے ہیں ''میرا دعویٰ ۶۲ھ کے بعد دوبارہ والی نہ بنانے کا ہے'' میں عرض کروں گا کہ مولانا اپنا دعویٰ کسی گٹر میں بہا دیں، کیونکہ حضرت اقدس نور اللہ مرقدہ نے ایسا کوئی دعویٰ ہی نہیں کیا ہے جس کو بنیاد بنا کر مولانا ان کی تنقیص شان کے بلا وجہ مجرم بن رہے ہیں، اگر ہے تو دکھائیں ''تبصرہ بر شہید کربلا و یزید'' ابھی موجود ہے ناپید نہیں ہوا، نہیں دکھا سکتے تو اپنی تہمت کا اعتراف کرتے ہوئے حضرت کی روح مبارک سے معافی مانگیں۔ غلط بیانی پر ڈٹے رہنا اہل علم کا شیوہ ہرگز نہیں ہے، حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ابن اثیر کا حوالہ پیش فرما کر یہ کہا تھا کہ ولید بن عتبہ کو دوبارہ مدینہ کا والی مقرر کر دیا تھا۔ ابن اثیر رحمۃ اللہ علیہ ولید بن عتبہ کے عزل کو ۶۰ھ کے تحت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ فی هذه السنة عزل الوليد بن عتبة عن المدينة عزله يزيد واستعمله عليها عمرو بن سعيد الاشدق ، اسی سال ولید بن عتبہ مدینہ کی ولایت سے معزول کئے گئے انھیں یزید نے معزول کر دیا اور ان کی جگہ عمرو بن سعید اشدق کو والی بنا دیا۔ (الکامل لابن اثیر ج ۳ ص ۳۸۰)

پھر ۶۱ھ کے تذکرے میں فرماتے ہیں: وفی هذه السنة عزل يزيد عمرو بن سعيد عن المدينة وولا ها الوليد بن عتبة بن ابی سفيان ۔ اس سال یزید نے عمرو بن سعید کو مدینہ کی ولایت سے معزول کر کے اس کی جگہ ولید بن عتبہ بن ابی سفیان کو والی بنا دیا۔ (الکامل لابن اثیر ج ۳ ص ۴۴۶)

پھر ولید بن عتبہ کو معزول کر کے عثمان بن محمد بن ابی سفیان کو مدینہ کا والی کیوں بنایا اس کی کہانی بھی ابن اثیر سے ہی سن لیں۔ ثم ان ابن الزبير عمل بالمكر فی امر الوليد فكتب الى يزيد انك بعثت الينا رجلاً اخرق لا يتجه لرشد ولا يرعوى لعظة الحكيم فلو بعثت رجلاً سهل الخلق رجوت ان يسهل من الامور ما استوعر منها و ان يجتمع ما تفرق فعزل الوليد وولىٰ عثمان بن محمد بن ابی سفيان وهی فتى غر حدث لم يجرب الامور ۶۲ھ۔

(الکامل لابن اثیر ج ۳ ص ۴۴۹)

پھر ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے ولید کے معاملے میں ایک چال چلی تو انھوں نے یزید کو خط لکھا کہ آپ نے ہمارے پاس ایسے ناکارہ شخص کو بھیجا ہے جو نہ کسی رہنمائی کی طرف دھیان دیتا ہے نہ کسی ہوشمند کی نصیحت کا خیال کرتا ہے آپ اگر کسی ایسے شخص کو بھیج دیں جو نرم مزاج ہو تو لگتا ہے بگڑی بات بن جائے گی، اور بکھرے امور مجتمع ہو جائیں گے تو یزید نے ولید کو معزول کر کے اس کی جگہ عثمان بن محمد بن ابی سفیان کو والی بنا دیا۔

حضرت نعمان بن بشیرؓ کے عزل کا حال بھی معلوم کر لیجئے۔ فكتب عبد الله بن مسلم الى يزيد يخبره بقدوم مسلم بن عقيل الكوفة ومبايعة الناس له ويقول ان كان لك فی الكوفة حاجة فابعث اليها رجلاً قوياً ينفذ امرك ويعمل مثل عملك فی عدوك فان النعمان رجل ضعيف او هو يتضعف وكان هو اول من كتب اليه ثم كتب اليه عمارة بن الوليد بن عقبة وعمرو بن سعد بن ابی وقاص بنحو ذالك ۔ (الکامل لابن اثیر ج ۳ ص ۳۸۷)

عبد اللہ بن مسلم نے مسلم بن عقیل کے کوفہ آنے اور ان کے ہاتھ پر لوگوں کے بیعت کرنے کی خبر یزید کو لکھ کر بھیجی، وہ کہہ رہا تھا اگر آپ کو کوفہ کی ضرورت ہے تو

یہاں کسی ایسے مضبوط شخص کو بھیجئے جو آپ کا حکم جاری کر سکے اور آپ کے دشمنوں کے سلسلے میں آپ کی طرح کا قدم اٹھا سکے۔ کیونکہ نعمان کمزور آدمی ہیں یا کمزور بن رہے ہیں پہلے پہل اسی نے خط لکھا پھر عمارۃ ابن الولید بن عقبہ اور عمرو بن سعد بن الوقاص نے اسی مضمون کا خط لکھا''

آپ دیکھ رہے ہیں کہ مدینے سے عبداللہ بن زبیر اور کوفہ سے عبداللہ بن مسلم، عمارۃ ابن الولید بن عقبہ اور عمرو بن سعد بن الوقاص کے خطوط یزید کے پاس پہونچے، تب اس نے ولید بن عتبہ اور حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کے عزل کا فیصلہ کیا۔ عزل کے تین معاملے ہمارے سامنے ہیں جن میں سے دو کا عزل مطالبے پر ہوا ہے ایک عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ کی دلداری کے طور پر، دوسرا کوفہ کا نظم ونسق مضبوط طور پر درست رکھنے کے لئے، اب ان تین واقعات کو بنیاد بنا کر مطلقاً یہ حکم لگانا خواہ کسی کی طرف سے کیوں نہ ہو، کہ یزید عموماً بزرگوں کو ہٹا کر بچوں کو والی بنا دیا کرتا تھا، زبردستی نہیں تو اور کیا ہے؟ اور ابھی کیا ہوا ہے علامہ ابن حجرؒ، علامہ عینیؒ، حضرت مہتمم صاحبؒ تو اس کے مکلّف نہ رہے لیکن آنکھ بند کر کے ان کی فرمودات کو گویا وحی کا درجہ دینے والے مناظر اسلام تو ہیں، اور نہ گھوڑا دور نہ میدان۔

تاریخ کے اوراق پلٹیں، قلم کا زور صرف کریں اور ذرا ہمیں بھی بتائیں کہ یزید کہاں کہاں سے بزرگوں کو ہٹا کر بچوں کو والی مقرر کرتا تھا؟ پھر یہ بھی بتائیں کہ ان کے بقول صبیانی یعنی بچہ پارٹی کے ارکان میں سے ایک عبیداللہ ابن زیاد کی عمر ۶۰ھ میں ولایت کوفہ کے وقت ۲۲ رسال تھی تو ۵۴ھ میں اس کی عمر کیا رہی ہوگی جب اسے خراسان کی ولایت سونپی گئی تھی؟ چھ سال پہلے تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے مولانا کے بقول اسے سولہ سال کی عمر میں ہی والی بنا دیا تھا، مولانا سے ذرا پوچھا جائے کہ اگر

یہ عیب ہے تو بدرجہ اولیٰ یہ عیب تو حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دامن تک پہونچتا ہے؟ کیا اسی ذہنیت کے ساتھ مولانا عبداللہ بن مطیع کے معاملے میں ایک غلط نتیجہ اخذ کرنے پر اصرار کے لئے عظمت صحابہ کی دہائی دے رہے ہیں؟ سچائی یہ ہے کہ یہاں پر مولانا نے عبیداللہ بن زیاد کی عمر ۲۲ رسال بالکل غلط دکھائی ہے اور قارئین کی آنکھوں میں دن دہاڑے دھول جھونکنے کی کوشش کی ہے۔

مولانا طاہر صاحب کی غلط بیانی

مولانا لکھتے ہیں ''صبیانی پارٹی کے دو ارکان خود یزید (۲) عبیداللہ بن زیاد والیٔ عراق بعمر ۲۲ رسال، عثمان بن محمد عامل مدینہ نوعمر و ناتجربہ کار تھے تینوں میں کوئی حضرت معاویہ کے زمانے میں کہیں کے والی نہیں تھے، تینوں یزید کے قریبی رشتہ دار بھی تھے اور کم عمر بھی''۔

(کردار یزید ص ۱۸)

میں ادب سے عرض کرتا ہوں کہ یہ بالکل سفید جھوٹ ہے، اور قلم اگر بک نہ گیا ہو تو اس سے اس قدر غلط تحریر ہرگز نہیں نکل سکتی، ذرا پہلے یہ شہادت دیکھ لیجئے۔ سنة خمس واربعين۔ وفيها استعمل معاوية عبيد الله بن زياد علىٰ خراسان ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔وكان عمر عبيد الله خمساً وعشرين سنة۔ ''اسی سال حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے خراسان پر عبیداللہ بن زیاد کو عامل بنایا اور عبیداللہ کی عمر اس وقت پچیس سال تھی''۔ (الکامل لابن اثیر ج ۳ ص ۳۴۵)

اب ۵۴ھ میں عبیداللہ کی عمر پچیس سال کی تھی تو ساٹھ میں جب یزید نے اسے کوفہ کا عامل بنایا تو لازماً اس کی عمر اکتیس سال کے قریب ہوگی، اور یزید کی عمر ۶۳ھ کے آخر میں اڑتیس سال کی تھی تو ۶۰ھ میں امیر بنتے وقت تو اس کی عمر یقیناً

چونتیس پینتیس سال رہی ہوگی، اور مولانا دونوں کو بچہ پارٹی کا رکن فرمارہے ہیں، قارئین ہی فیصلہ فرمائیں۔انصاف شرط ہے، کہ اتنا بڑا بچہ انھوں نے خواب میں کبھی دیکھا ہے؟ یہاں پر مولانا طاہر نے کھلے طور پر دو غلط بیانیاں کی ہیں ایک یہ کہ عبید اللہ بن زیاد کی عمر عراق کی تولیت کے وقت ۲۲ رسال دکھائی ہے، دوسرے یہ کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں اس کے والی بنائے جانے کا صریحاً انکار کیا کیا ہے، اور یہ سارے پاپڑ صرف اس لئے بیلے جارہے ہیں کہ امارۃ صبیان والی حدیث کو اس کے قریب ترین محمل سے ہٹا کر کسی طرح یزید کی گردن اس میں پھنسائی جائے۔تیسری بات یہ کہ مولانا نے لکھا ہے کہ تینوں یزید کے قریبی رشتہ دار تھے تو ذرا ہمت کر کے بتائیں کہ تیسرا رشتہ دار کون ہے؟

محدث اعظمیؒ کا دعویٰ اور اس کا اثبات

اب آیئے ذرا حضرت محدث اعظمی رحمۃ اللہ علیہ کے اس دعوے کی حقیقت پرکھی جائے جو حضرت نے فرمایا ہے، ''اور حضرت نعمان ابن بشیر رضی اللہ عنہ کو کوفہ کی ولایت سے اس نے معزول تو ضرور کیا تھا مگر ان کو اپنے سے جدا نہیں کیا تھا، بلکہ ان کو اپنے پاس رکھا تھا، اور ان کے مشورہ پر کاربند ہوتا تھا، اور بعد میں حمص کا والی بھی انکو مقرر کیا تھا۔ (دیکھو ابن کثیر ج ۸/۲۴۴۔ج ۸/۲۴۵)

تو اس کے ایک جز کا ثبوت تو استیعاب کے حوالے سے خود حضرت محدث اعظمی کی کتاب میں گذر چکا ہے کہ حضرت نعمان بن بشیر حمص کے والی تھے، یزید کے انتقال کے بعد حضرت عبد اللہ بن الزبیر کے طرفدار ہو گئے، دوسرا جز یہ رہ گیا کہ ''یزید نے انھیں کوفہ کی ولایت سے معزول ضرور کیا تھا، مگر انھیں خود سے جدا نہیں کیا تھا، بلکہ اپنے ساتھ رکھا تھا ان سے مشورہ کرتا تھا اور ان کے مشورے پر کاربند ہوتا تھا'' حرہ کا واقعہ

جیسا کہ سب جانتے ہیں یزید کی زندگی میں آخری واقعہ تھا کیونکہ اس کے کچھ دنوں کے بعد یزید کا انتقال ہو گیا، یزید کے خلاف شکایت کرنے اور لوگوں میں اس کے معائب بیان کرنے میں عبد اللہ ابن زبیر کے بھائی منذر ابن زبیر بھی عبد اللہ بن مطیع کی طرح پیش پیش تھے جب یزید کو اس کی خبر ملی تو اس نے صفائی دینے اور انتشار ختم کرنے کے لئے حضرت نعمان ابن بشیر رضی اللہ عنہ کو ہی مدینہ بھیجا تھا، اگر حضرت نعمان اس کے ساتھ نہ ہوتے تو وہ اس نازک موقعہ پر مدینہ ہرگز تشریف نہ لاتے۔

دیکھئے ابن اثیر لکھتے ہیں۔فقال المنذر بن الزبیر ..... والله انه لیشرب الخمر والله انه لیسکر حتی یدع الصلوة وعابه بمثل ما عابه اصحابه واشد فبعث یزید النعمان بن بشیر الانصاری وقال له ان عدد الناس بالمدینة قومك ما یمنعهم شئی عما یریدون فانهم ان لم ینهضوا فی هذ الامر لم یجترئ الناس علی خلافی فاقبل النعمان فاتی قومه فامرهم بلزوم الطاعة وخوفهم الفتنة وقال لهم انکم لا طاقة لکم باهل الشام فقال عبد الله بن مطیع العدوی یا نعمان ما حملك علی فساد ما اصلح الله من امرنا وتفریق جماعتنا فقال النعمان والله لکانی بك لو نزل بك الجموع وقامت لك الرکب تضرب مفارق القوم وجباههم بالسیف ودارت رحی الموت بین الفریقین قد رکبت بغلتك الی مکة وخلفت هؤلاء المساکین یعنی الانصار یقتلون فی سککهم ومساجدهم وعلیٰ ابواب دورهم فعصاه الناس وکان الامر کماقال۔ (الکامل ج ۳ ص ۴۵۰)

رہا منذر بن زبیر کا معاملہ (تو وہ یزید کے پاس سے لوٹ کر) ابن زیاد کے پاس آ گئے اس نے ان کی بڑی آؤ بھگت کی وہ زیاد کے دوست تھے ابن زیاد کے پاس یزید کا خط

پہونچا جب اسے مدینہ کی خبر ملی تو اس نے ابن زیاد کو حکم دیا کہ انھیں قید کر لے، ابن زیاد کو یہ بات ناپسند ہوئی کیونکہ وہ اس کے مہمان اور اسکے باپ کے دوست تھے، تو ان سے بولا جب لوگ میرے پاس اکٹھے ہوں تو کھڑے ہو جایئے، اور کہیے کہ مجھے اپنے وطن جانے کی اجازت دو اور جب میں کہوں کہ آپ میرے پاس قیام فرمایئے آپ کی پوری عزت افزائی ہوگی، تو آپ فرمایئے مجھے بہت کام ہے، اور میرا واپس جانا بہت ضروری ہے، تو میں آپ کو واپسی کی اجازت دیدونگا، آپ اپنے گھر چلے جائیں، جب لوگ ابن زیاد کے پاس جمع ہو گئے تو منذر نے ویسا ہی کیا، ابن زیاد نے انھیں جانے کی اجازت دیدی تو وہ مدینہ آ گئے، وہ انمیں سے تھے جو لوگوں کو یزید کے خلاف بھڑکاتے تھے، اور بولے، یزید نے مجھے ایک لاکھ روپئے عطا کئے ہیں لیکن مجھے اس کی سچی بات بتانے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے (نوٹ یہاں پس منظر سمجھنے کے لئے صرف ترجمہ لکھا گیا ہے منقولہ عربی عبارت کا ترجمہ اب پڑھئے! عطا)

بخدا وہ شراب پیتا ہے وہ نشے میں رہتا ہے یہاں تک کہ نماز چھوڑ دیتا ہے، اور اس کے ساتھی اس پر جو عیب لگاتے تھے اس سے بڑھ کر انھوں نے عیب بیان کیا، تو یزید نے حضرت نعمان ابن بشیر انصاری رضی اللہ عنہ کو بھیجا اور ان سے بولا، مدینے میں زیادہ آپ کی قوم کے لوگ ہیں، وہ جو چاہتے ہیں اس میں ان کے لئے کوئی رکاوٹ بھی نہیں ہے، اس معاملے میں وہ اگر کھڑے نہیں ہوں گے تو کسی کو میرے خلاف کھڑے ہونے کی جرأت نہیں ہوگی، تو حضرت نعمان اپنی قوم کے پاس آئے، انھیں فرماں برداری پر جمے رہنے کی تلقین کی، انھیں فتنے سے ڈرایا اور ان سے بولے تم میں شام والوں سے مقابلے کی طاقت نہیں ہے تو عبداللہ بن مطیع عدوی نے کہا اے نعمان جو معاملہ اللہ نے ہمارے لئے ٹھیک کر دیا ہے، اسے بگاڑنے اور ہماری

جماعت میں پھوٹ ڈالنے کا آپ کا یہ عمل کیا ہے؟ حضرت نعمان نے فرمایا بخدا جب فوج آ کر تمہارے سامنے کھڑی ہوگی، اور تلوار سے قوم کے سروں اور پیشانیوں پر حملہ کرے گی اور دونوں فریق کے درمیان موت کی چکی گھومے گی تو تم تو خچر پر سوار ہو کر مکہ بھاگ جاؤ گے اور ان بیچاروں یعنی انصار کو اپنے پیچھے چھوڑ دو گے جو گلیوں مسجدوں اور اپنے گھروں کے دروازوں پر مارے جائیں گے، لوگوں نے ان کی بات نہیں مانی اور جیسا انھوں نے فرمایا تھا ویسا ہی ہوا۔ (الکامل ج ۳ ص ۴۵۰)

یہاں پر ایک بات تو بہر حال کھٹکتی ہے کہ حضرت نعمان ابن بشیر رضی اللہ عنہ کو یزید کی جس شراب نوشی ترک نماز اور دوسرے معائب کا علم نہ ہو سکا جب کہ وہ شام میں ان کے ساتھ یا قریب کے مقام حمص میں والی تھے، عبداللہ ابن مطیع کے وفد کو ساری باتیں تفصیل سے کیسے معلوم ہو گئیں؟ ع کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے

اگر یزید کا بہت بڑا قصور یہ ہے کہ اس نے حضرت عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ کی فرمائش پر ولید بن عتبہ کو مدینے کی ولایت سے معزول کر کے اس کی جگہ عثمان بن محمد بن ابی سفیان کو والی بنا دیا، تو جناب یہ بھی تو کڑوی حقیقت ہے کہ حرہ کے واقعہ میں بھولے بھالے کمسن ناتجربہ کار عثمان بن محمد کا تو کوئی رول ہی نہیں ہے۔ امور سلطنت کو منظّم رکھنے کے لئے جس طرح یزید نے دیکھا، کہ کوفہ والے اس موقعہ پر حضرت نعمان ابن بشیر کی نرمی سے بے جا فائدہ اٹھا رہے ہیں، تو اس نے بدل کر سخت مزاج عبیداللہ بن زیاد کو مقرر کر دیا، اسی طرح اسکو خبر ملی کہ مدینہ میں بھی عثمان ابن محمد کی نرم خوئی سے فائدہ اٹھا کر کچھ لوگ اپنی کھچڑی پکانیکی جدوجہد میں مشغول ہیں، تو اس نے سخت گیر طبیعت کے مالک مسلم ابن عقبہ کو معاملہ کنٹرول کرنے کی ہدایت دی یزید کی جگہ کوئی دوسرا ہوتا تو وہ بھی یہی کرتا، اب ہمارے سادہ لوح بزرگوں کو اس میں بھی

ناکارہ پن دکھائی دے تو اس کا کیا علاج۔ ع ہنر بچشم عداوت بزرگتر عیب است
رہا اس باب میں یزید پر تین دنوں تک لوٹ پاٹ مچانے کے حکم کا معاملہ تو وہ اب بھی ثبوت کا محتاج ہے۔

یزید کی شراب نوشی کی روایت

محترم مولانا سید طاہر حسین صاحب گیاوی مدظلہ نے اپنی کتاب کے ص ۱۹ پر عنوان قائم فرمایا ہے۔ ''یزید کے شراب پینے کی روایات'' اور اس کے تحت لکھتے ہیں:

''اس کا ثبوت متعدد سندوں سے ہے اور صرف تاریخوں سے ہی ثابت نہیں ہے بلکہ اس کے لئے متعدد سندوں اور احکام کو ثابت کرنے والی صحیح حدیثی سندیں بھی موجود ہیں''۔ پھر عنوان قائم فرمایا ہے: علامہ ذہبی کی تحقیق:۔ علامہ ذہبی علیہ الرحمۃ تاریخ الاسلام میں لکھتے ہیں واقدی کہتے ہیں مجھ کو ابن ابی ذئب نے خبر دی ہے وہ صالح بن حسان سے روایت کرتے ہیں ان کو اسماعیل بن ابراہیم مخزومی نے بتایا اور وہ اپنے والد ابراہیم سے روایت کرتے ہیں اور مجھے سعید بن محمد عمرو بن یحییٰ نے عبادہ بن تمیم سے حدیث بیان کی ہے کہ جب اہل حرہ کو دپڑے اور بنی امیہ کو مدینے سے نکالا، اور عبداللہ بن حنظلہ کے ہاتھ پر موت کی بیعت کر کے اکٹھے ہوئے تو انہوں نے کہا بخدا ہم لوگ یزید کے خلاف اس وقت نکلے، جب ہم کو آسمان سے سنگسار کئے جانیکا خطرہ ہوا، وہ یزید ام ولد اور ام ولد کی بہنوں اور بیٹیوں سے نکاح کرتا ہے، اور شراب پیتا ہے، نمازیں چھوڑتا ہے، اس جگہ یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ عبداللہ بن حنظلہ رضی اللہ عنہ صحابی ہیں اور وہ شراب خوری اور دیگر حرام کاری کی یزید کے بارے

میں خبر دے رہے ہیں، اس لئے صحابی جھوٹ نہیں بول سکتا ہے''۔

(کردار یزید ص ۲۰/۲۱)

مولانا گیاوی صاحب نے بزعم خود علامہ ذہبیؒ کی جو تحقیق پیش فرمائی ہے وہ مولانا کے نزدیک تحقیق ہو سکتی ہے کیونکہ ان کے مطلب کی تائید کرنے والی ہر روایت تحقیق ہوتی ہے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ علامہ ذہبی علیہ الرحمہ نے دوسری روایتوں کی طرح اس روایت کو بھی محض تاریخی روایت کی حیثیت سے اپنی تاریخ میں جگہ دی ہے جسے مولانا ان کی تحقیق بتا رہے ہیں۔

مولانا طاہر صاحب کا جوڑ توڑ

پھر اس روایت کو صحیح اور مستند بتانے کے لئے مولانا نے جوڑ توڑ کا جو مظاہرہ فرمایا ہے اسے بھی دیکھ لیجئے۔

مولانا لکھتے ہیں ''اس روایت کی دو سندیں ہیں:

پہلی سند:۔ (۱) محمد بن عبدالرحمٰن بن المغیرۃ بن الحارث جو ابن ابی ذئب ہیں، یہ ثقہ ہیں (۲) صالح بن ابی حسان ثقہ (۳) اسماعیل بن ابراہیم مخزومی المتوفی ۱۶۹ھ ثقہ (۴) ابو ابراہیم بن عبدالرحمٰن مخزومی بخاری کے راویوں میں ہیں، اور ابن حبان نے ثقات میں شمار کیا ہے''۔ اور ان سب کے لئے انھوں نے تہذیب التہذیب کا حوالہ دیا ہے۔ (کردار یزید ص ۲۱)

دوسری سند:۔ (۱) سعید بن محمد در حقیقت عمرو بن یحییٰ المتوفی ۱۴۰ھ ثقہ ہیں۔ (التہذیب ج ۲/ص ۳۹۲) عمرو بن یحییٰ بن عمارۃ الانصاری المازنی المدنی (۲) عبادہ بن تمیم غلط ہے یہ نام عباد بن تمیم ہے۔

(دیکھئے تہذیب التہذیب ج ۳/ص ۶۲/۶۳ و تاریخ الاسلام ج ۲/ص ۱۶۱ کردار یزید ص ۲۱)

عرض ہے کہ یہاں پر محترم مولانا طاہر صاحب نے ہاتھ کی صفائی دکھائی ہے اور تین سندوں کو جوڑ توڑ کر دو سندوں میں تبدیل کر دیا ہے۔ محمد بن عمر واقدی کے شاگرد وکاتب محمد بن سعد نے واقدی کے حوالے سے اپنی کتاب طبقات میں یہ روایت سند کے ساتھ لکھی ہے۔ جس میں واقدی نے اس کو تین سندوں سے بیان کیا ہے، اخبرنا محمد بن عمر قال حدثنا اسماعیل بن ابراھیم بن عبد الرحمن بن عبد الله بن ابی ربیعة المخزومی عن ابیه قال : واخبرنا ابن ابی ذئب عن صالح بن ابی حسان قال: وحدثنا سعید بن محمد عن عمر و بن یحییٰ عن عباد بن تمیم عن عمه عبد الله بن زید وعن غیرهم ایضاً کل قد حدثنی قالوا: لما وثب الخ ان رجلا ینکح الامهات والبنات والاخوات ویشرب الخمر ویدع الصلوة الخ (طبقات ابن سعد ج ۵/ص ۴۹ دار الکتب العلمیہ بیروت ج ۷ ص ۶۹ مکتبہ الخانجی قاہرہ)

بغور ملاحظہ فرمائیں کہ واقدی نے حدثنا اسماعیل واخبرنا ابن ابی ذئب وحدثنا سعید بن محمد سے اس روایت کی تین سندیں ذکر کی ہیں، مولانا طاہر صاحب نے واخبرنا سے ''واؤ'' حذف کر کے اسے پہلی سند سے جوڑ دیا اور اس کو ایک ہی سند بنا دیا۔ اور حدثنا سعید بن محمد کو دوسری سند قرار دیا ہے، جب کہ یہ درست نہیں اور پھر کل قد حدثنی کا فقرہ بھی تین سندوں کی ہی تائید کرتا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ دوسری سند کے ضمن میں مولانا لکھتے ہیں ''سعید بن محمد درحقیقت عمرو بن یحییٰ المتوفی ۱۴۰ھ ثقہ ہیں''۔ (کردار یزید ص ۲۱)

سعید ابن محمد کون ہیں؟

عرض ہے کہ یہ صرف مولانا کا مغالطہ ہے ورنہ تہذیب میں اس طرح کی کوئی بات

بالکل نہیں ہے کہ سعید بن محمد درحقیقت عمرو بن یحییٰ ہیں، تہذیب کی عبارت صرف عمرو بن یحییٰ کی توثیق پر دلالت کرتی ہے، سعید بن محمد کا کوئی ذکر نہیں کرتی، طبقات ابن سعد کی عبارت دیکھئے'' وحدثنا سعید بن محمد عن عمرو بن یحییٰ '' صاف صاف بتا رہی ہے کہ سعید بن محمد نے یہ روایت عمرو بن یحییٰ سے سن کر واقدی سے بیان کی ہے، ستم ظریفی یہ ہوئی کہ طبقات کی یہ عبارت تاریخ الاسلام میں جا کر سعید بن محمد ابن عمرو بن یحییٰ میں تبدیل ہوگئی، اور مولانا طاہر صاحب تک آتے آتے سعید بن محمد ہی عمرو بن یحییٰ بن گئے۔ اس شاندار تحقیق پر مولانا کو بے ساختہ داد نہ دینا ان کے ساتھ یقیناً ظلم ہوگا۔ اب جو مولانا فرماتے ہیں کہ'' پہلی سند میں کوئی کلام کی گنجائش نہیں ہے، وہ تو بالکل صحیح اور بے غبار سند ہے''۔ (کردار یزید ص ۲۱)

تو مولانا کا یہ حکم لگانا بھی بالکل یک طرفہ ہے ورنہ تہذیب التہذیب ہی میں صالح بن ابی حسان کے ترجمے میں لکھا ہے وقال النسائی مجهول وقال ابو حاتم ضعیف الحدیث۔ (تہذیب ج ۴ ص ۳۸۵)

امام نسائی نے انھیں مجہول اور ابو حاتم نے ضعیف الحدیث کہا ہے۔

مولانا نے اپنے اعتبار سے دوسری سند میں سعید ابن محمد کو عمرو بن یحییٰ بنا کر اسے بخاری کی سند فرمایا ہے تو عرض ہے کہ طبقات کی روایت کے لحاظ سے سعید ابن محمد نے اس کو عمرو بن یحییٰ کے حوالے سے واقدی سے بیان کیا ہے، اس لئے سعید اور عمرو دونوں ہرگز ایک نہیں ہو سکتے اور جب دونوں ایک نہیں تو جب تک سعید ابن محمد کا پتہ نہ چل جائے اور ان کی توثیق ثابت نہ ہو جائے اس پر صحت کا حکم لگانا کسی بھی طرح درست نہیں ہو سکتا، پھر بالفرض یہ مان لیا جائے کہ عمرو بن یحییٰ نے ہی اس کو واقدی سے بیان کیا ہے تو عمرو بن یحییٰ کی وفات ۱۴۰ھ میں اور واقدی کی پیدائش ۱۳۰ھ میں ہوئی

ہے،لیکن اگر وفات کے سال بھی انھوں نے واقدی سے اس کی روایت کی تو واقدی اس وقت زیادہ سے زیادہ دس سال کے ہونگے ،اور عمرو بن یحییٰ جیسے راوی کا اس جیسی سنجیدہ روایت کو دس سالہ بچے کے آگے بیان کرنا قرین قیاس نہیں معلوم ہوتا۔

صالح ابن ابی حسان کا ترجمہ میزان الاعتدال میں کچھ اس طرح ہے۔

صالح بن ابی حسان قال ابو حاتم منکر الحدیث ضعیف وقال ابن عدی صالح بن حسان المدنی نزل البصرة وروىٰ عباس عن ابن معین ضعیف ، وقال احمد لیس بشئ وقال البخاری منکر الحدیث وقال النسائی متروك وقیل صالح بن ابی حسان آخر وقد ضعفا قال ابن عدی وصالح هذا الیٰ الضعف اقرب۔ (میزان الاعتدال ج۲ص۲۹۱/۲۹۲)

صالح ابن ابی حسان کو ابو حاتم نے منکر الحدیث ضعیف کہا ہے،اور ابن عدی نے کہا صالح بن حسان مدنی نزیل بصرہ تھے ، اور عباس دوری نے ابن معین سے ضعیف ہونا بیان کیا ہے ، اور امام احمد نے فرمایا کسی کام کا نہیں ، اور بخاری نے کہا منکر الحدیث ہے اور امام نسائی نے فرمایا متروک ہے ، اور کہا گیا ہے کہ صالح بن ابی حسان دوسرے ہیں ، اور دونوں کی تضعیف کی گئی ہے ، اور ابن عدی نے کہا کہ یہ صالح ضعف کے زیادہ قریب ہیں۔

ابن ابی ذئب کا ترجمہ تہذیب الکمال میں یوں ہے،قال ابو داؤد وسمعت احمد یقول ابی ذئبٍ کان ثقة صدوقاً افضل من مالك بن انس الاان مالکاً اشد تنقیة الرجال منه ابن ابی ذئب کان لا یبالی عن من یحدث ۔

(تہذیب الکمال ج۲۵/ص۶۳۴)

امام ابو داؤد نے فرمایا میں نے امام احمد کو فرماتے سنا کہ ابن ابی ذئب ثقہ

صدوق ، مالک بن انس سے افضل تھے ، مگر امام مالک انکے مقابلے میں راوی کی چھان پھٹک زیادہ کرتے تھے ، ابن ابی ذئب جس سے حدیث لیتے تھے اسکی کچھ پرواہ نہیں فرماتے تھے۔

رہا محمد بن عمر واقدی کا مسئلہ تو یہ مختلف فیہ ہیں ، بہت سے لوگوں نے انھیں بہت کچھ کہا ہے تو بہت سے بزرگوں نے ان کی توثیق بھی کی ہے ، زیر بحث روایت میں انھیں ثقہ مان بھی لیا جائے تو ان کی اس بیان کردہ روایت پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا ، کیونکہ مسئلہ روافض کی طرف سے یزید پر الزام تراشی کا ہے ، اور واقدی پر تشیع اور تقیہ کا الزام ہے ،

واقدی کی شیعیت؟

معجم مؤرخی الشیعہ میں واقدی کے متعلق لکھا ہے ”ذکر له ابن الندیم ۲۸/ کتابا معظمها فی التاریخ وقال فیه : کان یتشیع ، حسن المذهب یلزم التقیة خلف بعد وفاته ست مأة قمطر کتاباً کل قمطر منها حمل رجلین و کان له غلامان یکتبان له اللیل والنهار ۔ (معجم مؤرخی الشیعۃ ج۲ص۲۹۸)

ابن ندیم نے اس کی اٹھائیس کتابیں شمار کرائی ہیں جن کا بڑا حصہ تاریخ پر مشتمل ہے اور اس کے بارے میں کہا کہ وہ پختہ شیعہ مذہب رکھتا تھا ، تقیہ کا پابند تھا اس نے اپنی وفات کے بعد چھ سو تھیلیاں کتابیں چھوڑی تھیں ، ہر تھیلی کو دو شخص مل کر اٹھاتے تھے اس کے دو غلام اس کے لئے رات دن لکھتے تھے۔

شیعیت کو بنیادی طور سے حضرت سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے صاحبزادے سے اختلاف رہا ہے ، اس لئے کسی بھی شیعیت زدہ شخص کی ان کے معائب میں کسی روایت کو قبول کرنا گویا اسے شہادت کا درجہ دینا ہے ، اور یہ مدعی کو ہی شاہد مان لینے کی طرح ہے ، جو انصاف کے اصولوں سے پرے ہے ، اس لئے ہمیں اس روایت کو قبول

کرنے میں سخت تأمل ہے، پھر پیش کردہ روایت کو دیکھئے تو اس میں کوئی معمولی الزام یزید پر نہیں لگایا گیا، بلکہ اسے شراب نوشی، ترک نماز اور ماؤں، بیٹیوں، اور بہنوں سے زنا کا مجرم قرار دیا گیا ہے اور شرعی ضابطے کے مطابق شراب نوشی کے لئے دو اور زنا کے لئے چار عینی گواہوں کا ہونا ضروری ہے، جس کے بغیر نہ صرف الزام کو خارج کر دیا جائے گا، بلکہ الزام لگانے والے کو حد قذف کا مجرم مان کر سزا کا حقدار قرار دیا جائے گا۔

اس روایت میں حضرت عبداللہ بن حنظلہ کے حوالے سے یہ الزام یزید پر عائد کیا گیا ہے، جب کہ آپ دیکھیں گے کہ ان سے بدر جہا فائق وممتاز صحابی حضرت ابوبکرہ اسلمی رضی اللہ عنہ کے الزام کو عدم شہادت کی بنا پر نہیں بلکہ شہادت کی ناپختگی کی وجہ سے نہ صرف خارج کر دیا گیا بلکہ پختہ شہادت پیش نہ کر سکنے کی وجہ سے انھیں کوڑے بھی لگائے گئے۔ اب مولانا طاہر حسین صاحب کے اس بیان کو محض جذباتی بیان بلکہ ایک طرح کی بکواس نہ کہا جائے تو اور کیا کہا جائے کہ ''اس جگہ یہ بات یاد رہنی چاہیئے کہ عبد اللہ ابن حنظلہ رضی اللہ عنہ صحابی ہیں اور وہ شراب خوری اور دیگر حرام کاری کی یزید کے بارے میں خبر دے رہے ہیں اس لئے صحابی جھوٹ نہیں بول سکتا ہے''۔

(کردار یزید ص ۲۰/۲۱)

میں عرض کرتا ہوں کہ مولانا میں اگر دم ہے اور وہ واقعی بیان کردہ الزامات سے متفق ہیں تو ہمت کر کے چار عینی گواہ پیش فرما دیں، ہم بھی شکریہ کے ساتھ مولانا ہی کا مذہب اپنا لیں گے! ع صلائے عام ہے یاران نکتہ داں کے لئے

ہمیں بڑی حیرت ہوتی ہے کہ مولانا طاہر صاحب خود واقدی کے بارے میں علامہ ذہبیؒ کا یہ قول نقل کرتے ہیں کہ ''قد انعقد الاجماع الیوم انه لیس بحجة'' اور

حافظ ابن حجر عسقلانی علیہما الرحمۃ کا فیصلہ اپنی کتاب میں لکھتے ہیں'' وقد استقر الاجماع علی وهن الواقدی ''۔ آج اس بات پر اجماع ہو چکا ہے کہ واقدی حجت نہیں ہے اور واقدی کے ضعف پر اجماع قرار پا چکا ہے پھر بھی اگلی سطر میں لکھ مارتے ہیں کہ'' واقدی ضعیف تو ہیں لیکن کاذب غیر معتبر اور بالکل کنڈم راویوں میں سے نہیں ہیں''۔ (کردار یزید ص ۲۲)

تعدد طرق کی حقیقت

مولانا کی ڈھٹائی کو ہم کیا نام دیں ہماری سمجھ سے باہر ہے۔

مولانا لکھتے ہیں: ''ابومخنف کے ساتھ واقدی کا ہونا سند میں قوت پیدا کر دیتا ہے''۔

(کردار یزید ص ۲۲)

ہم عرض کرتے ہیں کہ بے شک واقدی پر شدید جرحوں کے ساتھ ساتھ بزرگوں کی طرف سے اس کی توثیق بھی کتابوں میں مذکور ہے، لیکن ابومخنف جیسے جھوٹے، روافض کے لئے جعلی روایت بنانے والے، جلے بھنے شیعہ راوی کی موجودگی کسی سند کو کیسے قوت بخشے گی یہ نسخہ شاید مولانا ہی کے پاس محفوظ ہوگا۔ ہم کہتے ہیں کہ دو روایتیں ہوں اور ایک میں کذاب وضاع جلا بھنا شیعہ راوی ہو، ایک میں مختلف فیہ تقیہ باز شیعہ حامی۔ اور دونوں روایتیں رافضی موقف کی تائید میں ہوں تو دونوں روایتیں نجس اور قابل ترک ہونگی یا ایک دوسرے کو سہارا دے کر طاہر مطہر بن جائیں گی؟ مولانا سے گذارش ہے کہ اپنا یہ اصول اپنے پاس محفوظ رکھیں ممکن ہے کسی مناظرے میں ان کے کام آجائے، ورنہ ایسے راوی جنھیں جرح وتعدیل کے ائمہ کرام نے جھوٹا، غیر معتبر اور جعلی حدیثیں بنانے کا مجرم قرار دیا ہو ایسے دو کیا دس راوی بھی تعدد طرق سے ایک مضمون سامنے لائیں تو ہم سمجھتے ہیں وہ روایت بہر حال مردود ہوگی، مولانا نے حضرت

شیخ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے مقدمۂ مشکوٰۃ سے ایک قاعدہ نقل کر کے دکھانا چاہا ہے کہ حدیث ضعیف اگر متعدد طریقوں سے مروی ہوتو حسن لغیرہ کے درجے تک پہونچ کر وہ بھی بالاجماع قابل احتجاج ہوتی ہے۔ والحدیث الضعیف الذی بلغ بتعدد الطرق مرتبة الحسن لغیره ایضاً۔ (مقدمۃ مشکوٰۃ شیخ عبدالحق ص۲ / کردار یزید ص۲۲/۲۳)

اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ چند شاطر تقیہ باز جھوٹوں نے اپنے مقصد کی تکمیل کے لئے ایک ہی روایت متعدد طریقوں سے بیان کی ہوتو تعدد طرق کا فائدہ دے کر ان کی روایت کو قابل احتجاج قرار دے دیا جائے گا ؟ ہم سمجھتے ہیں مولانا اپنے استدلال کے لئے اس معتبر قاعدے کو درست طریقے سے پیش نہیں فرمارہے ہیں، ورنہ سچائی یہ ہے کہ روایت میں ضعف مختلف طریقوں سے ہوتا ہے، کبھی درمیان میں راوی کے چھوٹ جانے سے، کبھی راوی کے حافظے کی کمی سے، کبھی اس کے وہم کی کثرت سے کبھی اس کی تدلیس کی بنا پر، ان راویوں کی بیان کردہ حدیثوں میں کچھ کمزوری ہو اور وہی مضمون کسی دوسرے کمزور راوی کی زبانی دوسری روایت میں بیان کیا گیا ہوتو بیشک ایک ہی مضمون مختلف سندوں سے مروی ہونے کی وجہ سے اسے بالکل غیر معتبر نہ مان کر صحت کی صف میں داخل کر دیا جائے تو کوئی حرج کی بات نہیں، لیکن اسی ضابطے کو بہانہ بنا کر اس کا فائدہ جھوٹوں کو اور جعلی حدیث بنانے والوں کو بھی اٹھانے دیا جائے ہم سمجھتے ہیں یہ انصاف کی بات نہیں ہے۔

داعیٔ بدعت کی روایت مردود ہے

حضرت شیخ محدث عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں والمختار انه ان کان داعیاً الیٰ بدعته ومروجاًله رد وان لم یکن کذالك قبل الا ان

یروی شیئاً یقوی به بدعته فهو مردود قطعاً۔ (مقدمۂ مشکوٰۃ ص۶)

''مختار مذہب یہ ہے کہ اگر وہ راوی اپنی بدعت کی طرف بلانے والا اور اسے ترویج دینے والا ہوتو اس کی روایت مردود ہوگی، اور اگر ایسا نہ ہوتو قبول کی جائے گی مگر اس روایت سے اگر اس کی بدعت کو تقویت ملتی ہوتو یہ روایت ہر حال میں مردود ہوگی''۔

علامہ ذہبیؒ کی عبارت سے استدلال اور اس کا جواب

مولانا خود ہی علامہ ذہبی کے فرمان کا ترجمہ کرتے ہیں، ''کیونکہ آج اس پر اجماع ہو چکا ہے کہ وہ قابل حجت نہیں''۔ (کردار یزید ص۲۲) اور پھر اس کی روایت کو ابومخنف والی روایت سے سہارا دے کر قابل حجت ماننے پر اصرار فرماتے ہیں کتاب میں جگہ دینے کا یہ مطلب کیسے ہوسکتا ہے کہ علامہ ذہبی اس کی حجیت کے بھی قائل ہو گئے؟ مولانا کو معلوم ہونا چاہیئے کہ علامہ ذہبی نے اس کو من حیث الروایۃ اپنی کتاب میں جگہ دی ہے نہ کہ اپنے فیصلے سے رجوع کر کے انھوں نے اس کو قابل احتجاج بھی مان لیا ہے۔

علامہ طاہر حسین نے روایت ستین کے ساتھ تمسکوا بصدغی معاویة کا ذکر کرتے ہوئے محدث کبیر کے استہزاء میں اپنی اوقات پیش کی ہے، میں انھیں کے انداز میں عرض کرتا ہوں کہ مناظر اسلام وہاں ہوتے، تو امام ذہبی سے کہتے کہ آپ نے اسے نا قابل حجت روایت کی صف میں کیسے ڈال دیا؟ جب کہ میں اس کی مدد سے یزید کو شرابی اور زانی ثابت کرنے جا رہا ہوں، آپ امام کہلاتے ہیں اور آپ کو اتنا بھی پتہ نہیں ہے کہ میرے پاس ابومخنف اور محمد بن زکریا غلابی بھی واقدی کی

مدد کیلئے اسلحہ بردار کھڑے ہیں۔لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

امام ذہبی فرمارہے ہیں میرے نزدیک واقدی متہم بالوضع نہیں ہے، اس لئے اس کی روایت من حیث الروایۃ لکھی جائے گی، لیکن چونکہ اس کے نا قابل حجت ہونے پر اجماع ہو چکا ہے اس لئے کتاب میں اس کی روایت مکتوب ہونے کے باوجود اس سے احتجاج اور استدلال درست نہ ہوگا، اور ہمارے مولانا سمجھ رہے ہیں کہ امام صاحب نے انھیں کھوٹہ سکہ چلانے کی کھلی چھوٹ دے دی ہے۔ مولانا نے حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کے فرمان گرامی کو مستدل بنا کر اپنی غلط وکالت کا راستہ ہموار کرنا چاہا تھا لیکن مولانا کے سامنے حضرت محدثؒ کا یہ ضابطہ بھی ہونا چاہیے تھا، حضرت شیخ فرماتے ہیں، ومع ذالك الاحتياط فى عدم الاخذ لانه قد ثبت ان هؤلاء الفرق كانوا يضعون الاحاديث لترويج مذاهبهم وكانوا يقرون بعد التوبة والرجوع والله اعلم۔ (مقدمۃ مشکوٰۃ ص۶)

اس کے باوجود ان لوگوں کی حدیثیں نہ لینے ہی میں احتیاط ہے کیونکہ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ یہ لوگ اپنے مذاہب کو پھیلانے کے لئے جعلی حدیثیں بنا لیتے ہیں اور رجوع اور توبہ کے بعد اس بات کا اقرار کرتے ہیں واللہ اعلم

سبائی روایتوں کی درایتی حیثیت

بڑے افسوس کے ساتھ عرض ہے کہ یزید کا کردار مسخ کرنے کے لئے مولانا نے جن گندی ذہنیت والے روافض کی روایتوں کو مستدل بنا کر اپنی کتاب کی شان گھٹائی ہے ایک ساعت کے لئے تو سوچتے، کہ یزید کو امہات الاولاد اور ان کی بہنوں بیٹیوں سے مشغول دکھا کر وہ کس دور کا نقشہ پیش کر رہے ہیں؟ کیا یہی خیر القرون ہے؟ جس میں ایک آمر، صحابۂ کرام کے ہوتے ہوئے کھلی حرام کاری میں مشغول ہو اور صحابۂ کرام جان

کے خوف میں ایسے ڈوب جائیں کہ انکی طرف سے کہیں سے کوئی آواز نہ اٹھے؟ جہاں یہ سب اندھیر ہو رہا ہے وہاں کے لوگ تو کچھ نہ بولیں اور واقدی جیسے تقیہ کے اسیر اپنی رچی ہوئی تہمتیں وہاں سے کافی دور مدینہ میں رہنے والے حضرت ابن حنظلہ کی زبان سے نکلوائیں۔ کوئی کہہ سکتا ہے کہ حضرت عبداللہ شام سے آ کر ہی تو یہ سب بیان کر رہے ہیں، لیکن میں پھر عرض کرونگا کہ شام میں رہنے والے حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ، اور ان جیسے دوسرے صحابہ جو یزید کے آس پاس ہیں ان کو خبر بھی نہ ہو، اور حضرت ابن حنظلہ چند دنوں کیلئے یزید کے پاس جائیں اور اپنی ''غیبی طاقت'' سے یزید کا سارا کچا چٹھا معلوم کر لیں؟ پھر حضرت عبداللہ ابن حنظلہ جب لوگوں کو خروج پر آمادہ کرنے کے لئے اس ''علم لدنی'' کا استعمال فرمائیں تو روک تھام کے لئے یہی حضرت نعمان بن بشیر یزید ہی کے کہنے پر مدینے تشریف لائیں، ہمارے مناظر اسلام اور ان جیسے رافضیوں کے نادانستہ آلہ کار حضرات، رافضیوں ہی کی طرح کیا سمجھتے ہیں کہ ایک جلیل القدر صحابی کی رگوں میں دوڑتا ہوا خون اتنا بے غیرت ہو گیا تھا؟۔

پھر میں عرض کرتا ہوں کہ یزید کو امہات الاولاد ان کی بہنوں اور بیٹیوں سے یہ سب کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی؟ جو یزید حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کو دس لاکھ روپئے عطیہ دے سکتا ہو، اور حضرت عبداللہ ابن جعفر اس یزید کے لئے فرماتے ہوں ''میرے ماں باپ تم پر قربان'' اس یزید کے لئے لونڈیوں کی کیا کمی ہو سکتی تھی؟ اس کی استطاعت خرید تو اس سے کہیں زیادہ تھی، کیا وہ بالکل پاگل تھا کہ جس شوق کو وہ کسی کو خود پر انگلی اٹھانے کا موقع دیئے بغیر پورا کر سکتا تھا، اس نے اسی کام کے لئے ایک ایسا راستہ چنا جس پر قدم رکھتے ہی اس کے اپنے بھی اس کے مخالف ہو جائیں؟ ہمارا شعور تو اس کو ہرگز تسلیم نہیں کر سکتا، باقی رہا شراب پینے اور نمازیں چھوڑنے کا

مسئلہ! تو بالفرض اگر یہ کسی درجہ میں درست ہو بھی، تو کیا ہم سمجھیں کہ یزید ہوش وحواس سے بالکل بیگانہ تھا؟ کیونکہ جو حضرات مستقل اس کے قریب ہیں وہ اس کی ایسی کوئی حکایت بیان نہیں کرتے، اور جو وفد اسکے پاس شام پہونچتا ہے وہ یزید کی ساری حرکتیں دیکھ کر آتا ہے، تو اس کا مطلب تو یہی ہوا کہ یزید نے ''آ بیل مجھے مار'' والی کہاوت پر عمل کرنے کیلئے صرف اس وفد کے سامنے ہی اپنی بداطواری اور ناہنجاری کا مظاہرہ کیا، تاکہ وفد مدینہ واپس جا کر یزید کی ''قصیدہ خوانی'' کر سکے، عموماً ایسے موقعوں پر تو موٹی عقل والا شخص بھی محتاط ہو جاتا ہے، اور یا تو اپنی حرکتیں موقوف کر دیتا ہے یا اگر اس کا بہت عادی ہو تو اسے سات پردوں کے پیچھے انجام دیتا ہے، تاکہ جو وفد اس کا چال چلن جاننے آیا ہے کم از کم اسکے ہاتھ تو اسکے کالے کرتوتوں کا کوئی سراغ لگنے نہ پائے اور ہم یہاں واقدی کی زبانی بیان کردہ حکایت میں بالکل الٹی تصویر دیکھ رہے ہیں۔

مولانا طاہر صاحب کی جذباتی دلیل اور اس کا آپریشن

مولانا طاہر حسین صاحب تحریر فرماتے ہیں۔

> اس جگہ یہ بات یاد رہنی چاہئے کہ عبداللہ بن حنظلہ رضی اللہ عنہ صحابی ہیں اور وہ شراب خوری اور دیگر حرام کاری کی یزید کے بارے میں خبر دے رہے ہیں، اس لئے صحابی جھوٹ نہیں بول سکتا ہے۔ (کردار یزید ص ۲۱)

یہاں پر عرض ہے کہ احترام صحابہ کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ شیعہ حضرات اپنے ائمہ کے جس طرح معصوم ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں کہ ان سے کسی گناہ کبیرہ کا صدور نہیں ہو سکتا ویسا ہی عقیدہ ہم بھی صحابۂ کرام کے متعلق رکھیں، کہ ان سے کسی کبیرہ گناہ کا سرزد ہونا محال ہے، اور جب ہمارا یہ عقیدہ ہی نہیں ہے تو پھر کہنا کیسے درست ہوگا؟ کہ ''صحابی جھوٹ نہیں بول سکتا ہے'' البتہ ہمارا یہ اعتقاد ضرور ہے کہ اللہ رب العزت

نے ان سے رضامندی کا اظہار فرمایا ہے تو یہ جرم موت تک انکے ساتھ ہرگز رہنے نہیں دیگا اور یا تو اپنی قدرت ومشیت سے یا ان سے توبہ کرا کر انھیں پاک صاف کر کے اپنے پاس بلائیگا۔ اور جہاں تک ہمارے سمجھنے کا معاملہ ہے تو ہم تو آلودۂ معاصی ہیں لیکن از راہ کرم مولانا ذرا اس حدیث پاک کا مفہوم ہمیں سمجھا دیں، تاکہ ہماری بھی تشفی ہو جائے۔ عن ابن عباس رضی الله عنهما ان هلال بن امية قذف امرأته عند النبی صلی الله علیه وسلم بشريك بن سحماء فقال النبی صلی الله علیه وسلم البينة او حد فی ظهرك قال يا رسول الله صلی الله علیه وسلم اذا رأى احدنا علىٰ امرأته رجلاً ينطلق يلتمس البينة فجعل يقول البينة والاحد فی ظهرك۔ حضرت سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ حضرت ہلال ابن امیہ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنی بیوی پر شریک بن سحماء سے آلودگی کی تہمت لگائی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا گواہی پیش کرو ورنہ تمہاری پیٹھ پر غلط الزام لگانے کی حد جاری ہوگی، انھوں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کوئی شخص اپنی بیوی کو کسی سے مشغول دیکھے گا، تو کیا وہ گواہ ڈھونڈنے نکلے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ فرماتے رہے گواہ لاؤ یا اپنی پیٹھ پر حد کے لئے تیار رہو۔

(بخاری ج ۱ ص ۳۶۷ باب اذا ادعیٰ او قذف الخ)

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اللہ کے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی یہ اعتقاد رکھتے تھے یا نہیں کہ صحابی جھوٹ نہیں بول سکتا ہے؟ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عقیدہ بھی یہی تھا تو آپ نے ہلال ابن امیہ کے صرف زبانی دعویٰ پر یقین کیوں نہیں فرمایا؟ اور ان سے کیوں کہا کہ گواہ لاؤ ورنہ تمہاری پیٹھ پر حد جاری کی جائے گی؟ مولانا نے اپنی کتاب کے صفحہ ۱۱۴ پر حضرت محدث اعظمی رحمۃ اللہ علیہ کی شان میں جو بدتمیزی کی ہے،

جی چاہتا ہے کہ مولانا کو اسی انداز میں بازگشت سنائی جائے کہ افسوس! ہمارے مناظر اسلام اس موقعہ پر وہاں موجود نہ تھے، ورنہ یہ ہوتے تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان میں بھی اپنی ٹانگ اڑاتے اور کہتے کہ حضورؐ! آپ کس بنیاد پر ہلال ابن امیہ سے گواہوں کا مطالبہ فرمارہے ہیں۔ ہلال ابن امیہ تو آپ کے صحابی ہیں اور صحابی جھوٹ نہیں بول سکتا ہے، تو آپ ان کا دعویٰ رد فرما کر الٹا انھیں پر حد جاری کرنے کی بات کیوں فرمارہے ہیں۔ یہ کون سا انصاف ہے؟ (نعوذ باللہ من ھذہ الھفوات والھذیانات۔ عطا) اب میں پھر عرض کرتا ہوں کہ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تنہا ہلال ابن امیہ کا دعویٰ اور بیان، ان کی اہلیہ کے بارے میں مردود قرار دے رہے ہیں جب کہ حضرت ہلال اکابر صحابہ میں ہیں، تو یزید کے بارے میں تنہا عبداللہ بن حنظلہ کا دعویٰ کیسے قبول کیا جاسکتا ہے؟ جب کہ یہ اکابر صحابہ میں بھی نہیں ہیں، اس لئے مولانا کا یہ دعویٰ صرف ایک مناظرانہ داؤ ہے، جس سے اپنے سننے والوں کو ورغلایا تو جا سکتا ہے کہ دیکھئے یزید کے بارے میں ایک صحابی یہ بیان دے رہے ہیں تو اس کو تسلیم کیوں نہیں کیا جائے گا؟ لیکن حقیقی بنیاد پر اس سے اس طرح کا کوئی استدلال انصاف کی کسوٹی پر ٹکنے والا نہیں ہے۔ ص ۲۱ر پر مولانا نے اس روایت کو صحیح قرار دینے اور قابل حجت بنانے کے لئے اسناد میں جو کھینچ تان فرمائی ہے، اگر مولانا کے پاس اس روایت کو جوڑ توڑ کے چنگل سے نکال کر قابل احتجاج بنانے کا کوئی کارگر نسخہ ہو تو پیش فرمائیں، ورنہ بے کار کی مغزماری سے کیا فائدہ؟

مولانا طاہر صاحب کا سبائی روایت سے استدلال

ایک تیسری روایت مولانا نے صفحہ ۲۳ر کے آخر میں پیش کی ہے، جس کے ضعیف ہونے کا انھوں نے خود ہی پیشگی اعتراف کرلیا ہے، یہ روایت محمد بن زکریا غلابی سے

منقول ہے جس کو اولاً طبرانی نے اور ان سے ابن کثیر نے البدایۃ میں نقل کیا ہے، آیئے پہلے محمد بن زکریا الغلابی کو جان لیں کہ یہ موصوف کیا چیز ہیں؟

محمد بن زکریا رافضی کی حقیقت

محدث دارقطنی علیہ الرحمۃ اس کے متعلق فرماتے ہیں یضع الحدیث، یہ شخص جعلی حدیث بناتا ہے۔ (سؤالات حاکم للدارقطنی ص ۱۴۸)

علامہ ذہبیؒ فرماتے ہیں محمد بن زکریا الغلابی کذاب، محمد زکریا غلابی بہت بڑا جھوٹا ہے۔ (میزان الاعتدال ج ۳ر ص ۱۶۶)

امام ابن الجوزیؒ نے فرمایا ''محمد بن زکریا الغلابی غالی قسم کا شیعہ تھا''۔ دارقطنی نے کہا ہے کہ یہ حدیثیں گھڑتا تھا۔ (الموضوعات لابن الجوزی ج ۳ر ص ۲۷۸)

امام ابن الجوزی نے ہی اس کی ایک روایت ذکر کرکے لکھا۔ ھذا حدیث موضوع وضعہ محمد بن زکریا۔ یہ من گھڑت حدیث ہے جسے محمد بن زکریا نے گھڑا ہے۔ (الموضوعات ج ۱ر ص ۴۱۸)

متہم اور کذاب راوی کی روایت سے حضرت معاویہؓ کی تنقیص

اب ایسی روایت کے حوالے سے کسی کو بدنامی کے تختۂ دار پر کھینچنا انصاف کے کس خانے میں فٹ ہوتا ہے؟ اسے تو مناظر اسلام ہی بتائیں گے۔ ہاں اپنا قلم اور اپنی عدالت ہو تو ''یزید کے فاسق اور شرابی ہونے پر ناقابل انکار دلائل اور شواہد'' جیسے عنوان قائم کرنے میں شاید کوئی حجاب محسوس نہ ہو۔ جسے محترم مولانا طاہر حسین صاحب نے ضمیر کی آواز دبا کر اچھی طرح انجام دیا ہے۔ حیرت ہے کہ اس روایت سے استدلال کرتے وقت ان کی عقیدت صحابہ کا جذبہ سرد کیوں پڑ گیا تھا؟ کیونکہ اگر یزید اس روایت کے مطابق شراب پیتا تھا تو اسی روایت میں یہ بھی ہے کہ حضرت

معاویہؓ کو اس کی شراب نوشی کا علم بھی تھا اور انھوں نے نرمی سے اس کو سمجھانے کی کوشش بھی کی تھی، ابن زکریا کی اس جعلی روایت کو اگر تسلیم کر لیا جائے تو یہ الزام تو سیدھا حضرت سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ تک پہونچتا ہے کہ انھوں نے اپنے بیٹے کو اس قبیح فعل سے روکنے کے لئے کوئی سختی نہیں دکھائی اور یزید کے اس فعل پر باقی رہتے ہوئے بھی آپ نے نہ صرف اس سے رشتہ نہیں توڑا بلکہ ساری اسلامی روایتوں کو طاق پر رکھتے ہوئے اس کو خلیفہ بنانے کے لئے ''زور وزر'' تک کا استعمال کیا، مولانا ابن زکریا غلابی کی موضوع اور جعلی روایت کو صحیح قرار دینے کے لئے تعدد طرق کا بے جا استعمال کرنا چاہ رہے ہیں، جب کہ ان جیسے خبیث رافضیوں نے اس طرح کی جعلی حدیثیں اور روایتیں بنا کر یا دوسری روایتوں میں اپنے مطلب کے جملے جوڑ کر صرف اپنے ذوق تکدر کو تسکین پہونچائی ہے رہا ابن کثیر اور ان جیسے دوسرے مؤرخین کا معاملہ تو انھوں نے روایت بحیثیت روایت ہر خشک و تر بیمار و صحتمند روایت کو اپنی کتابوں میں درج کر دیا ہے تو ان روایتوں سے کسی پر سنگین الزام عائد کرتے ہوئے مولانا طاہر صاحب یا ان جیسے دیانتدار بزرگوں کو ان روایتوں سے بالکل صحیح اور تندرست روایتوں کا انتخاب کرنا چاہئے تھا، نہ کہ ان قریب المرگ روایتوں کو اپنے مطلب کے لئے مفید پا کر انھیں ہی آکسیجن پہونچانے کی نامحمود کوشش میں مشغول ہو جاتا تھا، کیا اسی کا نام دیانتداری اور غیر جانبداری ہے؟

حضرت عبداللہ ابن مطیع کا الزام اور محمد بن الحنفیہ کا بھرپور جواب

مولانا مزید لکھتے ہیں۔

اب ایک صحیح روایت بھی اس کے شراب خور ہونے کی دلیل میں پیش کی جارہی ہے اس کو بغور ملاحظہ فرمائیں اور اچھی طرح غور وفکر سے کام لیجئے،

علامہ ذہبی اس کا مختصراً تذکرہ اپنی دو کتابوں میں کر رہے ہیں، اور ابن کثیر بھی البدایۃ والنہایۃ ج۸/ص ۳۲۸/ پر اس روایت کو مکمل نقل فرما رہے ہیں۔ (کردار یزید ص ۲۴/۲۵)

مولانا نے ایک روایت علامہ ذہبی کی سیر اعلام النبلاء ج۴/ص ۲۰/ سے اور دوسری روایت انھیں کی تاریخ الاسلام ج۲/ص ۴۸۷/ سے نقل کی ہے، دونوں میں مولانا کا مستدل جملہ انہ یشرب الخمر و یترك الصلاة و یتعدی حکم الکتاب ہے پھر اسی کو حافظ ابن کثیر کی البدایہ سے نقل کیا ہے جس میں یہی جملہ موجود ہے، حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں قدرے تفصیل ہے، اس لئے ہم دونوں روایتوں کو چھوڑ کر علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کی روایت کا وہ ترجمہ نقل کرتے ہیں جسے مولانا گیاوی نے حضرت محدث اعظمی کی کتاب سے منقول فرمایا ہے، مولانا گیاوی لکھتے ہیں۔ سند کے تعلق سے اس وضاحت کے بعد مولانا اعظمی علیہ الرحمۃ کا ترجمہ پڑھئے

''ابن کثیر لکھتے ہیں کہ جب مدینہ والوں کا وفد شام سے واپس آیا تو عبداللہ بن مطیع اور ان کے ساتھی ابن الحنفیہ کے پاس آئے ور ان کو بھی خلع بیعت پر آمادہ کرنا چاہا تو انھوں نے انکار کر دیا، پھر ان میں اور عبداللہ بن مطیع میں یہ گفتگو ہوئی۔

عبداللہ بن مطیع: یزید شراب پیتا ہے اور نماز ترک کرتا ہے اور کتاب اللہ کے حکم سے تجاوز کرتا ہے۔

ابن الحنفیہ: میں نے وہ باتیں نہیں دیکھیں جو تم ذکر کرتے ہو، حالانکہ میں اس کے پاس گیا ہوں، اور اس کے پاس ٹھہرا ہوں، میں نے تو اس کو برابر پابند نماز اور خیر کا طالب اور اسکا قصد کرنے والا دیکھا ہے، وہ احکام شرع کو پوچھتا رہتا ہے اور میں نے اس کو سنت کا التزام کرنے والا دیکھا ہے۔

عبداللہ بن مطیع: وہ یہ سب دکھانے کے لئے بناوٹی کرتا تھا۔

ابن الحنفیہ: مجھ سے اس کو کیا خوف تھا یا امید تھی کہ وہ میرے لئے خشوع ظاہر کرے گا، اچھا تم جو اسکی شراب خوری کا ذکر کرتے ہو تو کیا اس نے تم کو اس پر مطلع کیا ہے؟ تو تم اسکے شریک (بزم وحریف بادہ) ہو اور اگر اسنے تم کو مطلع نہیں کیا ہے تو تمہارے لئے حلال نہیں ہے کہ جس بات کا تم کو علم نہیں اس کی شہادت دو۔

حضرت ابن مطیع کا دیکھنے سے انکار

عبداللہ بن مطیع: ہمارے نزدیک تو وہ حق ہے اگر چہ ہم نے دیکھا نہیں ہے۔

ابن الحنفیہ: اللہ تعالیٰ نے شہادت دینے والوں کو اس کی اجازت نہیں دی ہے بلکہ انکار کیا ہے اور فرماتا ہے ''الامن شهد بالحق وهم يعلمون'' اور میں تمہارے اس کام سے بیزار ہوں یا مجھ کو تمہارے اس کام سے کوئی سروکار نہیں۔'' پس یہ ہے کل ثبوت یزید کے فسق وفجور کا اور یہ ہے اس ثبوت پر علی مرتضیٰ کے فرزند امام ربانی حضرت محمد بن الحنفیہ کی شرعی جرح اور یہ ہے ان کا قرآنی فتویٰ یزید کو فاسق وفاجر کیلئے ثابت کرنے کے جواز وعدم جواز کے باب میں''۔ (کردار یزید ص ۲۷/۲۸)

(نوٹ:۔ یہاں پر محدث اعظمی رحمہ اللہ کی کتاب میں اصل عبارت ''یزید کو فاسق وفاجر کہنے کے جواز وعدم جواز کے باب میں ہے'' مولانا طاہر صاحب کی کتاب میں غلطی سے فاسق وفاجر کے لئے ثابت کرنے کے جواز وعدم جواز میں چھپ گیا ہے جو اردو کے لحاظ سے بھی غلط ہے)

مولانا طاہر صاحب گیاوی مدظلہ نے اسکے بعد اپنے استدلال میں دو تین اہم باتیں لکھی ہیں، پہلے ہم انھیں ذکر کرتے ہیں، پھر اسکا جائزہ لیں گے۔

مولانا فرماتے ہیں۔'' یہ روایت نہایت مضبوط سند کے ساتھ مروی ہے،

اور روایت کرنیوالے عبداللہ بن مطیع رضی اللہ عنہ جیسے صحابی اور محمد بن حنفیہ جیسے عالم اور تابعی سے مباحثہ اور تکرار کے درمیان نقل کر رہے ہیں، اس لئے یہ صرف کسی تاریخی روایت کا انکار نہیں ہے بلکہ صحیح الاسناد اور احکام ثابت کرنے والی حدیثی روایت کا انکار کرنا ہے، اور یہ وہ دروازہ کھولنا ہے جس کے کھل جانے کے بعد شریعت کے کسی بھی ثابت شدہ حکم کو جھٹلانے کے لئے اجازت فراہم کرنا آسان بنادے گا''۔

(کردار یزید ص ۲۸)

اس سلسلے میں پہلی بات یہ عرض ہے، کہ ہم اس روایت کا انکار ہرگز نہیں کرتے ہیں بلکہ اس روایت کو یزید کے فسق وفجور پر اتہام کی تردید میں لا رہے ہیں، اس لئے ہماری طرف سے اس کے انکار کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، البتہ مولانا کی اس عبارت سے ان کے اندر بیٹھا ہوا خوف جھانک رہا ہے، چونکہ انھوں نے فسق یزید کے اثبات میں واہی تباہی روایتیں ہی پیش کی ہیں جن کا ردّ ی اور مردود ہونا ثابت کر دیا گیا ہے، مولانا کو ڈر تھا کہ کہیں اس روایت کا بھی وہی حشر نہ ہو جو ان کی پیش کردہ گذشتہ روایتوں کا ہوا، اس لئے انھوں نے پیش بندی کے طور پر یہ بات فرمائی ہے، لیکن مولانا کا یہ ڈر اس لئے فضول ہے کہ یہ روایت مولانا یا ان کے پیش رو نے فسق یزید کی تائید میں نہیں، بلکہ حضرت محدث اعظمی رحمۃ اللہ علیہ نے فسق یزید کے اتہام کی تردید میں پیش فرمائی ہے۔ اس لئے مولانا کو یہ ڈر اپنے دل سے نکال دینا چاہیے لیکن مولانا کی اس عبارت میں کچھ باتیں نوٹ کرنے کے قابل ضرور ہیں، پہلی بات یہ ہے کہ انھوں نے حضرت عبداللہ ابن مطیع کو مطلق صحابی قرار دیا ہے، جب کہ وہ خود بھی اس

سے مطمئن نہیں ہیں، اپنی کتاب میں ص ۳۲ پر لکھتے ہیں۔ ''اگر اس واقعہ میں صرف عبداللہ بن مطیع ایک ہی صحابیٔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہوتے تو کہا جاسکتا تھا کہ وہ صحابی نہیں تھے لیکن اگر صحابی ہونے سے ان کے انکار بھی کر دیا جاتا ہے تو بھی بالاتفاق وہ ایک تابعی اور ثقہ راوی تو ہیں ہی''۔

حضرت عبداللہ بن مطیعؓ کی صحابیت کی بات مولانا نے صرف اس لئے چھیڑی ہے کہ جذباتی طور سے ان کی طرف سے عائد کردہ الزام کو بے چون چرا لوگوں کو ماننے پر آسانی سے آمادہ کیا جاسکے، لیکن عرض ہے کہ اس الزام کی تردید کرنیوالے بھی ہم آپ جیسے کوئی معمولی لوگ نہیں بلکہ خانوادۂ نبوت کے باقی ماندہ حضرات میں اہم چشم و چراغ حضرت محمد بن الحنفیہ صاحبزادۂ حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کی ذات گرامی ہے جو ایک عالم ربانی کی حیثیت سے معروف قابل احترام شخصیت ہے، اس لئے مولانا طرفین میں سے صرف ایک جزوی فضیلت بقلم خود ثابت کر کے اس کا کوئی جذباتی فائدہ نہیں اٹھا سکتے، دوسری بات یہ کہنی ہے کہ مولانا نے فرمایا ''عبداللہ بن مطیع رضی اللہ عنہ جیسے صحابی اور محمد بن حنفیہ جیسے عالم اور تابعی سے مباحثہ اور تکرار کے درمیان نقل کر رہے ہیں''۔ ایک معمولی اردو داں بھی سمجھ سکتا ہے کہ یہ عبارت زبان کے لحاظ سے درست نہیں ہے، اس عبارت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں حضرات اس مباحثہ میں ایک فریق سے تعلق رکھتے تھے جب کہ اس کی رو سے دوسرے فریق کا کچھ پتہ نہیں کہ یہ مباحثہ کس سے ہو رہا ہے۔ درست عبارت یہ ہونی چاہیئے تھی کہ ''روایت کرنیوالے عبداللہ بن مطیع رضی اللہ عنہ جیسے صحابی'' سے'' محمد بن حنفیہ جیسے عالم اور تابعی'' کے'' مباحثہ اور تکرار کے درمیان نقل کر رہے ہیں''۔ پھر یہاں پر مولانا نے

اگر حضرت عبداللہ بن مطیع کو صحابی مانتے ہوئے ان کے لئے ترضی کے الفاظ استعمال فرمائے تھے تو حضرت محمد بن حنفیہ کے لئے مقابلۃً ترحم کا صیغہ ضرور استعمال کرنا تھا، لیکن یہاں تو مولانا کا مقصود حضرت عبداللہ بن مطیع کی برتری ہے جس کو وہ اپنے مطلب کے لئے کیش کر سکیں۔

علامہ طاہر صاحب کا اعتراف کہ تاریخی اور حدیثی روایت کا درجہ ایک نہیں

اسی عبارت میں مولانا لکھتے ہیں

''یہ صرف کسی تاریخی روایت کا انکار نہیں ہے بلکہ صحیح الاسناد اور احکام ثابت کرنے والی روایت کا انکار کرنا ہے''۔

اس عبارت میں مولانا نے صاف اقرار فرمایا ہے کہ احکام ثابت کرنے والی حدیثی روایات کی حیثیت الگ ہے اور تاریخی روایات کی حیثیت علیحدہ، یعنی صاف صاف یہ کہ حدیثی روایتوں میں حزم و احتیاط، تفتیش و تفقد، جرح و تعدیل کا جو معیار قائم کیا گیا تھا تاریخی روایات میں اپنے ہی مقرر کردہ اس معیار کی پاسداری نہیں فرمائی گئی۔ تو پھر سوچنا یہ ہے کہ یہ قواعد اسی لئے تو مقرر کئے گئے تھے کہ انھیں ضوابط کی چھلنی سے چھن کر روایت قاری یا سامع کے سامنے آئے تو وہ اتنی پختہ ہو کہ اسے قبول کرنے میں کوئی حجاب مانع نہ ہو، لیکن یہ معیار تاریخی روایات کے باب میں باقی نہ رہا تو ظاہر ہے کہ ان کی پختگی بھی معیار کے نزول کے ساتھ ساتھ ہی چلی گئی، اب ان روایات کا تسلیم کرنا حدیثی روایتوں کی طرح یقینی اور ضروری نہیں، لیکن یہاں مجھے یہ عرض کرنا ہے کہ ان روایات کی دو حیثیتیں ہیں، ایک یہ کہ ان کے ذریعے صرف واقعات سامنے لائے جائیں تو اس صورت میں اگر واقعہ کا کوئی معارض نہ ہو تو چونکہ انھیں معلوم کرنے کا کوئی

دوسرا راستہ نہیں ہے اس لئے انھیں بہر حال تسلیم کر لینا ہوگا۔ دوسری حیثیت یہ ہے کہ ان روایات سے کسی پر حرف گیری کا موقع مل رہا ہو یا اس پر کسی شرعی جرم کا الزام عائد ہو رہا ہو تو اس صورت میں یہ تاریخی روایت شرعی ضابطوں سے مربوط ہو جائے گی، اور شرعی ضابطوں کا لحاظ کئے بغیر اگر ان روایتوں کو قبول کر لیا گیا تو شرعی ضابطوں کی بنیاد کھوکھلی ہو جائے گی، بلکہ اس کی دھجیاں اڑ جائینگی۔

اس لئے ان روایتوں کو بھی اسی معیار سے پرکھنا ہوگا جس سے ''صحیح الاسناد اور احکام ثابت کرنے والی حدیثی روایت'' پرکھی جاتی ہے، معیار پر کھری اترے تو سر آنکھوں پر ورنہ ردّی کے ٹوکرے کے لائق، محترم مولانا اور ان جیسے بزرگ ردی کے ٹوکرے پلٹتے ہیں، ایک عام مسلمان پر تہمت رکھنے والی ان مردود روایتوں کو سینے سے لگاتے ہیں اور ان پر اپنے خود ساختہ عقیدے کی بنیاد رکھ دیتے ہیں، لیکن میں بصد ادب عرض کر دوں کہ اسلامی عقیدہ اس قدر لچر نہیں ہوتا کہ ہر ایرے غیرے کی روایت کردہ کہانیوں کی بنیاد پر اس کی عمارت کھڑی کی جائے، بلکہ اس کی بنیاد کے لئے انتہائی ٹھوس، نا قابل تزلزل چٹانی زمین چاہئے۔

محمد بن الحنفیہ کی جرح پر علامہ گیاوی کی تنقید اور اس کا جواب

محترم مولانا سید طاہر حسین صاحب روایت میں مذکور حضرت محمد بن حنفیہؒ کی جرح کو غیر معتبر ثابت کرنے کے لئے فرماتے ہیں، ''حضرت محمد بن حنفیہ علیہ الرحمہ نے اپنی گفتگو میں پہلی جرح یہ فرمائی ہے کہ یزید شراب پیتا ہے تو کیا اس نے تم کو اس بات کی اطلاع دی ہے؟ اگر اطلاع دی ہے تم اس کے شریک بزم اور حریف بادہ ہو، میں دریافت کرنا چاہتا ہوں

کہ یہ جرح شرعی جرح کہلانے کے لئے لائق ہے؟ کیا شراب پینے والا کسی کو اپنے پینے کی اطلاع دینے کی وجہ سے جس کو مطلع کرے گا وہ شخص شریعت کے نزدیک شریک بزم اور حریف بادہ ٹھہرے گا، اگر کوئی شرابی اقراراً کسی کو اطلاع دے اور کسی کے سامنے شراب خوری کی اطلاع اور اقرار کرے تو سب مطلع ہونے والے افراد اس شرابی کے شریک بادہ اور شرعاً مجرم ٹھہریں گے؟ کیا یہی جرح مولانا اعظمی کے نزدیک شرعی جرح ہے؟ کیا یہی محمد بن الحنفیہ جیسے عالم ربانی کا مسلک تھا میں سمجھتا ہوں کہ اس کو شرعی جرح کہنا نہ صرف حضرت محمد بن الحنفیہ کو شریعت سے جاہل قرار دینا ہے بلکہ خود بھی شریعت سے جاہل بننا ہے، شراب خور کی اطلاع دینے پر جس کو مطلع کیا گیا ہے وہ نہ شریک بزم بنتا ہے نہ حریف بادہ قرار پاتا ہے''۔ (کردار یزید ص ۲۹)

سب سے پہلے تو میں یہ عرض کر دوں کہ مولانا گیاوی صاحب نے مولانا اعظمی مرحوم یا ان کی جگہ کسی دوسرے عالم سے جو بھی ان کی قائم مقامی کرے دریافت کیا ہے کہ یہ جرح شرعی کہلانے کے لائق ہے؟ تو میں عرض کرتا ہوں کہ اسکا جواب حضرت محدث اعظمی رحمۃ اللہ علیہ کا انتہائی ناکارہ خادم سپرد قلم کر رہا ہے جو حضرت کی قائم مقامی کا خواب میں تصور بھی کیا کرے، اسے تو حضرت کی خاکپائی کا شرف بھی حاصل ہو جائے تو یہ اس کے لئے دارین میں سعادت کی بات ہوگی۔

دوسری بات یہ عرض کرنی ہے کہ مولانا نے اس روایت میں حضرت محمد بن الحنفیہ کی جرح کے شرعی جرح ہونے کا انکار فرمایا ہے، تو مولانا ہی ہمیں بتائیں اگر کوئی شخص کسی پر شرعی مجرم ہونے کا الزام لگائے اور مخاطب اس پر جرح کرے تو اس کی

جرح شرعی جرح کہلائے گی کہ نہیں؟ اچھا جانے دیجیے! یہی الزام عبداللہ بن مطیع اگر اسلامی قاضیٔ وقت کی عدالت میں پیش کرتے تو قاضی کی اس جرح کو شرعی جرح کہا جاتا کہ نہیں؟ اور قاضی کے اس سوال یا جرح پر کسی کو بھی یہ کہنے کا حق ہوتا کہ اس کو شرعی جرح کہنا خود بھی شریعت سے جاہل بننے کے مرادف ہے؟ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ایسا دعویٰ کرنے والے کو ہی جاہل قرار دے کر عدالت بدر کر دیا جاتا، کیونکہ یہ شخص الزام لگا کر اپنی جہالت کے باعث اسی کو بطور ثبوت منوانے پر مُصر ہو رہا ہے، آیئے ذرا حضرت محمد بن الحنفیہ رحمہ اللہ کے بیان کو دیکھیں، آپ نے فرمایا ''افأ طلعکم علی ما تذکرون من شرب الخمر فلئن کان اطلعکم علیٰ ذالك انکم لشرکاؤہ ''

(البدایۃ در کردار یزید ص ۲۶)

اب غور فرمایئے کہ عبداللہ بن مطیعؓ کے دعویٰ کی دو بنیادیں ہو سکتی ہیں، ایک یہ کہ انھوں نے بچشم خود دیکھا ہو، لیکن اس کی تردید خود روایت میں موجود ہے، وان لم نکن رأیناہ، ہم نے نہیں دیکھا، تو اب دوسری بنیاد باقی رہتی ہے کہ ان کے آگے یزید نے اپنی شراب نوشی کا بزبان خود اقرار کیا ہو، لیکن یہاں پر دیکھنا یہ ہے کہ کوئی شرابی کسی عام شخص کے آگے اپنے پوشیدہ جرموں کا اقرار کیوں کرے گا؟ جب تک کہ وہ اس کا راز دار نہ بن جائے؟ پھر یزید کوئی عام شخص نہیں بلکہ مسلمانوں کا ایسا امیر ہے جس کے خلاف کوئی تحریک عیاناً موجود نہیں ہے۔

(خود مولانا گیاوی فرماتے ہیں ''دو سال بعد ۶۳ھ میں پہلی مرتبہ اہل مدینہ نے بغاوت کی ہے اب متحدہ قوت میں انتشار پیدا ہوا ہے''۔

ص ۱۲۸/۱۲۹)

فطرتاً تو یہ اقرار اسی کے سامنے کیا جا سکتا ہے، جو اس کا انتہائی راز دار ہو اور اقرار کرنے

والے کو اس کی رازداری پر انتہائی بھروسہ ہو کہ وہ اس درجہ معتمد علیہ ہے کہ اس کے اس مخفی جرم کا افشاء کسی قیمت پر نہیں کرے گا، تو مولانا ہی بتائیں کہ اس درجے کا راز دار معنیً اس کا شریک ہوا کہ نہیں ہوا؟ اور چونکہ بات یزید پر شراب نوشی کے الزام کی چل رہی ہے تو شریک ہونے کا مطلب کسی اور کام میں شرکت تو نہیں ہے، لازماً اسی بات میں شرکت مراد ہوگی جس کا ذکر چل رہا ہے، تو اگر محدث اعظمی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مضمون کو بین القوسین (بزم وحریف بادہ) فرما دیا تو کون سا جرم عظیم کر دیا کہ مولانا اس قدر جامے سے باہر ہو رہے ہیں؟ (دیکھئے کردار یزید ص ۳۱/۳۲) اور اس جرح کے شرعی جرح ہونے کا انکار فرما رہے ہیں۔ اب آیئے اس روایت کا جائزہ لیتے ہیں جس کے متعلق یہ گفتگو کی جا رہی ہے۔

عبداللہ ابن مطیع:۔ یزید شراب پیتا ہے اور نماز ترک کرتا ہے، اور کتاب اللہ کے حکم سے تجاوز کرتا ہے۔

ابن الحنفیہ:۔ میں نے تو وہ باتیں نہیں دیکھیں جو تم ذکر کرتے ہو حالانکہ میں اس کے پاس گیا ہوں اور اس کے پاس ٹھہرا ہوں، میں نے تو اس کو برابر پابند نماز اور خیر کا طالب اور اس کا قصد کرنے والا دیکھا ہے، وہ احکام شرع کو پوچھتا رہتا ہے اور میں نے اس کو سنت کا التزام کرنے والا دیکھا ہے۔ (کردار یزید ص ۲۷)

قارئین کرام بغور ملاحظہ فرمائیں، کہ حضرت محمد بن الحنفیہؒ نے حضرت عبداللہ بن مطیع کے یزید پر لگائے ہوئے ایک ایک الزام کا جواب دیدیا ہے کہ نہیں؟ عبداللہ ابن مطیع کا الزام تھا کہ ''یزید شراب پیتا ہے'' آپ نے فرمایا کہ ''میں اس کے پاس ٹھہرا ہوں تم جو بات اس کے متعلق بیان کرتے ہو میں نے وہ بات نہیں دیکھی''۔ حضرت عبداللہ

بن مطیع کا الزام تھا کہ ''وہ نماز ترک کرتا ہے''۔ حضرت محمد بن الحنفیہ نے اس کا جواب دیا کہ ''میں نے تو اس کو برابر پابند نماز اور خیر کا طالب اور اس کا قصد کرنے والا دیکھا ہے''۔ حضرت عبداللہ بن مطیع کا الزام تھا کہ ''وہ کتاب اللہ کے حکم سے تجاوز کرتا ہے'' اس کا جواب حضرت محمد بن الحنفیہ نے دیا کہ ''وہ احکام شرع کو پوچھتا رہتا ہے اور میں نے اس کو سنت کا التزام کرنے والا دیکھا ہے''۔

اب آگے بڑھئے! عبداللہ بن مطیع: وہ یہ سب دیکھانے کے لئے بناوٹی کرتا تھا۔

ابن الحنفیہ :۔ مجھ سے اس کو کیا خوف تھا یا کیا امید تھی کہ وہ میرے لئے خشوع ظاہر کرے گا، اچھا تم جو اسکی شراب خوری کا ذکر کرتے ہو تو کیا اس نے تم کو اس پر مطلع کیا ہے تو تم اس کے شریک (بزم وحریف بادہ) ہو اور اگر اس نے تم کو مطلع نہیں کیا ہے تو تمہارے لئے حلال نہیں ہے کہ جس بات کا تم کو علم نہیں اس کی شہادت دو۔

(کردار یزید ص ۲۷)

اس بیان میں حضرت عبداللہ بن مطیعؓ نے حضرت محمد بن الحنفیہؒ کے جواب میں فرمایا کہ ''وہ یہ سب دکھانے کیلئے بناوٹی کرتا تھا''۔ تو میں عرض کرتا ہوں کہ عبداللہ ابن مطیع کو یزید کے قلبی احوال کی خبر کس طرح ہوئی، کیا ہمارے مولانا بھی رافضیوں کی طرح یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ ''ہمارے ائمہ، معصومین وعالم الغیب بھی ہیں اور درون سینہ کی مخفیات کا بھی علم رکھتے ہیں'' یہ جملے مولانا کی وکالت کو پیش نظر رکھ کر تحریر کر دیئے گئے، ورنہ ان کا اصلی تعلق تو عبداللہ بن مطیع کی ذات گرامی سے ہے، ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ بارگاہ نبوی میں اس طرح کے بیان کے ساتھ کیا سلوک ہوتا ہے۔

حضرت اسامہؓ کے عمل پر حضورؐ کی ناراضگی

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ حدیث بیان فرماتے ہیں۔ اسامة بن زيد يقول بعثنا

رسول الله صلى الله عليه وسلم الى الحرقة فصبحنا القوم فهزمناهم ولحقت انا ورجل من الانصار رجلاً منهم فلماغشينا قال لا اله الله فكف الانصارى فطعنته برمحى حتى قتلته فلما قدمنا بلغ النبى صلى الله عليه وسلم فقال ياسامة اقتلته بعد ما قال لا اله الاالله قلت كان متعوذاً فما زال يكررها حتى تمنيت انى لم اكن اسلمه قبل ذالك اليوم۔

(بخاری ج۲ص۶۱۲)

حضرت اسامہ ابن زیدؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حرقۃ کی طرف بھیجا ہم نے وہاں پہونچ کر انھیں شکست دیدی اور میں اور ایک انصاری صاحب نے انکا ایک شخص پایا، جب ہم نے اس کو پچھاڑا تو اس نے لا الہ الا اللہ پڑھ لیا، انصاری تو رک گئے لیکن میں نے اس پر نیزہ چلا دیا، یہاں تک کہ اس کو مار ڈالا جب ہم مدینہ آئے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر مل گئی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اسامہ! تم نے اس کو لا الہ الا اللہ پڑھنے کے بعد مار ڈالا، میں نے کہا اس نے تو بچنے کے لئے ایسا کیا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسی بات کو دہراتے رہے یہاں تک کہ میری تمنا ہونے لگی کہ کاش میں آج سے پہلے مسلمان نہ ہوتا۔

اب یہ اسامہ کون ہیں اس کو بھی سمجھ لیجئے۔ وفى الصحيح عن اسامة قال كان النبى صلى الله عليه وسلم ياخذنى والحسن فيقول اللهم انى احبهما فاحبهما ۔ (تاریخ الاسلام للذہبی ج۴ص۷۴)

حضرت اسامہ فرماتے ہیں کہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اور حضرت حسنؓ کو پکڑتے اور فرماتے، اے اللہ میں ان دونوں سے محبت رکھتا ہوں، تو بھی ان سے محبت فرما! دیکھئے! کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت اسامہ کا یہ عذر قبول نہیں

فرماتے کہ اس نے بچنے کی غرض سے کلمہ پڑھ لیا تھا، اور بار بار ارشاد فرماتے ہیں کہ اسامہ! تم نے اسے کلمہ پڑھنے کے باوجود مار ڈالا؟ جب کہ حضرت اسامہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب ہی نہیں بلکہ ان کے حق میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا بھی ہے کہ ائے اللہ تو بھی اس سے محبت فرما، تو عبداللہ بن مطیعؓ کے اس قول کی کیا حقیقت ہوسکتی ہے؟ کہ یزید یہ سب دکھاوے کے لئے کرتا تھا۔

جبکہ حضرت اسامہ کے مقابلے میں حضرت عبداللہ ابن مطیعؓ کی وہ حیثیت بھی نہیں ہے، پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ دکھاوا یزید حضرت محمد بن الحنفیہ ہی کے سامنے کیوں کرتا تھا؟ یہی دکھاوا وہ عبداللہ بن مطیعؓ کی آمد کے وقت کیوں بھول گیا؟ جب کہ بقول حضرت محمد بن الحنفیہ یزید کو حضرت ابن الحنفیہ سے کوئی خوف بھی نہیں تھا نہ کوئی امید تھی جب کہ انسان دکھاوا انہیں دونوں وجہوں سے کرتا ہے، یا تو اس کا ڈر لگا ہوتا ہے تو اس کے ڈر سے دکھاوے کا کام کرتا ہے، یا اسے کوئی امید ہوتی ہے تو امید بر لانے کے لئے ریا کاری کا مظاہرہ کرتا ہے، اور حضرت محمد ابن الحنفیہ نے اپنے جواب میں ان دونوں وجہوں کا پتہ صاف کر دیا ہے۔ اب محمد ابن الحنفیہ کے جواب میں عبداللہ بن مطیع کا جواب دیکھئے۔

عبداللہ بن مطیع: ہمارے نزدیک تو وہ حق ہے اگر چہ ہم نے دیکھا نہیں۔

ابن الحنفیہ: اللہ تعالیٰ نے شہادت دینے والوں کو اس کی اجازت نہیں دی ہے بلکہ انکار کیا ہے اور فرماتا ہے ''الامن شهد بالحق وهم يعلمون'' اور میں تمہارے اس کام سے بیزار ہوں یا مجھ کو تمہارے اس کام سے کوئی سروکار نہیں''۔

(کردار یزید ص ۲۸)

قارئین کرام غور فرمائیں: محمد ابن الحنفیہ عبداللہ بن مطیع کی ایک ایک دلیل رد فرما رہے ہیں، اور عبداللہ ابن مطیع اس کے سوا اور کچھ نہیں کہہ پاتے کہ ''ہمارے نزدیک تو وہ حق ہے اگر چہ ہم نے دیکھا نہیں'' حالانکہ مولانا طاہر صاحب کے بقول اس موقع پر ان کے ساتھ صحابہ میں متعدد صحابہ موجود ہیں اور وہ سب بھی غلط بیانی اور کذب بیانی میں شریک ہیں۔ (کردار یزید ص ۳۲)

کذب بیانی پر گفتگو ان شاء اللہ آگے ہوگی، یہاں پر عرض کرنا ہے کہ محمد ابن الحنفیہ عبداللہ بن مطیع کی طرف سے یزید پر لگائے ہوئے ایک ایک الزام کی تردید کر رہے ہیں، اور ابن مطیع کی طرف سے صرف اتنا کہا جاتا ہے کہ ہم نے دیکھا تو نہیں، لیکن یزید کی شراب نوشی، اس کا ترک نماز، اور کتاب اللہ کے حکم سے اس کا تجاوز ہی حق ہیں۔ فطری طور سے تو یہاں پر جب حضرت ابن مطیع کے دعوے کی تردید ہو رہی ہے وہ بھی اس نازک موقعہ پر جب وہ لوگوں کو خلع بیعت کے لئے آمادہ کرنے کے مشن پر نکلے ہیں، تو انھیں فسق یزید کے تمام تر ثبوت وشواہد سامنے لانے چاہئیں، بلکہ متعدد صحابۂ کرام کو پیش کرنا چاہئے اور کہنا چاہئے کہ ہمارے پاس اس کا پختہ ثبوت ہے آپ خود دیکھ لیجئے! اور جو صحابۂ کرام یزید کی مذکورہ خرابیوں سے ''بذات خود'' واقف تھے ان سب کو پیش کر کے شہادت دینی چاہئے، اور اپنا موقف ٹھوس ثابت کرنا چاہئے، لیکن ایسا کچھ بھی نہیں ہوا بلکہ صرف اتنا فرما کر خاموش ہو گئے کہ ہمارے نزدیک یہی حق ہے اگر چہ ہم نے دیکھا نہیں ہے۔ پھر حضرت ابن الحنفیہ رحمۃ اللہ علیہ نے انھیں قرآن کریم کی آیت الامن شهد بالحق وهم يعلمون سنائی، یہ بھی فرمایا کہ تمہارا شہادت دینے کا یہ طریقہ اللہ کے یہاں مقبول نہیں ہے، پھر یہ بھی صاف

صاف کہہ دیا تمہارے معاملے سے میرا کوئی لینا دینا نہیں ہے تم جانو تمہارا کام جانے، یہ ساری باتیں صاف اشارہ کر رہی ہیں کہ عبداللہ ابن مطیع کے پاس سنی سنائی باتوں کے سوا کچھ بھی نہیں تھا، لیکن یہ فسانہ ان کے پاس اس تسلسل کے ساتھ اور اس منظّم طریقے سے پیش کیا گیا تھا کہ حتمی اور قطعی ثبوت نہ ہونے کے باوجود انھیں اس فسانے پر یقین آ گیا، اور خلع بیعت کے لئے ان کا ذہن تیار ہو گیا۔

علم تحقیقی کا اعتذار اور اس کی حقیقت

مولانا فرماتے ہیں کہ ''پھر اگر محمد بن حنفیہ کی گفتگو میں دوسری بات بھی بطور جرح دیکھی جائے تو ''الامن شهد بالحق وهم يعلمون ہے'' اور یہ قرآنی آیت بھی بے دیکھے شہادت کا انکار کرنے کی دلیل نہیں بنتی ہے بلکہ بے علم کے شہادت دینے کا انکار کرتی ہے اور یہی آیت کا مفاد بھی ہے، اور غور کیجئے! کہ محمد بن حنفیہ کے کلام میں علم تحقیقی کو شہادت کی شرط تسلیم کر لیا گیا ہے، اور دیکھنا شرط نہیں مانا گیا، اس لئے آیت مذکورہ کو دیکھنے کیلئے شرط شہادت قرار دینا محمد بن حنفیہ کی بات نہ سمجھنے کے مترادف ہے، اس لئے یہ بھی کوئی شرعی جرح قرار نہیں دی جا سکتی ہے، اور خود عبداللہ بن مطیع نے یہ تشریح کر دی ہے کہ ہمارے نزدیک وہ یعنی یزید کا شراب پینا حق ہے، اگرچہ ہم نے دیکھا نہیں ہے''۔ (کردار یزید ص ۲۹)

مولانا کی اس گہری منطق کے قربان جائیں! لیکن مولانا سمجھدار صاحب ہمیں یہ تو بتائیں گے کہ محترم عبداللہ ابن مطیعؓ کے بیان میں وہ تحقیقی علم کیا ہے، جس کی بنا پر انکا دعویٰ قابل تسلیم قرار دیا جائے؟ مولانا کیا اتنا بھی نہیں جانتے کہ جس چیز کا دعویٰ کیا گیا ہے اگر وہ چیز سماعت کے قبیل سے ہے تو اس کی قبولیت کیلئے ایسے شخص کا

پیش ہونا ضروری ہے جس نے اپنے کانوں سے اسے سنا ہو اور اگر اس کا تعلق دیکھنے والی چیز سے ہے تو کسی دیکھنے والے معتبر شخص کی گواہی کے بغیر اسے ردی کی ٹوکری کے حوالے کر دیا جائے گا، بطور مثال عرض ہے کہ بالفرض کوئی انتہائی معتبر شخص بیان کرے کہ مولانا سید طاہر گیاوی صاحب مدظلہ، اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو معاذ اللہ سڑی سڑی گالیاں دیتے ہیں تو کیا محض اس دعویٰ کی بنیاد پر فتویٰ تکفیر داغ دیا جائے، یا اس مدعی سے خواہ وہ کوئی بھی کیوں نہ ہو کسی حیثیت کا مالک کیوں نہ ہو، ایسی حتمی شہادت کا مطالبہ کیا جائے گا جس میں شاہد نے مولانا کو بولتے ہوئے اپنے کانوں سے سنا ہو، اگر وہ یہ کہے کہ میں نے سنا تو نہیں لیکن میرے پاس ''تحقیقی علم'' ہے تو کیا اس سے اس ''تحقیقی علم'' کی توضیح نہیں مانگی جائے گی؟ ٹھیک اسی طرح اگر دعویٰ کا تعلق دیکھنے والی چیز سے ہو تو اس سے شاہد مانگا جائے گا جو معتبر بھی ہو اور اس نے اپنی آنکھوں سے یہ جرم ہوتے ہوئے دیکھا بھی ہو، ورنہ اس کا دعویٰ مردود قرار دیا جائے گا اور اس سے کہا جائے گا کہ جناب یا تو اپنے تحقیقی علم کا اظہار کیجئے یا پھر اسے اٹھا کر کہیں پھینک دیجئے عدالت کو آپ کے ایسے تحقیقی علم میں کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ آیئے ہم اس کی وضاحت کے لئے وہی حدیث پیش کر رہے ہیں جو ایک بار پیش کی جا چکی ہے۔

عن ابن عباس ان هلال بن امية قذف امرأته عندالنبى صلى الله عليه وسلم بشريك بن سحماء فقال النبى صلى الله عليه وسلم البينة او حد فى ظهرك قال يا رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا رآى احدنا علىٰ امرأته رجلاً ينطلق يلتمس البينة فجعل يقول البينة والاحد فى ظهرك ۔

(بخاری ج ۱ ص ۳۶۷)

حضرت سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ، سے مروی ہے کہ حضرت ہلال ابن امیہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور اپنی بیوی پر شریک ابن سحماء کے ساتھ مشغول ہونے کی تہمت لگائی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گواہ پیش کرو یا اپنی پیٹھ پر حد کیلئے تیار رہو، انھوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کوئی آدمی اپنی بیوی پر کسی شخص کو دیکھے گا تو وہ گواہ ڈھونڈنے جائے گا آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے رہے گواہ یا اپنی پیٹھ پر حد۔

ملاحظہ فرمایئے حضرت سیدنا ہلال ابن امیہ کا درجۂ صحابیت عبداللہ بن مطیع کے مقابلے میں بدرجہا فوقیت رکھتا ہے، پھر ان سے بیّنہ اور شہادت کا مطالبہ ہوا، اور نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شہادت پیش نہ کرنے کی صورت میں ان پر حد قذف جاری کرنے کی بات فرمائی، کیا ہلال ابن امیہ کے پاس تحقیقی علم نہیں تھا؟ ہم سمجھتے ہیں عبداللہ بن مطیع کے تحقیقی علم سے کہیں زیادہ معتبر تھا، ورنہ وہ یہ بات اپنی صفائی میں ہرگز نہ فرماتے کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کوئی شخص اپنی بیوی پر کسی مرد کو دیکھے گا تو کیا وہ گواہ ڈھونڈھنے چل پڑے گا؟ لیکن اسکے باوجود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا دعویٰ قبول نہیں فرمایا بلکہ یہ فرماتے رہے کہ یا تو شہادت کا شرعی نصاب پورا کرو یا پھر حد قذف کے لئے تیار رہو۔ اور یہاں مولانا فرمارہے ہیں کہ شہادت کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں محض اپنے ذاتی تحقیقی علم سے کام چل جائے گا، ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ مولانا محض اپنی ضد اور انا کی خاطر صاف صاف اس قرآنی آسان حکم کو اپنی بیکار کی منطق سے کیوں متأثر کرنا چاہتے ہیں؟ اور منطقی بحث کے ذریعے معناً اس کے انکار پر کیوں تُلے بیٹھے ہیں۔

کسی مسلمان کی طرف بلا تحقیق کبیرہ گناہ کا انتساب جائز نہیں

ملا علی قاریؒ اپنی کتاب شرح فقہ اکبر میں لکھتے ہیں، لا یجوز نسبۃ مسلم الیٰ کبیرۃ من غیر تحقیق، کسی مسلمان کی طرف بلا تحقیق کسی کبیرہ گناہ کی نسبت جائز نہیں۔

(شرح فقہ اکبر ص ۷۸)

مولانا عنوان قائم فرماتے ہیں ''حضرت محمد بن الحنفیہ کی جرح کا خلاصہ'' اور اس کے تحت لکھتے ہیں۔

''اس لئے محمد بن حنفیہ کی گفتگو میں صرف ایک جرح باقی رہ جاتی ہے کہ وہ یزید کے پاس خود گئے تھے لیکن ایسا کچھ دیکھا نہیں ہے جو عبداللہ بن مطیع نے بتایا، اس کا ایک جواب تو خود عبداللہ بن مطیع نے دے دیا ہے کہ یہ سب کچھ ریاکاری اور تصنع کی وجہ سے تھا، دوسرا جواب یہ ہے کہ محمد بن حنفیہ پہلے گئے تھے، وہ موجودہ حالت کے متعلق ہے دونوں کے جانے کے درمیان تقریباً ایک سال کا وقفہ ہے، ایک سال پہلے کوئی شخص نہ پیتا ہو یا پہلے چھپ چھپا کر پیتا ہو اور ایک سال بعد کھلم کھلا اعلانیہ پینے لگا ہو، اس لئے عبداللہ بن مطیع رضی اللہ عنہ اور محمد بن حنفیہ کے بیان میں نہ کوئی تضاد و اختلاف ہے نہ کسی ناممکن بات کا بیان ہے، بلکہ دونوں صحیح ہیں، اور کسی پر کوئی جرح ماننے کی ضرورت نہیں ہے، یہ تو مولانا اعظمی کا علمی کمال ہی ماننا پڑے گا کہ انہوں نے ایک صحیح روایت کو جھٹلانے کے لئے روایت پر جرح کر ڈالی ہے''۔ (کردار یزید ص ۲۹/۳۰)

میں اہل علم و انصاف کی عدالت میں مولانا طاہر صاحب کی یہ وکالت پیش

کرتا ہوں اور انھیں سے سوال کرتا ہوں کہ پہلا جواب کہ ''یہ سب کچھ ریا کاری اور تصنع کی وجہ سے تھا''۔ کیا عدالتی تقاضوں پر کھرا اترتا ہے؟ کیا دنیا کا کوئی منصف اسے قبول کرے گا؟ دوسرا جواب محمد ابن حنفیہ تقریباً سال بھر پہلے یزید کی برأت کی بات کررہے اور عبداللہ بن مطیع کا بیان موجودہ دور کی ترجمانی کررہا ہے، ایک سال پہلے کوئی نہ پیتا ہو یا چھپ کر پیتا ہو اور ایک سال بعد کھلم کھلا اعلانیہ پینے لگا ہو تو دونوں کا بیان اپنی اپنی جگہ صحیح ہوگا۔ اس کے متعلق عرض ہے کہ محترم مولانا تو بحوالہ البدایۃ ج ۸/ص ۳۲۲/ بروایت ابن زکریا الغلابی یہ بھی فرما چکے ہیں کہ کان یزید فی حداثته صاحب شراب یاخذه مآخذ الاحداث فاحس معاویة بذالك فاحب ان یعظه فی رفق۔ (کردار یزید ص ۲۴)

اس کا مطلب تو یہ ہے کہ یزید پہلے پیتا تھا، اور یہ بات حضرت معاویہ کو بھی معلوم تھی اور انھوں نے اپنی صحابیت کی ذمہ داری نبھانے کی بجائے اسے صرف نرمی سے سمجھانا پسند کیا تھا۔

صاحب اغانی کا حضرت سیدنا حسینؓ پر الزام اور مولانا طاہر صاحب کی خاموش تائید

پھر آگے کتاب الاغانی کے حوالے سے حج کے موقعہ پر حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت حسین کے سامنے یزید کی شراب نوشی کا ذکر کرتے ہوئے حضرت حسین کا یہ مقولہ بھی نقل کرتے ہیں ''اے شخص یہ شراب تم اپنے ہی لئے رہنے دو میرے نظریں تم پر نہیں (گویا میں منہ پھیر لیتا ہوں) تم پیتے جاؤ پھر انھوں نے پی لی۔
(ترجمہ بھی عباسی صاحب کا ہے)۔ (کردار یزید ص ۱۲۴)

پھر اسی کو صاف صاف اپنے لفظوں میں لکھا ہے کہ ''یزید کی شراب نوشی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانے میں شروع ہو چکی تھی، جب کہ وہ بالکل نوعمر تھا، اور نوعمروں کی طرح آزاد اور بے قید زندگی گذارتا تھا''۔ (کردار یزید ص ۱۲۵)

مولانا نے اپنے بیان میں یزید کو تو لپیٹا ہی ہے، حضرت معاویہ کو بیٹے کی کرتوت چھپانے اور بحوالۂ اغانی حضرت حسینؓ کی طرف سے پینے کی اجازت دینے کے باب میں حضرت حسینؓ کو بھی نہیں بخشا ہے۔

اک تجھ کو دیکھنے کیلئے بزم میں مجھے
اوروں کی سمت مصلحتاً دیکھنا پڑا

لیکن سوال یہ ہے کہ جب مولانا کو یزید کے عہد جوانی سے ہی اس کی شراب نوشی کا علم ہے تو یہاں پر یہ کیوں فرما رہے ہیں کہ ''ایک سال پہلے کوئی شخص نہ پیتا ہو''۔ ذکر یزید کا ہو رہا ہے تو شخص سے مراد بھی یزید ہی ہوگا۔ پھر مولانا کا دوسرا مفروضہ دیکھئے ''اور ایک سال بعد کھلم کھلا پینے لگا ہو'' تو عرض ہے کہ چند دنوں بعد جب یزید کو پتہ چلتا ہے کہ مدینے سے اس کے احوال کی تفتیش کے لئے اشراف مدینہ کا ایک وفد آرہا ہے تو یزید نے جو پہلے نہیں پیتا تھا یا چھپ کر پیتا تھا اب اس نے وفد کو اپنا مشاہدہ کرانے کے لئے اور بالکل بے فائدہ بدنام ہونے بلکہ انتشار کو دعوت دینے کے لئے کھل کر سب کے سامنے علی الاعلان پینا شروع کر دیا، مولانا اس کی کوئی مصلحت ہمیں بتائیں گے؟ اور اس بے تکی بکواس پر سوائے اندھے عقیدتمندوں کے بھلا کون یقین کرنے کو تیار ہوگا؟

مولانا کہتے ہیں کہ ''یہ تو مولانا اعظمی کا علمی کمال ہی ماننا پڑے گا کہ انھوں نے ایک صحیح روایت کو جھٹلانے کے لئے روایت پر جرح کر ڈالی ہے''۔ لیکن میں عرض

کرتا ہوں کہ یہاں پر مولانا بالکل صریح غلط بیانی سے کام لے رہے ہیں، کیونکہ حضرت محدث اعظمی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت محمد بن الحنفیہ رحمۃ اللہ کا مکالمہ نقل کیا ہے جس سے یزید پر لگائے گئے بے سروپا الزامات کی قلعی کھل رہی ہے، اور یہی چیز مولانا گیاوی سے ہضم نہیں ہو پا رہی ہے، البدایۃ کی جو نامکمل عبارت حضرت محدث اعظمی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل فرمائی تھی۔ لیجئے بقیہ پوری عبارت ملاحظہ فرمالیجئے۔

محمد بن الحنفیہ کے مکالمے کی پوری عبارت

"ولست من امركم فی شئ قالوا فلعلك تكره ان يتولى الامر غيرك فنحن نوليك امرنا قال ما استحل القتال علىٰ ما تريدوننی عليه تبعاً ولا متبوعاً، قالوا فقد قاتلت مع ابيك قال جيئونی بمثل ابی اقاتل علی مثل ما قاتل عليه فقالوا فمرابنيك ابا القاسم والقاسم بالقتال معنا قال لو امرتهما قاتلت، قالو فقم معناتحض الناس فيه على القتال قال سبحان الله !آمر الناس بما لا افعله ولا ارضاه اذاً مانصحت لله فی عباده قالوا اذاً نكرهك قال اذاً آمر الناس بتقوى الله ولا يرضون المخلوق بسخط الخالق وخرج الى مكة۔

حضرت ابن الحنفیہ :۔ مجھے تمہارے معاملے سے کوئی غرض نہیں۔

ابن المطیع:۔ شاید آپ پسند نہیں کرتے کہ آپ کے سوا کوئی دوسرا والی بنے تو ہم آپ ہی کو اپنا امیر بنا لیتے ہیں۔

ابن الحنفیہ :۔ تم جیسا چاہتے ہو میں مارکاٹ پسند نہیں کرتا نہ امیر بن کر نہ مامور ہو کر۔

ابن المطیع:۔ آپ نے تو اپنے والد کے ساتھ قتال کیا ہے۔

ابن الحنفیہ :۔ میرے والد کی طرح کا آدمی میرے پاس لے آؤ میں اس طرح کے آدمی سے قتال کرونگا جس طرح کے آدمی سے میرے والد نے قتال فرمایا تھا۔

ابن المطیع:۔ اچھا تو اپنے بیٹوں ابو القاسم اور قاسم کو ہی ہمارے ساتھ قتال کا حکم فرمادیجیے۔

ابن الحنفیہ :۔ میں انھیں حکم دوں تو خود ہی قتال کیوں نہ کرتا؟

ابن المطیع:۔ تو ہمارے ساتھ چلئے لوگوں کو قتال کی ترغیب ہی دے دیجئے۔

ابن الحنفیہ :۔ سبحان اللہ جو کام میں خود نہ کروں، نہ اسے پسند کروں، دوسروں کو اسی کا حکم کروں، تب تو میں اللہ کے لئے اس کے بندوں کے معاملے میں خیر خواہ نہیں ٹھیروں گا۔

ابن المطیع:۔ تب ہم آپ کو مجبور کردینگے۔

ابن الحنفیہ :۔ تب میں لوگوں کو اللہ سے ڈرنے کا حکم دونگا اور ان سے کہوں گا کہ مخلوق کو راضی کرنے کے لئے اللہ کو ناراض نہ کریں، اور وہ مکہ نکل گئے۔

(البدایۃ ج۸/ص۲۳۳)

مولانا لکھتے ہیں اس روایت پر تبصرہ حافظ ابن کثیر علیہ الرحمہ نے بھی کیا ہے وہ فرماتے ہیں۔ واعتزل الناس علی ابن الحسين زين العابدين وكذالك عبد الله بن عمر بن الخطاب لم يخلعا يزيد ولا احدمن بيت عمر۔

البدایہ کی پوری عبارت

(نوٹ یہاں سے مولانا نے البدایۃ کی کچھ عبارت چھوڑ دی ہے اور عبارت چھوڑنے کی کوئی علامت بھی نہیں لگائی بلکہ اسی عبارت کو آگے کی عبارت سے جوڑ دیا ہے، شاید یہ بھی ان کا کوئی کمال ہو ہم چھوٹی ہوئی عبارت بھی نقل کرتے ہیں) وقد قال ابن عمر لاهله لا يخلعن احد منكم يزيد فتكون الفيصل ويروى الصيلم بينی وبينه وسيأتی هذا الحديث بلفظه واسناده فی ترجمة يزيد وانكر على

اهل المدينة فی مبايعتهم لا بن مطيع و ابن الحنظلة علی الموت وقال انما كنا نبايع رسول الله صلی الله عليه وسلم علی ان لا نفر و كذالك لم يخلع يزيد احد من بنی عبد المطلب، وقد سئل محمد بن الحنفية فی ذالك فامتنع من ذالك اشد الامتناع و ناظرهم و جادلهم فی يزيد ورد عليهم ما اتهموا يزيد به من شرب الخمر وتركه بعض الصلوة كماسيأتی مبسوطاً فی ترجمة يزيد قريبا ان شاء الله ۔ (البدایۃ ج۸ص۲۱۸)

چھوٹی ہوئی عبارت کا ترجمہ ہم قوسین میں کریں گے باقی ترجمہ مولانا ہی کا ہوگا۔

''اورلوگوں سے الگ رہے امام زین العابدین بن علی بن حسین (یہ ترجمہ غلط ہے امام زین العابدین علی بن حسین صحیح ترجمہ ہے، عطا) اور اسی طرح الگ رہے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ان دونوں نے یزید کی بیعت نہیں توڑی، اور نہ ابن عمر کے گھر والے نے (اور حضرت ابن عمر نے اپنے گھر والوں سے کہا، تم میں سے کوئی یزید کی بیعت ہرگز نہ توڑے ورنہ میرے اور اس کے درمیان علیٰحدگی ہو جائے گی، یہ حدیث اپنی سند اور اپنے الفاظ کے ساتھ یزید کے ترجمہ میں آئے گی، اور آپ نے ابن مطیع اور ابن حنظلہ کے ہاتھ پر مدینہ والوں کی طرف سے موت کی بیعت پر انکار فرمایا اور کہا ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر اس بات کی بیعت کرتے تھے کہ ہم میدان جنگ سے فرار کی راہ اختیار نہیں کریں گے، اور اسی طرح بنو عبدالمطلب میں سے بھی کسی نے یزید کی بیعت نہیں توڑی) اور محمد بن حنفیہ سے بیعت توڑنے کے بارے میں سوال کیا گیا، تو وہ شدت سے انکار کرتے رہے اور انھوں نے بیعت

توڑنے والوں سے مناظرہ ومجادلہ بھی کیا اور انہوں نے اس بات کا رد بھی کیا، کہ وہ شراب پیتا ہے یا بعض نمازیں ترک کر دیتا ہے، جیسا کہ یہ بات شرح وبسط کے ساتھ یزید کے ترجمہ میں عنقریب آئے گی۔ (کردار یزید ص۳۰/۳۱)

گذشتہ صفحات میں آپ حضرت عبداللہ ابن مطیع اور حضرت محمد بن الحنفیہ رحمہما اللہ کا پورا مکالمہ پڑھ آئے ہیں، اب مولانا طاہر صاحب کی سنئے! فرماتے ہیں

مولانا طاہر صاحب کی زبردستی

''حافظ ابن کثیر علیہ الرحمہ کے الفاظ پر غور فرمایئے وہ محمد بن حنفیہ کی گفتگو پر تبصرہ کرتے ہیں، ناظرهم و جادلهم ورد عليهم ما اتهموا يزيد به۔ محمد بن حنفیہ نے ان سے مناظرانہ گفتگو فرمائی بلکہ ان سے جدال (یعنی کٹ حجتی بھی کیا) اور انھوں نے یزید پر جو تہمت رکھی تھی اس کی تردید فرمائی''۔ (کردار یزید ص۳۲)

مولانا طاہر صاحب آگے لکھتے ہیں: محمد بن حنفیہ بہت بڑے عالم ربانی ہیں مگر علم وفضل میں عبداللہ ابن مطیع سے زیادہ بھی نہ تھے وہ ایک صحابی تھے اور عمر میں بھی محمد بن حنفیہ سے زیادہ تھے، اس لئے حافظ ابن کثیر علیہ الرحمہ نے دونوں کی بحث وگفتگو پڑھنے کے بعد فیصلہ عبداللہ ابن مطیع رضی اللہ عنہ کے حق میں دیا، اور یزید کا شراب پینا ثابت مانا اور تنقید کو صحیح تسلیم کیا، اور مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی علیہ الرحمہ نے فیصلہ محمد بن حنفیہ کے حق میں دیا''۔ (کردار یزید ص۳۳)

افسوس صد افسوس! بخدا مجھے مولانا گیاوی صاحب سے اتنی صریح غلط بیانی کی توقع

ہرگز نہ تھی، یہ علامہ کہلانے والے مناظر اسلام کیا ایسی ہی غلط بیانیوں سے مناظروں کے فاتح اعظم کہلاتے رہے ہیں؟

چہ دلاور است دزدے کہ بکف چراغ دارد

ناظرین کرام زحمت اٹھا کر ایک بار پھر عبداللہ بن مطیع اور محمد بن الحنفیہ کا پورا مکالمہ پڑھ لیں! اور خدا کو حاضر و ناظر جان کر فیصلہ کریں، کہ حجت کس نے پوری کی ہے اور لاجواب کون رہا ہے؟ اور اس سے بھی بڑا ظلم یہ ہے کہ مولانا نے اپنی بددیانتی حافظ ابن کثیر کے سر تھوپ دی ہے، اور لکھا کہ ابن کثیر نے عبداللہ ابن مطیع کے حق میں فیصلہ دیدیا۔ مولانا کے تمام ہمنواؤں کو میں دعوت دیتا ہوں کہ وہ سب کے سب مجتمع ہو کر مذکورہ عبارت سے حافظ ابن کثیر کا عبداللہ ابن مطیع کے حق میں فیصلہ کرنا دکھادیں۔

جب مولانا طاہر صاحب کے ترجمے کی رو سے ابن کثیر خود فرمارہے ہیں کہ ''انھوں نے بیعت توڑنے والوں سے مناظرہ، مجادلہ بھی کیا اور انھوں نے اس بات کا رد بھی کیا کہ وہ شراب پیتا ہے یا بعض نمازیں ترک کردیتا ہے (ترجمہ مولانا طاہر کردار یزید ص ۳۱) تو یہ حافظ ابن کثیر اپنے ہی اس تأثر کے خلاف ابن مطیع کے حق میں کیسے فیصلہ سنائیں گے؟ اور انھوں نے کہاں یہ فیصلہ سنایا ہے، ذرا پیش تو کیا جائے؟

مولانا طاہر صاحب کی کٹ حجتی کا جواب

اب ذرا قارئین کرام مولانا طاہر کے ہاتھ کی صفائی دیکھیں کہ اسی عبارت کا ترجمہ جو ص ۳۱ پر ''مناظرہ اور مجادلہ'' کے لفظ سے تھا وہ ص ۳۲ پر جا کر ''کٹ حجتی'' میں تبدیل ہوگیا، اور میں عرض کرتا ہوں کہ یہ صرف مولانا طاہر حسین صاحب کی کٹ حجتی ہے کہ وہ اتمام حجت کا نام ''کٹ حجتی'' رکھتے ہیں، پھر علامہ ابن کثیر کے فیصلے کی جو وجہ انھوں نے پیش کی ہے، بلکہ اس کے لئے نامعقول قسم کا افسانہ تراشا ہے وہ بھی خاصی دیکھنے

کی چیز ہے۔ مولانا کہتے ہیں کہ چونکہ عبداللہ بن مطیع علم و فضل اور عمر میں ابن الحنفیہ سے بڑے تھے، صحابی بھی تھے اس لئے ابن کثیر نے ابن مطیع کے حق میں فیصلہ سنایا، انصاف سے کہا جائے کہ انصاف کا خون کرنے کا الزام اس طرح مولانا طاہر صاحب نے علامہ ابن کثیر کے سر نہیں لگایا ہے؟ ہم کہتے ہیں یہ صرف مولانا طاہر حسین صاحب کی سینہ زوری ہے ورنہ ابن کثیر کا دامن اس خرافاتی عمل سے پاک ہے، بھلا یہ انصاف کا کون سا ضابطہ ہے کہ معاملہ نہ دیکھا جائے؟ بس فریقین میں سے کسی کا منہ اور اس کی شخصیت دیکھ کر فیصلہ اس کے حق میں سنادیا جائے؟ کیا دور نبوت اور زمانۂ خلفائے راشدین سے اس کی ایک بھی مثال پیش کی جاسکتی ہے؟ پھر لطیفے کی بات یہ ہے کہ ہمارے مناظر اسلام نے علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کے فیصلہ کا جزو جسے وہ ابن کثیر کا تبصرہ بھی فرمارہے ہیں، البدایۃ کے ج ۸/ص ۳۰۸ سے نقل کیا ہے جب کہ ابن مطیع کا مکالمہ ج ۸/ص ۳۲۹ سے، اس کا صاف مطلب یہ ہوا کہ ابن کثیر کی عدالت میں مقدمہ آیا بھی نہیں، اور انھوں نے صرف ابن مطیع کا منہ دیکھ کر ان کے حق میں فیصلہ کردیا، کیونکہ جسے مولانا گیاوی صاحب تبصرہ اور فیصلہ کہہ رہے ہیں، میرے پاس موجود البدایۃ میں ج ۸/ص ۲۱۸/ پر مذکور ہے جب کہ ابھی مقدمہ آیا بھی نہیں، مقدمہ تو میرے پاس موجود البدایۃ کے ج ۸/ص ۲۳۳ پر آیا ہے اسی طرح فیصلہ ہوا کرے تو محکمۂ قضا مولانا کے ہاتھ لگتے ہی نہ جانے کتنے بے ثبوت مدعیوں کا بیڑا پار ہوجائے گا، اللہ ہی خیر کرے۔ رہی بات مولانا کی طرف سے ''جادلھم'' کا ترجمہ کٹ حجتی کرنے کے متعلق، تو کیا مولانا قرآن کریم کی اس آیت کریمہ کا بھی یہی ترجمہ کرنے کی ہمت رکھتے ہیں؟ جس میں اللہ رب العالمین نے جدال کا حکم فرمایا ہے۔

حضرت محدث اعظمی نے اس مکالمہ کو ذکر فرما کر اس سے یہ نتیجہ برآمد کیا تھا کہ ''اوپر تفصیل کے ساتھ ثابت کیا جا چکا ہے کہ یزید کی زندگی میں سوائے اس وفد کے جو مدینے سے شام گیا تھا، کسی نے بھی یزید کی شراب خوری وغیرہ کا کوئی ذکر نہیں کیا اور اس وفد کے بیان کی بھی خود حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے بھائی محمد بن حنفیہ نے تکذیب کر دی ہے۔ (تبصرہ بر شہید کربلا ص ۷۴)

حضرت محدث اعظمیؒ پر تکذیب صحابہ کا ناشائستہ الزام

اس میں چونکہ حضرت اعظمی رحمۃ اللہ کی طرف سے تکذیب کا لفظ آ گیا تھا، اس پر مولانا جامہ سے باہر ہوتے ہوئے جوش غضب میں فرماتے ہیں۔

''مجھے نہایت افسوس کے ساتھ لکھنا پڑتا ہے کہ مولانا اعظمی علیہ الرحمۃ کو عبداللہ بن مطیع رضی اللہ عنہ کے ساتھ مزید کئی دیگر صحابہ کے بارے میں محمد بن حنفیہ کی طرف تکذیب کی نسبت کرتے ہوئے جرأت کیسے ہوگئی؟ اور صحابہ کی طرف غلط بیانی اور جھوٹ بولنے کا الزام رکھتے وقت مولانا اعظمی کی غیرت ایمانی اور عقیدت صحابہ کا جذبہ کہاں چلا گیا تھا؟ اگر اس واقعہ میں صرف عبداللہ بن مطیع ایک ہی صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہوتے تو کہا جا سکتا تھا کہ وہ صحابی نہیں تھے، لیکن اگر صحابی ہونے سے ان کے انکار بھی کر دیا جاتا ہے تو بھی بالاتفاق وہ ایک تابعی اور ثقہ راوی تو ہیں ہی، پھر جھوٹ بولنے والا شخص جس کی محمد بن حنفیہ جیسا عالم ربانی تکذیب کرتا ہو وہ کسی طرح بھی مسلم شریف جیسی کتاب میں راوی بننے کا اہل باقی رہ جائے گا؟ جب کہ عبداللہ بن مطیع رضی اللہ عنہ مسلم شریف کے راویوں میں بالاتفاق شامل ہیں اور اس موقع پر ان کے ساتھ صحابہ میں

بھی متعدد صحابہ موجود ہیں، اور وہ سب بھی اس غلط بیانی اور کذب بیانی میں شریک ہیں؟ مولانا اعظمی نے جرأت اور بے باکی کے ساتھ تکذیب کر ڈالی اور محمد بن حنفیہ کے ساتھ اس تکذیب کو ڈال دیا ہے، اور صرف جواب دینے اور رد کرنے پر اکتفا کیوں نہیں کیا جیسا کہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے انھیں باتوں پر اکتفا کیا ہے''۔ (کردار یزید ص ۳۱/۳۲)

ہمارے مولانا جب زیادہ جوش میں آتے ہیں، تو آس پاس کچھ دیکھے بغیر ژالہ باری شروع کر دیتے ہیں۔ اب یہیں دیکھئے! مولانا فرما رہے ہیں کہ

''صرف جواب دینے اور رد کرنے پر اکتفا کیوں نہیں کیا جیسا کہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے انھیں باتوں پر اکتفا کیا ہے''۔

اس میں مولانا صاف صاف تسلیم کر رہے ہیں کہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے ابن مطیع رحمۃ اللہ علیہ کی باتوں کا رد کیا ہے، اور یہ لکھتے وقت بالکل بھول جاتے ہیں کہ ہم تو اگلے صفحے پر یہ لکھ رہے ہیں کہ

''حافظ ابن کثیر علیہ الرحمہ نے دونوں کی بحث و گفتگو پڑھنے کے بعد فیصلہ عبداللہ ابن مطیع رضی اللہ کے حق میں دیا''

یہ تضاد بیانی تو اسی وقت ممکن ہے جب یہ تحریر بلا سوچے سمجھے قلم سے ٹپک پڑی ہو، یا پھر مولانا یہاں پر یہ کہنا چاہتے ہوں کہ جس طرح انھوں نے ابن کثیر سے ابن مطیع کے حق میں فیصلہ دلوایا، محدث اعظمی رحمۃ اللہ علیہ اپنا منصب اور اپنی ذمہ داری فراموش کر کے کسی کے بھی کہنے پر وہی راہ اپنا لیں؟ مولانا کی یہ برسات صرف اسلئے ہے کہ حضرت محدث اعظمی کے قلم سے محمد بن الحنفیہ کے لئے تکذیب کا لفظ نکل گیا ہے، اور اس پر

انھوں نے حضرت محدث اعظمی رحمہ اللہ پر تکذیب صحابہ کا الزام عائد کر دیا، لیکن مولانا سے کہا جائے کہ اس پورے بیان میں کسی بھی صحابی کا موجود ہونا وہ دکھا تو دیں!

حضرت عبداللہ ابن مطیع کی صحابیت

حضرت عبداللہ ابن مطیع کی صحابیت کی جو دلیل خود انھوں نے تلاش بسیار کے بعد اپنی کتاب میں درج کی ہے، اس میں تو صرف اتنا بیان ہے کہ

> ''انھیں ولادت کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لایا گیا ،آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھجور سے ان کی تحنیک فرمائی انکا نام رکھا اور ان کیلئے برکت کی دعا فرمائی'' (کردار یزید ص ۴۵)

عبداللہ ابن مطیع کے سوا کوئی دوسرا صحابی اس گفتگو میں موجود ہو جس نے یزید کے شراب پینے کو خود دیکھا ہو تو مولانا اس کو پیش کریں، اور عبداللہ بن مطیع کی بات چھوڑ یئے! مولانا نے جو اس واقعہ میں فرضی کئی دیگر صحابہ کو شامل کیا ہے تو اس دروغ گوئی کے وقت ان کا ایمانی جذبہ کہاں آرام کر رہا تھا؟ اور مولانا کوئی طفل مکتب نہیں گھاگ قسم کے مناظر اسلام ہیں، کذب اور تکذیب کن معنوں میں مستعمل ہوتا ہے اس سے وہ ہرگز بے خبر نہ ہونگے، اگر انھیں اس کا استحضار نہیں ہے تو بخاری کی ایک روایت حاضر ہے، مولانا ہی بتادیں کہ اس کا مطلب کیا ہے۔

تکذیب کی حقیقت

فقال سعد بن عبادة يا ابا سفيان اليوم يوم الملحمة اليوم تستحل الكعبة فلما مر رسول الله صلى الله عليه وسلم با بى سفيان قال الم تعلم ما قال سعد بن عبادة قال ما قال، قال كذاو كذا فقال كذب سعد ولكن هذا

اليوم يعظم الله فيه الكعبةويوم تكسى فيه الكعبة ۔(بخاری ج ۲م ص ۶۱۳)

حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے ابوسفیان آج بوٹی اڑائے جانے کا دن ہے، آج کعبہ میں قتال حلال ہوگا، جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ابوسفیان کے پاس گذرے تو انھوں نے کہا آپ کو معلوم نہیں؟ سعد بن عبادۃ نے کیا کہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کیا کہا؟ حضرت ابوسفیان نے عرض کیا اس اس طرح کہا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سعد نے غلط کہا لیکن آج وہ دن ہے جس میں اللہ کعبہ کی عظمت بڑھائیگا اور وہ دن ہے جس میں کعبہ کی غلاف پوشی ہوگی۔ مولانا فرمائیں کہ یہاں خود اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد کی تکذیب فرمائی ہے تو کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جلیل القدر صحابی پر جھوٹ بولنے کا الزام عائد فرمایا ہے؟ نہیں اور ہرگز نہیں۔ بلکہ کذب کا لفظ جو غلطی کے لئے مستعمل ہوتا ہے یہاں وہی مراد ہے، تو مولانا حضرت محدث اعظمی رحمۃ اللہ علیہ کی تحریر میں مذکور تکذیب کا معنی تغلیط یا تردید کیوں نہیں لے سکتے؟ کیا مولانا واقعی اتنے پیدل ہو گئے ہیں کہ اتنی سی بات نہیں سمجھ پاتے؟ ''ہمارا خیال ہے سمجھتے سب ہیں لیکن یزید کی عداوت نے علم والوں کو بھی اندھا بنا ڈالا ہے، اور وہ اپنی انا اور علمی برتری کے زعم میں یہ ساری غلطیاں دانستہ اور عمداً کر گئے ہیں، یہ کسی غلط فہمی اور سہو کا نتیجہ نہیں ہے''

علامہ سید طاہر حسین گیاوی مدظلہ، فرماتے ہیں۔

> ''محدثین حنفیہ سے عبداللہ بن مطیع کی علمی برتری مذکورہ بالا گفتگو اور مناظرہ میں ابن کثیر کے نزدیک واضح ہے، اگر مزید ان کا علمی تفوق اور ان کا صحابی ہونا آپ معلوم کرنا چاہتے ہیں تو درج ذیل واقعہ اور ابن حجر عسقلانی علیہ الرحمہ کا بیان پڑھئے۔ بخاری ج ۲ ص ۲۷۴ پر ہے۔

عـن علقمة قال كنابحمص فقرأ ابن مسعود سورة يوسف فـقال رجل ما هكذا انزلت قال قرأت علىٰ رسول الله صلى الله عـليـه وسـلم فقال احسنت ووجد منه ريح الخمر فقال اتجمع ان تكذب بكتاب الله وتشرب الخمر فضربه الحد ۔

(بخاری ج۲ رص۷۲۴)

علقمہ بن قیس نخعی سے روایت ہے کہ ہم لوگ حمص میں تھے، اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، نے سورۂ یوسف کی تلاوت فرمائی اس پر کسی شخص نے کہا اس طرح یہ سورۃ نازل نہیں کی گئی تو عبداللہ بن مسعود نے اس شخص سے شراب کی مہک محسوس کی اور فرمایا تو اللہ کی کتاب کو جھٹلاتا ہے، اور شراب نوشی بھی جمع کرتا ہے پھر اس پر حد خمر جاری فرمائی۔ ''شراب خمر پر حد کے وجوب کیلئے شرائط وشواہد کا بیان''۔ دیکھئے حضرت عبداللہ بن مسعود صحابی رضی اللہ عنہ، نے صرف شراب کی مہک پر حد خمر جاری فرمادی، جب کہ شراب پینے کے دیکھنے والے گواہوں کو طلب نہیں فرمایا، شارحین اس حدیث کے ذیل میں لکھتے ہیں۔ ممکن ہے اس شرابی نے پینے کا اعتراف واقرار کرلیا ہو، اس لئے اس پر حد جاری کردی گئی، میں کہتا ہوں کہ کسی صحیح السند روایت سے نہ اس کا اقرار واعتراف ثابت کیا گیا ہے اور نہ ہی یہ بات ثابت کیا جانا آسان ہے، لیکن اگر ثابت بھی ہو جائے تو یہ بات حد جاری کرنے کے لئے ضروری ہوگی۔ صرف شراب نوشی اور فسق کے لئے اس کی ضرورت ہرگز نہیں، اس کے فسق کا ثبوت یا اس کے شراب نوش ہونے کے لئے عینی شاہد یا دو گواہوں کا پیش کرنا ہرگز

ہرگز ضروری نہیں ہے صرف اتنی بات کا ثبوت ایک گواہ یا اس کے منہ سے شراب کی مہک کا پایا جانا بھی کردے گا، صرف اتنی بات کے لئے شراب کی مہک کا پانا کافی ہے عینی شاہد کا ہونا ضروری نہیں، بنابریں حضرت عبد اللہ بن مطیع کا صاف صاف یہ کہنا کہ ہم نے اگرچہ پیتے دیکھا نہیں ہے مگر یزید کے شراب پینے کا علم ہمارے پاس تحقیقی ہے، یہ بات حضرت عبداللہ بن مطیع کو شہادت کا حق دیتی ہے اور اس سے انکار کسی بھی قرآنی آیت کے خلاف نہیں ہے، اور نہ یہ انکار قرآنی آیت سے ثابت ہے، بنا بریں عبداللہ بن مطیع رضی اللہ عنہ کی ہی بات درست ہے اور صحیح ہے، اور محمد بن حنفیہ اس شہادت کا انکار قرآن سے ثابت کرنے میں اس گفتگو میں بری طرح ناکام رہے ہیں، صرف مہک ملنا بھی شراب نوشی ثابت کر دیتا ہے، یہی بات بخاری کی روایت میں عبداللہ بن مسعود سے ہے، اور اس روایت کی تشریح میں شارحین بخاری بھی فرمارہے ہیں، علامہ بدر الدین عینی عمدۃ القاری میں لکھتے ہیں فیـه نـظـر لان الـمنقول عن ابن مسعـود انـه كـان يـرى وجوب الحد بمجرد وجوب الرائحة ..... وقد قال مالك واصحابه وجماعةمن اهل الحجاز ۔

(عمدۃ القاری ج۲۰ رص۲۶ رکردار یزید ص۳۳ تا ۳۵)

پہلی بات تو یہ ہے کہ بخاری کا حوالہ جو انہوں نے دیا ہے اسے غور سے دیکھئے پہلے تو لکھتے ہیں ''بخاری ج۲ رص۲۷۴ پر ہے پھر حدیث نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں ''بخاری ج۲ رص۷۲۴'' اور مزے کی بات یہ ہے کہ یہ حدیث نہ ۲۷۴ پر ہے نہ ۷۲۴ پر بلکہ جلد دوم ص۷۴۸ پر باب القرأ من اصحاب النبیؐ کے تحت ہے، مولانا کی

طرف سے عذر ہوسکتا ہے کہ انھوں نے جس نسخہ کا حوالہ دیا ہے اس کو چھوڑ کر دوسرے نسخہ میں یہ حدیث تلاش کی گئی ہو تو فرق تو لازمی ہوگا، لیکن معاف کیا جائے کہ جب دوسرے حوالے اسی نسخے سے مطابق ہو رہے ہیں تو یہ حوالہ علیحدہ کیسے ہوسکتا ہے؟ مجھے اس پر کوئی خاص اشکال نہیں، لیکن میں عرض کردوں کہ یہی بات محدث اعظمی کی طرف سے پیش آتی تو مولانا طوفان کھڑا کردیتے، جیسا کہ اس کا ایک نمونہ انھوں نے اپنی کتاب کے ص ۱۹ پر تیسری چوتھی سطروں میں کیا ہے، اور وہ مضمون میں نے اُس مقام پر ابن اثیر کی الکامل سے پیش کردیا ہے، میں یہاں پر مولانا سے بطور نصیحت صرف یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ ذمہ دار لوگ شیشے کے گھر میں بیٹھ کر دوسرے گھروں کی طرف پتھر نہیں اچھالا کرتے۔ اس بحث میں مولانا نے نسبتاً ایک غیر متعلق طویل مضمون سپرد قلم کرکے خود ہی اپنی فتح مبین کا اعلان کردیا کہ ''عبداللہ ابن مطیع کا علمی تفوق واضح ہوگیا'' اور محمد بن الحنفیہ پر ان کی برتری ثابت ہوگئی، لہذا یزید شرابی ثابت ہوگیا۔ میں نہیں سمجھتا کہ مولانا احمقوں کی جنت میں رہتے ہوں گے؟ لیکن یہاں تو یہی دکھائی دے رہا ہے۔ مولانا سے کوئی پوچھے کہ مہک پر حد کے اجرا یا مہک والے کو فاسق گرداننے کے لئے سونگھنا دیکھنا بھی ضروری ہے، یا بلا دیکھے بلا سونگھے سنی سنائی، ہوائی باتوں پر اس کے فاسق ہونے کا اعلان کردیا جائے گا؟ کیا مولانا کا مسلک حق یہی کہتا ہے؟ اگر مولانا کے مسلک میں مہک پر ہی فاسق ہونے کا اعلان کریا جائے تو تھوڑی دیر کے لئے ہم اس کو بھی مان لیتے ہیں لیکن مولانا ذرا کلیجہ تھام کر یہ تو بتائیں کہ کیا عبداللہ ابن مطیع نے خود یزید کے منہ سے مہک ہی ملنے کا کہیں دعویٰ کیا ہے؟ قارئین کرام پھر سے مکالمہ پڑھ لیں مہک کا ملنا تو دور کی بات مہک کی مہک بھی اس بیان میں کہیں نہیں ملے گی، ہاں عبداللہ بن مطیع کا یہ اقرار ضرور مل جائیگا کہ ''اگر چہ ہم نے

دیکھا نہیں ہے لیکن ہمارے نزدیک یہ حق ہے'' پھر مولانا سے پوچھئے کہ عبداللہ بن مطیع نے دیکھا نہیں ہے، تو مہک گھر بیٹھے انھیں کیسے مل گئی؟ حیرت ہے

ع من چہ سرائم وطنبورۂ من چہ سراید

پھر مولانا سے یہ بھی پوچھئے کہ جب عبداللہ ابن مطیع نہ دیکھ رہے ہیں نہ مہک سونگھ رہے ہیں تو کیا ان کے نزدیک کوئی ایسا غیبی راستہ بھی ہے کیا ہے؟ کہ دیکھے سنے بغیر ملزم کو مجرم قرار دیا جائے، اگر ایسا ہے تو شریعت کیا رہے گی مداری کا کھلونا بن جائیگی جس کا جی چاہے جس پر چاہے الزام لگا دے، نہ ثبوت کی ضرورت، نہ گواہ کی حاجت! مولانا کو چاہیئے تھا کہ عبداللہ بن مطیع کیلئے یزید کی طرف سے شراب کی مہک ملنا ثابت کرتے پھر اس بحث کو چھیڑتے تو شاید ان کے حق میں کچھ بات بنتی، لیکن جب ایسا کئے بغیر انھوں نے یہ بحث چھیڑی ہے تو خواہ مخواہ بحث کو طول دیا اور اپنے قارئین کا وقت ضائع کیا ہے۔ پھر مولانا سے ایک سوال اور ہے الزام لگانے والا ثبوت پیش نہ کرسکے تو ملزم کو حد قذف کے دعویٰ کا حق بہر حال ملتا ہے، یہی معاملہ اگر قاضیٔ وقت کی عدالت میں پیش ہوا ہوتا اور محمد بن حنفیہ کی جرح کے جواب میں ابن مطیع کی لاعلمی کے اقرار پر مقدمہ خارج ہوجاتا، اس وقت یزید حد قذف کا مطالبہ کرتا تو مولانا اور مولانا کے سارے ہمنوا مل کر انھیں بچا سکتے؟ باقی رہا مولانا کے بقول علم تحقیقی کا مسئلہ تو وہ، معاف فرمایئے! حضرت مہتمم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ''سر مکنون'' کی طرح ہے جو منظر عام پر نہ کبھی آیا ہے نہ آئے گا۔ اور مولانا جس قدر باتیں بنالیں ان کا ضمیر خوب اچھی طرح جانتا ہے کہ اس طرح کا علم تحقیقی دنیا کی کسی عدالت میں کام آنیوالا نہیں ہے تو اسلامی عدالت میں کیا خاک کام دے گا؟

مولانا طاہر صاحب کا آدھا سچ

مولانا نے بخاری کی اس روایت کی تشریح میں عمدۃ القاری کی عبارت نقل کر کے اس سے استدلال کیا ہے، لیکن یہاں بھی ڈنڈی مارنا نہیں بھولے ہیں۔لوگ کہتے ہیں، آدھا سچ پورے جھوٹ سے زیادہ خطرناک ہوتا ہے۔ یقین مانئے یہاں بھی یہی صورت حال پیش آئی ہے، لیجئے ہم عمدۃ القاری کی پوری عبارت پیش کر دیتے ہیں۔

وقول النووی علیٰ ان الرجل اعترف بشربها بلا عذر والا فلا یحد بمجرد ریحها فیها نظر لان المنقول عن ابن مسعود انه کان یریٰ وجوب الحد بمجرد وجود الرائحة ، وقال القرطبی فی الحدیث حجة علیٰ من یمنع وجوب الحد بالرائحة کالحنفیة وقد قال به مالك واصحابه وجماعة من اهل الحجاز ، قلت لا حجة علیهم فیه لان ابن مسعود ما حد الرجل الا باعترافه لان نفس الریح لیس بقطعی الدلالة علیٰ شرب الخمر لا حتمال الاشتباه الایُریٰ ان رائحة السفر جل الماکول یشبه رائحة الخمر فلا یثبت الابشهادة او باعتراف ۔(عمدۃ القاری ج۲ رص۳۷ باب القراء فی فضائل القرآن)اورنووی کی یہ بات کہ اس شخص نے اپنے پینے کا اقرار کرلیا تھا ورنہ صرف مہک کی وجہ سے اس پر حد جاری نہ کی جاتی ، قابل غور ہے، کیونکہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے یہ بات منقول ہے کہ وہ صرف مہک ملنے پر حد کے وجوب کے قائل تھے، اور قرطبی نے فرمایا کہ حدیث میں ان لوگوں پر حجت ہے جو صرف مہک ملنے پر حد کو ضروری نہیں مانتے ، جیسے حنفیہ حالانکہ امام مالکؒ اور ان کے ساتھی اور حجاز کی ایک جماعت اس کی قائل ہے، میں (علامہ عینی) کہتا ہوں اس حدیث میں احناف پر حجت قائم کرنے والی کوئی چیز نہیں ہے، کیونکہ حضرت ابن مسعود نے اس شخص پر اقرار کے بعد ہی حد جاری فرمائی

تھی ، کیونکہ صرف مہک شراب پینے کی کوئی قطعی دلیل نہیں ہے، اس لئے کہ اس میں اشتباہ کا احتمال ہے، کیا یہ بات سب کو معلوم نہیں ہے کہ کھائے جانے والے سفر جل کی مہک شراب کی مہک سے ملتی جلتی ہے، تو شراب کا پینا گواہی یا اس کے اقرار کے بغیر ثابت ہی نہیں ہوگا''۔

اسی لئے میں کہتا ہوں کہ مولانا نے یہاں زبردست خیانت فرمائی ہے اور عیاناً ڈنڈی ماری ہے، یعنی وہ حصہ نقل کر دیا جس میں لکھا ہوا ہے کہ امام نووی کے اس قول میں نظر ہے جس میں انھوں نے فرمایا کہ اس شخص نے اپنے پینے کا اقرار کرلیا تھا، ورنہ صرف مہک پر اس پر حد جاری نہ کی جاتی ، علامہ عینی نے اس کا جواب دیدیا پھر علامہ قرطبی نے احناف پر جو تعریض کی تھی اس کا جواب اس طرح دیا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود نے اس شخص کے اعتراف کے بعد ہی اسے شرعی سزا دی تھی کیونکہ شرعی سزا کے لئے جرم کا بھی یقینی ہونا ضروری ہوتا ہے، اور یہ مہک صرف شراب ہی میں نہیں ہوتی بلکہ سفر جل نام کے کھائے جانے والے ایک پھل میں ہوتی ہے، صرف مہک پر حد شرعی کیسے جاری کی جاسکتی ہے، کیا پتہ کہ اس نے شراب نہ پی ہو بلکہ سفر جل کھایا ہو، اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ایسی غلطی کبھی نہیں کر سکتے کہ بلا تحقیق کسی پر حد جاری فرمادیں ، تو لازماً اسکے اقرار کے بعد ہی اس پر حد جاری کی گئی ہوگی ۔

علامہ عینی کے اس جواب کو مولانا مصلحت کی چورن کے ساتھ مکمل ہضم فرما گئے۔

اور اس جواب کے بعد مولانا کے لئے تو ع وہ شاخ ہی نہ رہی جس پہ آشیانہ تھا

لیکن حضرت مولانا تو علامہ ہیں اور بقول کسے ملا آں باشد کہ چپ نہ شود

اتنی آسانی سے خاموش تو نہیں ہونگے ، چنانچہ مولانا سید طاہر حسین صاحب گیاوی مدظلہ فرماتے ہیں۔

''امام مالک اور نیز اہل حجاز کی ایک جماعت صرف شراب کی مہک پائے جانے پر بھی حد واجب کرنے کی قائل ہے، پس عبداللہ بن مطیع اور دیگر یزیدی بیعت توڑنے والے ساتھی اہل حجاز ہیں، اور اہل حجاز کی ایک جماعت امام مالک سمیت شراب کی مہک ملنے پر حد واجب کرتی ہے فسق یزید بھی ان کے نزدیک ثابت ہوگا''۔ (کردار یزید ص ۳۵)

خواہ کچھ بھی ہو جائے مولانا ٹیپ کا مصرعہ ہرگز نہیں بھولتے کہ فسق یزید بھی ان کے نزدیک ثابت ہوگا، لیکن بصد ادب عرض ہے کہ مالکی مذہب کی ترجمانی کے لئے کسی مستند مالکی کے بیان کو مستند مانا جائے گا یا کسی حنفی المذہب عالم کے بیان کو؟ اگر ضابطہ یہ ہے کہ اس ترجمانی کے لئے مالکی المذہب عالم کی کتاب ہی مستند و معتبر ہوگی تو آیئے دیکھتے ہیں مالکی مذہب کی کتاب میں اس مسئلہ پر انکا موقف کیا ہے؟ علامہ ابن رشد الحفید المالکی اپنی مؤقر کتاب بدایۃ المجتہد ونہایۃ المقتصد میں لکھتے ہیں، واما بما ذا یثبت هذا الحد فاتفق العلماء علی انه یثبت بالاقرار وبشهادة عدلین واختلفوا فی ثبوته بالرائحة فقال مالك واصحابه وجمهور اهل الحجاز یجب الحد بالرائحة اذا شهد بها عند الحاکم شاهدان عدلان وخالفه فی ذالك الشافعی وابو حنیفة وجمهور اهل العراق، وطائفة من اهل الحجاز وجمهور علماء البصرة فقالوا لا یثبت الحد بالرائحة فعمدة من اجاز الشهادة تشبیهاً بالشهادة علی الصوت والخط وعمدة من لم یثبتها اشتباه الروائح والحد یدرأ بالشبهة ۔ (بدایۃ المجتہد ج ۴ ص ۳۹۷)

''بات یہ کہ حد کس بنیاد پر جاری ہوگی تو علماء اس بات پر متفق ہیں کہ اقرار اور دو عادل شخصوں کی گواہی سے حد جاری کر دی جائے گی، البتہ مہک پائے جانے پر حد جاری

کرنے میں علماء کا اختلاف ہے، تو امام مالک، ان کے اصحاب اور جمہور اہل حجاز فرماتے ہیں کہ مہک ملنے پر اس وقت حد واجب ہوگی جب حاکم کے پاس دو عادل گواہ اس کے پینے کی گواہی دیدیں، اس مسئلے میں امام شافعی، امام ابوحنفیہ، جمہور اہل عراق اہل حجاز کی ایک جماعت، اور جمہور علماء بصرہ یہ سب حضرات اس کے خلاف گئے ہیں یہ فرماتے ہیں کہ صرف مہک سے حد جاری نہیں ہوگی، تو جنھوں نے شہادت کی اجازت کو نافذ مانا ہے ان کی بنیاد یہ ہے کہ آواز اور خط کی وجہ سے شہادت دی جاسکتی ہے، تو اسی طرح یہاں بھی شہادت دی جائے گی، اور حد ثابت نہ ماننے والوں کی بنیاد یہ ہے کہ مہک میں تو اشتباہ ہوتا ہے اور شبہ پر حد جاری نہیں ہوسکتی''۔

اب قارئین ہی بتائیں! کہ مالکی مذہب کا مسئلہ بتانے میں ان کے علماء معتبر ہونگے یا کسی اور مذہب کے؟ اب ہمارے علامہ کی یہ کھینچ تان زبردستی نہیں تو اور کیا ہے؟ بات چل پڑی ہے تو زحمت فرما کر علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کی بات بھی سن لیجئے، ولما حکی الموفق فی المغنی الخلاف فی وجوب الحد بمجرد الرائحة اختار ان لا یحد بالرائحة وحدها بل لا بد معها من قرینة کان یوجد سکران او یتقیأها ونحوه ان یوجد جماعة شهروا بالفسق ویوجد معهم خمر ویوجد من احدهم رائحة الخمر وحکی ابن المنذر عن بعض السلف ان الذی یجب علیه الحد بمجرد رائحة من یکون مشهوراً با دمان شرب الخمر ۔

(فتح الباری ج ۱۷/ باب القراء ص ۱۰۱)

اور جب موفق ابن قدامہ نے صرف مہک پائے جانے سے حد کے وجوب پر اختلاف بیان کیا تو انھوں نے اس کو پسند کیا کہ صرف مہک پائے جانے پر حد نہ لگائی جائے، بلکہ اس کے ساتھ کوئی قرینہ بھی ضرور ہو، وہ شخص نشے میں پایا جائے، یا شراب کی قے

کر رہا ہو اسی طرح کوئی جماعت پکڑی جائے جو فسق میں مشہور ہو ان کے پاس شراب ملے اور کسی کے منہ سے شراب کی بد بو آئے، اور ابن المنذر نے سلف سے بیان کیا کہ جس پر صرف مہک سے حد جاری کی جارہی ہے وہ شراب کا عادی مشہور ہو''۔

علامہ طاہر صاحب کا علماء احناف پر ظلم و جہالت کا ناروا الزام

محترم مولانا فرماتے ہیں ''اسلئے اس موقع پر چشم دید گواہوں کا مطالبہ کرنا صحابہ کو حنفی مسلک کا پابند بنانا ہے جو ایک طرح کی جہالت اور ظالمانہ کارروائی سے کسی طرح کم نہیں ہے، یہاں سے عبداللہ بن مطیع کا محمد بن حنفیہ پر علمی تفوق اور برتری بالکل واضح ہوگئی اور تمام اشکالات رفع ہوگئے''۔

(کردار یزید ص ۳۵)

یعنی فسق یزید پر اتمام حجت ہوگیا، بس ہو چکی نماز مصلیٰ اٹھایئے۔ ہمیں لگتا ہے یزید کی فرضی شراب نوشی کی دلیلیں ڈھونڈتے ڈھونڈتے خود مولانا پر اتنا نشہ چڑھ گیا ہے کہ وہ اس کے اثر میں آ کر بہکی بہکی باتیں کر رہے ہیں۔ ہم پوچھتے ہیں کہ مولانا فسق یزید کی ایک لاکھ دلیلیں تلاش کریں ہمیں کیا دقت؟ یہ اُن کا دردسر ہے۔ ہم تو اتنا کہتے ہیں کہ ایک ہی دلیل لائیں لیکن وہ قطعی اور سب کے نزدیک قابل قبول بھی تو ہو۔ لیکن کلمۂ خبیثہ کی بنیاد ہی کہاں ہوتی ہے؟ اجتثت من فوق الارض مالھامن قرار۔ سوال یہ ہے کہ حضرت سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث اور اس کی علامہ عینی کی شرح مولانا خود تلاش کر کے لائے ہیں، کسی دوسرے فریق نے پیش نہیں کیا کہ اس کے جواب میں یہ سخت کلمات ان کے قلم سے نکل پڑے، اور وہ اس کے بہانے تمام فقہاء احناف کو جاہل اور بڑے ظالم ہونے کا طعنہ دے رہے ہیں؟ صرف اس کھسیاہٹ میں کہ انھیں کوئی معقول دلیل مل کیوں نہیں رہی ہے؟ اگر مولانا کو حضرت

ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے اس عمل سے صرف علماء احناف کا نہیں بلکہ حضرت امام شافعی، جمہور اہل عراق، علماء حجاز کی ایک جماعت، اور علمائے بصرہ کا بتاویل اختلاف کرنا ظلم و جہالت اور صحابہ کو ان مذاہب کا پابند بنانا دکھائی دیتا ہے وہ بھی صرف اس لئے کہ مولانا اس کو بنیاد بنا کر ابن مطیع کو فاتح دکھانا چاہتے ہیں، اور ان علماء کا مذہب ان کے آڑے آرہا ہے تو مولانا کو حنفی بنے رہنے پر کس نے مجبور کیا ہے؟ مولانا اگر سمجھتے ہیں کہ فقہاء احناف خصوصاً ظالم و جاہل ہیں تو مولانا ان ظالموں جاہلوں کا ساتھ چھوڑ دیں علمائے احناف کی صف میں ہرگز کوئی خلا انشاء اللہ دکھائی نہیں دے گا؟ رہا یہ کہ عبداللہ بن مطیع کا محمد بن حنفیہ پر تفوق ثابت ہوگیا تو قارئین ہی فیصلہ فرمائیں کیا واقعی یہ تفوق ثابت ہوگیا؟ ہم سمجھتے ہیں یہ اپنے منہ میاں مٹھو بننے والی بات ہے۔ محترم مولانا طاہر حسین صاحب فرماتے ہیں۔

صحابۂ کرام پر مداہنت کا الزام

''اور بالاجماع یہ بھی معلوم ہوگیا کہ وجوب حد اور ثبوت فسق دو الگ الگ چیزیں ہیں، اور جو بات وجوب حد کے لئے کافی نہ ہو تو وہ ثبوت فسق کے لئے کافی ہوسکتی ہے، چونکہ یزید پر وجوب کی حد کی کوئی صورت موجود نہیں تھی، وہ خود خلیفۂ وقت تھا، اور اس کے عمال سب کے سب اس کے ماتحت اور مجبور تھے، تو صرف ثبوت فسق کے لئے جو کچھ ہوسکتا تھا عبداللہ بن مطیع اور ان کے ساتھیوں نے اسی پر اکتفا کیا''۔ (کردار یزید ص ۳۵)

میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اس مرغے کی ایک ٹانگ والے کو کوئی کس طرح سمجھائے کہ حضرت والا! اسلامی شریعت کا کوئی ضابطہ قاعدہ بھی ہے؟ یا وہ محض کسی قاضیٔ وقت کسی متکلم دوراں یا کسی مناظر اسلام کا صرف منہ دیکھ کر اس کے حق میں فیصلہ سنا دیتی ہے؟

اگر مسئلہ یہی ہے تو نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ہلال بن امیہ سے کیوں فرمایا کہ گواہی لاؤ ورنہ حد کے لئے تیار رہو؟ اور ذرا یہ بھی بتادیں کہ واقعۂ افک میں صرف دعووں کی بنیاد پر ام المؤمنین سیدتنا عائشہ رضی اللہ عنہا کو مشکوک قرار دیا گیا؟ کیا مولانا بھی رافضیوں کے ہمنوا ہو گئے ہیں کہ شرعی نصاب پورا نہ ہونے کی وجہ سے حد تو جاری نہیں ہوئی لیکن اسکا حق بہر حال حاصل ہو گیا؟ مولانا فرمارہے ہیں کہ یزید پر وجوب حد کی کوئی صورت موجود نہ تھی کیونکہ وہ خود خلیفۂ وقت تھا، اور اس کے عمال سب کے سب ماتحت اور مجبور تھے، اسی لئے ابن مطیع نے اس کے ثبوت فسق کے لئے جو ممکن تھا کیا، لیکن مولانا پھر دوبارہ ہمیں یہ بتائیں کہ عبداللہ بن مطیع یا اُن کی پارٹی کے کسی رکن نے یزید کو شراب پیتے دیکھا بھی ہے؟ یا اس کے منہ سے شراب کی مہک ہی خود پائی؟ خود ابن مطیع کہہ رہے ہیں کہ ہم نے ایسا بچشم خود نہیں دیکھا لیکن ہمیں اس کا تحقیقی علم ہے تو کیا ابن مطیع سے اسکا مطالبہ نہیں ہوگا کہ وہ اس تحقیقی علم کا اظہار کریں؟ ورنہ حد قذف کے لئے تیار رہیں۔ کیا مولانا کے نزدیک ابن مطیع حضرت ہلال ابن امیہ سے زیادہ وقیع ہیں؟ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شریعت مطہرہ کے ضابطے کو اہمیت دیتے ہوئے تنہا ہلال ابن امیہ کے زبانی دعوے کو تسلیم نہیں فرمایا تو بلا گواہی کے تنہا عبد اللہ بن مطیع کے صرف زبانی الزام کی شریعت کی نظر میں کیا وقعت ہوسکتی ہے؟ مولانا فرمارہے ہیں کہ یزید پر وجوب حد کی کوئی صورت موجود نہیں تھی کیونکہ اس پر حد کون جاری کرتا؟ سب تو اس کے عمال تھے جو ماتحت بھی تھے اور مجبور بھی، اور یہ سب کہتے وقت مولانا بھول جاتے ہیں کہ ان عمال میں بعض صحابۂ کرام بھی تھے اور بخاری وغیرہ میں ان کی روایتیں بھی ہیں، کیا وہ سب کے سب مولانا کے بقول معاذ اللہ مداہن ہو گئے تھے؟ ابھی الزام ثابت کرنے کا پہلا زینہ طے نہیں ہوا اور مولانا فرمارہے ہیں کہ

ہمارے کہنے سے ملزم کو تختۂ دار پر چڑھا دیا جائے۔

الزام کے لئے شہادت کا شرعی معیار

دوسری شق جو مولانا نے پیش فرمائی ہے کہ مجبوری کے باعث اجرائے حد نہیں ہوسکتا تو اثبات فسق تو بہر حال ہو ہی جائے گا۔ ہم پوچھتے ہیں کہ حضرت سیدنا ابوبکرہ اسلمی رضی اللہ عنہ، نے بخاری کی روایت کے مطابق حضرت سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ پر بدکاری کی تہمت لگائی، ان کا ساتھ دینے والے، شبل بن معبد، اور نافع بھی تھے، اور یہ بھی کہہ رہے تھے کہ رائیت منظرا قبیحاً و ما ادری اخالطها ام لا وفی روایة رایتهما فی لحاف علی المغیرة بن شعبة الثقفی۔

(حاشیہ بخاری بر بخاری ج۱ص۳۶۱)

کہ میں نے ایک قبیح منظر دیکھا مجھے پتہ نہیں کہ اسکے ساتھ مغیرہ نے صحبت کی یا نہیں؟ اور ایک روایت کے مطابق میں نے مغیرہ کے ساتھ دونوں کو ایک لحاف میں دیکھا''۔

آیئے اس واقعے کو علامہ ذہبی کے حوالے سے تاریخ اسلام میں دیکھ لیجئے!

عن قتادة ان ابا بكرة و شبل بن معبد وزياداً و نافع بن عبد الله الحارث شهدوا على المغيرة سوى زياد انهم راؤه يو لجه و يخرجه يعنى يزنى بامرأة فقال عمر واشار الى زياد انى ارى غلاماً لسناً لا يقول الاحقاً ولم يكن ليكتمنى شيئاً فقال لم ار ما قال هؤلاء ولكنى قد رأيت ريبة و سمعت نفساً عالياً قال فجلد عمر الثلاثة ۔ (تاریخ الاسلام ج۴ص۱۲۱)

حضرت ابوبکرہ، شبل بن معبد زیاد اور نافع بن عبدالحارث نے زیاد کو چھوڑ کر باقی لوگوں نے مغیرہ بن شعبہ کیخلاف شہادت دی کہ انہوں نے اس کو ڈالتے نکالتے دیکھا، یعنی وہ عورت کے ساتھ بدکاری کر رہے تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے زیاد کی طرف اشارہ

کر کے فرمایا کہ یہ لڑکا سچ بولیگا اور ہم سے کچھ نہیں چھپائے گا، زیاد نے کہا یہ لوگ جو کہہ رہے ہیں وہ میں نے نہیں دیکھا، لیکن میں نے مشکوک حالت دیکھی اور لمبی سانس کی آواز سنی، فرماتے ہیں پھر حضرت عمر نے تینوں کو کوڑے لگوائے۔

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:۔(مغيرة بن شعبة) وهو الذى كان رسول سعد الىٰ رستم فكلمه بذالك الكلام البليغ فاستنابه عمر على البصرة فلما شهد عليه بالزنا ولم يثبت عزله عنها وولاه الكوفة۔(ابن کثیر ج۸/ص۴۹)

(مغیرہ بن شعبہ) انھیں کو حضرت سعد بن وقاص نے رستم کے پاس سفیر بنا کر بھیجا تھا انھوں نے رستم سے اس کے بارے میں بلیغ گفتگو فرمائی تو حضرت عمر نے انھیں بصرہ میں نائب بنادیا، جب ان کے خلاف زنا کی گواہی دی گئی اور ثابت نہ ہوسکی تو وہاں سے ہٹا کر کوفہ کی ولایت پر مامور فرمادیا۔ علامہ ابن کثیر حضرت ابوبکرہ کے متعلق فرماتے ہیں، وكان ممن شهد على المغيرة بالزنا هو واخوه زياد، ومعهما سهل بن معبد ونافع بن الحارث فلما تلكاء زياد فى الشهادة جلد عمر الثلاثة الباقين ثم استتابهم فتابوا الا ابا بكرة فانه صمم على الشهادة وقال المغيرة يا امير المؤمنين اشفنى من هذا العبد فنهره عمر وقال له اسكت، لو كملت الشهادة لرجمتك باحجارك۔

(ابن کثیر ج۸/ص۵۷)

یہ دونوں ان میں سے تھے جنھوں نے مغیرہ کے خلاف بدکاری کی شہادت دی تھی یہ اور اس کے بھائی زیاد اور ان کے ساتھ سہل بن معبد اور نافع بن الحارث، جب زیاد شہادت میں گڑ بڑا گئے تو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ، نے باقی تینوں کو کوڑے لگوائے اور ان سے توبہ کرنے کو کہا، حضرت ابوبکرہ کے سوا سب نے توبہ کرلیا، یہ اپنی

گواہی پر ڈٹے رہے، اور مغیرہ نے کہا اے امیر المؤمنین مجھے اس غلام سے راحت دلایئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ، نے انھیں ڈانٹا اور ان سے فرمایا چپ رہو اگر شہادت کا نصاب پورا ہوجاتا تو میں تیرے ہی پتھروں سے تجھے سنگسار کرادیتا۔

(ابن کثیر کے اس نسخے میں سہل بن معبد چھپ گیا ہے جب کہ درست شبل ابن معبد ہے۔عطا)

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں واما شبل بن معبد بن عبيد الله بن الحارث بن عمر و بن على بن اسلم بن احمس البجلى نسبه ابو جعفر الطبرى فى تاريخه وابو احمد العسكرى فى الصحابة قالا وهو اخو ابى بكرة لامه قال العسكرى ولا يصح سماعه من النبى صلى الله عليه وسلم وقال ابو على بن السكن يقال له صحبة، وقال عبد البر لا ذكر له فى الصحابة الا فى رواية ابن عيينه ۔۔۔۔ وقال الدارقطنى يعد فى التابعين ۔(تہذیب التہذیب ج۴/ص۳۰۵)

''اور شبل ابن معبد بن عبید اللہ ابن حارث ابن عمرو بن علی بن اسلم بن احمس بجلی، ابو جعفر طبری نے اپنی تاریخ میں، اور ابو احمد عسکری نے الصحابۃ میں ان کی نسبت بیان کی ہے، دونوں نے لکھا ہے کہ یہ حضرت ابوبکرہ کے ماں جائے بھائی تھے، عسکری نے کہا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کا سماع ثابت نہیں ہے، اور ابو علی ابن السکن نے کہا کہ ان کی صحبت کہی جاتی ہے، اور ابن عبد البر نے کہا کہ صرف ابن عیینہ کی روایت میں ان کی صحابیت کا ذکر ہے، اور دارقطنی نے فرمایا کہ ان کا شمار تابعین میں ہے''۔

مولانا دیکھیں کہ یہاں ابن مطیع کے مقابلے میں بدر جہا جلیل القدر صحابہ الزام لگا رہے ہیں اور صرف شریعت مطہرہ کے ضابطے کے مطابق ان کی شہادت پوری نہیں ہو پا رہی ہے، بلکہ وہاں ابن مطیع تنہا ہیں یہاں تو چار چار ہیں، صرف چوتھا شخص یعنی زیاد اسے

مشکوک حالت بتاتا ہے اور لمبی سانس کی آواز سننے کی بات کرتا ہے، اور اتنے سے ہی نہ صرف ان سب کی گواہی مردود قرار دی جاتی ہے بلکہ ان پر درّے بھی برسائے جاتے ہیں، اور یہ سب اس کی عدالت میں ہو رہا ہے جس کا عدل دنیا بھر میں اپنوں غیروں سب کے نزدیک مشہور زمانہ ہے۔ مولانا بتائیں کہ حضرت ابوبکرہ کے اپنے موقف پر ڈٹے رہنے اور ہرگز توبہ نہ کرنے کے ان کے فیصلے کے باوجود یہ ہوائی نظریہ کیوں کام نہیں آیا کہ صحابی جھوٹ نہیں بول سکتا ہے؟

اور مولانا یہ جو فرما رہے ہیں کہ حد ثابت نہیں بھی ہوگی تو فسق ثابت ہو جائے گا تو ذرا یہ گتھی بھی سلجھا دیں کہ حضرت سیدنا فاروق اعظم نے اس قابل مذمت واقعے کے باوجود حضرت مغیرہ کو کوفہ کی ولایت پر کیوں مامور فرما دیا؟ کیا حضرت فاروق اعظم نے انھیں فاسق سمجھ لیا تھا؟ اور اگر سمجھا تھا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ، معاذ اللہ فاسق کو بھی ولایت عطا فرما دیا کرتے تھے؟ اس خبیث نظریئے کو رافضیوں کے سوا کوئی صحیح العقیدہ شخص اپنے دل و دماغ میں ذرا سی جگہ بھی دے سکتا ہے؟ ہاں کوئی سوال کر سکتا ہے کہ پھر انھیں بصرہ کی ولایت سے معزول کیوں فرما دیا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ عزل و نصب کا تعلق مصالح ولایت سے ہے یعنی ایسا شخص والی ہو جو امور سلطنت کو نہ صرف بحسن و خوبی انجام دے بلکہ اسے اچھی طرح منظّم بھی رکھ سکے، اور اس کیلئے مامورین کا تسلیم و انقیاد بے حد ضروری ہے۔ چونکہ حضرت مغیرہ پر ایک گھناؤنا الزام لگ چکا تھا، چاہے ثابت ہو یا نہ ہو تو اس کی وجہ سے عامۃ الناس کے دلوں کی وقعت جو پہلے ان کے متعلق تھی اس الزام کے بعد اس میں بہر حال کمی آئیگی، اور عوام کے تسلیم و اطاعت میں بھی فرق آئیگا، جس کی وجہ سے نظام ولایت میں خلل پڑنے کا قوی اندیشہ تھا اسی خطرے کے پیش نظر حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ

نے انھیں بصرہ کی بجائے کوفہ کی ولایت پر مامور فرما دیا اور اس کا فسق حضرت مغیرہ سے کوئی رشتہ نہیں ہے۔ تو اب مولانا ہی بتائیں کہ حضرت سیدنا فاروق اعظم نے، حضرت ابوبکرہ، شبل بن معبد اور نافع کو کوڑے کیوں لگوائے؟ وہاں ان کا بیان کردہ جذباتی نعرہ کام کیوں نہیں کر سکا کہ صحابی جھوٹ نہیں بول سکتا ہے، وہاں تو ابن مطیع سے اونچے درجے کے متفق علیہ صحابہ موجود تھے، مولانا کیا چاہتے ہیں کہ چاہے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ابوبکرہ اور ان ساتھیوں کا دعویٰ مردود قرار دے کر ان پر حد قذف جاری کر دی ہو، لیکن زیر بحث مسئلے میں چوں کہ ہمارے علامہ پر زور وکالت فرما رہے ہیں لہذا ابن مطیع کی بات بلا رویت و شہادت بے کھٹکے تسلیم کر لی جائے؟ پھر مولانا کی بیان کردہ دوسری شق بھی حد درجہ مخدوش ہے کہ جو بات وجوب حد کیلئے کافی نہ ہو وہ ثبوت فسق کے لئے کافی ہو سکتی ہے۔ میں پھر پوچھتا ہوں کیا حضرت سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت مغیرہؓ پر فسق کا حکم لگایا؟ اس لئے گذارش ہے کہ مولانا اول فول باتوں کو چھوڑ کر سنجیدگی سے اپنے موقف کے لئے کوئی صحیح اور مضبوط دلیل ڈھونڈ کر لائیں جسے کوئی غیر جانبدار منصف باسانی قبول کر سکے، ورنہ بیکار وقت ضائع کرنے سے کیا فائدہ؟

مولانا طاہر صاحب کی الٹی گنگا

مولانا سید طاہر حسین صاحب لکھتے ہیں:

> ''اس لئے یزید کے فاسق ہونے میں شریک جو لوگ بھی شام گئے تھے، اسی پر سب نے متفق اللسان ہو کر یزید کو شرابی اور فاسق قرار دیا اس میں شرکاء وفد کے درمیان مجھے کوئی اختلاف تلاش کے باوجود نہیں مل سکا اگر کوئی صاحب اس وفد میں کوئی اختلاف دکھا سکتے ہوں تو دکھا دیں،

مہربانی ہوگی۔ (کردار یزید ص ۳۶)

پہلی بات تو مولانا کی عبارت کے متعلق ہے کہ مولانا یہاں پر کیا کہنا چاہتے ہیں؟ یہ بات واضح نہیں ہوسکی۔ کیونکہ مولانا نے لکھا ہے ''اس لئے یزید کے فاسق ہونے میں شریک جولوگ بھی شام گئے تھے'' اسکا ظاہری مطلب تو یہی نکلتا ہے کہ جولوگ شام گئے تھے وہ بھی فاسق ہونے میں یزید کے شریک تھے'' اب مولانا کی طرح اس جملے کو پکڑ کر کوئی ان پر لے دے شروع کردے کہ دیکھئے مولانا نے یہاں پر یزید کے ساتھ ساتھ صحابہ کو بھی (انھیں کے بقول) فاسق بناڈالا ہے تو کیا ہوگا؟ لیکن ہم سمجھتے ہیں کہ یہ اس نکتہ چیں کی کمزوری ہوگی کہ اس نے عبارت میں موجود ذراسی غلطی کو بنیاد بنا کر نہ آگے دیکھا نہ پیچھے اور مولانا پر تفسیق کا الزام جڑ دیا ہے، یہ اس کی حماقت کے سوا اور کچھ نہیں۔ (ہم سمجھتے ہیں اصل میں عبارت یوں ہونی چاہئے کہ یزید پر فسق کا الزام لگانے میں شریک۔ یا یزید کو فاسق کہنے میں شریک جولوگ بھی شام گئے تھے) خیر یہ تو ایک جملۂ معترضہ تھا اصل میں ہمیں مولانا کے بیان سے غرض ہے، مولانا کہتے ہیں کہ اگر کوئی صاحب اس وفد میں کوئی اختلاف دکھا سکتے ہوں تو دکھا دیں مہربانی ہوگی، ہم عرض کرتے ہیں کہ فسق یزید کے مدعی مولانا ہیں، اس کے لئے ثبوت کی فراہمی بھی انھیں کی ذمہ داری ہے، وہ متفقہ طور سے شرکائے وفد کا بیان پیش فرمادیں وفد میں سارے لوگ ہیں تو حضرت محمد بن الحنفیہ کی جرح کے وقت صرف عبداللہ بن مطیع کا نام سامنے کیوں آرہا ہے، کہ ''اگر چہ ہم نے نہیں دیکھا'' اگر ابن مطیع کے علاوہ شرکائے وفد میں سے کسی معتمد علیہ شخص نے دیکھا ہوتا یا مولانا کے مسلک کے مطابق یزید کے منہ سے مہک ہی سونگھی ہوتی تو محمد بن الحنفیہ کے شدید انکار کے وقت انھیں اپنا ہمنوا بنانے کے لئے اور ان کی نگاہوں میں بے اعتباری سے بچنے کے لئے کم از کم

اس اہم موقعہ پر تو ضرور دو عینی شاہدوں کو سامنے لایا جاتا جو یزید کے پینے یا اس کے منہ سے بدبو محسوس کرنے کی شہادت دیتے؟ اس موقعہ پر گواہی دینے والا کوئی فرد اس پورے وفد میں موجود نہیں؟ اگر نہیں تو پھر فرداً فرداً یہاں وہاں فضول بیان داغنے سے کیا فائدہ؟ اس لئے یہ تو الٹی گنگا بہائی جارہی ہے کہ دعویٰ خود فرمارہے ہیں اور مطالبہ ہم سے ہورہا ہے کہ اختلاف دکھایئے، معاف کریں مثال انتہائی بھونڈی ہے۔ لیکن بات سمجھانے کے لئے رکھنی پڑرہی ہے کہ سانپوں کا تماشہ دکھانیوالا سپیرا اپنے سامنے ایک خالی ڈبہ رکھتا ہے بار بار اس پر ہاتھ ما کر سامعین کو تأثر دیتا ہے کہ اس میں سب سے انوکھا سانپ بند ہے۔ جواب نکلا کہ تب نکلا، لیکن سارا تماشا ختم ہوجاتا ہے سانپ نکلتا ہی نہیں، اور آخر کار وہی خالی ڈبہ سپیرے کے تھیلے میں واپس چلا جاتا ہے۔ ہم سمجھتے ہیں مفسقین یزید کا یہی حال ہے کہ صحیح روایتوں کا نام لئے چلے جاتے ہیں بیچ بیچ میں اثبات فسق یزید کا نعرہ بھی بلند کرتے چلے جاتے ہیں اور مضمون پورا ہوجاتا ہے، لیکن معیار کے مطابق ایک بھی ایسی صحیح روایت سامنے نہیں آتی، جس کی بنا پر ایک منصف مزاج غیر جانبدار، مفسقین یزید کے نظریئے سے متفق ہوسکے۔

مولانا کے دلائل وشواہد اور ان کی حقیقت

مولانا طاہر حسین صاحب نے اپنی کتاب میں ایک عنوان قائم کیا ہے ''فسق یزید پر مزید دلائل وشواہد'' پھر فرماتے ہیں

''مزید سنئے ابن کثیر فرماتے ہیں، وکان فیہ ایضاً اقبال علی الشھوات وترك بعض الصلوات فی بعض الاوقات۔ (البدایۃ ج ۸/ص ۳۲۵) اور یزید بن معاویہ میں خواہشات پر اقدام کرنے اور کبھی کبھی بعض نماز کے ترک کردینے کا بھی عیب تھا''۔ یہ بتانے کی

ضرورت نہیں کہ نماز کا ترک کرنا مستقل فسق کی ایک دلیل ہے، اور یہ بھی ابن کثیر یزید میں تسلیم کر رہے ہیں اس لئے وہ صاف کھل کر یزید کو فاسق قرار دیتے ہیں، اس لئے حافظ ابن کثیر علیہ الرحمہ لکھتے ہیں بل قد کان فاسقاً والفاسق لا یجوز خلعه ، لا جل مایثور بسب ذالك من الفتنة ووقوع الهرج كما وقع زمن الحرة۔

(البدایۃ ج۸/ص۲۲۸)

''بلکہ وہ یزید فاسق تھا، اور فاسق کی بیعت توڑنا جائز نہیں ہے اس وجہ سے کہ اس کے سبب فتنہ ابھر جاتا ہے اور قتل وخوں ریزی ہوتی ہے جیسا کہ واقعہ حرہ کے زمانے میں ہو چکا ہے''۔ گذر چکا ہے کہ عبداللہ بن مطیع رضی اللہ عنہ اور محمد بن حنفیہ کا مناظرہ ومجادلہ اور ساری بحث وگفتگو ابوالحسن مدائنی کے حوالہ سے سند کیساتھ حافظ ابن کثیر کی طرح حافظ ذہبی نے اپنی دو دو کتابوں میں ذکر کیا ہے، اس لئے وہ بھی یزید کے نشہ باز اور فاسق ہونے کو (کی ہونا چاہئے عطاء) بہت کھلے الفاظ میں تصریح فرماتے ہیں:

قلت كان قوياً شجاعاً ذا راى وحزم وفطنةٍ وفصاحة وله شعر جيد وكان نا صبياً فظاً غليظاً جلفاً يتناول المسكر ويفعل المنكر افتتح دولته بمقتل الشهيد الحسين واختتمها بواقعة الحرة فمقته الناس۔ (سیر اعلام النبلاء ج۴/ص۱۹)

میں کہتا ہوں کہ یزید بہادر مضبوط صاحب رائے، سمجھ دار اور فصاحت و الا تھا، اس کے عمدہ اشعار بھی ہیں، لیکن اکھڑ سخت مزاج نشہ خور اور غلط کار اور ناصبی تھا، اپنی حکومت کا آغاز حضرت حسین شہید کے قتل سے کیا، اور

اختتام واقعہ حرہ پر کیا، اس لئے لوگوں نے اسے ناپسند کر لیا۔ علامہ ذہبی دوسری کتاب میں کھل کر واضح الفاظ میں یزید کو شرابی لکھتے ہیں، چنانچہ تاریخ الاسلام ج۲/ص۳۷۵ پر لکھتے ہیں قلت ولما فعل يزيد باهل المدينة ما فعل وقتل الحسين واخوانه واله وشرب يزيد الخمر وارتكب اشياء منكرة بغضه الناس وخرج عليه غير واحد ولم يبارك الله فى عمره۔

(تاریخ الاسلام ج۲/ص۳۷۵/کردار یزید ص۳۶/۳۷)

سب سے پہلے تو عرض کر دوں کہ مولانا طاہر حسین گیاوی صاحب کا علامہ ذہبی کی کسی عبارت سے فسق یزید پر استدلال خود مولانا کی تحریر کی روشنی میں درست نہیں ہے، تفصیل آگے آئے گی ان شاء اللہ، ابھی بطور تمہید مولانا ہی کی عبارت دیکھئے مولانا کا قائم کردہ عنوان ہے:

''شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ علیہ الرحمہ کا موقف'' مولانا لکھتے ہیں ''چونکہ علامہ ذہبی علیہ الرحمہ نے حافظ ابن تیمیہ علیہ الرحمہ کی کتاب منہاج السنۃ جو ایک شیعہ عالم کی کتاب منہاج الکرامۃ کے جواب میں لکھی تھی، اس کا خلاصہ المنتقی کے نام سے لکھا ہے اور علامہ ذہبی کی المنتقی شائع ہو چکی ہے اس لئے ذہبی کی المنتقی کی عبارت کو ابن تیمیہ کی طرف لوگ منسوب کر دیتے ہیں، اس لئے علامہ ابن تیمیہ کے بارے میں مغالطہ ہو جاتا ہے، حالانکہ ابن تیمیہ کی کتاب جوابی کتاب ہے اور اس میں کچھ بے اعتدالیاں بھی ہو گئی ہیں''۔ (کردار یزید ص۳۷/۳۸)

اب سنئے کہ چونکہ حضرت محدث کبیر نے فسق یزید کے تعلق سے علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ

کی عبارت کو مستدل بنا کر لکھا تھا (''جو شخص یزید اور اس کے امثال پر لعنت کو جائز قرار دے، اس پر لازم ہے کہ اس کا فسق اور ظلم ثابت کرے، پھر یہ ثابت کرے کہ معین فاسق پر لعنت جائز ہے، پھر یہ ثابت کرے کہ یزید اپنے فسق و فجور سے بے توبہ کئے مرا تھا''۔ شیخ الاسلام کے الفاظ یہ ہیں والذی یلعن یزید ونحوہ یحتاج الیٰ ثبوت انہ فاسق ظالم ولم یتب مما اجترم ۔

(منتقیٰ ص ۲۹۰ تبصرہ بر شہید کربلا ص ۶۳ (کردار یزید ص ۴۳)

اس میں حضرت محدث اعظمی رحمۃ اللہ علیہ سے اتنا تسامح واقع ہوگیا کہ جو عربی عبارت حضرت نے متن کی شکل میں پیش فرمائی تھی اس پر آپ نے لکھ دیا ''شیخ الاسلام کے الفاظ یہ ہیں، والذی یلعن الخ۔ جب کہ درحقیقت یہ عبارت منتقیٰ کی ہے اور حضرت محدث کے حوالے میں منتقی کا ذکر بھی فرما دیا گیا ہے، لیکن مولانا طاہر حسین صاحب کو کسی بہانے اپنا غبار نکالنا تھا لہذا آنجناب موقعہ پاتے ہی بری طرح برس پڑے ہیں، چنانچہ عنوان قائم فرمایا ہے، ''مولانا اعظمی کی علمی خیانت'' پھر لکھتے ہیں اس جگہ یزید کے (کی ہونا چاہئے) بے جا حمایت میں حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمیؒ نے بری طرح ٹھوکر کھائی ہے یا عالمانہ مغالطہ دیا ہے'' اس عالمانہ مغالطے کو ثابت کرنے کیلئے مولانا طاہر حسین صاحب نے اصل منہاج السنۃ اور منتقیٰ کی عبارتوں کا تقابل انکا ترجمہ اور پھر نتیجہ پیش کیا ہے، کرشمۂ قدرت دیکھئے کہ حضرت محدث کبیر رحمۃ اللہ علیہ کو گھیرنے اور بے اعتبار ثابت کرنے کے چکر میں جناب کی گردن خود بری طرح پھنس گئی ہے، اور اب مولانا اس سے اپنی گلوخلاصی نہیں کرا سکتے، مولانا لکھتے ہیں

''علامہ ابن تیمیہ کے الفاظ یہ ہیں ثبوت انہ کان من الفساق الظالمین الذین تباح لعنتھم ''اس کا ثبوت کہ وہ ایسے ظالموں

فاسقوں میں سے ہے جن پر لعنت جائز ہے''

''اور علامہ ذہبیؒ کے الفاظ یہ ہیں'' ثبوت انہ فاسق ظالم ۔ ''اس کا ثبوت کہ وہ فاسق و ظالم ہے''۔ فاسق موصول بصفت خاص یعنی فاسق مقید اور فاسق مطلق کے درمیان ایک طالب علم بھی فرق سمجھتا ہے، کیا علامہ اعظمی علیہ الرحمہ جیسا زبردست عالم نہیں سمجھ سکا، ہمارا خیال ہے سمجھتے سب ہیں لیکن یزید کی حمایت نے علم والوں کو بھی اندھا بنا ڈالا ہے، وہ اپنی انا اور علمی برتری کے زعم میں یہ ساری غلطیاں دانستہ اور عمداً کر گئے ہیں، یہ کسی غلط فہمی اور سہو کا نتیجہ نہیں ہے''۔ (کردار یزید ص ۴۴)

اب مولانا طاہر صاحب نے دونوں عبارتوں کو جوڑ کر جو نتیجہ اخذ فرمایا ہے میرا نقطۂ استدلال وہی ہے، مولانا لکھتے ہیں:

''علامہ ابن تیمیہ نے اپنے الفاظ میں یزید کو اس (صحیح عبارت اُن) فاسقوں کی فہرست سے نکالا ہے جس (صحیح عبارت جن) پر لعنت مباح ہو، صرف فاسق کی فہرست سے نہیں نکالا ہے لیکن حافظ ذہبی کی تلخیص منتقیٰ کی عبارت میں یزید کو فاسق ہونیکی فہرست سے باہر کر دیا گیا ہے، اہل علم حضرات ابن تیمیہ اور علامہ ذہبیؒ دونوں کی عبارتوں کو بغور ملا کر دیکھ لیں، فرق دونوں میں بالکل واضح ہے''۔ (کردار یزید ص ۴۴)

مولانا کی گردن اپنے ہی شکنجے میں

جواباً عرض ہے کہ اہل علم حضرات ہی مولانا کی عبارت کا بغور مطالعہ فرمائیں اور میری معروضات بھی انصاف کی نگاہ سے دیکھیں۔ یہ بات تو ثابت شدہ ہے کہ امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی منہاج السنۃ جو شیعہ عالم کی کتاب منہاج الکرامہ کے جواب

میں لکھی گئی ہے، اس کی تالیف مقدم ہے، اور امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تلخیص بعد میں فرمائی ہے کیونکہ تالیف ہی نہیں تو اس کی تلخیص کہاں؟ اور امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے یزید کو اپنی کتاب میں مستحق لعنت ہونے والوں کی فہرست سے باہر کیا ہے، فاسقوں کی فہرست سے باہر نہیں کیا، علامہ ذہبی نے اس کی تلخیص فرمائی تو اس میں انھوں نے یزید کو فاسقوں کی فہرست سے بھی نکال دیا، یہ اعتراف خود مولانا گیاوی صاحب کا ہے، اب مجھے یہ عرض کرنا ہے کہ امام ذہبی کے خیال میں امام ابن تیمیہ کا یزید کو فاسقوں کی فہرست میں داخل رکھنا درست نہیں تھا، اسکی تصحیح فرما کر انھوں نے اپنی تلخیص میں یزید کو فاسقوں کی فہرست سے باہر کر دیا، کیونکہ اگر وہ ابن تیمیہ کے خیال سے ہی اتفاق فرماتے تو یزید کو اپنی تلخیص میں اس صف سے کیوں نکالتے؟ اس کا مطلب صاف صاف یہ بھی نکلا کہ امام ذہبی فسق یزید کے قائل ہرگز نہیں ہیں، کیونکہ جو شخص خود فسق یزید کا قائل ہو، وہ اپنی عبارت میں اس کی گردن فسق کے شکنجے سے باہر کیوں نکالے گا؟ اور جب علامہ ذہبی فسق یزید کے قائل ہی نہیں ہیں، تو فسق یزید پر ان کی عبارتوں کو دلیل میں پیش کرنا بددیانتی اور کم علمی نہیں تو اور کیا ہے؟

الجھا ہے پاؤں یار کا زلف دراز میں
لو آپ اپنے دام میں صیاد آ گیا

اور اس موقعہ پر مولانا نے جو حضرت محدث کبیر رحمہ اللہ علیہ کی خدمت میں اپنی منقبت کا نذرانہ پیش فرمایا ہے میں وہی تحفۂ محبت ادب کے ساتھ مولانا کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں۔ ع گر قبول افتد زہے عز و شرف

یہ تو الزامی جواب تھا، لیکن مولانا طاہر حسین صاحب نے علامہ ابن کثیر اور علامہ ذہبی علیہما الرحمۃ کے حوالے سے جو دلیل دی ہے اس پر گفتگو سے پہلے ہم کچھ اصولی باتیں

پیش کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔

خبروں کی تحقیق کے بارے میں قرآنی ہدایت

اللہ رب العزت نے قرآن کریم میں دو نہایت ضروری ہدایتیں ہمارے لئے بیان فرمائی ہیں، ایک یہ کہ کسی بھی مسلمان کے تئیں بدگمانی سے پرہیز کرنا ضروری ہے، کیونکہ محض بدگمانی بھی گناہ کی بات ہے، سورۂ حجرات میں اللہ رب العزت ارشاد فرماتا ہے اجتنبوا کثیراً من الظن ان بعض الظن اثم، بہت بدگمانی سے بچو کیونکہ کچھ بدگمانی گناہ کی بات ہے، دوسری ہدایت یہ ہے کہ کوئی خبر ہمارے پاس آئے تو اس پر بے دھڑک یقین نہ کرلیں بلکہ اس کے متعلق خوب چھان بین کرلیں۔

ان جاء کم فاسق بنبأ فتبینوا ان تصیبوا قوماً بجهالة فتصبحوا علی ما فعلتم نادمین۔ تمہارے پاس کوئی فاسق کوئی خبر لے کر آئے تو اس کی چھان بین کرو، ایسا نہ ہو کہ اس خبر کی بنیاد پر تم ایسا قدم اٹھالو جس پر تمہیں بعد میں شرمندہ ہونا پڑے، اس کا یہ مطلب نہیں کہ پہلے سے کوئی مشہور فاسق کوئی خبر لائے تب تفتیش کی ضرورت پڑے گی، بلکہ ہر خبر کی تحقیق کا حکم دیا گیا، اور اگر خبر لانے والا جھوٹا ثابت ہوتا ہے تو اس کو اللہ نے فاسق قرار دیا ہے، اور اگر اس خبر کا تعلق کسی مسلمان پر کسی مسلمان کے الزام سے ہے تو معاملہ اور بھی سنگین ہو جاتا ہے، یہ بھی ذہن میں رہے کہ قرآن کریم قیامت تک کے لئے نازل ہوا ہے تو اس کے احکام اور مقرر کردہ اصول بھی قیامت تک کے لئے ہونگے، شریعت مطہرہ نے ضابطہ مقرر کیا ہے کہ کسی مسلمان کی طرف کبیرہ گناہ کی نسبت بلا تحقیق جائز ہی نہیں ہے، ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ شرح فقہ اکبر میں فرماتے ہیں، لا یجوز نسبة مسلم الیٰ کبیرة من غیر تحقیق ''بلا تحقیق کسی مسلمان کی طرف کسی کبیرہ گناہ کی نسبت کرنا جائز نہیں ہے، (شرح فقہ اکبر ص ۷۸) اور تحقیق کا

مطلب یہ ہے کہ مدعی اپنے دعویٰ پر دو ایسے گواہ رکھتا ہو جنہوں نے مدعا علیہ کو بچشم خود ایسا کرتے دیکھا یا سننے والی چیز ہے تو بگوش خود سنا ہو، اب شریعت مطہرہ کا ضابطہ یہ ہے کہ اگر کسی نے کسی پر کوئی الزام عائد کیا اور اس پر گواہ پیش نہ کر سکا تو الٹا اسی کو زد میں لا یا جائے گا، اور اس پر حد قذف جاری کی جائے گی، کسے باشد، یہ بحث قدرے گذر چکی ہے جس میں حضرت سیدنا ابو بکرہ رضی اللہ عنہ اور ان کے دو ساتھیوں پر حضرت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے حد جاری فرمائی، پھر انھیں اپنا الزام واپس لیکر توبہ کرنے کی ہدایت فرمائی، اور حضرت سیدنا ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کے انکار پر انھیں مردود الشہادۃ قرار دیا، اسی طرح حضرت ہلال ابن امیہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گواہ لاؤ یا کوڑے کھانے کے لئے تیار رہو، کیونکہ اس معاملے میں قرآنی حکم یہی ہے، والذی یرمون المحصنٰت ثم لم یأتوا باربعة شهداء فاجلدوهم ثمانين جلدة ولا تقبلوا لهم شهادة ابداً۔ جو لوگ پاک دامن عورتوں پر غلط الزام (بدکاری کا) لگاتے ہیں پھر چار گواہ نہیں لا سکتے انھیں اسی کوڑے مارو اور ان کی گواہی کبھی مت مانو۔

شریعت کی نظر میں سب برابر

پھر یہ بھی ذہن میں رہے کہ اسلام نے جو ضابطے مقرر کئے ہیں وہ سب کے لئے یکساں ہیں، اس میں کسی ذی حیثیت اور بے حیثیت میں فرق نہیں کیا گیا، سب کو ایک ہی میزان پر برابر تولا گیا ہے، بخاری شریف کی ایک حدیث دیکھ لیجئے۔ عن عائشة رضی الله عنها ان قريشاً اهمتهم المرأة المخزومية التی سرقت قالوا من يكلم رسول الله صلی الله عليه وسلم ومن يجترئ عليه الا اسامة بن زيد حب رسول الله صلی الله عليه وسلم فكلم رسول الله صلی الله عليه وسلم

فقال اتشفع فی حد من حدود الله ثم قام فخطب فقال ايها الناس انما ضل من قبلكم انهم كانوا اذا سرق الشريف تركوه واذا سرق الضعيف فيهم اقاموا عليه الحدود وايم الله لو ان فاطمة بنت محمد سرقت لقطع محمد يدها۔ (بخاری ج۲ رص۱۰۰۳)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ قریش کے لئے ایک معاملہ سنگین ہو گیا کہ ایک مخزومی عورت سے چوری کی حرکت سرزد ہو گئی، انھوں نے مشورہ کیا کہ اس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کون بات کرے گا؟ یہ جرأت تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیارے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ ہی کر سکتے ہیں، انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کہ اب اللہ کے حدود کے متعلق بھی سفارش کی جائے گی؟ پھر آپ کھڑے ہوئے اور خطبہ ارشاد فرمایا کہ اے لوگو! تم سے پہلے گذری ہوئی قومیں اسی وجہ سے گمراہ ہوئیں کہ ان میں کا کوئی شریف کہلانے والا چوری کرتا تو وہ لوگ اسے چھوڑ دیتے اور جب ان میں کا کوئی کمزور چوری کرتا تو اس پر حد جاری کر دیتے، اور خدا کی قسم اگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی بھی (بفرض محال خدانخواستہ) چوری کے جرم میں آلودہ ہو جائے تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود اس کا ہاتھ کاٹ دینگے۔

اب اس اصول پر دیکھئے، کہ چاہے تاریخی کتابوں کے ذریعے ہو، یا انتہائی مستند و معتبر علمائے کرام و مفتیان عظام کی طرف سے، اگر کسی مسلمان پر کوئی الزام لگایا جا رہا ہے تو اس کی تحقیق اور عینی گواہوں کا مطالبہ ضروری ہے یا نہیں؟ اگر یہ کہا جائے کہ الزام لگانیوالے محققین انتہائی معزز اور حد درجہ قابل احترام حضرات ہیں، تو میں بصد ادب عرض کرونگا کہ ان کا اعتبار ایک جلیل القدر صحابیٔ رسول کے احترام سے زیادہ مسلّم ہرگز

نہیں ہوسکتا جب گواہوں کے نہ ہونے کی وجہ سے نہیں، بلکہ گواہوں کی کمی اور گواہی کا نصاب پورا نہ ہونے کی وجہ سے کسی صحابی کو بخشا نہیں جاسکتا تو ان کے مقابلے میں کسی بھی پہاڑ جیسا مقام ومرتبہ رکھنے والے شخص کی بھی کیا حیثیت ہوسکتی ہے؟ یہ بات خوب اچھی طرح ذہن میں رہے کہ اصول وضوابط اصل اور اہم ہوا کرتے ہیں، شخصیتیں اور افراد نہیں، خواہ کوئی بھی ہوں۔

اب دیکھئے کہ روایتوں میں یزید کو نشانے پر رکھا گیا ہے، اور اس پر شراب نوشی، ترک نماز، شہوات کی پیروی، قتل حسین رضی اللہ عنہ، اور مدینہ منورہ میں تین دنوں تک عام لوٹ پاٹ کا الزام عائد کیا گیا ہے، تو، پہلے تو یہ طے کیا جائے کہ ان الزامات سے پہلے یزید کو مسلمان مانا گیا ہے یا نہیں؟ (الزام تراشی اور اتہام کے بعد تو لوگوں نے قرآن کریم کی آیتوں سے اس کے مستحق لعنت بلکہ اس کے کافر تک ہونے کی دلیل تلاش کرلی، جیسے قرآن کریم کی یہ آیتیں یزید ہی کے لئے نازل ہوئی تھیں، انا للہ وانا الیہ راجعون) میں یہ بات بالکل صاف کردوں کہ یزید سے میرا کوئی لینا دینا نہیں، نہ میرے دل میں اس کے لئے اس طرح کا کوئی احترام ہے جیسا کسی دینی قابل قدر شخصیت کے لئے ہوا کرتا ہے، پھر بھی انصاف کے تقاضے کو تلاش کرنا اور اس کا ذکر کرنا ایک مسلمان کی ذمہ داری ہے یا نہیں؟ میں سمجھتا ہوں کہ ہے اور ضرور ہے، پھر انصاف کی آواز اٹھانی اگر جرم ہے تو مجھے اپنا یہ جرم بجان ودل قبول ہے، مجھے یہ بتایا جائے کہ جن انتہائی قابل قدر اور قابل احترام بزرگوں نے اپنی کتابوں میں یزید پر الزمات عائد کئے، اسے فاسق یا قابل لعنت گردانا انھوں نے اپنی کتابوں میں سوائے مروی حکایتوں کے کوئی شرعی شاہد پیش کیا؟ اگر کیا ہے تو کتابیں موجود ہیں، ان کی نشاندہی فرما کر ذہن میں اٹھنے والی بے چینی کو رفع کیا جائے، اور اگر یہ کام تقلیداً ہوا

ہے تو کیا یہ الزام عائد کرنے والے صرف اتنا کہہ کر جان بچالیں گے کہ انا وجدنا آباء نا کذالك یفعلون معاف کیجئے بات بہت سخت اور گویا چھوٹا منہ بڑی بات ہے، لیکن کیا اصولوں کو شخصیات کے احترام میں ذبح اور دفن کردیا جائے گا؟ یہی سوال تھا جسے ابوبکر ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب العواصم من القواصم میں اٹھایا تھا، اور جسے محقق دوران محدث جلیل علامہ اعظمی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب تبصرہ بر شہید کربلا و یزید کے ص ۵۲ پر نقل فرمایا تھا، فان قیل کان یزید خماراً قلنا لا یحل الا بشاھد ین فمن شھد بذالك علیه بل شھدالعدل بعدالته ۔العواصم ص ۲۳۲ (میرے پاس جو عواصم کا نسخہ ہے اس میں یہ مقولہ کتاب کے ص ۲۳۲ پر منقول ہے جبکہ حضرت محدث کبیر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے پاس موجود نسخے میں اسے ص ۲۲۷ سے نقل فرمایا ہے عطا)

''یعنی اگر کہا جائے کہ یزید شرابی تھا تو ہم کہیں گے کہ دو عینی شاہدوں کی شہادت کے بغیر ایسا کہنا حلال نہیں ہے، پس بتاؤ کس نے اس کیخلاف یہ چشم دید شہادت دی ہے؟ اس کے برخلاف ایک عدل نے اس کی عدالت کی شہادت البتہ دی ہے''۔

(العواصم از تبصرہ بر شہید کربلا و یزید ص ۵۲)

حضرت ابن العربی کی دلیل کا نامعقول جواب

کیا انصاف کی نظر میں ابن العربی کے سوال کا درست جواب وہی ہوسکتا ہے جو مولانا طاہر صاحب اپنی کتاب میں دے رہے ہیں کہ:

''ابن عربی اپنی اوقات سے زیادہ بڑھ کر لکھنے اور بولنے کیلئے جانے جاتے ہیں''۔ (کردار یزید ص ۷۸)

میں عرض کرتا ہوں کہ ابن العربی مولانا کی نظر میں جاہل مطلق سہی، لیکن

کیا ایک درست سوال اٹھانے پر ایک جاہل کو بھی یہ کہہ کر چپ کر دیا جائے؟ کہ تم اپنی اوقات سے بڑھ کر بول رہے ہو، کیا مولانا کا یہ فرمان انصاف کے تقاضے کو پورا کر سکتا ہے؟ یا پھر ایک منصف مزاج ہر الزام تراش کو مجبور کرے گا، کہ وہ شرعی تقاضے کے مطابق دو شاہد عدل پیش کرے ورنہ نہ صرف اس کا دعویٰ عدالت سے خارج کر دیا جائے گا، بلکہ اسے حد قذف کا مستحق بھی مانا جائے گا؟

آیئے اب ہم صاف صاف طور پر دیکھیں کہ حضرت ابن المدینی متوفی ۲۳۴ھ سے لے کر جناب مولانا طاہر صاحب تک کسی نے الزامات کے تعلق سے کوئی چشم دید شاہد ابتک پیش کیا ہے؟ میں عرض کرتا ہوں کہ اب تک تاریخ کا دامن مستند ومعتبر چشم دید گواہوں سے بالکل خالی ہے، ہاں کچھ روایتیں ملتی ہیں تو ان جھوٹے تقیہ باز حضرت معاویہؓ اور ان کے صاحبزادے یزید کی عداوت میں جلنے والے رافضیوں اور شیعوں کی، کیا ان شیعی روایتوں کو بسر وچشم قبول کر کے یزید کو تختۂ دار پر کھینچ دیا جائے؟ محققین کی نظروں میں اسی کا نام انصاف ہے؟ (ابن جریر طبری متوفی ۳۱۰) سے لے کر جناب مولانا طاہر حسین صاحب تک آپ دیکھیں گے کہ شرعی ضابطوں کو پورا کرنے والا کوئی شاہد آپ کو ہرگز نہیں ملے گا، اس سوال کی سنگینی کا احساس ہمارے مخاطب محترم مولانا سید طاہر حسین کو بھی ہوا اور موصوف نے شاہد پیش کرنے کی بجائے اصول کو ہی زندہ درگور کر دینے کا فیصلہ فرمالیا، مولانا فرماتے ہیں:

''اس کے فسق کا (صحیح لفظ کے عطا) ثبوت یا اس کے شراب نوش ہونے کے لئے عینی شاہد یا دو گواہوں کا پیش کرنا ہرگز ہرگز ضروری نہیں ہے''۔

(کردار یزید ص ۳۴)

میں بڑے ادب سے مولانا سے عرض کرتا ہوں کہ مولانا اپنے اس دعویٰ پر

فقہی کتابوں سے ثبوت پیش کر سکتے ہیں؟ یا صرف یزید سے مولانا کو پرخاش ہے تو اس کے لئے مولانا شرعی ضابطہ ہی بدل دیں گے؟

مولانا کی غلط اردو

مولانا کہتے ہیں ''صرف اتنی بات کا ثبوت ایک گواہ یا اس کے منہ سے شراب کی مہک کا پایا جانا بھی کر دیگا'' (اس عبارت کو غور سے دیکھا جائے مولانا فقہی اجتہاد کے ساتھ ساتھ شاید اب اردو کی نئی قسم بھی ایجاد فرمانے جا رہے ہیں عطا) لیکن میرا سوال یہ ہے کہ کیا یہ مہک ہوا میں پھیلی ہوئی ہوگی جسے مولانا کا پیش کردہ حساس شاہد ہی محسوس کر سکے گا؟ یا اس مہک کے لئے بھی کسی عینی شاہد کا ہونا ضروری ہے؟ اور پھر مولانا ایک گواہ کی بات نہ جانے کس نشے کی ترنگ میں فرما رہے ہیں، مولانا ہی بتائیں کہ پھر تین تین گواہوں کے ہوتے ہوئے بھی حضرت سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، نے حضرت ابوبکرہ کی شہادت رد کیوں فرمائی؟ اور تینوں پر کوڑے کیوں برسائے؟ کیا ہمارے مناظر اسلام، حضرت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے زیادہ شرعی ضابطوں کے واقف کار ہیں؟ اور مولانا کا انصاف حضرت سیدنا عمر کے انصاف سے زیادہ پختہ ہے؟ پھر یہ بات بھی قابل غور ہے کہ صرف یہی تین گواہ حضرت ابوبکرہ کی گواہی میں نہ تھے، چوتھا گواہ زیاد بھی تھا جو شہادت کی کھری کسوٹی کا سامنا نہ کر سکا اور عینی شہادت کی بجائے قرینے کی بات کی، کہ میں نے لمبی سانس کی آواز سنی، اور مشکوک صورت حال دیکھی، لیکن اتنی سی بات کو ملزم کے مجرم بنانے کے لئے کافی نہیں سمجھا گیا، اور حضرت مغیرہ کو عدالت فاروقی سے باعزت بری کر دیا گیا، اور ہمارے مولانا غیر مستند، نامعتبر ایک ایک گواہ پیش کر کے اصرار فرما رہے ہیں کہ ہر حال میں ان کا دعویٰ تسلیم کر لیا جائے۔

اکابر کی کتابوں میں نقل در نقل

ایک بات اور ذہن میں رکھی جائے کہ علی ابن المدینی کی وفات ۲۳۴ھ میں ہوئی ہے احمد بن یحییٰ بلاذری کی ۲۷۹ھ میں ابن جریر طبری کی ۳۱۰ھ میں، خلیفہ بن خیاط کی ۲۴۰ھ میں، ابن سعد صاحب طبقات کی ۲۳۰ھ میں، ابن عساکر کی ۵۷۱ھ میں ابن الاثیر کی ۶۰۶ھ میں ابن کثیر کی ۷۷۴ھ میں، حافظ ذہبی کی ۷۴۸ھ میں، حافظ ابن حجر کی ۸۵۲ھ میں علامہ عینی کی ۸۵۵ھ میں رحمہم اللہ اور یزید کا زمانہ ۶۰ھ سے لیکر ۶۳ھ تک چار سالوں پر محیط ہے، اور ۶۳ھ سے سب سے قریبی زمانہ ابن سعد کا ۲۳۰ھ اور ابن خیاط ۲۴۰ھ کا ہے ابن سعد سے یزید کے زمانے کا فاصلہ ایک سو ستر سالوں کا اور طبری کے زمانے کا فاصلہ ایک سو اسی برسوں کا ہے، پھر اس فاصلے والے زمانے میں رافضیوں کا پورا گروپ حضرت معاویہؓ اور یزید کیخلاف ان کا کردار مسخ کرنے کی مہم میں مصروف ہے، حتی کہ اس باب میں ڈھیروں جعلی حدیثیں گھڑ کر منظر عام پر لاتا ہے، پھر ابن جریر طبری اپنی تاریخ کی کتاب مرتب کرتے ہیں جن کا معتد بہ حصہ واقدی، ابوالہیثم، ابومخنف محمد بن زکریا جیسے جھوٹے، انتہائی غیر معتبر، جھوٹی روایتیں بنانے والوں کی زبانی نہ صرف سامنے آتا ہے بلکہ طبری کی کتاب میں مقام پالیتا ہے، پھر اسی طبری کو زمین بنا کر ۶۰۶ھ میں انتقال فرمانے والے ابن اثیر اپنی الکامل مرتب فرماتے ہیں اور الکامل سے یہ روایتیں ۷۴۸ھ میں انتقال فرمانے والے انتہائی مستند عالم علامہ ذہبی کی کتاب تاریخ الاسلام میں ملتی ہیں اور ۷۷۴ھ میں وفات پانے والے علامہ ابن کثیر کی البدایۃ میں پائی جاتی ہیں۔ ایک طالب علم کی حیثیت سے مجھے بے انتہا حیرت ہوتی ہے جب امام ذہبی کا یہ نقطۂ نظر دیکھتا ہوں کہ وقد تقرر ان الواقدی ضعیف، یہ بات طے ہو چکی ہے کہ واقدی ضعیف ہے اور یہ کہ ان

وزنہ عندی انہ مع ضعفہ یکتب حدیثہ ویروی لانی لا اتھمہ بالوضع وقول من اھدرہ فیہ مجازفۃمن بعض الوجوہ کما انہ لا عبرۃ بتوثیق من وثقہ اذانعقد الاجماع الیوم انہ لیس بحجۃ وان حدیثہ فی عداد الواھی۔

(سیر اعلام النبلاء ج۶ ص۵۵۰)

مولانا طاہر صاحب اس کا ترجمہ فرماتے ہیں ''میرے نزدیک اس کا وزن یہ ہے کہ ضعف کے باوجود اس کی روایت لکھی جائے گی کیونکہ وہ متہم بالوضع نہیں ہے، اور جنہوں نے اس کی بات کو غلط اور بیکار ٹھہرایا ہے، انکی بات میں تھوڑا اٹکل پنا اور مجازفت ہے، جیسا کہ ان لوگوں کی توثیق کا بھی کوئی اعتبار نہیں ہے جنھوں نے اس کو ثقہ کہا ہے، کیونکہ آج اس پر اجماع ہو چکا ہے کہ وہ قابل حجت نہیں، اس کی روایت ضعیف راویوں میں شمار ہوگی''۔ (کردار یزید ص۲۱)

پھر یہ بھی دیکھتا ہوں کہ علامہ ذہبیؒ کی تاریخ الاسلام ہو یا علامہ ابن کثیرؒ کی البدایۃ، علامہ ابن حجرؒ کی فتح الباری ہو یا علامہ عینیؒ کی عمدۃ القاری، واقدیؒ، ابومخنف وغیرہ کی روایات ان کی کتابوں کی زینت بنی ہوئی ہیں۔ یا تو ان راویوں کو قابل احتجاج قرار دیا جاتا یا ان کی روایتوں سے اجتناب برتا جاتا، اور اگر کسی مجبوری کے تحت ان کی روایتیں لی بھی گئی تھیں تو وہیں ان کے ضعف کی طرف صراحۃً اشارہ کر دیا جاتا، خصوصاً اس صورت میں جب ان روایتوں سے کسی بھی مسلمان پر فسق کا الزام عائد ہو رہا تھا تو محدثین کرام ہی کے وضع کردہ ضابطوں کے مطابق ان روایتوں کو تحقیق کی کسوٹی پر پرکھا جاتا اور شہادتیں مہیا کی جاتیں، تاکہ لیھلک من ھلک عن بینۃ ویحییٰ من حی عن بینۃ کا منظر سامنے آتا، ہم دیکھتے ہیں کہ ان روایتوں کے

ذریعے الزام تو قائم کیا گیا ہے، لیکن ان روایتوں بلفظ دیگر شہادتوں کی پختگی کی طرف سے آنکھیں بند کر لی گئی ہیں، بلاشبہ احادیث نبوی کے باب میں ان کی انتھک کاوشوں کی کوئی مثال نہیں ملتی، یہ کاوشیں نہ ہوتیں تو احادیث نبویہ کا بیش قیمت ذخیرہ اپنی تمام تر افادیت کے باوجود اپنا اعتبار قائم نہ رکھ سکتا، یہ ہمارے قدمائے محدثین کرام ہی ہیں جنہوں نے اپنی زندگیاں وقف فرما کر اس عظیم الشان ذخیرے کو مشکوک ہونے سے بچالیا اور آج ثقہ راویوں کے واسطے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کا نام ہی سن کر ایک مسلمان تو آمنا و صدقنا کہتا ہی ہے کسی بے ایمان کو بھی اسے نامعتبر کہنے سے پہلے سو بار سوچنا پڑتا ہے۔ جہاں حدیثی روایتوں میں اتنا اہتمام ہے تاریخی روایتوں کے رد و قبول میں اس قدر تساہل اور اتنی بے اعتنائی کیوں ہے؟ خصوصاً ان روایتوں کے باب میں جن سے کسی پر الزام کے سلسلے میں شہادت حاصل کی جائے، میرے خیال میں تو ایسی روایتوں کے لئے اتنا ہی سخت معیار قائم کرنا چاہئے تھا جتنا سخت معیار الزام ثابت کرنے والی شہادت کا ہوتا ہے، یہ معیار اگر ابتدا میں قائم ہوا ہوتا تو بہت سے مسئلوں کا تصفیہ وہیں ہو جاتا اور جواب اور جواب الجواب کی نوبت ہی نہ آتی۔

ہمارے علامہ گیاوی صاحب مدظلہ فرماتے ہیں۔ ''صحیح روایت کی موجودگی میں کسی بڑے سے بڑے عالم اور محقق کی قطعاً ضرورت نہیں رہ جاتی''۔ (کردار یزید ص ۳۸)

ہم محترم مولانا کے خیال سے سو فیصد متفق ہیں اور ہماری گذارش بھی بس اتنی ہی سی ہے کہ مولانا صحیح روایت لے آئیں ہم سر تسلیم خم کر دیں گے۔ لیکن شرط یہ ہے کہ معیار محدثین کرام کا قائم کردہ ہو، مولانا کا خود ساختہ نہ ہو، ورنہ مولانا تو اپنا مدعا ثابت کرنے کے لئے منقطع روایت کو بھی اپنی اختراع سے صحیح منقطع السند فرما کر اس کے

قبول پر اصرار فرمانے لگیں گے، جب کہ محدثین کرام نے متفقہ طور پر ایسی روایتوں کو ناقابل حجت قرار دیا ہے۔

مولانا طاہر صاحب کا دورُخا پن

محترم جناب مولانا سید طاہر حسین صاحب گیاوی اپنی کتاب میں ص ۱۳۵ پر ارشاد فرماتے ہیں ''عرض ہے کہ اس روایت کو حافظ ابن حجر نے کہاں سے نقل کیا، کسی کتاب کا حوالہ دیا نہیں کہ اس کی سند دیکھی جاسکے کہ کیسی ہے، ابن حجر محمد ابن ابراہیم بن ابی عبلہ کے آٹھ سو سال بعد کے ہیں مسند (صحیح لفظ سند) نقل نہیں نہ کتاب کا حوالہ دیا، پھر اس پر کسی مسئلے کی بنیاد کیوں کر رکھی جاسکتی ہے''۔

(کردار یزید ص ۱۳۵)

حضرت محدث کبیر رحمۃ اللہ علیہ نے لسان المیزان سے حضرت عمر بن العزیز کا یزید کے حق میں دعائے رحمت کرنا دکھایا تھا، اسی کے جواب میں مولانا نے یہ گفتگو فرمائی ہے، اب ہم عرض کرتے ہیں کہ مولانا نے اپنی کتاب میں ص ۳۶ پر حافظ ابن کثیر کے بیان سے یزید کا شہوات پر اقبال، اس کا ترک نماز اور فاسق ہونا دکھایا ہے، جب کہ حافظ ابن کثیر (متوفی ۷۷۴ھ یزید کے سات سو برس بعد کے ہیں حافظ صاحب نے بھی تو سند نقل نہیں فرمائی، نہ کتاب کا حوالہ دیا پھر ہمارے مولانا اس مجمل عبارت پر تفسیق یزید جیسے سنگین مسئلے کی بنیاد کیوں رکھ رہے ہیں؟ پھر حافظ ابن حجر اور حافظ ابن کثیر کے مسئلوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے، حافظ ابن حجر صرف ایک واقعہ بیان فرما رہے ہیں کہ عمر بن عبدالعزیز کو یزید کے لئے دعائے رحمت کرتے ابراہیم بن ابی عبلہ نے خود سنا، اس روایت کو تسلیم کیا جائے تو بھی ٹھیک ہے رد بھی کر دیا جائے تو بھی

کوئی بات نہیں۔ایسی روایت کے لئے تو مولانا ابن حجر سے سند،اور کتاب کا مطالبہ فرمارہے ہیں کیونکہ دونوں کے درمیان آٹھ صدیوں کا فاصلہ ہے تو اسی انداز سے اگر ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے یزید پر بے نمازی اور فاسق ہونے کا حکم لگایا ہے تو ان سے سند اور کتاب کا مطالبہ کیوں نہ کیا جائے؟ کیا ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ یزید کے دور کے ہیں؟ جبکہ ابن حجرؒ کی روایت سے کسی پر کوئی الزام نہیں آتا بلکہ دعائے رحمت کا سراغ ملتا ہے،اور ابن کثیرؒ کی روایت اگر بے چون و چرا قبول کر لی جائے تو اس سے بلا دلیل وثبوت ایک مسلمان پر تفسیق کا الزام عائد ہوتا ہے،جس کا سیدھا ربط قانون شہادت سے ہو جاتا ہے اور بے ثبوت ایسی روایتوں کو تسلیم کر لیا جائے تو اسلامی نظام شہادت نہ صرف متأثر ہوتا بلکہ خطرے میں پڑ جاتا ہے،بنابریں یہ کہنا بالکل درست ہوگا کہ علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کے بیان کو رد کرنے اور حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ کے بیان کو قبول کرنے کی کوئی معقول وجہ نہیں ہے،پھر بھی مولانا اگر حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ کے بیان کو رد فرمارہے ہیں تو انھیں کے اصولوں کی روشنی میں حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کے بیان کو قابل حجت ہونیوالے بیانوں کی صف سے باہر کیوں نہ نکال دیا جائے؟ مولانا کی دقت اور بیماری یہ ہے کہ اگر ان کی بیان کردہ روایتوں پر جرح کی جائے تو واویلا مچانے لگتے ہیں کہ دیکھئے محدث کبیر نے فلاں فلاں بزرگ کو بے اعتبار اور بے بھرم بنا دیا،لیکن اپنی باری آجائے تو کون ابن حجرؒ،کیسے امام غزالیؒ،کہاں کے ملا علی قاری؟ بلکہ زیادہ جوش چڑھے تو کہاں کی حنفیت؟ مولانا انصاف کا یہ پیمانہ کس دوکان سے اٹھا لائے ہیں وہی بتا سکتے ہیں،دوسری دو روایتیں انہوں نے علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے پیش فرمائی ہیں،ہم اسکے صرف متعلق بہ معاملہ الفاظ نقل کرتے ہیں، یتناول المسکر ویفعل المنکر،مولانا کے الفاظ میں ترجمہ،کہ نشہ خور اور غلط کار تھا۔

(سیر اعلام النبلاء ج۴ رص۱۹) دوسری روایت میں و شرب یزید الخمر و ارتکب اشیاء منکرۃ ،شراب نوشی بھی کی اور ناجائز کام کئے۔

(تاریخ الاسلام ج۲ رص۳۷۵ رکردار یزید ص۳۷)

مولانا ہی کی زبان میں اس کا ایک جواب تو یہ دیا جا سکتا ہے کہ علامہ ذہبی رحمۃ اللہ المتوفی ۷۴۸ھ کا زمانہ بھی یزید سے تقریبا سات سو سال بعد کا ہے،اور علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے یزید کے شراب نوش ہونے کے علم کا کوئی حتمی ذریعہ بھی نہیں بتایا ہے،اور سات صدیوں کے فاصلے سے کسی سچی خبر کا دینا ممکن بھی نہیں ہے،اگر حافظ ذہبی نے سند بیان کی ہوتی،یا جس کتاب سے انھوں نے یہ خبر نقل کی ہے اس کا کوئی حوالہ دیا ہوتا تو کچھ بات بھی کی جا سکتی،لیکن کسی پختہ سند کے نہ ہونے کی وجہ سے اس کی حیثیت صرف ایک اخباری ہونیکی ہے اور کچھ نہیں،جسے حجت میں نہیں پیش کیا جا سکتا،ورنہ مولانا ہی بتائیں کہ اگر کوئی شخص نصف یا ایک صدی پیشتر قبل واقع ہوئے کسی جرم سے متعلق اخباری تراشے جمع کر لے،پھر انہیں تراشوں کی بنیاد پر کسی کو ملزم بنا کر عدالت میں مقدمہ دائر کر دے تو دنیا کی کوئی عدالت محض ان تراشوں کی بنا پر کسی بھی مدعا علیہ کے خلاف فیصلہ دے گی؟ جب کہ ان تراشوں میں بھی محض الزام کا ذکر ہو،نہ کسی پختہ ثبوت کا نہ کسی عینی شاہد کا؟ بالفرض اگر ہم علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھیں کہ آپ کس وجہ سے یزید پر شراب نوشی،ترک نماز اور اس کے فاعل منکرات ہونے کا الزام عائد فرمارہے ہیں؟ تو اس کے سوا وہ کیا جواب دیں گے کہ تاریخی روایتیں میرے پاس پہونچیں تو میں نے رائے قائم کر لی،اور پھر اگر کوئی سوال کرے کہ حضرت ان کچی روایتوں کی بنیاد پر آپ نے نہ صرف رائے قائم فرمائی بلکہ اپنی رائے اپنی کتاب میں بھی مذکور فرما دی،جس سے کچھ لوگوں کے یہاں اس کو مستدل

ہونے کا درجہ بھی مل گیا، جب کہ وہ اسلامی ضابطۂ شہادت کے معیار پر پوری بھی نہیں اتر رہی تھی، تو سوائے اعتذار یا سخن سازی کے اور کیا کیا جا سکتا ہے؟ دیکھئے دور جدید کے وسیع النظر عالم دین حضرت مولانا تقی عثمانی دامت برکاتہم جن کا اسلامی عدلیہ سے واسطہ بھی رہ چکا ہے، فرماتے ہیں ''یزید کا شراب پینا یا زنا کرنا کسی بھی قابل اعتماد روایت سے ثابت نہیں ہے زنا کی روایت تو میں نے کسی بھی تاریخ میں نہیں دیکھی، قمی نے جو شیعہ راوی ہے، یزید کا شراب پینا وغیرہ بیان کیا ہے، لیکن کسی مستند روایت میں اس کا ذکر نہیں''۔ (فتاویٰ عثمانی ج ا ص ۱۷۹ فتویٰ ۴۰۴/۲۲)

یزید اگر اہل سنت کے نزدیک متفقہ طور سے فاسق ہوتا تو دارالعلوم دیوبند سے یہ فتویٰ صادر نہ ہوتا کہ ''یزید کے بارے میں شیعوں نے فاسق و فاجر ہونے کا عقیدہ پھیلایا ہے، لیکن صحیح روایت سے ان کا فسق و فجور ثابت نہیں ہوتا''۔

(دارالافتاء دارالعلوم دیوبند فتوی ۵۸۶۴۲ تاریخ اجراء ۸/اپریل ۲۰۱۵ء)

اس کے بعد مولانا نے اس مسئلے پر شیخ الاسلام ابن تیمیہ کا موقف بھی بیان کیا ہے، اور ان کی عبارتوں سے استدلال بھی فرمایا ہے، ہم اس کا بھی جائزہ لیتے ہیں، مولانا طاہر صاحب گیاوی مدظلہ، نے اس بحث کو شروع کرنے سے پہلے لکھا ہے:

''علامہ ابن تیمیہ بھی یزید کو فاسق ہی مانتے ہیں، لیکن ان کی بعض عبارتوں سے لوگ مغالطہ دے کر یہ باور کرانے کوشش کرتے ہیں کہ وہ یزید کو فاسق نہیں کہتے ہیں، اس لئے تھوڑی وضاحت کی ضرورت پیش آ گئی، حالانکہ صحیح روایت کی موجودگی میں کسی بڑے سے بڑے عالم اور محقق کی قطعاً ضرورت نہیں رہ جاتی کہ ان کا خیال اور موقف معلوم کیا جائے، لیکن کسی کے لئے غلط فہمی پیدا کرنے کا موقع باقی نہ رہے، اس لئے ابن تیمیہ کے

نزدیک یزید کی حیثیت کیا ہے؟ واضح کر دیا جانا مناسب سمجھتا ہوں، شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ خود منہاج السنۃ ج ۲/ص ۲۴۶ پر لکھتے ہیں، الناس فی یزید طرفان و وسط، لوگ یزید کے معاملے میں دو کنارے پر ہیں ایک درمیانی متوسط لوگ ہیں، پھر بتاتے ہیں دو غالی باطل اور غلط کنارے والوں کا یہ کہنا ہے (پھر عربی عبارت نقل کر کے مولانا نے اس کا ترجمہ فرمایا ہے) ''اور ایک جماعت کا اعتقاد یہ ہے کہ وہ یزید صحابہ میں سے ہے، یا خلفائے راشدین مہدیین، یا وہ انبیاء میں سے ہے، حالانکہ یہ سب باتیں باطل ہیں، اور ایک جماعت کا عقیدہ کہ اندر سے منافق اور کافر تھا، یہ دونوں قول باطل ہے، اس کا بطلان ہر عقل والے کے نزدیک معلوم و مسلم ہے'' پھر لکھتے ہیں ''اس تقسیم سے واضح ہو گیا کہ جو نہ کافر نہ منافق مانتا ہے اور نہ ہی خلیفۂ راشد اور نبی مانتا ہے، بلکہ صرف فاسق اور گنہ گار مانتا ہے، وہ فرقہ علامہ ابن تیمیہ کے نزدیک معتدل اور متوسط اور اہل حق کا فرقہ ہے باطل فرقہ نہیں ہے''

(کردار یزید ص ۳۸/۳۹)

عرض ہے کہ یہ نتیجہ مولانا نے اپنے مطلب کا نکالا ہے، ورنہ مولانا بتائیں کہ جو شخص یزید کو فاسق بھی نہیں مانتا اور اس کے فسق کے لئے اثبات دلائل کا مطالبہ کرتا ہے اس کا ذکر ابن تیمیہ نے کہاں فرمایا ہے؟ جب کہ متبادر مفہوم تو وہی تھا جسے مولانا نے چھوڑ دیا، کہ ابن تیمیہ نے تین قسمیں اسی بنیاد پر فرمائیں کہ ایک فرقہ یزید کو کافر اور منافق مانے، دوسرا تفریط سے کام لے کر خلیفۂ راشد اور نبی تک مان لے تو درمیان میں ایک ہی معتدل فرقہ باقی رہتا ہے جو نہ اس کو نبی اور خلیفہ راشد مانے، نہ کافر

یا منافق بلکہ ایک عام مسلمان مانے ،اب درمیان میں اپنے مطلب کا مفہوم شامل کر کے نہ صرف اسے اپنی رائے اور اپنا خیال قرار دیا جائے ، بلکہ اسی مفہوم کو ابن تیمیہ کے سر بھی ڈال دیا جائے ، یہ مولانا کی چابکدستی اور فنکاری ہے، پھر خود ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے جو اپنا نتیجہ دکھایا ہے مولانا اسے کمال صفائی سے چھپا گئے ہیں، بلکہ کھا گئے ہیں علامہ ابن تیمیہ آگے فرماتے ہیں، فان الرجل ملك من ملوك المسلمين وخليفة من خلفاء الملوك لا هذا ولا هذا۔ (منہاج السنۃ ج۴ ص۵۵۰)

''یہ شخص مسلمانوں کا ایک بادشاہ اور بادشاہ خلفاء میں سے ایک خلیفہ تھا، نہ یہ تھا نہ وہ''

قارئین کرام پوری عبارت پڑھ کر خود فیصلہ فرمائیں، ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے فسق یزید کو چھوڑیئے اپنی گفتگو میں کہیں سے اس کا اشارہ بھی فرمایا ہے؟

علامہ ابن تیمیہؒ کی عبارت سے غلط استدلال

مولانا طاہر صاحب مزید استدلال فرماتے ہیں، کہتے ہیں،

''دوسری جگہ حافظ ابن تیمیہ نے پھر یزید پر گفتگو کرتے ہوئے لکھا ہے۔

ان القول فی لعنة یزید کالقول فی لعنة امثاله من الملوك الخلفاء وغیرهم ویزید خیر من غیره خیر من المختار بن ابی عبید الثقفی امیر العراق الذی اظهر الانتقام من قتلة الحسین فان هذا ادعی ان جبرئیل یاتیه وخیر من الحجاج بن یوسف فانه اظلم من یزید باتفاق الناس ومع هذا فیقال غایته یزید وامثاله من الملوك ان یکونوا فساقاً فلعنة الفاسق المعین لیست ماموراً بها۔ (منہاج السنۃ ج۲ ص۲۵۱)

''یزید پر لعنت کا معاملہ اس جیسے دیگر بادشاہوں اور خلفاء وغیرہ پر لعنت

کے قول جیسا معاملہ ہے، اور یزید تو دوسروں سے بہتر تھا، امیر عراق مختار ابن عبید ثقفی جو اپنے اوپر وحی آنے کا مدعی تھا اس سے بہتر تھا، حالانکہ وہ حضرت حسین کا بدلہ لینے کا اظہار کرتا تھا، اور حجاج بن یوسف سے بھی بالاتفاق یزید بہتر تھا، کیونکہ وہ تو ان سب کے باوجود یزید سے بڑا ظالم تھا''۔ پھر اوپر کی عبارت سے یزید کے ظلم کا نتیجہ برآمد کرنے کے بعد ''ومعهذا'' کے بعد کی عبارت لا کر اس کا ترجمہ کرتے ہیں، ''ان سب باتوں کے باوجود یہی کہا جائیگا کہ یزید اور اس طرح کے دیگر بادشاہ زیادہ سے زیادہ فاسق ہیں، لیکن کسی پر لعنت کرنے کی اجازت شرعاً نہیں ہے''۔ پھر اس سے نتیجہ برآمد کرتے ہیں کہ اس عبارت میں بھی شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ نے کھلے دل کے ساتھ اور بلا کسی تذبذب اور تردد کے یزید کو فاسقین میں داخل کیا ہے''۔ (کردار یزید ص۳۹/۴۰/۴۱)

علامہ ابن تیمیہ علیہ الرحمہ کا موقف

میں بڑے ادب کے ساتھ عرض کرنا چاہوں گا کہ یہاں پر بھی مولانا نے اپنی دست کاری کا فن انتہائی چابکدستی سے استعمال فرما کر مفہوم کا ماحول بدل دیا ہے، کیونکہ کوئی بھی عبارت اپنے سیاق وسباق کے تناظر میں ہی اچھی طرح سمجھی جاسکتی ہے، اور اس سے قائل کی غرض معلوم کی جاسکتی ہے، ناظرین مولانا کی اس پیش کردہ عبارت کو دیکھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ لعنت وفسق یزید کے موضوع پر اپنی بات کہنے جا رہے ہیں، اپنی طرف سے از سر نو کوئی بات کہنے اور اسی بات کو جوابی طور سے کہنے میں عبارت کا مقصود بدل جاتا ہے، سچائی یہ ہے کہ علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ اپنی طرف سے ابتداءً یہ مقولہ پیش نہیں فرما رہے ہیں، بلکہ شیعہ معترض کا جواب

دے رہے ہیں، اسی لئے منہاج السنۃ میں اس سے پہلے شیعہ عالم کا مفصل اعتراض اس کی کتاب سے نقل کرنے کے بعد علامہ لکھتے ہیں ''الجواب'' اور پھر جواب کی ابتداء القول سے فرماتے ہیں، شیعہ عالم کا اعتراض علامہ ان الفاظ میں نقل کرتے ہیں، قال الرافضی : " وتوقف جماعة ممن لا يقول بامامته فی لعنه مع انه عندهم ظالم بقتل الحسين و نهب حريمه وقد قال الله تعالیٰ (الالعنة الله علی الظالمين)۔ (منہاج السنۃ ج۴ ص۵۶۴)

''رافضی نے کہا سنیوں کی ایک جماعت نے یزید پر لعنت بھیجنے میں توقف کیا ہے، باوجودیکہ وہ ان کے نزدیک حضرت حسین کی شہادت اوران کی بے آبروئی کا ذمہ دار ہے، اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے خبردار! ظالموں پر اللہ کی لعنت'' اس کے دلیلوں کی تفصیل نقل کرنے کے بعد علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ جواب کا آغاز "الجواب" ان القول الخ سے فرماتے ہیں غور فرمایئے! رافضی عالم نے اعتراض میں یزید کے ظالم ہونے کی بات کہہ کر اس پر لعنت کے جواز میں الا لعنة الله علی الظالمين ، سے استدلال کیا تھا، اب اگر علامہؒ کو یزید کو ظالم ہی تسلیم کرنا تھا، تو جواب دینے کی کیا ضرورت تھی؟ جو معترض کہہ رہا ہے جواب میں بھی اسی کی بات کریں تو اسکو کوئی بھی شخص جواب تو ہرگز نہیں کہے گا، بلکہ اس پر اپنے حریف کے موقف کو مان لینے کا حکم لگائے گا، اب علامہ ابن تیمیہ جواب دے رہے ہیں، تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ ان کی نظر میں حریف کا موقف قابل تسلیم نہیں ہے، چونکہ معترض نے یزید کے بارے میں دو نقطہ پیش کیا تھا ایک یہ کہ وہ ظالم ہے، دوسرا یہ کہ ظالموں پر خدا کی لعنت ہے، اسکے پہلے نقطے کا جواب علامہ ابن تیمیہ نے بر سبیل تسلیم دیا ہے کہ تمہاری بات مان بھی لی جائے کہ یزید ظالم تھا، پھر بھی تو وہ مختار ثقفی سے اچھا تھا حجاج بن یوسف سے بہتر

تھا، اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ یزید کو ظالم سمجھتے تھے، زبردستی کے سوا کچھ بھی نہیں ہے، اسی کے ساتھ جواب میں علامہؒ نے فرمایا کہ زیادہ سے زیادہ تم کہہ سکتے ہو کہ یزید اور اس جیسے بادشاہ فاسق ہوں، تمہاری یہ بات مان بھی لی جائے تو کسی متعین فاسق شخص پر لعنت کا حکم نہیں دیا گیا، کہ تم اس پر لعنت کی بات کر رہے ہو، اس کی توضیح کرتے ہوئے علامہ ابن تیمیہ علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ سنت میں لعنت کی بہت سی قسمیں آئی ہیں، چور پر لعنت آئی ہے، بدعتی یا اسے پناہ دینے والے پر، سود کھانے والے، اس کے موکل، اس کے کاتب، اس کے گواہ پر، حلالہ کرنے کرانے والے پر، شراب پر اس کے نچوڑنے والے، جس کے لئے نچوڑی جائے اس پر، ڈھونے والے اور جس کے لئے ڈھوئی جائے اس پر، پلانے والے، پینے والے، اس کی قیمت کھانے والے سب پر لعنت آئی ہے۔ (منہاج السنۃ ج۴ ص۵۶۸/۵۶۹)

پھر علامہؒ نے دکھایا ہے کہ حمار نام شخص کا شخص مخمور حالت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر کیا گیا، تو آپ نے اس کی پٹائی کرائی، دوبارہ اسی حالت میں لایا گیا، کسی نے اس پر لعنت بھیجی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اس پر لعنت مت بھیجو یہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھتا ہے۔

(منہاج السنۃ ج۴ ص۵۶۹)

پھر متعین شخص پر لعنت کے باب میں علامہؒ نے اہل السنۃ والجماعۃ کے مذاہب گنائے ہیں پھر فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ توبہ سے سب کے گناہ بخش دیتا ہے، اسی ضمن میں فرماتے ہیں، فمن اين يعلم الانسان ان يزيد اوغيره من الظلمة لم يتب من هذه ، آدمی کو کہاں سے پتہ چل جاتا ہے کہ یزید یا اس کے علاوہ ظالموں نے اس سے توبہ نہیں کی ہے۔ (منہاج السنۃ ج۴ ص۵۷۱)

پھر یزید کے غزوۂ قسطنطنیہ میں شرکت پر حدیث مغفرت سے اس کی مغفرت پر استدلال فرمایا ہے، پھر لاتسبوا الاموات یعنی مردوں کو برا بھلا مت کہو والی حدیث پیش فرمائی ہے۔ پھر حضرت امام احمد بن حنبل کے یزید پر لعنت والی روایت کو منقطع قرار دے کر نا قابل استدلال بتایا ہے، پھر ابن جوزی نے جو عبدالمغیث کے جواب میں الردعلی المتعصب العنید نامی کتاب لکھی تھی اس کی حقیقت بیان کی ہے، اور رافضی معترض کے پیش کئے ہوئے تمام نقطوں پر بحث کرتے ہوئے ان کا مکمل جواب دیا ہے۔ اب اسی ضمن میں پیش کیا ہوا ایک قول یہ بھی دیکھ لیجئے! ونحن نعلم ان اکثر المسلمین لا بد لهم من ظلم فان فتح هذا الباب ساغ ان یلعن اکثر موتی المسلمین واللہ تعالیٰ امر بالصلوة علی موتی المسلمین لم یامرهم بلعنتهم۔

ہم جانتے ہیں بہت سے مسلمانوں نے کہیں نہ کہیں ظلم کیا ہے، اگر یہ دروازہ کھول دیا جائے تو نتیجہ یہ نکلے گا کہ اکثر وفات یافتہ مسلمانوں پر لعنت جاری ہو جائے گی جب کہ اللہ تعالیٰ نے وفات یافتہ مسلمانوں کے لئے دعائے رحمت کا حکم دیا ہے، ان پر لعنت بھیجنے کا بالکل نہیں۔ (منہاج السنۃ ج ۴/ص ۵۷۲)

''ومع ہذا'' سے جو عبارت مولانا نے اپنی کتاب کے ص ۴۰ پر نقل فرما کر اس سے نتیجہ نکالا ہے کہ ''شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ نے کھلے دل کے ساتھ بلا کسی تذبذب اور تردد کے یزید کو فاسقین میں داخل کیا ہے''۔

(کردار یزید ص ۴۱)

تو میں عرض کرتا ہوں کہ ہرگز نہیں! بلکہ علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے یہ الفاظ انکے دعویٰ کے تسلیم کے طور پر تحریر فرمائے ہیں، کہ آپ زیادہ سے زیادہ یزید کو

فاسق کہہ سکتے ہیں اگر آپکی یہ بات تسلیم کر لی جائے پھر بھی اس پر لعنت جائز نہ ہوگی، اب اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ امام ابن تیمیہ یزید کا فسق بیان کر رہے ہیں، ہمارے مناظر اسلام ہی کا کام ہو سکتا ہے۔ کسی منصف مزاج اہل علم کا نہیں۔ یہیں سے مولانا گیاوی صاحب کا محدث کبیر پر لگایا ہوا تحکمانہ الزام بھی رفع ہو جاتا ہے جس میں انھوں نے فرمایا ہے کہ محدث کبیر نے ترجمے میں ہیں کی بجائے ''ہوں'' کا لفظ استعمال کر کے شبہ پیدا کر دیا ہے، جب کہ حقیقت یہ ہے کہ عبارت کے گرد و پیش کو دیکھتے ہوئے محدث کبیر علیہ الرحمہ کا ترجمہ بالکل درست ہے اور زبردستی خود مولانا طاہر صاحب کی طرف سے ہو رہی ہے۔

محترم مولانا سید طاہر حسین صاحب مدظلہ نے علامہ ابن تیمیہ کا موقف بتانے کے لئے منہاج السنۃ کی ایک عبارت پیش کرتے ہوئے لکھا ہے۔

''علامہ ابن تیمیہؒ امام احمد بن حنبل سے یزید کے متعلق نقل کرتے ہیں۔

واما ما فعله باهل الحرة فانهم لماخلعوه واخرجوا نوابه و عشیرته ارسل الیهم مرة بعد مرة یطلب الطاعة فامتنعوا فارسل الیهم مسلم بن عقبة المری وامره اذاظهر علیهم ان یبیح المدینة ثلاثة ایام وهذا هو الذی عظیم انکار الناس له من فعل یزید ولهذا قیل لاحمد تکتب الحدیث عن یزید قال لا ولا کرامة اولیس هو الذی فعل باهل المدینة ما فعل ''یزید نے جو کچھ حرہ والوں کے ساتھ کیا، اسکا پس منظر یہ ہے کہ جب اہل حرہ نے یزید کی بیعت توڑ ڈالی اور یزید کے گورنروں اور اس کے خاندان والوں کو مدینے سے باہر کر دیا اور یزید کے بار بار اپنی اطاعت کا مطالبہ کرنے کے باوجود

وہ لوگ اس سے باز رہے تو اس نے مسلم بن عقبہ کو بھیجا اور حکم دیا کہ جب وہ ان پر غلبہ حاصل کر لے تو تین دن تک مدینہ کو حلال کر دے، اور یہی وہ جرم ہے جس کی وجہ سے یزید پر لوگوں کی نفرت میں اضافہ ہو گیا، اور اسی لئے جب امام احمد سے پوچھا گیا کہ کیا آپ یزید کی حدیث قبول کریں گے؟ تو انھوں نے کہا نہیں، اس کے لئے کوئی احترام نہیں ہے، کیا یہ وہی یزید نہیں ہے جس نے اہل مدینہ کے ساتھ کیا کچھ نہیں کیا''۔

(منہاج السنۃ ج ۲/ص ۲۵۳ کردار یزید ص ۴۱/۴۲)

(نوٹ: میرے پاس جو منہاج السنۃ ہے اس میں یہ روایت ج ۴/ص ۵۷۵/ پر ہے)

مولانا طاہر صاحب کی نافہمی

جواباً عرض ہے کہ مولانا طاہر حسین صاحب نے یہاں عبارت سمجھنے میں سخت ٹھوکر کھائی ہے، غور سے دیکھئے! اس پوری عبارت میں امام احمد کا ذکر اخیر میں آیا ہے، یعنی امام احمد رحمۃ اللہ علیہ واقعۂ حرہ کو بنیاد بنا کر اس کی روایت قبول کرنے سے انکار فرماتے ہیں نہ کہ علامہ ابن تیمیہؒ، اور مولانا نے اس انکار کو علامہ ابن تیمیہ سے نہ صرف منسوب کیا ہے بلکہ اس سے اپنے مطلب کا نتیجہ بھی نکال بیٹھے ہیں، چنانچہ لکھتے ہیں ''علامہ ابن تیمیہ یزید کو کس قدر غلط اور ساقط الاعتبار قرار دیتے ہیں کہ اس سے روایت ہو جائے تو اس کو بھی کسی حال میں قبول کرنے کو تیار نہیں کیونکہ وہ بدکردار ہے، نہ ثقہ ہے نہ اس کی عدالت قبول ہے''۔ (کردار یزید ص ۴۱)

مولانا سے گذارش ہے کہ اگر ان کی بصارت صحت مند ہو گئی ہو تو از راہ کرم اس عبارت پر نظر ثانی فرمالیں، اپنی آنکھ کا شہتیر دکھائی دے جائے گا، دوسروں کی معمولی مسامحت پر انتہائی سخت گرفت کرنے والے کو اپنے ہیر پھیر کا بھی تو خیال رکھنا

چاہیے، پھر امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے واقعہ حرہ کے باعث یزید کی روایت قبول کرنے سے انکار فرمایا تھا، یہ ہرگز نہیں فرمایا تھا کہ وہ بدکردار غیر ثقہ اور غیر عادل ہے، یہ تو مولانا کے اندر کا ابلتا ہوا بخار برآمد ہو رہا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ مولانا نے یہاں پر امام ابن تیمیہ کے تعلق سے آدھا سچ پیش فرمایا ہے اور میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ آدھا سچ پورے جھوٹ سے زیادہ خطرناک ہوتا ہے، کیونکہ امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس عبارت سے پہلے امام عبدالمغیث کا ایک واقعہ نقل کیا ہے اور منقولہ عبارت کے بعد اسکا جواب تحریر فرمایا ہے، ہمارے مناظر اسلام کی دیانت یہ ہے کہ بطور اعتراض جو مضمون تھا، اسے امام ابن تیمیہؒ کا نظریہ بنا کر پیش کر دیا ہے، اور امام ابن تیمیہؒ نے جواباً جو بات تحریر فرمائی ہے، اسے بلا ڈکار ہضم فرما گئے ہیں۔ علامہ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں کہ ابو الفرج ابن الجوزی نے یزید پر لعنت کے جواز میں ایک کتاب لکھی جس میں انھوں نے شیخ عبدالمغیث حربی کا رد کیا، کیونکہ شیخ حربی اس سے روکتے تھے، اور بیان کیا گیا ہے کہ خلیفہ ناصر (شیعہ۔عطا) کو جب شیخ حربی کے لعنت یزید سے روکنے کی خبر ملی تو اس نے شیخ سے ملنے کا ارادہ کیا، اور شیخ سے ملاقات پر ان سے اس کے بارے میں سوال کیا، شیخ عبدالمغیث پہچان گئے کہ یہ خلیفہ ہے لیکن ظاہر نہیں ہونے دیا کہ وہ اسے جان گئے ہیں، تو فرمایا اے فلانے! لعنت یزید سے روکنے کی آڑ میں میرا مقصد تو لوگوں کو مسلمانوں کے خلفاء اور ان کے حکام پر لعنت سے روکنا تھا، یہ بات نہ ہوتی اور ہم یہ دروازہ کھول دیتے تو موجودہ خلیفہ لعنت کا زیادہ حقدار ہوتا، کیونکہ وہ اس سے زیادہ منکرات کا مرتکب ہوتا ہے، جو یزید کرتا تھا، کیونکہ موجودہ خلیفہ نے یہ کیا وہ کیا اور خلیفہ کے مظالم گنانے لگے، خلیفہ بول پڑا شیخ بس میرے لئے دعا کیجیے اور چلا گیا۔

(منہاج السنۃ ج ۴/ص ۵۷۴/۵۷۵)

اب ہم وہ جواب بھی نقل کر دیتے جسے امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا طاہر صاحب کی کتاب کردار یزید ص ۴۱ پر منقولہ عبارت کے جواب میں تحریر فرمایا ہے، علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں لکن لم یقتل جمیع الاشراف ولا بلغ عدد القتیل عشرۃ آلاف ولا وصلت الدماء الیٰ قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم ولاالیٰ الروضۃ ولا کان القتل فی المسجد، واما الکعبۃ فان اللہ شرفھا وعظمھا وجعلھا محرمۃ فلم یمکن اللہ احداً من اھانتھا لا قبل الاسلام ولا بعدہ بل لما قصدھا اھل الفیل عاقبھم اللہ العقوبۃ المشھورۃ۔

(منہاج السنۃ ج ۴ ص ۵۷۵/۵۷۶)

لیکن تمام اشراف مقتول نہیں ہوئے، نہ مقتولوں کی تعداد دس ہزار کو پہونچی نہ خون نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر اطہر یا روضے تک پہونچا، نہ یہ قتل مسجد میں ہوا، رہی کعبے کی بات تو اللہ تعالیٰ نے اسے شرافت وعظمت بخشی ہے اور اسے محرم بنایا ہے تو اللہ نے کسی کو اس کی اہانت پر قدرت ہی نہیں بخشی، نہ اسلام سے پہلے نہ اس کے بعد بلکہ جب ہاتھیوں والوں نے اس کی توہین کا ارادہ کیا تو اللہ نے انھیں مشہور زمانہ سزا سے ہم کنار کیا''۔

پھر علامہ نے اس پر طویل گفتگو فرمائی ہے۔

مولانا طاہر صاحب کا مغالطہ

خلاصہ یہ کہ جس مضمون کو مولانا علامہ ابن تیمیہؒ سے منسوب کر کے اپنا الّو سیدھا کرنا چاہتے تھے، اس میں انہوں نے زبردست مغالطہ کھایا یا دوسروں کو دیا ہے۔ محترم مولانا سید طاہر حسین صاحب نے اپنی کتاب کے ۴۲/ پر علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ کی ایک بحث منہاج السنۃ ج ۲ ص ۲۵۲ سے نقل فرمائی ہے، کہ ابن تیمیہ علیہ الرحمۃ فسق یزید کے قائل تھے لکھتے ہیں، فالذی یجوز لعنۃ یزید وامثالہ یحتاج الیٰ

شیئین :الیٰ ثبوت انہ کان من الفساق الظالمین الذین تباح لعنتھم وانہ بات مصراً علیٰ ذالک ،والثانی ان لعنۃ المعین من ھؤلاء جائزۃ والمنازع یطعن فی المقدمتین لاسیما الاولیٰ۔ (منہاج السنۃ ج ۲/ص ۲۵۲)

پھر ترجمہ فرماتے ہیں،

''جو لوگ یزید اور اس طرح کے دیگر اشخاص پر لعنت کو جائز سمجھتے ہیں انھیں دو باتوں کی ضرورت ہے، ایک تو یہ کہ وہ اس بات کا ثبوت دیں کہ یزید ان فاسقوں ظالموں میں سے ہے جن پر لعنت جائز ہے، اور اس کی موت بھی اسی حالت فسق میں ہوئی اور دوسرا ثبوت اس بات کا دے کہ ایسے لوگوں میں سے کسی متعین شخص پر لعنت جائز ہے، حالانکہ اس موضوع پر اختلاف کرنے والے دونوں مقدمہ (صحیح لفظ مقدموں عطا) کے اثبات میں بالخصوص پہلے مقدمہ میں ناکام رہے ہیں''۔

(کردار یزید ص ۴۲)

میں عرض کرتا ہوں کہ اس بحث میں امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے یہ نہیں فرمایا ہے کہ یزید فاسق تھا، بلکہ انھوں نے لاعنین یزید پر الزام قائم فرمایا ہے کہ تمہیں اگر یزید پر لعنت کا جواز ثابت کرنا ہے تو تمہیں دو کام کرنے پڑیں گے، (۱) تمہیں پہلے یہ ثابت کرنا پڑے گا کہ یزید ان فاسقوں ظالموں میں سے ہے، جن پر لعنت جائز ہوتی ہے، (۲) تمہیں یہ بھی ثابت کرنا پڑے گا کہ شریعت نے خاص کسی شخص کا نام لے کر اس پر لعنت بھیجنے کو جائز قرار دیا ہے، اور تم دونوں باتیں خصوصاً پہلی بات ثابت کرنے میں تو بالکل ناکام رہے ہو، دیکھئے امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے انھیں پہلے مقدمہ کے اثبات میں ناکام بتایا، یعنی صاف صاف فرمایا کہ جو لوگ یزید پر لعنت کے جواز کے

قائل ہیں وہ یزید کو فاسق ظالم ثابت کرنے میں ناکام رہے ہیں، اب منطقی توجیہات کا سہارا لے کر یہ کہنا کہ امام ابن تیمیہ نے یزید کو ظالم فاسقوں کی فہرست سے باہر کیا ہے مطلقاً فاسقوں کی فہرست سے باہر نہیں کیا ہے اس لئے امام ابن تیمیہ فسق یزید کے قائل ہیں، سوائے بات کو پیچ در پیچ بنانے کے اور کیا ہے؟ امام ابن تیمیہ اگر فسق یزید اور اس کے ظلم کو تسلیم فرماتے، تو میں پوچھتا ہوں کہ انھیں جواب کیلئے اتنی زحمت اٹھانے کی ضرورت ہی کیا تھی؟ وہ سیدھے سیدھے فرما دیتے کہ میں تسلیم کرتا ہوں کہ یزید فاسق تھا لیکن کسی متعین شخص پر شریعت نے لعنت کا حکم نہیں دیا ہے، اس لئے میں اس پر لعنت کا قائل نہیں ہوں۔

قارئین کرام! ہمارے حضرت علامہ نے بات واقعۂ حرہ سے شروع کی تھی، دلیل کی روایت میں یزید کی شراب نوشی کا ذکر آ گیا تو اس بحث کو وہیں چھوڑ کر واقدی، ابومخنف، ابن زکریا غلابی جیسے سڑے ہوئے کذاب شیعہ راویوں سے یزید کی شراب نوشی ثابت کرنے میں لگ گئے، پھر سارا زور قلم صرف کر کے ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی مجمل عبارتوں سے فسق یزید کا ثبوت اکٹھا کرنے میں مصروف ہو گئے، پھر بھی بات وہیں کی وہیں رہی، سچ ہے بے ثبوت بات کو ثابت کرنے کے لئے آدمی کو کیا کیا نہیں کرنا پڑتا ہے، اس بحث کو ختم کرنے سے پہلے میں ان قرائن کا ذکر کرنا چاہوں گا جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ یزید پر شراب نوشی کا الزام شیعی سازش کے تحت لگائے ہوئے بہتان سے زیادہ کچھ نہیں اور اصلی حقیقت کا علم تو اللہ ہی کو ہے۔

فسانۂ شراب نوشی کے باطل ہونے کے قرائن

(۱) کسی معتبر صحیح روایت میں یزید کی شراب نوشی کا کوئی ذکر نہیں ہے، نہ اس کے امیر بننے سے پہلے نہ خلیفہ بننے کے بعد۔

(۲) یزید کی شراب نوشی کا تذکرہ جن جن روایتوں میں آیا ہے، انمیں کوئی نہ کوئی کذاب، شیعہ راوی پڑا ہوا ہے، یا وہ روایتیں منقطع السند ہیں، یا مجہول راویوں سے مروی ہیں۔

(۳) جب حضرت عبداللہ بن مطیع وغیرہ نے یزید کے خلاف مدینہ میں علم بغاوت بلند کیا (اور جس کے باعث حرہ کا اندوہناک اور جگر پاش واقعہ پیش آیا) تو حضرت سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ ابن مطیع کے پاس تشریف لائے اور انھیں وہ حدیثیں سنائیں جن میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعت توڑنے پر وعیدوں کا ذکر فرمایا تھا (چاہے امیر کیسا ہی کیوں نہ ہو) تو اس موقعہ پر حضرت ابن مطیع اپنی صفائی میں یزید کی شراب نوشی کا ذکر کر سکتے تھے مگر انھوں نے اس کا کوئی تذکرہ نہیں کیا۔

(۴) حضرت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ، کے صاحبزادے حضرت علی ابن حسین امام زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ شہادت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ، کے بعد یزید کے پاس تقریباً ایک ماہ رہے، انھیں فطرتاً یزید سے وحشت ہونی چاہئے تھی، لیکن انھوں نے بھی نہ مدینہ واپسی کے بعد نہ واقعۂ حرہ کے موقعہ پر، یزید کے شراب پینے کا کوئی ذکر نہیں فرمایا۔

(۵) حضرت محمد ابن الحنفیہ رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے بھائی ہیں وہ بھی یزید کے پاس رہ کر آئے ہیں، انھوں نے بھی شراب نوشی وغیرہ کا کوئی ذکر نہیں فرمایا، بلکہ جب عبداللہ بن مطیع نے شام سے واپسی کے بعد یزید پر شراب نوشی اور نماز کے چھوڑنے کا الزام عائد کیا تو حضرت محمد ابن الحنفیہ نے اس کی سختی سے تردید فرمائی بلکہ عبداللہ ابن مطیع سے مناظرہ ومجادلہ فرمایا۔

(۶) خود حضرت عبداللہ ابن مطیع جو الزام لگانے والے ہیں ان سے محمد ابن الحنفیہ نے

سوال فرمایا کہ آپ نے خود اس کو ایسا کرتے دیکھا ہے؟ تو انھوں نے جواب دیا کہ نہیں، میں نے خود ایسا کرتے نہیں دیکھا ہے۔

(۷) حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے چچازاد بھائی حضرت سیدنا عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ (جن سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم محبت رکھتے اور فرماتے تھے کہ ''واما عبد الله فشبيه خلقي و خلقي ،عبداللہ صورت سیرت میں میری طرح ہیں۔

(مسند احمد ج ۱ ص ۲۰۴ نسائی ج ۸ ص ۱۸۲)

جو واقعۂ حرہ کے وقت یزید کے پاس تھے، اور یزید کے فوج روانہ کرتے وقت انھوں نے مدینہ والوں کے پاس خط بھی روانہ فرمایا تھا کہ یزید کی فوج جارہی ہے، تم ان سے چھیڑ چھاڑ نہیں کروگے تو یہ فوج عبداللہ ابن زبیر سے نمٹنے کے لئے مکہ چلی جائے گی، اور تمہیں کچھ نہیں کہے گی، لیکن عبداللہ بن مطیع اور ان کے ساتھیوں نے انکی بات نہیں مانی، یہ حضرت عبداللہ بن جعفر بھی یزید کی شراب نوشی کی کوئی بات نہیں کرتے۔

(۸) حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ جو کوفہ کی ولایت سے سبکدوشی کے بعد یزید کے خاص مشیر تھے، اور واقعۂ حرہ کے موقعہ پر یزید کی طرف سے مدینہ والوں کو بیعت شکنی سے روکنے کے لئے مدینہ بھی تشریف لائے تھے، لیکن مدینہ والوں نے ان کی بات نہیں مانی تھی، آپ بھی باوجودیکہ یزید کیساتھ رہتے ہیں، یزید کی شراب نوشی کا کوئی ذکر نہیں فرماتے۔

(۹) یہی حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ جب یزید کی طرف سے عبداللہ بن مطیع اور ان کے ساتھیوں کی بیعت شکنی روکنے مدینہ تشریف لائے تو اس موقعہ پر بھی عبداللہ ابن مطیع نے نعمان ابن بشیرؓ کیسامنے یزید کی شراب نوشی کی کوئی بات نہیں کی۔

(۱۰) مدینہ والوں کا وفد بشمول حضرت عبداللہ بن مطیع یزید کے پاس شام گیا تو اس نے

واپس آکر یزید کی شراب نوشی کا تذکرہ کیا، عقل سے بالکل پرے ہے کہ اس کے پاس رہنے والے صحابۂ کرام کو تو اس کی شراب نوشی کا پتہ نہ چلے اور چند دنوں کے لئے اس کے پاس سے ہوکر آنے والوں کو یزید کے سارے معائب معلوم ہوجائیں، پھر لطف یہ کہ وہ لوگ بچشم خود دیکھنے کا بھی انکار کردیں، پھر بھی اس روایت سے شراب نوشی پر دلیل قائم کی جائے، فیاللعجب۔

جناب مولانا سید طاہر حسین صاحب گیاوی مدظلہ، نے یزید کی شراب نوشی کی ایک اور بقول خود، صحیح سند والی حدیث، اپنی کتاب ص ۶۵/۶۶ پر پیش کی ہے، فرماتے ہیں:

''حالانکہ ابوالحسن مدائنی کے حوالہ سے صحیح سند کے ساتھ ایک روایت پہلے نقل کی جاچکی ہے، وہ تنہا ثبوت کے لئے کافی ہے، مگر اس کی تائید ضعیف روایتوں تاریخی شہادتوں کو پیش کرہی دیا ہے، اب ایک دوسری صحیح سند والی روایت پیش کررہا ہوں تاکہ یزیدی حمایت کے سرگرم اہل علم حضرات کو تسلیم کرنے میں بھی شک وشبہ باقی نہ رہ جائے، امام محدث بیہقی اپنی کتاب دلائل النبوۃ کی چھٹی جلد میں پوری صحیح سند کے ساتھ لکھتے ہیں۔ اخبرنا ابو الحسين بن الفضل اخبرنا عبد الله بن جعفر حدثنا يعقوب بن سفيان قال سمعت بن عضير (صحیح لفظ ابن عفیر عطا) قال اخبرنا ابن فليح ان اباعمر و بن حفص بن المغيرة وفد علىٰ يزيد فاكرمه، واحسن جائزته فلما قدم المدينة قام الىٰ جنب المنبر و كان مرضياً صالحاًفقال الم احب ان اكرم، والله لرأيت يزيد بن معاوية يترك الصلوة سكراً فاجمع الناس علىٰ خلعانه بالمدينة فخلعوه ''۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۶ ص ۴۱۷)

اوردلائل النبوۃ کے محقق سید محمد ابراہیم حاشیہ پر لکھتے ہیں ورواہ ابن عساکر فی تاریخ دمشق ج۲۷/ ص۱۸/ من طریق عبد اللہ بن جعفر بہ ہم کو ابوالحسن بن الفضل نے خبر دی ،ان کو عبد اللہ بن جعفر نے بتایا ان کو یعقوب بن سفیان نے کہا، کہ میں نے ابن عفیر سے سنا اور انھوں نے کہا کہ ابن فلیح نے خبر دی کہ (عمرو بن حفص) بطور وفد یزید کے پاس بھیجے گئے تو یزید نے اکرام کیا اور اچھا انعام دیا، لیکن وہ جب مدینہ لوٹ کر آئے، تو ممبر (منبر۔عطا) کے قریب کھڑے ہوئے وہ نیک اور پسندیدہ شخص تھے، انھوں نے کہا میرا اکرام کیا گیا تو میں کیوں ناپسند کروں، لیکن بخدا میں نے یزید بن معاویہ کو نشے میں دیکھا، کہ اس نے نماز ترک کردی پھر مدینے والے اس کی بیعت توڑنے پر متفق ہو گئے اور لوگوں نے یزید کی بیعت توڑ ڈالی۔ (کردار یزید ص۶۵/۶۶)

ضعیف روایت کو اعلیٰ درجہ کی صحیح روایت کہنا

ہمارے مناظر اسلام، اسکے بعد اس کی سند بیان کر کے اس پر گفتگو کرتے ہوئے ص۶۷/ پر اپنی دلیل مکمل کرتے ہیں اور گل افشانی نہیں بلکہ گلشن افشانی فرماتے ہیں پہلے اس کو پڑھ لیجئے پھر ہم اپنی بات رکھیں گے۔

''یہ سند بھی اعلیٰ درجہ کی صحیح سند ہے اور امام بیہقی جیسے عظیم محدث اسی سند سے روایت نقل فرمارہے ہیں، یہ روایت بھی یزید کا شراب پینا اور نشہ کی حالت میں رہنا بتارہی ہے، اگر اب بھی یزید کا فاسق ہونا ثابت نہیں ہوا تو کیا ثبوت کے لئے وحی نازل ہوگی؟ لیکن ہمارے یزیدی حمایتی حضرات اس کو اپنے علمی غرور اور تکبر کی وجہ سے نہ ماننے والے ہیں اور نہ

مانیں گے۔ (کردار یزید ص۶۷)

حقیقت یہ ہے کہ جب حریص اپنی حرص میں اندھا ہوجاتا ہے تو اسے بس تجوری بھرنے کی فکر رہتی ہے، اس کی پرواہ مطلقاً نہیں ہوتی کہ یہ دولت حلال راستے سے آرہی ہے یا حرام راستے سے؟ ہمارے مناظر اسلام کا حال بعینہ اسی طرح ہے، علامہ پر رافضیت کی حمایت کا جنون اس قدر سوار ہوگیا ہے، کہ وہ مخدوش سندوں کو بھی اعلیٰ درجہ کی صحیح سند کہنے سے نہیں ہچکچاتے، اور اپنے گواہی کے لئے اگر انھیں مردوں کو قبرستان سے بھی اٹھا کر لانا پڑے، تو لا کر اپنی گواہی ان سے مکمل کرادیتے ہیں، پھر سینہ ٹھونک کر دعویٰ کرتے ہیں، اور فرماتے ہیں،

''مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی اور قاضی ابوبکر ابن عربی اور امام غزالی علیہم الرحمۃ کو دیکھا دیجئے کہ حضرت عمر بن حفص صحابی اور حضرت معقل بن سنان رضی اللہ عنہما دو دو گواہ چشم دید شہادت یزید کے شراب پینے کی دے رہے ہیں۔ (کردار یزید ص۷۴)

اور عنوان قائم کرتے ہیں،

''مذکورہ بالا تاریخی دستاویزوں کی روشنی میں فسق یزید آشکارا، مگر مولانا اعظمی کا غیر معقول موقف'' (کردار یزید ص۷۴)

پھر اصرار بھی کرتے ہیں کہ ہمارے پیش کئے ہوئے سکے خواہ کیسے بھی کھوٹے کیوں ہوں مخاطب کو انھیں بہر حال قبول کرنا ہی ہوگا۔ اور اسی کا نام وہ دلیل رکھتے ہیں، لیکن میں مولانا سے عرض کردوں، کہ ہم انھیں نبی نہیں مانتے کہ ان کی باتیں آنکھ بند کر کے مانتے چلے جائیں، پھر دوسری بات یہ ہے کہ یہ میدان مناظرہ نہیں، جہاں عوام کی بھیڑ صرف دو مولویوں کی نوک جھونک سے لطف اندوز ہونے اکٹھی ہوجاتی ہے، اور جسے

دعویٰ تک سمجھنے کی تمیز نہیں ہوتی تو دلیل کیا خاک سمجھے گی، اب ہمارے مناظر اسلام اپنی باری پر صرف دعووں پر دعوے کرتے چلے جائیں، کہ ہم نے پہلے ہی تین دلیلیں دی تھیں یہ چوتھی بھی لیجئے! اور مخاطب سے کہیں کہ اب تک آپ نے ہماری کسی دلیل کا جواب نہیں دیا اور اب ہم اپنی دسویں دلیل مکمل کرتے ہیں، اب بیچارہ مقابل پریشان، کہ دلیل تو مناظر اسلام نے ایک بھی نہیں دی، اور جن شکوک کا انھوں نے اظہار کیا تھا ہم نے ان کا شافی جواب دیدیا ہے، پھر یہ کیسی ڈھٹائی ہے؟ اور عوام کہے کہ دیکھا! ہمارے مناظر اسلام نے دس دس دلیلیں دیں، مخالف مناظر نے ایک کا بھی جواب نہیں دیا، اور بدست خود فتح مبین کی سند تحریر کر کے خود ہی وصول بھی کر لی جائے؟ مولانا کو معلوم ہونا چاہئے کہ یہاں سب کی تحریریں موجود ہیں کوئی نہ بھاگ سکتا ہے نہ انکار کر سکتا ہے، اس لئے ناپ تول کر اور سوچ سمجھ کر جملے تحریر فرمایا کریں، اور جہاں تک میری نگارش میں تلخی کا سوال ہے تو قارئین معاف فرمائیں یہ تلخی مولانا ہی کی بخشی ہوئی ہے، بقول کسے ''ایں ہماں ریداست کہ در تجرید خوردی''۔ اب آیئے ذرا چہرۂ حقیقت سے پردہ اٹھائیں۔ یہ روایت حضرت ابوعمر بن حفص بن مغیرہ رضی اللہ عنہ، کے متعلق ہے اور اس کی خبر دینے والے آخری راوی ابن فلیح ہیں، حفص ابن مغیرہ رضی اللہ عنہ کی زبان سے کہلوایا جارہا ہے، کہ آپ یزید کے دربار میں گئے، اس نے آپ کی بڑی تعظیم وتکریم کی بہترین تحائف سے نوازا، لیکن یہ مدینے لوٹے تو منبر پر کھڑے ہو کر فرمانے لگے کہ کیا میں اپنی تعظیم پسند نہ کرتا؟ بخدا میں نے یزید بن معاویہ کو دیکھا کہ وہ نشے کی وجہ سے نماز چھوڑ دیتا ہے۔ سب سے پہلے تو یہ دیکھئے کہ اس روایت کے ذریعے ایک صحابیٔ رسول کی کیسی سیرت اور اپنے بنائے ہوئے نگار خانے میں انکی کیسی تصویر دکھائی جارہی ہے؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے،

الدین النصیحة ، لله ولرسوله وللمؤمنین ، دین خیر خواہی کا نام ہے، اللہ کیلئے اس کے رسول کے لئے اور مؤمنین کے لئے، حضرت ابن مغیرہ یزید کے دربار میں جاتے ہیں، یزید ان کا اکرام کرتا ہے، انعامات دیتا ہے، یہ اس کو نشے کی وجہ سے ترک نماز کا مجرم ہوتا اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں، پھر بھی اسے کوئی نصیحت نہیں فرماتے، خواہ نرمی اور حکمت سے ہو، پھر انعامات وصول کرتے ہیں، اور مدینہ لوٹ کر منبر سے یزید کے مناقب شروع کر دیتے ہیں، یہ تصویر ایک صحابیٔ رسول کی ہے یا طالب زر منافق سیرت کسی موقع پرست درباری کی؟ رافضی جعلساز اسی طرح کی روایتیں بنا بنا کر ایک عظیم المرتبت صحابی کی وقعت دلوں سے نکالنے کی سازشیں رچا کرتے ہیں۔

وفات یافتہ صحابی سے شراب نوشی کی شہادت

اب آیئے! دیکھیں حضرت ابوعمرو بن حفص بن المغیرۃ رضی اللہ عنہ، کون ہیں؟ تو حافظ ابن حجر فرماتے ہیں، ابو عمرو بن حفص بن المغیرة بن عبد الله بن عمر بن مخزوم المخزومی وهو زوج فاطمة بنت قیس وقیل اسمه عبد الحمید وقیل احمد وقیل اسمه کنیته قال الحاکم ابو احمد ابو عمر بن حفص المغیرة ویقال بن حفص بن عمرو بن المغیرة ویقال ابو حفص بن عمرو بن المغیرة صحابی خرج مع علی الی الیمن لما امره النبی صلی الله علیه وسلم علیها فمات وقیل انه بقی الی خلافة عمر بن الخطاب۔

ابوعمرو بن حفص بن المغیرۃ بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم مخزومی فاطمۃ بنت قیس کے شوہر ہیں ان کا نام عبدالحمید اور احمد بھی بیان کیا گیا ہے، یہ بھی کہا گیا ہے، کہ ان کی کنیت ہی ان کا نام ہے، امام حاکم نے کہا ابواحمد ابوعمرو بن حفص بن مغیرہ، اور ان کو ابن حفص بن عمرو بن مغیرہ اور ابوحفص بن عمرو بن مغیرہ بھی کہا گیا ہے، یہ صحابی ہیں

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو امیر بنایا تھا تو یہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ساتھ یمن تشریف لے گئے تھے، وہیں ان کا وصال ہوگیا، ایک روایت یہ بھی ہے کہ یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ، کی خلافت تک باحیات تھے۔

(تہذیب التہذیب ج ۱۲/ص ۱۷۷)

اب آپ دیکھیں کہ جو مناظر اسلام دور فاروقی میں وفات یافتہ صحابی کو یزید کیخلاف گواہی کے لئے قبر سے بھی بلا کر لا سکتے ہیں، وہ اپنے اندر کتنا کمال رکھتے ہونگے؟ پھر یہ ہنر بھی ملاحظہ فرمایئے، کہ مولانا نے تہذیب التہذیب کی چھٹی جلد سے حضرت ابوعمرو بن حفص کا ترجمہ نقل فرمایا ہے، جس پر کتاب مکمل ہوتی ہے، کیونکہ مولانا کے پاس چھ جلدوں پر مکمل تہذیب التہذیب والا نسخہ ہے، دیکھئے! کردار یزید ص ۱۱/ اور میرے پاس بارہ جلدوں والا نسخہ ہے، اور میں نے حضرت ابوعمرو بن حفص کا ترجمہ، بارہویں جلد سے نقل کیا ہے، اس کا مطلب یہ ہوا کہ میرا اور مولانا کا حوالہ ایک ہی جگہ سے منقول ہے اور اگر ایسا ہے تو ممکن نہیں، کہ مولانا کی نظر دور فاروقی میں ان کے انتقال والے بیان پر نہ پڑی ہو؟ اب مولانا نے یہ دیکھا کہ اگر اس کو بھی نقل کر دیا ئے تو ساری پول کھل جائے گی بلکہ میرا کھڑا کیا ہوا یہ ہوائی قلعہ ہی زمین بوس ہو جائے گا، اس لئے اپنے خیال میں مولانا نے اس کو سامنے ہی نہ آنے دیا، تا کہ انھیں سینہ زوری کا موقعہ ملتا رہے، میں کہتا ہوں مولانا کو شرم نہیں آتی؟ کہ خود اس قسم کی فریب دہی اور مغالطہ اندازی کا قابل مذمت کارنامہ انجام دیتے ہیں۔ اور الٹا محدث کبیر رحمۃ اللہ علیہ پر ان کی طرف سے درست تحقیق پیش فرمانے پر عملی خیانت، مغالطے، علمی غرور، اور جہالت کا الزام لگاتے ہیں؟ مولانا کو یاد رکھنا چاہئے کہ اس ظلم کا حساب تو انہیں داور حشر کے حضور دینا ہی پڑے گا۔

الاستیعاب میں ہے: ابو عمرو بن حفص بن المغيرة ويقال ابو عمرو بن حفص بن عمرو بن المغيرة بن عبد الله بن عمرو بن مخزوم القرشي المخزومي : قيل اسمه عبد الحميد وقيل اسمه احمد وقيل بل اسمه كنيته بعثه رسول الله صلى الله عليه وسلم مع علي بن ابي طالب حين بعث علياً اميرا لمؤمنين فطلق امرأته هناك فاطمة بنت قيس الفهرية وبعث اليها بطلاقها ثم مات هناك ۔ (الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب ج ۴/ص ۱۷۱۹)

اس روایت میں اتنی سی بات زائد ہے کہ انھوں نے وہاں اپنی بیوی فاطمہ بنت قیس فہریہ کو طلاق دے کر طلاقنامہ ان کے پاس بھیج دیا اور وہیں ان کا انتقال ہوگیا۔

الاصابہ میں ہے: ابو عمرو بن حفص بن المغيرة بن عبد الله بن عمر بن مخزوم القرشي المخزومي زوج فاطمة بنت قيس وقيل هو ابو حفص بن عمرو بن المغيرة واختلف في اسمه فقيل احمد وقيل عبد الحميد وقيل اسمه كنيته وامه درة بنت خزاعي الثقفية وكان خرج مع علي الى اليمن في عهد النبي صلى الله عليه وسلم فمات هناك: ويقال بل رجع الى ان شهد فتوح الشام ۔ (الاصابہ ج ۷/ص ۲۳۹)

اس میں اتنا سا اضافہ ہے کہ ''یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ یمن سے لوٹ کر شام کی فتوحات میں شریک ہوئے تھے''۔

اب کوئی ہمارے علامہ سے دریافت کرے، کہ جنکی روایت پر جناب اتنے اترائے اترائے پھر رہے ہیں کہ کسی کو خاطر ہی میں نہیں لاتے، وہ تو یمن میں یا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں شام کی فتوحات میں شریک ہونے کے بعد اللہ کو پیارے ہوگئے تھے؟ تو آپ کی خاطر عالم بالا سے فسق یزید کی گواہی دینے وہ بھی برسر منبر کب

تشریف لائے؟ کیا ایں جناب کے یہاں بھی ''آوا گون'' ہوتا ہے؟ اور میں عرض کرتا ہوں کہ جس خبیث رافضی نے یہ جعلی حدیث معزز و مستند بزرگوں کے نام سے گھڑی ہے اس نے ایک تیر سے دو شکار کرنے کا پلان بنایا ہے کہ ایک صحابی رسول کا کردار بھی دھندلا ہو جائے اور یزید کے بے ثبوت گناہ کو بھی تقویت مل جائے۔

الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے

ہمارے علامہ اس کی سند کے بارے میں بلند بانگ دعویٰ فرماتے ہیں کہ ''یہ سند بھی اعلی درجہ کی صحیح سند ہے، اور امام بیہقی جیسے عظیم محدث اسی سند سے روایت نقل فرما رہے ہیں یہ روایت بھی یزید کا شراب پینا اور نشہ کی حالت میں رہنا بتا رہی ہے، اور نماز چھوڑنا بھی فسق کی واضح دلیل ہے اور کوئی تاریخی روایت بھی نہیں ہے، اگر اب بھی یزید کا فاسق ہونا ثابت نہیں ہوا تو کیا ثبوت کے لئے وحی نازل ہوگی؟ لیکن ہمارے مہربان یزیدی حمایتی حضرات اس کو اپنے علمی غرور اور تکبر کی وجہ سے نہ ماننے والے ہیں، اور نہ مانیں گے۔ (کردار یزید ص ۶۷)

اس سے پہلے صفحہ پر لکھا ہے ''اس روایت کے اندر امام بیہقی کے کل پانچ راوی ہیں اور سب کے سب ثقہ ہیں''۔

(کردار یزید ص ۶۶)

مولانا سے کہا جائے کہ رافضیت کی حمایت میں اس قدر اندھا ہو جانا بھی کوئی اچھی چیز نہیں کہ آدمی نہ آگا دیکھے نہ پیچھا، اور ہوش وحواس سے بیگانہ ہو کر اناپ شناپ بکنے لگے، مولانا نے علمی غرور کی بات کی ہے، میں قارئین کرام سے گذارش کرونگا کہ وہ طاہر گیاوی اور حضرت محدث کبیرؒ کی کتابیں سامنے رکھ کر فیصلہ فرمائیں کہ کس کی

تحریر سے اس کا غرور جھانک رہا ہے؟ مولانا طنز کی زبان استعمال کرتے ہوئے کہتے ہیں اب کیا ثبوت کے لئے وحی نازل ہوگی؟ میں کہتا ہوں پہلے مولانا اس کا جواب دیں کہ حضرت ابوحفص ابن المغیرۃ تو دنیا میں تھے ہی نہیں، آپ پر کون سی وحی اتری کہ آپ نے انھیں عالم بالا سے یزید کے مقدمے میں گھسیٹ لیا؟ مولانا کہیں گے کہ بیہقی کی روایت ہے، میں عرض کروں گا کہ روایتیں تو ہر طرح کی ہیں، صرف روایت کا نام سنا اور خم ٹھونکنے لگے؟ تحقیقی کتاب لکھنے بیٹھے تھے، وہ بھی محدث کبیر کے علمی محاسبے کیلئے، تو میدان میں اترنے سے پہلے اپنے ہتھیاروں کی جانچ تو کرنی تھی؟ سارے زنگ خوردہ نیزے لے کر اتر پڑے اور زعم یہ کہ میرے نیزوں کا کوئی جواب نہیں؟

پھر یہیں سے یہ بات بھی معلوم ہوئی صرف سندوں کے صحیح ہونے سے روایت کا صحیح ہونا ضروری نہیں ہوتا ہے، ورنہ بقول علامہ طاہر صاحب گیاوی بالفرض اس روایت کی سند کو بالکل بے داغ و بے غبار مان بھی لیا جائے، تب بھی یہ روایت درست نہیں ہوگی، کیونکہ یہ لازم آئے گا کہ مذکورہ بزرگ صحابی نے بعد از وفات یزید کے مقدمے میں گواہی دی تھی، اور یہ سب کے نزدیک محال ہے۔ اس گفتگو کے بعد سند پر بات کرنے کی کوئی ضرورت تو نہ تھی لیکن ذرا دیکھ لیں، مولانا کی اعلیٰ درجہ کی صحیح سند کیسی ہوتی ہے؟ اس روایت میں جو پانچ نام آئے ہیں ان میں سے (۴) پر ابن عفیر کا نام آیا ہے، جس کے بارے میں علامہ فرماتے ہیں'' ابن عفیر ھو سید (صحیح لفظ سعید) بن کثیر بن عفیر نسب لجدہ، ثقہ ہیں۔

(دیکھئے تہذیب التہذیب ج ۲/ص ۳۶۱ /کردار یزید ص ۶۷)

اور (۵) پر ''ابن فلیح ھو محمد بن فلیح المتوفیٰ سنہ ۱۹۷ھ ثقہ ہیں''

(تہذیب التہذیب ج ۵/ص ۳۶۱)

راوی کی تعیین میں مولانا کی نادانی

مولانا کا دعویٰ ہے کہ سعید بن کثیر نے جس سے روایت کی ہے وہ محمد بن فلیح المتوفیٰ ۱۹۷ء ہیں جب کہ یہ بالکل غلط ہے، مولانا یا تو ابن فلیح دیکھ کر سمجھ نہیں سکے کہ کون ابن فلیح ہیں؟ تلاش پر انھیں ابن فلیح کے نام سے محمد ابن فلیح مل گئے اور انھوں نے فتویٰ داغ دیا کہ یہ محمد بن فلیح ثقہ ہیں، اس طرح تمام راوی ثقہ ہو گئے اور روایت بے غبار ہوگئی؟ لیکن حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے، کیونکہ ابن فلیح کی حقیقت جاننے کیلئے ہمیں ابن فلیح کے شاگردوں اور ابن عفیر کے استادوں کی ضرورت پڑے گی، اور ابن عفیر کا ترجمہ ہمیں تہذیب التہذیب میں اس طرح ملتا ہے،

" سعید بن کثیر بن عفیر بن مسلم بن یزید بن الاسود الانصاری مولاهم ابو عثمان المصری وقد ینسب الیٰ جده ۔ روىٰ عن اللیث ومالك وابن لهیعة وسلیمان بن بلال وکهمس بن المنهال وخاله المغیرة بن الحسن الهاشمی ویحییٰ بن ایوب الغافقی ویعقوب بن عبد الرحمن و ابن وهب وغیرهم ۔ (تہذیب التہذیب ج۴/ص۸۷)

ہم دیکھتے ہیں کہ سعید بن کثیر یعنی ابن عفیر نے جن جن استادوں سے روایت لی ہے ان میں ابن فلیح کا نام کہیں نہیں ہے، اب چونکہ مولانا طاہر صاحب نے ابن فلیح کا نام محمد ابن فلیح بتایا ہے تو ہم ابن فلیح کا ترجمہ تلاش کر کے دیکھتے ہیں، کہ ابن فلیح کے شاگردوں میں کہیں ابن عفیر کا نام ملتا ہے، یا نہیں۔ محمد بن فلیح بن سلیمان الاسلمی ویقال الخزاعی المدنی ۔ روىٰ عن ابیه ------- وعنه ابن اخیه عمران بن موسیٰ ابن فلیح و محمد بن الحسن بن زبالة وابراهیم بن المنذر الخزاعی وهارون بن موسیٰ الفروی ومحمد بن یعقوب الزبیری ،

ومحمد بن اسحاق المسیبی وغیرهم ۔ (تہذیب التہذیب ج۹/ص۴۰۶)

تو محمد ابن فلیح کے شاگردوں میں بھی ہمیں ابن عفیر کا نام کہیں نظر نہیں آیا، پھر ہم نے تہذیب الکمال میں سعید بن کثیر یعنی ابن عفیر کا ترجمہ دیکھا تو وہاں ابن فلیح تو نظر آ گیا لیکن یہ محمد ابن فلیح نہیں ہیں جن کو مولانا طاہر صاحب نے بیہقی کی اس حدیث کے راویوں میں شمار کرایا ہے، بلکہ یہ دوسرے شخص یحییٰ ابن فلیح ہیں جن سے ابن عفیر روایت کرتے ہیں لیجئے! دیکھ لیجئے!

راوی کے صحیح نام کی تحقیق

سعید بن کثیر بن عفیر بن مسلم بن یزید بن الاسود الانصاری مولاهم ابو عثمان المصری ابن اخت المغیرة بن الحسن بن راشد الهاشمی المصری وقد ینسب الیٰ جده ،روىٰ عن بسطام بن حریث المکی ------ ورشد ین بن سعد وسلیمان بن بلال ، وسهل بن حریز المصری ، مولیٰ المغیرة---------- ویحییٰ بن فلیح ویعقوب بن الحسن الثقفی ویعقوب بن عبد الرحمن الاسکندرانی ۔ روی عنه البخاری ۔ (تہذیب الکمال ج۱۱/ص۳۶ حدیث نمبر۲۳۴۴، ابن حزم کی اصول الاحکام ج۷/ص۱۶۲ پر ہے، یحییٰ بن فلیح بن سلمیان وهو مجهول البتة والحجة لاتقوم بمجهول ، یحییٰ بن فلیح بن سلیمان یقینی طور پر مجہول ہے اور کسی مجہول راوی سے حجت قائم نہیں ہوتی۔

یحییٰ ابن فلیح کے والد کے بارے میں علامہ ذہبی لکھتے ہیں، ولد فی آخر ایام الصحابة وهو اسن من مالك بقلیل ۔ (سیر اعلام النبلاء ج۷/ص۳۵۳) فلیح کی پیدائش زمانۂ صحابہ کے اخیر میں ہوئی ہے اور یہ امام مالک رحمۃ اللہ سے عمر میں کچھ

بڑے ہیں۔

اب غور فرمایئے کہ یحییٰ کے والد فلیح کی پیدائش صحابۂ کرام کے آخری دور میں ہوئی ہے تو یحییٰ نے صحابۂ کرام کا زمانہ کب پایا؟ کہ دور فاروقی میں وفات یافتہ صحابی سے روایت کر لی؟ پتہ چلا کہ روایت میں چور اسی کھڑکی سے داخل ہوا ہے۔ اب اس روایت کے متعلق مولانا طاہر صاحب کا بلند بانگ دعویٰ انھیں کو زیب دیتا ہے۔ یہاں پر مولانا سے ایک سوال ضرور کرنا چاہیے کہ حضرت والا کیا آپ نے شیعی نظریہ کو تقویت دینے والی ہر بیمار روایت کو صحت مند بنا کر پیش کرنے کی قسم کھا رکھی ہے؟ اور کیا آپ انھیں بودی روایتوں کے بل پر نہ صرف حضرت محدث کبیر کی تردید و تغلیط کا ڈھول پیٹ رہے ہیں بلکہ رک رک کر ان کا منہ بھی چڑاتے جا رہے ہیں، اور آپ کی لغت میں کیا اسی کا نام غیر جانبدارانہ تحقیق ہے؟ نیز کیا آپ کو آپ کے بڑوں نے بزرگوں سے بات کرنے کی تمیز نہیں سکھائی ہے؟

کُتب اسماء الرجال میں یزید کی شراب نوشی کا ذکر

مولانا فرماتے ہیں

''محدثین کرام جن کی نظریں وسیع ہیں ان کے علم میں اس سلسلہ کی اور بھی روایت (صحیح لفظ روایتیں یا روایات۔ عطا) موجود ہیں اور اسماء الرجال کے اندر بھی یزید کی شراب نوشی کی مزید تصریحات موجود ہیں، ان سب کو مسترد اور رد کر دیا جائے تو نہ اسماء الرجال کا کوئی اعتبار باقی رہے گا، نہ علم حدیث اور سند کا کوئی بھروسہ رہ جائے گا، ایسا دروازہ کھل جائے گا کہ دین بازیچۂ اطفال ہو کر رہ جائے گا''۔ (کردار یزید ۶۷)

اور میں عرض کرتا ہوں کہ متہم فی الروایۃ اور کذاب راویوں کو جوڑ جوڑ کر زبردستی معیار

شہادت تک پہونچانے والے اگر دو چار اور مہربان بزرگ پیدا ہو جائیں، تو علم اسماء الرجال بیچارہ یونہی زیر زمین چلا جائے گا، اس کے لئے قبر کھودنے کی بھی ضرورت نہ پڑے گی، اور منکرین حدیث کی چاندی ہو جائے گی۔ اور جہاں تک ناقدین حدیث کی اپنی رایوں کا سوال ہے تو اگر اس کا تعلق واقعات سے ہے تو انھیں بھی اس مخرج و منبع تک نہ صرف پہونچنا ہوگا، بلکہ متصل اور معتمد علیہ روایتوں سے اس کا ثبوت فراہم کرنا ہوگا، ورنہ واقعات کی صداقت خطرے میں پڑ جائے گی۔ اور اگر وہ ایسا نہیں کرتے تو انھیں غیر مصدقہ اخباری روایت مان کر نا قابل احتجاج قرار دیا جائے گا۔ مولانا فرماتے ہیں کہ ''اسماء الرجال کے اندر بھی یزید کی شراب نوشی کی مزید تصریحات موجود ہیں''۔ میں کہتا ہوں کہ کتب اسماء الرجال میں ان راویوں کے حالات کے تحت ناقدین کی اپنی رائیں ہو سکتی ہیں جو واقعات کے تحت اثبات و نفی دونوں کا احتمال رکھتی ہیں اگر ان کا پختہ ثبوت ملا تو ان کا اثبات ہو جائے گا ورنہ اس کی نفی کر دی جائے گی، باقی علم اسماء الرجال کو زیادہ سے زیادہ راویوں کے احوال سے مطلب ہے نہ کہ تفصیل واقعات سے۔ مولانا سید طاہر حسین صاحب گیاوی مدظلہ نے یزید کی شراب نوشی کی دوسری روایت الاصابہ سے نقل فرمائی ہے لکھتے ہیں۔

''حافظ ابن حجر عسقلانی اپنی اصابہ ج ۳ ص ۱۴۷۳ القسم الثانی حضرت محمد بن ابی الجہم العدوی رضی اللہ عنہ، کے ترجمہ میں لکھتے ہیں، ''ذکر الزبیر ان محمداً هذا شهد الحرة فقتله مسلم بن عقبة بعد ذالك صبراً و كان قبل ذالك وفد علىٰ يزيد فاجازه فلما خرج اهل المدينة على يزيد شهد محمد عليه انه يشرب الخمر وغيرذالك فقال له مسلم بن عقبة والله لا يشهد شهادة زور بعدها فقتله و كذا ذكر

یعقوب بن سفیان فی تاریخه عن ابراهیم بن المنذر عن محمد بن الضحاك بن الضحاك عن مالك وزاد كانت الحرة سنة ثلاث وستين وقتل يومئذ من حملة القرآن سبع مائة نفس ۔

(الاصابۃ ج۳ص۱۴۷۳،القسم الثانی)

زبیر بن بکار نے کہا کہ یہ محمد واقعہ حرہ میں شریک تھے اور واقعہ کے بعد مسلم بن عقبہ نے ان کو قید کر کے قتل کر دیا، اس سے پہلے انھوں نے ایک بار یزید سے ملاقات کی تھی اور یزید نے ان کو انعام بھی دیا تھا، لیکن محمد بن ابی الجہم نے یزید کے خلاف گواہی دی تھی، کہ وہ شراب پیتا ہے، اس کے علاوہ اور غلط باتوں کے بارے میں بھی بتایا تھا، اس پر مسلم بن عقبہ نے کہا خدا کی قسم اس واقعہ کے بعد جھوٹی گواہی نہ دے گا، اس لئے انکو قتل کر دیا، اور اسی طرح یعقوب بن سفیان نے اپنی تاریخ میں ابراہیم بن المنذر نے (صحیح لفظ سے، عطا) عن محمد بن ضحاك عن مالك بیان کیا ہے، اور واقعۂ حرہ ۶۳ھ کو پیش آیا تھا، اور اس میں سات سو حاملین قرآن اس دن قتل کئے گئے''۔ (کردار یزید ص۶۸)

مولانا کی تضاد بیانی

اس روایت کے متعلق ہم بعد میں عرض کریں گے، پہلے ذرا مولانا کی یہ دونوں عبارتیں آمنے سامنے رکھ لیجئے

''آخری راوی امام دارالہجرۃ امام مالک بن انس پر روایت ختم ہوتی ہے جو امت کے چار ممتاز و معتمد ترین ائمہ میں سے ایک ہیں، انقطاع اور ارسال کا احتمال اس لئے ختم ہو جاتا ہے کہ سب کو معلوم ہے کہ امام مالک ایک

کے علاوہ کسی ضعیف سے روایت کرتے ہی نہیں، (کردار یزید ص۶۸)

دوسری عبارت اگلے صفحے کی ہے، ''چونکہ امام مالک کی پیدائش صحابیٔ رسول جو گواہی دے رہے ہیں، محمد بن ابی الجہم کے بعد ہوئی، لہذا دونوں کے درمیان محدثین کے قاعدہ سے انقطاع یا ارسال ماننا ضروری ہے''۔

(کردار یزید ص۶۹)

یعنی مولانا کے نزدیک اس روایت میں انقطاع اور ارسال کا احتمال ختم ہو جاتا ہے، پھر بھی محدثین کے قاعدہ سے انقطاع یا ارسال ماننا ضروری ہے۔

کوئی بتلاؤ کہ ہم بتلائیں کیا

اب عرض ہے کہ زبیر بن بکار چوراسی سال کی عمر پا کر ۲۵۶ھ میں انتقال فرماتے ہیں تو ان کی پیدائش ۱۷۲ھ کی ہوئی اور حرہ کا واقعہ ۶۳ھ میں ہوا تو زبیر ابن بکار کی پیدائش واقعۂ حرہ کے ایک سو نو سال بعد ہوئی، انھیں حرہ کے واقعات کا علم کیسے ہوا؟ اور انھوں نے کسی اور سے سنا تو اس کا کوئی ذکر تو اس روایت میں نہیں ہے کہ اس کے احوال معلوم کئے جائیں، اور سیدنا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں تو خود مولانا نے ہی فرما دیا کہ ان کی پیدائش محمد بن ابی الجہم کی شہادت کے بعد ہوئی اور حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے بھی نہیں بتایا کہ ان تک یہ تفصیل کیسے پہونچی؟ اب چونکہ ثقہ لوگ روایت کر رہے ہیں تو چاہے جتنی علتیں اس روایت میں ہوں، سب کو نظر انداز کر دو بس آنکھ بند کر کے قبول کر لو؟

مولانا لکھتے ہیں کہ ''سب کو معلوم ہے کہ امام مالک ایک کے سوا کسی ضعیف سے روایت کرتے ہی نہیں'' تو، اتنا تو مولانا کے قول سے ثابت ہو ہی گیا کہ امام مالک

ایک ضعیف سے روایت کرتے ہیں، اب ہم کہتے ہیں کہ امام مالک نے یہاں بھی اسی ایک ضعیف سے روایت لی ہے، تو مولانا اس کو کیسے ثابت کریں گے؟ چلئے دور کیوں جائیں اسی مقدمہ کو کسی منصف مزاج اہل علم قاضی کی عدالت میں پیش کر دیں کہ عمر زید کے متعلق کہتا ہے کہ اس نے خالد کو شراب پیتے اور زنا کرتے دیکھا ہے اور صورت حال یہ ہے کہ عمر نے نہ زید کو دیکھا نہ زید سے اس کی ملاقات ممکن ہے، تو اسلامی عدالت اپنے ضابطے کے مطابق زید کا مقدمہ اپنی عدالت میں قبول کرے گی یا خارج کر دے گی؟ اگر قاضی صاحب فرمائیں کہ مدعی موجود نہیں ہے تو مقدمہ کیسے لیا جائے تو قاضی صاحب سے کہا جائے کہ از راہ کرم یہ بتائیں کہ اس باب میں اسلامی ضابطہ کیا ہے؟ اگر مدعی موجود ہوتا تو آپ کیا فیصلہ فرماتے؟ مقدمہ سن کر خالد کو شرابی اور زانی قرار دیتے؟ یا کچھ اور کرتے؟ اس باب میں شریعت مطہرہ کا فیصلہ کیا ہے؟ سائل کو مطمئن فرمادیں، دیکھیں قاضی صاحب کیا جواب ارشاد فرماتے ہیں؟

مولانا فرماتے ہیں ''اس کے پہلے والی روایت میں ابوعمرو صحابی نے (قبر سے واپس آ کر، عطا) واللہ لرأیت یزید بن معاویۃ فرمایا تھا کہ بخدا میں نے یزید کو خود دیکھا نشہ کی حالت میں نماز چھوڑتے ہوئے، اس روایت میں محمد بن الجہم رضی اللہ عنہ نے شہادت دی شراب پینے کی، کیا محمد بن ابی جہم جیسا صحابی جھوٹی اور بے دیکھے گواہی دیگا، ان کو شہادت کے شرعی شرائط کا علم بھی نہ تھا، بعد کے لوگ شہادت کے معنی جان گئے، ان صحابی کو اس کا کوئی علم اور پتہ نہ تھا، کیا یہ بات باور کرنے کے لائق ہے''۔

(کردار یزید ص ۶۸)

ہم کیا عرض کریں؟ ہم بس اتنا ہی کہیں گے کہ مولانا کے پاس اگر کوئی صحیح روایت معیار کے قابل ہو تو پیش کریں ہم اسے سر آنکھوں پر لیں گے، اور اگر نہیں ہے تو کیوں خواہ مخواہ بیکار جذباتی باتیں کر کے وقت ضائع کر رہے ہیں، یا پھر صاف صاف کہدیں کہ شرعی ضابطۂ شہادت کتابوں میں ہو تو ہو ان کو منظور نہیں ہے، بات ختم ہو جائے گی، ورنہ مولانا بتائیں کہ وہ محمد بن ابی الجہم جیسے صحابی کی بات کر رہے ہیں، یہ کبھی حضرت سیدنا ابوبکرہ اسلمی اور ہلال ابن امیہ جیسے صحابی نہیں ہو سکتے، اور پہلے لکھا جا چکا ہے کہ حضرت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکرہ اور ہلال ابن امیہ کی شہادت رد فرمادی تھی، اب مولانا بتائیں کیا دونوں صحابی جھوٹ بول رہے تھے؟ یا حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو ''شہادت کے شرعی شرائط کا علم بھی نہ تھا'' بعد کے مولانا طاہر جیسے لوگ اس کے معنی جان گئے؟ اور کیا ہلال ابن امیہ نے دیکھا نہیں تھا؟ کیا اب ضد میں آ کر مولانا یہ بھی کہیں گے کہ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی شہادت کے شرعی ضابطے کا علم نہ تھا؟ مولانا کو جان لینا چاہئے کہ سخن سازی یا جذباتی گفتگو کا نام دلیل نہیں ہوتا، پھر مولانا آگے جا کر ٹیپ کا وہی مصرعہ دوہراتے ہیں کہ اگر ان کی پیش کردہ روایت مرسل بھی ہے تو چونکہ عمرو بن حفص کی روایت موجود ہے (جنہوں نے قبر سے آ کر شہادت دی پھر قبر میں لوٹ گئے، عطا) اس لئے دونوں قابل اعتماد اور صحیح روایتیں مانی جائینگی، یعنی ایک کی دائیں آنکھ پھوٹی ہے دوسرے کی بائیں یہ دونوں اگر یکجا ہو گئے تو دونوں صحت مند مانے جائیں گے؟ محترم مولانا سید طاہر حسین صاحب فرماتے ہیں۔

صحیح منقطع السند روایتیں؟

''پھر اس روایت میں مزید قوت ایک تیسری سند والی روایت سے بھی

ہوتی ہے جس میں واقدی جیسا ضعیف راوی پایا جاتا ہے، دیگر صحیح منقطع السند روایتیں اس کو قوت پہونچاتی ہیں، اس لئے اصول حدیث اور محدثین کے قاعدہ کے مطابق وہ بھی قوی اور قابل استدلال قرار پائے گی، واقدی والی وہ ضعیف روایت امام حاکم مستدرک میں اور محمد بن سعد اپنی طبقات ابن سعد میں حضرت معقل بن سنان رضی اللہ عنہ کی گواہی کے تعلق سے نقل کرتے ہیں، عربی عبارت کو چھوڑ کر صرف مولانا طاہر صاحب کا ترجمہ نقل کیا جاتا ہے۔ مولانا ترجمہ فرماتے ہیں، ''مجھ سے عبدالرحمٰن بن عثمان نے بیان کیا، وہ اپنے والد عثمان بن زیاد اشجعی سے روایت کرتے ہیں انھوں نے کہا کہ معقل بن سنان اشجعی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہ چکے تھے، فتح مکہ میں اپنی قوم کا جھنڈا لئے ہوئے تھے اور تر وتازہ نوجوان تھے، اس کے بعد بھی زندہ تھے یہاں تک کہ ولید بن عقبہ بن ابی سفیان نے ان کو بھیجا اور وہ مدینہ کا گورنر تھا، پھر مسلم بن عقبہ جو مسرف بن عقبہ سے معروف ہے، دونوں جمع ہوئے، حضرت معقل نے مسرف سے کہا دونوں میں پہلے انس وگفتگو تھی، یہاں تک کہ معقل نے یزید بن معاویہ کا ذکر چھیڑا تو معقل نے بتایا کہ میں قہراً جبراً اس شخص یعنی یزید کی بیعت کے لئے نکلا لیکن قضا وقدر سے میرا اس کے پاس جانا ہوگیا وہ تو ایسا آدمی ہے کہ شراب پیتا ہے، محرمات سے زنا کرتا ہے پھر وہ باتیں کہیں جو یزید کی عادت میں تھیں''۔

(کردار یزید ص ۷۰)

پہلی بات تو یہ ہے کہ اس روایت میں واقدی کے ہونے کا خود مولانا نے

اعتراف کیا ہے، مگر پھر وہی مرغے کی ایک ٹانگ، دوسری نامعقول روایتوں کا (چور کا گواہ گرہ کٹ) حوالہ دے کر کہتے ہیں کہ ان روایتوں کی وجہ سے بیان کیا ہوا مضمون صحیح مان لیا جائے، کیونکہ محدثین کے قاعدے کے مطابق اس کو تعدد طرق کا فائدہ مل رہا ہے، مولانا کی مثال میرے نزدیک اس خریدار کی سی ہے جو اپنی جیب ردی نوٹوں سے بھر کر دوکاندار کے پاس پہونچ جائے، اور قیمت کی ادائیگی کے وقت جب دوکاندار اس نوٹ کو لینے سے انکار کرے تو یکے بعد دیگرے ردی نوٹ صرف پیش ہی نہ کرے، بلکہ اسے قبول کرنے پر اصرار بھی کرتا رہے، میں مولانا سے پوچھتا ہوں، کہ کیا کسی محدث نے کہا ہے، کہ چند ایسی حدیثیں جن میں سے کسی کا مضمون محال ہونے کی وجہ سے مردود ہو، کسی کے راوی پر وضع حدیث کی تہمت لگی ہو، اس طرح کی ضعیف حدیثیں بھی تعدد طرق کا فائدہ اٹھا کر محتج بہ حدیثوں کی صف میں آسکتی ہیں؟ اگر کسی محدث کا قول ہے تو بسم اللہ پیش کیا جائے، ورنہ ایک ہی بیکار بات دس بار کہنے سے معقول نہیں کہلاتی،

الزام بلا ثبوت

اس روایت سے مولانا نے حجت حاصل کی ہے تو میں پوچھتا ہوں، کیا اس روایت میں شہادت کے لائق کچھ ہے بھی؟ روایت کے الفاظ ہیں وقد کان من القضاء والقدر خروجی الیہ وھو رجل یشرب الخمر ویزنی بالمحرم ثم قال منہ ذکر خصالا کانت فیہ۔ مولانا ہی کا ترجمہ دیکھئے ''لیکن قضا وقدر سے میرا اس کے پاس جانا ہوگیا وہ تو ایسا آدمی ہے کہ شراب پیتا ہے، محرمات سے زنا کرتا ہے، پھر وہ باتیں کہیں جو یزید کی عادت میں تھیں''۔ اس میں عینی مشاہدہ کا ذکر کہیں نہیں ہے، لیکن تین باتوں کا الزام یزید پر ضرور ہے، (۱) شراب پیتا ہے، (۲) جن عورتوں سے نکاح حرام

ہے انھیں سے زنا کرتا ہے (۳) اس کی عادت یہی ہے، اول تو اس روایت میں حضرت معقل بن سنان کے مشاہدے کا کوئی ذکر نہیں ہے، اگر ہو بھی جیسا کہ مولانا طاہر صاحب نے بروایت واقدی حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کی الاصابہ سے وجدتہ کا لفظ نقل کیا ہے، مولانا لکھتے ہیں ''اس جگہ یہ بات خوب اچھی طرح یاد رکھنے کی ہے کہ حافظ ابن حجر عسقلانی علیہ الرحمہ اصابہ کے اندر ج ۴ ص ۴۴۶ پر معقل بن سنان صحابی رضی اللہ عنہ، سے بحوالہ واقدی یہ الفاظ نقل فرماتے ہیں، انی قدمت علی هذاالرجل فوجدته یشرب الخمر وینکح الحرام فلم یدع شیئا حتی قال فیه۔

(اصابہ ج ۳ ص ۴۴۶)

''میں اس شخص کے پاس آیا تو اسے شراب پیتے ہوئے پایا اور حرام نکاح کرتے ہوئے، اور کچھ بھی نہیں چھوڑا یہاں تک کہ (سب کچھ) کہہ ڈالا

اس جگہ وجدته کے معنی رائیته ہی کے ہیں۔ (کردار یزید ص ۷۳)

تو میرا پہلا سوال ہے کہ محرمات سے نکاح، اور شراب پینے کے الزام اور اس کو یزید کی عادت بتانے کے بعد کہنے کو بچا ہی کیا تھا کہ سب کچھ کہہ ڈالا۔ دراصل یہاں مولانا طاہر صاحب نے عبارت بھی غلط نقل کی ہے اور ترجمہ بھی غلط ہی کیا ہے، مولانا نے لکھا ہے ''ثم قال منه'' (کردار یزید ص ۷۰) اور ترجمہ کیا ہے، ''پھر وہ باتیں کہیں جو یزید کی عادت میں تھیں'' (کردار یزید ص ۷۱) مجھے شک ہوا تو میں نے مستدرک اور طبقات نکال کر دیکھی، مستدرک ج ۳ ص ۵۹۹ پر اور طبقات ابن سعد ج ۴ ص ۲۱۲ پر یہ عبارت ہے، وہاں ''نال منه'' ہے، عربی محاورے کے لحاظ سے ''قال منه'' یوں بھی غلط ہے ''نـــال مـنـــه'' کا درست ترجمہ یہ ہے کہ ''یزید کا عیب بیان کیا''۔ پھر بحوالہ واقدی اصابہ کی یہ روایت بتاتی ہے کہ یہ گفتگو اس وقت کی تھی جب حضرت معقل بن

سنان اہل مدینہ کی بیعت کیلئے وفد کے ساتھ یزید کے پاس شام بھیجے گئے تھے، اور ان سے مسلم ابن عقبہ کے ساتھ انسیت اور بات چیت ہوئی تھی، اور مسلم نے ان سے کہا تھا کہ ''بخدا آج کے بعد تو جھوٹی گواہی نہیں دے گا''۔ اب سوال یہ ہے کہ حضرت معقل بن سنان چند دنوں کے لئے یزید کے پاس گئے، اور انھیں اتنے ہی دنوں میں نہ صرف پتہ چلا بلکہ انھوں نے اپنی آنکھوں سے یزید کو محرم عورتوں سے زنا کرتے بھی دیکھ لیا؟ اور انھیں یہ بھی معلوم ہو گیا کہ ایسا اتفاقاً نہیں ہوا بلکہ یہ تو یزید کی عادت میں شامل ہے؟ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ یہ وفد جب شام پہونچا اور یزید کو ان کے آنے کی خبر ملی تو وہ حجلۂ عروسی آراستہ کر کے معاذ اللہ محرم عورتوں کے ساتھ مشغول ہو گیا، تا کہ یہ مدنی وفد بلا کسی روک ٹوک اور بلا کسی تکلف کے اس کی عیاشیوں کا عینی شاہد بن جائے، اس عظیم الشان الف لیلوی افسانے پر تو مولانا ہی یقین فرما سکتے ہیں کہ ان کے مطلب کی من پسند داستان ہے، ہم پہلے بھی عرض کر چکے ہیں کہ یزید آنے والوں کا بہت اکرام کرتا اور انہیں موٹی موٹی رقمیں بطور تحائف پیش کرتا تھا اگر وہ اتنا ہی بڑا شہوت پرست تھا جیسا کہ یہ لوگ اس کی تصویر پیش کرتے ہیں تو اس کے لئے لونڈیاں خرید کر اپنے حرم میں جمع کرنا کیا مشکل تھا، اسے ضرورت ہی کیا تھی کہ وہ شہوت پوری کرنے کے لئے محرمات ہی کو استعمال کرے؟ یہ کام تو اتنا قبیح اور قابل نفرت ہے کہ غیر مسلم بھی اس کا نام سن کر بھڑک اٹھتے ہیں؟ اپنے ذہن سے سوال کیجئے کیا واقعی یزید اتنا برا تھا کہ اسے حسّی قابل نفرت افعال کی عادت پڑ گئی تھی؟ اگر فی الحقیقت ایسا تھا تو ہمیں یہ بھی ماننا پڑیگا کہ جتنے حضرات صحابہ وغیر صحابہ اس کے پاس تھے اسکی طرف سے ذمہ داریوں پر مامور تھے، اسکی فوج میں شریک ہو کر اسکے اثرات میں اضافے کا باعث بنے ہوئے تھے، وہ سب کے سب نہ صرف مداہن ہو گئے تھے بلکہ انکے اندر نہ

غیرت بچی تھی نہ اسلامی حمیت کی کوئی رمق، استغفر اللہ العظیم۔

کس نے میرے چند تنکوں کو جلانے کیلئے
برق کی زد میں گلستاں کا گلستاں رکھ دیا

ورنہ اگر یزید پیش کی ہوئی تصویروں کے مطابق ایسا ہی تھا تو وہ آج کا فواحش ومنکرات کا دور نہیں بلکہ زبان رسالت سے ارشاد فرمایا ہوا خیر القرون کا دور تھا اور اس کے تقاضے کے مطابق ایک شیطان صفت کو مسلمانوں کا امیر بنے رہنے کا کوئی حق نہیں تھا، صرف مدینے والے کیوں؟ سارے علاقے کے لوگ اس کی مخالفت میں کھڑے ہو کر اسے نہ صرف معزول کرتے بلکہ اسلامی شہادت کے معیار کے مطابق اس کا جرم ثابت کر کے اسے اسلامی مقرر کی ہوئی سزا دلواتے مگر ایسا کچھ نہیں ہوا، کہیں سے اس طرح کی کوئی آواز نہیں اٹھی، الزامات بھی یزید کے پورے عہد ولایت میں کبھی عائد نہیں کئے گئے، عائد کئے بھی گئے تو اس وقت جب اہل مدینہ کو بغاوت کرنی تھی، اور وہ دور یزید کا بالکل آخری دور تھا، کیا اس سے اشارہ نہیں ملتا کہ شر پسندوں کی طرف سے اہل مدینہ کے کان بھرے گئے تھے، مسلسل یزید کے خلاف منظّم طور سے تراشی ہوئی داستانیں سنا سنا کر مدینے والوں کے ذہنوں میں اس کے خلاف تلخیاں بھری گئی تھیں، ورنہ یہی مدینہ کے اشراف اس سے پہلے بھی تو یزید کے دربار میں آتے جاتے رہے ہیں اور انعامات کے ساتھ واپس تشریف لاتے رہے ہیں، خود مولانا نے اپنی کتاب میں جو یزید کی شراب نوشی اور اس کی بدکاری پر گواہی دلوائی ہے، اس میں بھی ہے کہ یزید نے ان کا اکرام کیا اور انہیں اچھا انعام عطا فرمایا، مگر واقعۂ حرہ سے پہلے آنے جانے والے حضرات، یزید پر کوئی الزام نہیں رکھتے، کیا یہ مان لیا جائے کہ حضرت نعمان بن بشیر اور محبوب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عبداللہ بن جعفر سمیت

سارے بزرگ خوشامدیوں کا رول ادا کر رہے تھے؟ بے کھٹک واقعات نقل کر دیئے جاتے ہیں اور بے دھڑک انہیں قابل احتجاج بھی مان لیا جاتا ہے، پھر اپنی معصومیت سے شیعی موقف کی وکالت وحمایت کرنے والے حضرات ثبوت طلب کرنے والوں کو ناصبیت اور یزیدی حمایت کا طعنہ بھی دیتے جاتے ہیں، فالی اللہ المشتکیٰ۔

روایت کی توثیق کے لئے مولانا کا جوڑ توڑ

محترم مولانا سید طاہر حسین صاحب فرماتے ہیں:

''نوٹ:۔اس روایت میں راویوں کے جو صحیح نام تھے وہ ہم نے سند میں درج کر دیئے اس سند میں کل تین راوی ہیں (۱) محمد بن عمر الواقدی (۲) عبدالرحمٰن بن زیاد (۳) زیاد بن عثمان، اس کے بعد صحابیٔ رسول معقل بن سنان اشجعی ہیں، صحابی کو چھوڑ کر سند کا نچلا راوی واقدی ہے، اس کے بعد دو راوی عبدالرحمٰن بن زیاد اور زیاد بن عثمان دونوں باپ بیٹے تابعی ہیں، دونوں ثقہ ہیں۔ (کردار یزید ص ۷۱)

میں عرض کرتا ہوں کہ یہاں تو روایت کی اصل ہی میں واقدی نے داخل ہو کر پوری روایت کو ناقابل احتجاج بنا دیا ہے، خود مولانا اپنی ہی کتاب کا ص ۱۲۲ اپنی ہی پیش کردہ دلیل کے ضمن میں دوبارہ دیکھ لیں:

''اور علامہ ذہبی فرماتے ہیں، ان وزنه عندی مع ضعفه یکتب حدیثه ویروی لانی لا اتهمه بالوضع وقول من اهدره فیه مجازفة من بعض الوجوه کما انه لا عبرة بتوثیقه اذ انعقد الاجماع الیوم انه لیس بحجة وان حدیثه فی عداد الواهی۔

(سیر اعلام النبلاء ج ۶/ص ۵۵۰)

میرے نزدیک اس کا وزن یہ ہے کہ ضعف کے باوجود اس کی روایت لکھی جائے گی کیونکہ وہ متہم بالوضع نہیں ہے، اور جنھوں نے اس کی بات کو غلط اور بے کار ٹھہرایا ان کی بات میں تھوڑا اٹکل پنا اور مجازفۃ ہے، جیسا کہ ان لوگوں کی توثیق کا بھی کوئی اعتبار نہیں ہے، جنھوں نے اس کو ثقہ کہا ہے، کیونکہ آج اس پر اجماع ہو چکا ہے کہ وہ قابل حجت نہیں، اس کی روایت ضعیف راویوں میں شمار ہوگی''۔ قریب قریب یہی فیصلہ حافظ ابن حجر عسقلانی علیہ الرحمۃ نے واقدی کے سلسلے میں تہذیب التہذیب ج ۵/ ص ۲۳۶ پر لکھا ہے، وقد استقر الاجماع علی وھن الواقدی، واقدی کے ضعف پر اجماع ہو چکا ہے''۔ (کردار یزید ص ۲۲)

سب سے پہلے تو عرض ہے کہ باعتراف مولانا یہ روایت محمد بن عمر واقدی کے حوالے سے منقول ہے، اور واقدی پر وضع سند کی تہمت کا اگر چہ کوئی پختہ ثبوت نہیں ہے، لیکن زیر بحث مسئلہ اس کے مسلک کی تائید میں ہے، اور حضرت سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے صاحبزادے یزید پر الزام تراشی کے لئے ہم شیعی رجحان رکھنے والے کسی بھی شخص کی روایت قبول کرنے سے خود کو معذور پاتے ہیں، کیونکہ یہ خود ہی مدعی اور خود ہی شاہد ہونے کی وجہ سے انصاف کے تقاضوں کے خلاف ہے اور جب گردن ہی کٹی ہوئی ہے تو باقی جسم پر مرہم لگانے سے کیا فائدہ؟ اگلے راویوں کی جہالت دور کرنے اور انھیں ثقہ ثابت کرنے کے لئے مولانا نے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا ہے، لیکن ہم مولانا سے بصد ادب پوچھنا چاہتے ہیں کہ وہ یزید کے خلاف اس روایت سے کس طرح حجت قائم کرینگے؟ کیا کسی پر الزام عائد کرنے کے باب میں اسلامی نظام شہادت مولانا کے نزدیک اتنا ہی کمزور ہے کہ جس کا جی چاہے وہ کسی پر بھی کوئی الزام عائد کر دے؟ اور

اس کی شہادت کو کسی بھی کسوٹی پر پرکھا نہ جائے؟ ہم دوبارہ مولانا کو یاد دلا دیں کہ حضرت سیدنا ابو بکرہ اسلمی رضی اللہ عنہ نے حضرت مغیرہ ابن شعبہ رضی اللہ عنہ، پر بدکاری کا جو الزام عائد کیا تھا اس میں چار گواہوں کی گواہی کا نصاب تو پورا تھا، بس ان میں سے ایک زیاد کا بیان یہ تھا کہ میں نے مشکوک صورت حال دیکھی، اور لمبی سانس لینے کی آواز سنی، بس اتنی سی بات پر حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ، نے نہ صرف پوری گواہی مردود قرار دی بلکہ زیاد کو چھوڑ کر باقی تینوں کو کوڑے بھی لگوائے روایتیں پیش کرتے وقت مولانا کو یہ ضابطہ یاد نہیں رہتا؟ اگلے راویوں کی جہالت دور کرنے اور ان کو ثقہ ثابت کرنے کے لئے مولانا نے بڑا زور لگایا ہے، اور ان کے ترجمے بھی نقل کئے ہیں واقدی کے بعد ہمیں اب کسی گفتگو کی کوئی ضرورت نہ تھی لیکن ہم بصد ادب مولانا سے ایک سوال کرنا چاہتے ہیں کہ انھوں نے عبدالرحمٰن بن زیاد اور زیاد بن عثمان کے متعلق تو اتنی دردسری مول لی جب کہ اخیر میں یہ روایت واقدی سے ملی ہے، اور واقدی کے متعلق مولانا کو اپنا ہی نقل کردہ علامہ ذہبی کا فیصلہ بھی ذرا دیکھ لینا چاہئے کہ انعقدالاجماع الیوم انه لیس بحجة اور اپنا ہی ترجمہ یاد رکھنا چاہئے کہ ''آج اس پر اجماع ہو چکا ہے کہ وہ قابل حجت نہیں''۔ پھر مولانا اسی واقدی کی روایت سے کس طرح حجۃ قائم کرنا چاہتے ہیں؟ اور وہ بھی شہادت کے باب میں جہاں ادنی سے شبہ پر بھی شہادت رد کر دی جاتی ہے، مولانا نے عبدالرحمٰن کی توثیق کیلئے کتاب الثقات کا جو حوالہ پیش کیا ہے اسے بھی دیکھ لیجئے

''عبد الرحمن بن زیاد شیخ یروی عن قباث بن اشیم روی عنه یونس بن سیف''۔ (کردار یزید ص ۲۷)

اس میں تو عبدالرحمٰن بن زیاد کا ذکر ہے اور کوئی اتہ پتہ نہیں؟ اگر ان کی نسبت بھی اس

میں مذکور ہوتی ابن زیاد اشجعی، جو مولانا کی پیش کردہ روایت میں ہے، تو معلوم ہوتا کہ انھیں کا ترجمہ کتاب الثقات میں ہے، جو مذکورہ روایت میں ہیں۔ پھر مولانا کے جوڑ توڑ کے مطابق ہم یہ بھی مان لیں کہ مرور زمانہ اور مطبع والوں کی مہربانی سے نام غلط شائع ہو گیا ہے اور اسے عبدالرحمٰن بن عثمان بن زیاد نہ مان کر مولانا کی خاطر اس کو عبدالرحمٰن بن زیاد بن عثمان ہی مان لیں تو کتاب الثقات میں تو صرف عبدالرحمٰن بن زیاد ہے پہچان کے لئے اگر عبدالرحمٰن بن زیاد بن عثمان ہوتا تو ہم مان سکتے تھے کہ مولانا شاید ٹھیک کہہ رہے ہیں، لیکن یہاں تو صرف عبدالرحمٰن بن زیاد ہے، اب تعیین کیسے ہوگی کہ کتاب الثقات میں جس عبدالرحمٰن کا ذکر ہے یہ وہی روایت والے عبدالرحمٰن ہیں؟ پھر اس کی پہچان مروی عنہ یعنی اس کے استاذ سے ہوتی ہے اور یہاں کتاب الثقات والے عبدالرحمٰن قباث بن اشیم سے روایت کرتے ہیں جب کہ روایت والے عبدالرحمٰن اپنے والد سے روایت کرتے ہیں اور پیش کردہ روایت بھی ان کے والد سے (عن ابیہ) مروی ہے، پھر۔ زیاد بن عثمان کا ترجمہ دیکھئے کہ ان سے روایت کرنے والے کون ہیں، اگر ان سے روایت کرنے والوں میں عبدالرحمٰن کا نام ہوتا تب بھی ہماری سمجھ میں آتا یہ دونوں وہی ہیں جن کا ذکر پیش کردہ روایت میں آیا ہے، مگر زیاد بن عثمان سے روایت کرنے والوں میں روی عنہ حجاج بن حجاج ہے ان کے بیٹے عبدالرحمٰن بن زیاد کا نام تو ہے ہی نہیں (لسان المیزان اور الجرح والتعدیل دونوں میں حجاج ہی کا نام ہے ان کے بیٹے کا نہیں تو پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ دونوں روایت والے عبدالرحمٰن اور زیاد بن عثمان نہیں کوئی دوسرے ہیں جو مجہول ہیں۔ اور اگر ہم مان بھی لیں تو اس زیاد سے صرف حجاج روایت کرتے ہیں عبدالرحمٰن کا ذکر کہیں بھی نہیں ہے اس صورت میں تو وہ پھر مجہول کے مجہول ہی رہے، پھر اس قدر مغز ماری

کا حاصل کیا نکلا؟ اور ہم عرض کر دیں کہ جن بزرگوں نے انہیں مجہول قرار دیا ہے ان کے سامنے ہم سے زیادہ روایتیں تھیں جن کا احاطہ کر کے انھوں نے جہالت کا حکم لگایا، ہم اگر اس کی جہالت کو دور کرنا چاہیں تو کتاب سے ایسا ترجمہ نقل کرنا پڑے گا جس میں عبدالرحمٰن کا زیاد سے اور زیاد سے عبدالرحمٰن کا نقل کرنا ثابت کرنا ہوگا، اسی کے ساتھ یہ بھی کہ عبدالرحمٰن کے ساتھ دوسرا اور کون ان سے روایت کرتا ہے، تب کہیں جا کر اس کی جہالت دور ہو سکے گی۔

مولانا گیاوی صاحب کی تعلیٰ

مولانا سید طاہر حسین صاحب گیاوی عنوان قائم کر کے پھر تحریر فرماتے ہیں:

''مذکورہ بالا تاریخی دستاویزوں کی روشنی میں فسق یزید آشکارا! مگر مولانا اعظمی کا غیر معقول موقف'' اگر بے ادبی معاف ہو تو اس جگہ عرض کر دوں کہ مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی اور قاضی ابوبکر ابن عربی اور امام غزالی علیہم الرحمۃ کو دیکھا دیجئے کہ حضرت عمرو بن حفص صحابی اور حضرت معقل بن سنان رضی اللہ عنہما دو دو گواہ چشم دید شہادت یزید کے شراب پینے کی دے رہے ہیں، اب آپ حضرات صحابۂ کرام کو جھٹلا کر کس کی حمایت کر رہے ہیں، غور فرمالیں کیا آپ اس کے لئے اپنا علم اور زور قلم استعمال کر رہے تھے''۔ (کردار یزید ص ۷۴)

ہم پہلے ثابت کر چکے ہیں کہ یزید کے شراب پینے کی کوئی عینی شہادت ہے ہی نہیں، اور جو چیز موجود نہ ہو اسے موجود دکھانے کے لئے تو ناممکنات ہی کا سہارا لینا پڑے گا، ہم ثابت کر چکے ہیں کہ حضرت سیدنا عمرو بن حفص رضی اللہ عنہ کا انتقال حضرت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں یا اس سے بھی پہلے ہو گیا تھا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے

جب حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کو یمن کی ولایت سونپی تھی تو یہ بھی ان کے ساتھ یمن چلے گئے تھے۔ اب مولانا فرمارہے ہیں کہ انھوں نے یزید کی شراب نوشی کو بچشم خود دیکھا تھا تم اسے مان لو ورنہ تکذیب صحابی کے مجرم قرار دیئے جاؤ گے؟ قارئین ہی بتائیں مولانا کی اس زبردست دلیل کا کسی کے پاس کوئی جواب ہے؟ اور حضرت معقل بن سنان رضی اللہ عنہ کی روایت کے بارے میں ابھی ہم تفصیل پیش کر چکے ہیں۔ مولانا حضرت محدث کبیر، ابن عربی، امام سے غزالی سے سوال کر رہے ہیں کہ آپ حضرات صحابہ کو جھٹلا کر کس کی حمایت کر رہے ہیں؟ ہم بھی پوچھنے کا حق رکھتے ہیں کہ ثبوت ناپید ہونے کے باوجود روایات کے توڑ جوڑ سے وہ جو فسق یزید کے فرضی دلائل جمع کرنے کی مہم میں اپنا زور قلم صرف فرمارہے ہیں تو وہ کس کی حمایت کر رہے، ہیں سنیت کی یا رافضی موقف کی؟ مؤرخین کو اس میدان میں نہ گھسیٹیں! ان حضرات نے اپنی تاریخوں میں رطب ویابس سب جمع کر دیا ہے، فسق یزید کے مدعی نہیں بنے، جیسی روایتیں ان تک پہونچیں انھوں نے دیانت داری کے ساتھ انھیں اپنی کتابوں میں نقل کر دیا ہے، مگر ایک سوال ضرور اب تک تشنۂ جواب ہے کہ آخر فسق یزید کو ثابت کرنے والی ایک بھی صحیح معیاری اور بے غبار روایت کیوں نہیں ملتی؟ تاریخ کا دامن اس سے خالی کیوں ہے؟ اور یہ کہ فسق یزید کی روایت کے صرف کمزور یا شیعہ راوی ہی کیوں پائے جاتے ہیں؟ علامہ طاہر صاحب نے حضرت محدث اعظمی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب سے ایک طویل اقتباس نقل کیا ہے ہم پہلے وہ اقتباس نذر قارئین کر دیں، پھر علامہ اس پر جو نقد فرمائیں گے ہم اس کا جواب دینے کی کوشش کریں گے اقتباس پڑھ لیجئے۔ ''نیز یہ کہ یزید جمہور اہل سنت کی تصریح کے بموجب مسلمان تھا، اور کسی مسلمان کو فسق و فجور کے ساتھ متصف ماننے اور ثابت کرنے کے لئے شرعی اصول سے

ضروری ہے کہ اس کے فسق و فجور کی چشم دید شہادتیں موجود ہوں۔

تواتر کی حقیقت

اور یہ جو بعض علماء جذبات کی رو میں بہہ کر کہہ دیتے ہیں کہ یزید کی بداعمالیوں کی شہرت حد تواتر کو پہونچی ہوئی ہے، تو میرے نزدیک یہ بات محبت اہل بیت کے جوش میں قلم سے نکل گئی ہے، مگر شریعت ایسے جوش کی کوئی حوصلہ افزائی نہیں کرتی، اور میں اس کو ان علماء کی اضطراری حرکت سمجھتا ہوں، ورنہ حقیقت کی میزان میں ان کی یہ بات پوری نہیں اترتی، ہر افواہ جو پھیل جائے اس کو خبر متواتر کہنا تواتر کی سخت توہین ہے، تواتر کے لئے جہاں اور شرطیں ہیں اس کی ایک ضروری شرط یہ ہے کہ اسکا مسند انتہا مشاہدہ ہو، ورنہ وہ متواتر نہیں ہوسکتی، پس یزید کی بداعمالیوں کو متواتر کہنے سے پہلے یہ دیکھنا ضروری ہے کہ ان خبروں کا سلسلہ اوپر جا کر جہاں ختم ہوتا ہے وہاں بکثرت ایسے لوگوں کے بیانات پائے جاتے ہیں یا نہیں؟ جو یہ کہتے ہوں کہ ہم نے ان بداعمالیوں کا ارتکاب کرتے ہوئے یزید کو دیکھا ہے، اگر خبروں کا سلسلہ ایسے بیانات پر منتہی ہوتا ہے تو ان کو متواتر کہنا بے شک صحیح ہے، لیکن اگر ایسا نہیں ہے بلکہ ان کی آخری کڑی محض افواہ اور سنی سنائی باتیں ثابت ہوتی ہے تو ان کو متواتر کہنا بالکل غلط اور صریح مغالطہ ہے۔ واقعہ تو یہ ہے آنکھ سے دیکھ کر کہنے والا ایک شخص بھی نہیں ہے، چہ جائیکہ جم غفیر، اور دعوی کر دیا جاتا ہے تواتر کا، حالانکہ اس صورت سے تواتر تو درکنار شرعی اصول سے بداعمالیوں کا مطلقاً ثبوت نہیں ہوتا، ایسی صورت میں یزید پر شرعی اصول سے فاسق ہونیکا حکم کیسے لگے گا؟ حضرت ابن الحنفیہؒ کا ارشاد تو آپ پڑھ چکے، اب امام غزالی کی تصریح سنئے لا یجوز نسبة مسلم الی کبیرة من غیر تحقیق ، کسی مسلمان کو کسی گناہ کبیرہ کی طرف بغیر تحقیق منسوب کرنا جائز نہیں ہے۔ (شرح فقہ

اکبر)اس مسئلہ میں کوئی خاص دقت و پیچیدگی نہیں ہے، کہ اس کی زیادہ وضاحت کی ضرورت ہو ہمارے مخاطبین بھی اس کو خوب اچھی طرح جانتے ہیں، مگر ان کو بعض محقق علماء کے رویہ سے غلط فہمی ہوئی ہے، انھوں نے کتابوں میں یہ دیکھ لیا کہ فلاں فلاں عالموں نے یزید کو فاسق بدمست اور متہور لکھا ہے، بس ان کی تقلید میں خود بھی اس کے لئے یہ لفظ استعمال کرنے لگے، حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ ان علماء نے یا تو مؤرخین کے بیانات کی ترجمانی کی ہے، یا شہرت عام کی بنا پر جو خیال دماغوں پر چھایا ہوا تھا، اسی خیال کے ماتحت غور وفکر وتثبت کے بغیر یہ الفاظ ان کے قلم سے نکل گئے ہیں، اس لئے کہ انہیں علماء سے جب موجب فسق امور میں سے کسی ایک کو متعین کر کے پوچھا جاتا ہے (مثلاً یہ کہ کیا یزید نے قتل حسین کا حکم دیا تھا، یا اس پر خوش ہوا تھا) تو وہ صاف لکھتے ہیں کہ یہ ثابت نہیں ہے۔

اور یہی وجہ ہے کہ جن علماء نے ہر ہر الزام کو تحقیقی معیار پر جانچ کر قلم اٹھایا انھوں نے یا تو صراحۃً یزید کو غیر فاسق کہا ہے یا اس کے فسق کو محتاج دلیل قرار دیا ہے۔

امام ابوبکر ابن العربی کا استدلال

چنانچہ امام غزالی کے شاگرد اور شفاء شریف کے مصنف قاضی عیاض کے استاذ حافظ حدیث ومفسر قرآن قاضی ابوبکر ابن العربی نے، جن کی نسبت امام ذہبی نے تذکرہ میں نقل کیا ہے کہ وہ اپنے علم وفضل کے لحاظ سے مرتبۂ اجتہاد تک پہونچے ہوئے تھے، العواصم من القواصم میں لکھا ہے، فان قیل کان منها العدالة والعلم ولم یکن یزید عدلاً ولا عالماً، قلنا بأی شیء نعلم عدم علمه او عدم عدالته ولو کان مسلوبهما لذکر ذالك الثلاثة الفضلاء الذین اشاروا علیه بان لا

یفعل وانما رموا الی الامر بعیب التحکم وارادوا ان تکون شوریٰ بینهم ص۲۲۳۔ یعنی اگر کہئے کہ شروط خلافت میں سے علم اور عدالت بھی ہے تو ہم کہیں گے کہ ہم کس دلیل سے سمجھیں کہ وہ عالم یا عادل نہیں تھا؟ اگر ایسی بات ہوتی تو وہ تینوں حضرات فضلاء (عبدالرحمٰن بن ابی بکر، ابن الزبیر اور ابن عمر) جنھوں نے حضرت معاویہ کو یزید کی بیعت نہ لینے کا مشورہ دیا تھا یزید کی جہالت وفسق کا ضرور ذکر کرتے، ان لوگوں نے تو صرف یہ اعتراض کیا کہ یہ تحکم وخودرائی ہے خلیفہ کا انتخاب شوریٰ سے ہونا چاہئے۔

اس کے بعد ص ۲۲۷ میں فرماتے ہیں فان قیل کان یزید خماراً قلنا : لا یحل الابشاهدین فمن شهد بذالك علیه بل شهد العدل بعدالته فروی یحییٰ بن بکیر عن اللیث بن سعد قال اللیث : تو فی امیر المؤمنین یزید فی تاریخ کذا فسماه اللیث امیر المؤمنین بعد ذهاب ملکهم وانقراض دولتهم ولو لا کونه عنده کذالك ما قال الاتوفی یزید (یعنی) اگر کہا جائے کہ یزید شرابی تھا تو ہم کہیں گے کہ دو عینی شاہدوں کی شہادت کے بغیر ایسا کہنا حلال نہیں ہے، پس بتاؤ کہ کس نے اس کے خلاف یہ چشم دید گواہی دی ہے، اس کے برخلاف ایک عدل نے اس کی عدالت کی شہادت البتہ دی ہے۔ چنانچہ ابن بکیر امام لیث سے ناقل ہیں کہ انھوں نے کہا ہے کہ امیر المؤمنین یزید نے فلاں تاریخ میں انتقال کیا'' امام لیث بنوامیہ کی حکومت ختم ہوجانے کے بعد فرمارہے ہیں، پس اگر یزید ان کے نزدیک ایسا ہی نہ ہوتا تو وہ اس سے زیادہ نہ کہتے، یزید فلاں تاریخ میں مرا۔ اس کے بعد ص ۲۳۳

میں امام احمد کی کتاب الزہد کے حوالہ سے یہ دیکھا کر کہ امام احمد نے یزید کے خطبہ کا ایک جزو بھی اس کتاب میں نقل کیا ہے فرماتے ہیں کہ اب ایک طرف امام احمد کا برتاؤ یزید کیساتھ دیکھو کہ جس کتاب میں زہاد صحابہ وتابعین کے اقوال موعظت لکھے ہیں اس میں یزید کا قول بھی نقل کرتے ہیں۔ (کردار یزید ص۷۴ تا ۷۷)

محدث اعظمی رحمۃ اللہ علیہ کا اقتباس نقل کرنے سے پہلے علامہ گیاوی مدظلہ نے تحریر فرمایا ہے:

''مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی علیہ الرحمۃ کی اس تحریر کا کیا معنی ہے''۔

(کردار یزید ص۷۴)

تو عرض کروں، کہ اس تحریر کا مطلب یہ ہے کہ زبانی غیر جانبداری کا دعویٰ چھوڑ کر حقیقی غیر جانبداری کو اپنائیں، پھر یہ مقدمہ اپنے ضمیر کی عدالت میں پیش کریں، خدائے علیم وخبیر کو گواہ بنا کر مؤرخین کو تفسیق یزید کا مدعی بنائیں، پھر اسلامی معیار شہادت کو سامنے رکھ کر دیکھیں، کہ ان میں سے کون سی روایت معیار شہادت پر پوری اترتی ہے، اگر پوری اترے تو آپ بلا شک فسق یزید کے قائل ہو جائیں اور پوری نہ اترے تو تفسیق یزید کے لئے معیار شہادت کا مرتبہ نہ گرائیں، اور خوامخواہ ایک مسلمان کو فاسق قرار دے کر اپنے کو خطرے میں نہ ڈالیں، کہ کوئی شخص اللہ کے علم میں درحقیقت فاسق نہ ہو اور اسے فاسق کہہ دیا جائے تو وہ فسق لوٹ کر قائل ہی کی طرف آتا ہے، پھر مولانا گیاوی صاحب نے حضرت محدث اعظمی علیہ الرحمہ کا ایک اقتباس نقل فرما کر لکھا ہے ''تعجب ہے کہ اس جگہ مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی علیہ الرحمہ یزید کو عادل اور غیر فاسق نہیں بلکہ زاہد ونہایت عابد، قاضی ابوبکر کو دلیل بنا کر ثابت بھی کر رہے ہیں اور ساتھ

ہی دوسری سانس میں یہ بھی فرماتے ہیں: ''لیکن یہ بات بھی دھیان میں رکھنی چاہئے کہ یزید اس وقت تک جس طرح کوئی فاسق مجاہر نہیں تھا اسی طرح کوئی متقی کوئی بڑا پاکباز شرع بھی نہیں تھا''۔ (تبصرہ ص۴)

اور یہ بھی لکھ چکے ہیں ''یہاں پہونچ کر ایک بار ہم اس بات کی وضاحت کر دینا چاہتے ہیں کہ ہمارا مقصد ہرگز ہرگز یزید کو ولی یا خلیفہ راشد یا امام مقتدیٰ ثابت کرنا نہیں ہے نہ ہم اس کو زمرۂ ابرار واتقیاء مسلمین میں شمار کرنے کو کہتے ہیں اور نہ ہم اس کے ساتھ ایسی حسن عقیدت رکھنے کی دعوت دیتے ہیں، جو عقیدت خلفائے راشدین، ائمہ بزرگان دین، بزرگان اسلام صالحین، متقین یا متشرع وعادل بادشاہوں کے ساتھ رکھی جاتی ہے۔ (تبصرہ بر شہید کربلا و یزید ص۴۹)

غیر عادل اور غیر فاسق کون ہے؟

اب مولانا سوال فرماتے ہیں:

''بتایئے اگر اس کو عادل بادشاہ بھی نہ مانا جائے اور فاسق بھی نہ تسلیم کیا جائے تو درمیان میں فاسق اور عادل کے بیچ وہ کون سا شرعی درجہ ہے اور اس کا نام کیا ہے وہی بتا دیجئے تا کہ یزید کے بارے میں نہ عادل نہ فاسق والا درجہ ہی تجویز کر دیا جائے، محدثین اور علمائے اسلام کے نزدیک اس درجہ کا کیا نام ہے جو غیر عادل اور غیر فاسق کیلئے آپ جو (جو زائد ہے، عطا) بتانا چاہتے ہیں''۔ (کردار یزید ص۷۷، ۷۸)

عرض ہے کہ شریعت کے احکام ظاہر پر لگائے جاتے ہیں، کسی کا زندگی بھر یا زندگی کے آخری حصے میں متبع سنت ہونا، تقویٰ کی زندگی گذارنا صالحین کی راہ پر چلنا، سامنے آئے گا، تو اسے عادل، متقی ولی، کہہ دیا جائے گا، اور کسی کا شریعت کے خلاف چلنا،

منکرات کی راہ اپنانا سامنے آئے گا تو اس پر فاسق ہونے کا حکم لگایا جائے گا، لیکن پہلی قسم کے لوگوں کے لئے کسی شہادت کی ضرورت نہ ہوگی، جب کہ دوسری قسم کے لوگوں پر حکم لگانے سے پہلے صرف سنی سنائی کو دلیل نہیں بنایا جائے گا، بلکہ شرعی شہادت کے بعد اسے فاسق قرار دیا جائے گا، اب مولانا سے میرا سوال یہ ہے کہ ایک شخص کا تقویٰ، عمل بالسنۃ نوافل واذکار کا اہتمام سامنے نہیں آتا بلکہ بظاہر وہ پنج وقتہ کا نمازی، رمضان کا روزہ دار، زکوٰۃ دہندہ اور محرمات سے پرہیز کرنے والا ہے اس سے زیادہ اس کی کوئی مشغولی سامنے نہیں آتی، چھوٹے چھوٹے معاملوں میں بہت احتیاط سے کام بھی نہیں لیتا تو مولانا ہی بتائیں کہ ایسے عام مسلمانوں کو وہ کس مد میں رکھیں گے؟ اگر یہ کہیں کہ یہ لوگ صالحیت کے معیار پر پورے نہیں اترتے، تب تو ان سب کو فاسق قرار دینا ہوگا؟ کیا مولانا واقعۃً عام مسلمانوں کو ایسا ہی سمجھتے ہیں؟ اگر نہیں تو فسق یزید کے لئے بلا ثبوت ان کے پاس کون سا نظریہ ہے؟ کسی بھی مسلمان پر بلا ثبوت و شہادت کوئی بھی فسق کا الزام عائد نہیں کرسکتا، جب یہ معیار صحابۂ کرام تک کے لئے ہے، تو عام مسلمانوں کا کیا پوچھنا؟ ہم یزید کو بھی انہیں عام مسلمانوں میں شامل مانتے ہیں، جب تک اس کے فسق کی کوئی پختہ شہادت ہمارے سامنے نہیں آجاتی۔

محترم علامہ فرماتے ہیں:

> ''باقی رہی بات قاضی ابوبکر ابن عربی کی، ان کے سامنے تو دو عینی شاہد حضرت معقل بن سنان رضی اللہ عنہما اور حضرت عمرو بن حفص پیش کردیئے''۔ (کردار یزید ص ۷۸)

کچھ بھی ہوجائے اندھے کے ہاتھ سے لاٹھی نہیں چھوٹتی، پھر وہی مرغے کی ایک ٹانگ! پتہ نہیں اس ایک ٹانگ والے مرغے سے نجات کب ملے گی؟ ان دونوں صحابۂ کرام

رضی اللہ عنہما سے استدلال کا بھرپور جواب گذشتہ صفحات میں دیا جاچکا ہے، ناظرین کرام ذرا مولانا کو بھی دکھلادیں۔

مولانا فرماتے ہیں:

> ''البتہ ان کو ضرور یاددہانی کرادینے کی ضرورت ہے کہ وہ مالکی ہیں اور گذر چکا ہے کہ امام مالک اور ان کے اصحاب اور اہل مدینہ کا مسلک شراب کے معاملے میں عینی شاہد کا تقاضا کرنا خود ان کے مسلک کے خلاف ہے، (امام مالک سے لے کر خلاف ہے تک کی عبارت دیکھیں اور مولانا کو داد دیں، عطا) اور حضرت عبداللہ بن مسعود اور بخاری کی ایک حدیث کے زیر بحث یہ ساری تفصیل گذر چکی ہے، اب یہ بھی سن لیجئے کہ ابن عربی اپنی اوقات سے زیادہ بڑھ کر لکھنے بولنے کے لئے جانے جاتے ہیں''۔ (کردار یزید ص ۷۸)

تو اب بات یہاں تک آگئی کہ انصاف کی آواز اٹھانے والے کو اسکے مسلک کا حوالہ دے کر آواز اٹھانے سے روکنے کی کوشش کی جانے لگی؟ لیکن پھر سوال یہ ہے کہ یہی سوال اگر کوئی غیر مالکی اٹھاتا تب کس مسلک کا حوالہ دیا جاتا؟ دو مستند شاہد تو ہر الزام لگانے والے کی گردن پر ''دوال پا'' بن کر اس طرح سوار ہوگئے ہیں کہ اتارتے نہیں اترتے، بیچاروں کی سانس اٹکی ہوئی ہے، اور گلوخلاصی کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔

مالکی مسلک کی غلط ترجمانی

پھر یہ بھی عرض ہے کہ مولانا گیاوی صاحب نے مالکی مسلک کی غلط ترجمانی پیش کی ہے جس کی تفصیل گذشتہ صفحات میں پیش کی جاچکی ہے، اور مولانا نے جو یہ لکھا ہے کہ ابن العربی اپنی اوقات سے بڑھ کر بولنے کے لئے جانے جاتے ہیں، تو میں کہتا ہوں

کہ یہاں پر وہ تھوڑی دیر کے لئے حضرت ابن العربی کو جاہل مطلق بھی مان لیں تو کیا، انھیں جاہل مطلق ماننے سے ان کے قائم کردہ سوال کا جواب مل جائے گا جو انھوں نے فرمایا تھا؟ کہ کسی پر شراب نوشی کا الزام عائد کرنا دو عینی گواہوں کے بغیر جائز نہیں ہے، کیا مولانا کا مسلک یہ ہے کہ کسی بھی مسلمان پر کوئی بھی الزام داغ دو گواہی کی کوئی ضرورت نہیں؟ اگر مولانا یزید کو شرابی کہتے اور سمجھتے ہیں تو اتنی لفاظی اور طول کلامی کی کیا ضرورت ہے؟ دو مستند عینی شاہد پیش کر دیں ہم بھی بے چون و چرا مان لیں گے، ہم سمجھتے ہیں کہ اس بات کو خود مولانا بھی اچھی طرح سمجھ چکے ہیں کہ ان کی زنبیل میں اب کچھ بچا نہیں ہے، اسی لئے مسلکی حمیت کا حوالہ دے کر انھیں کمزور کرنے کی فراق میں لگے ہیں۔

مولانا طاہر صاحب لکھتے ہیں:

> ''یہ زیر بحث مسئلہ یزید کے فسق کا انھیں پیچیدہ مسائل میں سے ایک ہے، جس میں قاضی ابوبکر ابن عربی بری طرح لڑکھڑا گئے ہیں، امیر المؤمنین کا لفظ خلیفہ یا بادشاہ پر بول دیا جائے تو اس کے ثقہ یا عادل ہونے کی دلیل نہیں بنتا ہے، ہاں کسی محدث پر بولا جائے تو وہ دوسری بات ہے''۔
>
> (کردار یزید ص ۷۸)

یعنی قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا جیسے یزید کے الزام تراشوں سے گواہ مانگ لیا تو وہ لڑکھڑا گئے، وہ بھی بُری طرح؟ ہم سمجھتے ہیں گواہ پیش کرتے ہوئے اس موقف کے حامل اور دانستہ نادانستہ رافضی موقف کے حامیوں کے ہی قدم بری طرح لڑکھڑائے ہوئے ہیں، اور اپنے سامنے کوئی جواب نہ پا کر وہ بہکی بہکی باتیں کر رہے ہیں، رہا یزید کو امیر المؤمنین کہنے کا مسئلہ تو کوئی عام آدمی نہیں کہہ رہا بلکہ امام لیث

فرما رہے ہیں، عام کسی آدمی نے یزید کو امیر المؤمنین کہا ہوتا تو اس سے کوئی استدلال کرنا کمزور مانا جا سکتا تھا، لیکن امام لیث جب امیر المؤمنین کہہ رہے ہیں تو انھوں نے اپنے ذہن میں فسق یزید کو پالتے ہوئے تو ہرگز نہیں کہا ہوگا؟ انسان کے ذہن میں جیسے خیالات ہوتے ہیں الفاظ سے انھیں کی ترجمانی ہوتی ہے، سامنے کوئی چھوٹا ہو تو اسے تو یا تم کہا جائے گا، کوئی بڑا ہو تو اسے آپ سے مخاطب کیا جائے گا، تو امام لیث کا یزید کو امیر المؤمنین کہنا بہر حال اس بات کا زبردست قرینہ ہے کہ انھوں نے یزید کو ہرگز فاسق نہیں سمجھا تھا۔

لفظ امیر المؤمنین احترام پر دلالت کرتا ہے یا نہیں؟

مولانا فرماتے ہیں کہ امیر المؤمنین کا لفظ خلیفہ یا بادشاہ پر بول دیا جائے تو اس کے ثقہ یا عادل ہونے کی دلیل نہیں بنتا ہے، لیکن یہ بتایا جائے کہ یہ لفظ اس کے احترام کی دلیل بنتا ہے کہ نہیں؟ اگر احترام کی دلیل نہیں بنتا، تو پھر مولانا ہی بتائیں کہ ان کے بقول حضرت سیدنا عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ نے یزید کو امیر المؤمنین کہہ دینے پر کہنے والے کو کوڑے کیوں لگوائے تھے؟ اگر یزید عمر بن عبد العزیز کے خیال میں فاسق تھا بھی تو اس نے امیر المؤمنین کہہ کر یزید کا کوئی احترام تو نہیں کیا تھا؟ یہاں پر مولانا نے مدنی مسجد لائق علی چوک واہ کینٹ کے خطیب حضرت مولانا سید لعل شاہ بخاری کی کتاب ''استخلاف یزید'' سے استدلال کیا ہے کہ امیر المؤمنین کے لفظ سے عدالت امیر پر استدلال صحیح نہیں، کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ حافظ ابن کثیر اور علامہ ابن حزم اور بعض دیگر بزرگوار بھی یزید پر امیر المؤمنین کا اطلاق کر دیتے ہیں اور پھر صراحۃً یزید کی تفسیق بھی کرتے ہیں، تو عرض ہے کہ پہلے تو مولانا کو اس کتاب سے استدلال نہیں کرنا چاہئے جس کے مؤلف کو خلاف مطلب، حدیث بھی ملے تو وہ اس کے انکار سے

نہیں چوکتے ، بخاری کی حدیث غزوۂ بحر کے متعلق لکھتے ہیں ،''میرا دعویٰ ہے کہ یہ روایت ان الفاظ کے ساتھ راوی کی خودساختہ ہے، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اول جیش ، اوجبوا ،مدینة قیصر ، مغفور لھم کے الفاظ نہیں فرمائے''۔

(استخلاف یزید ص۳۲)

اب جس کا جی چاہے بخاری اٹھا کر دیکھے کہ یہ الفاظ راوی کے اپنے ہیں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے؟ اور پھر موصوف کی عدالت کا خود فیصلہ کر لے ، اور جو شخص حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر اس قدر جری ہوسکتا ہے اس کے آگے یزید یا حضرت سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی کیا حقیقت ہے؟

محترم مولانا سید طاہر حسین صاحب گیاوی مدظلہ، نے صالح بن مہدی مقبلی کو کبانی کی تحریروں کو بھی اپنا مستدل بنا کر ان کی زبان سے امام غزالی کی شان میں قصیدہ خوانی کرائی ہے، صرف اس لئے کہ امام غزالی لعن وفسق یزید کے قائل نہ تھے اور انھوں نے قائلین کو جواب بھی دیا ہے۔

امام غزالی پر علامہ مقبلی کا تبصرہ

مولانا لکھتے ہیں:

''امام غزالی علیہ الرحمہ کے متعلق علامہ صالح بن مہدی مقبلی کو کبانی جو مکہ میں مہمان تھے اور علامہ شوکانی جیسے عالم نے البدر الطالع میں جن کو مجتہد کا درجہ دیا ہے وہ اپنی کتاب المعلم الشامخ فی ایثار الحق علی الآباء والمشائخ ص ۳۶۸ پر لکھتے ہیں واعجب من ذالك من يحسن ليزيد المريد (اصل عبارت میں المرتد ہے، عطا) الذی فعل بخيار الامة ما فعل وهتك بمدينة الرسول صلى الله عليه وسلم وقتل

الحسين السبط واهل بيته وهتكهم وفعل ما لو استمكن من مثل فعل عدوهم من النصارىٰ ربما كان ارفق منه ومن جملة المحسنين له حجة الاسلام الغزالی ولكنه تصرفا ته كلها كحاطب ليل يجمع فی حطبه الحية والعقرب ولا يدری ۔

(حوالہ بالا)

''اور اس سے بھی عجیب وہ شخص ہے جو یزید پلید کو نیک بنا کر پیش کرتا ہے یزید تو وہی ہے جس نے بزرگان امت کے ساتھ ناگفتہ معاملہ کیا، مدینۃ الرسول کی حرمت کو خاک میں ملا دیا، نواسۂ پیغمبر حضرت حسین اور ان کے اہل بیت کو شہید کیا، اور ان کی بے عزتی کی اور ان کے ساتھ وہ برتاؤ کیا کہ اگر دشمنان اسلام جیسے نصاری وغیرہ کا بھی ان پر قابو چلتا تو شاید ان کا برتاؤ بھی ان حضرات کے ساتھ ان سے نرم ہی ہوتا اور یزید کو اچھا بنا کر پیش کرنے والوں میں امام غزالی بھی ہیں، لیکن وہ اپنے تمام کارگزاروں (صحیح ترجمہ کارگزاریوں ہونا چاہئے ، عطا) میں حاطب اللیہ (صحیح لفظ حاطب لیل، عطا) رات کے اندھیرے میں لکڑیاں جمع کرنے والا) کی طرح ہیں جو اپنی لکڑیوں میں سانپ بچھو بھی جمع کر لیتا ہے اور اسے کچھ پتہ نہیں چلتا''۔ (کردار یزید ص۸۳)

مولانا طاہر صاحب کی خیانت

اس سلسلے میں پہلی بات تو یہ ہے مولانا نے عبارت نقل کرنے میں خیانت سے کام لیا ہے، کیونکہ علامہ مقبلی کی عبارت میں ''لیزید المرتد'' کا لفظ تھا جسے انھوں نے اپنی کتاب میں ''لیزید المرید'' بنا کر اس کا ترجمہ یزید پلید کر دیا، جب کہ اس کا صحیح ترجمہ

''مرتد یزید'' ہونا چاہئے تھا۔

دوسری بات یہ کہ کسی کی عبارت سے استدلال کے دو پہلو ہوتے ہیں، ایک اس پر الزام قائم کرنا، دوسرا اس کی عبارت کو اپنے سابقہ موقف کے لئے بطور دلیل پیش کرنا، اس دوسری صورت میں صاحب تحریر اپنے مستدل کے خیالات سے اتفاق رکھتا ہے، بلکہ اپنے خیالات میں اس کو شریک گردانتا ہے، اب دیکھئے کہ اس تحریر میں ہمارے علامہ نے مقبلی کی زبان سے امام غزالی کو جو کچھ سنایا ہے اس میں وہ خود بھی شریک ہورہے ہیں بلکہ امام غزالی کو کوسنا پہلے سے ان کے دل میں تھا انھوں نے اس کار ثواب میں علامہ مقبلی کو بھی شریک کرلیا۔

امام غزالی کا قصور؟

اب دیکھنا یہ ہے کہ امام غزالی کا وہ جرم عظیم کیا ہے جس کے لئے مولانا نے یہ کار خیر فرمایا ہے تو امام غزالی کا وہ جرم حضرت محدث کبیر کی کتاب تبصرہ بر شہید کربلا و یزید میں ص ۶۰ پر امام غزالی علیہ الرحمہ کے الفاظ اور حضرت محدث کبیرؒ کے ترجمے کے ساتھ منقول ہے، ہم یہاں حضرت محدث کبیرؒ کا ترجمہ نقل کردیتے ہیں۔ ''اور جو شخص یہ گمان کرتا ہے کہ یزید نے حضرت حسین کے قتل کا حکم دیا اور وہ اس سے راضی ہوا تو اس سے اس شخص کی انتہائی حماقت معلوم ہوسکتی ہے، اس لئے کہ خود اس کے زمانہ میں جو اکابر اور وزراء وسلاطین قتل ہوئے اگر کوئی تحقیقی اور قطعی طور پر جاننا چاہے کہ کس نے اس کے قتل کا حکم دیا اور کون راضی ہوا، اور کس نے ناپسند کیا؟ تو اس پر قادر نہیں ہوگا، باوجودیکہ یہ قتل اس کے آس پاس اور اس کے زمانہ میں ہوا ہے اور اس کا مشاہدہ کررہا ہے پھر جس واقعہ کو چار سو برس کے قریب گذر چکے اور وہ بہت دور کا واقعہ ہے وہ اس کو تحقیقی طور پر کیوں کر جان سکتا ہے اسکی حقیقت ہرگز معلوم نہیں ہوسکتی، اور جب نہیں معلوم ہوسکتی تو

ہر مسلمان جس کے ساتھ حسن ظن ممکن ہو اچھا گمان رکھنا واجب ہے، اس کے ساتھ یہ بات بھی ہے کہ قتل کا ارتکاب کفر نہیں بلکہ معصیت ہے، اور بہت ممکن ہے کہ قاتل توبہ کے بعد مرا ہو، اور کسی پر لعنت جائز بھی ہو مگر سکوت اختیار کیا جائے تو ساکت گناہ گار نہ ہوگا، بلکہ اگر کوئی عمر بھر ابلیس پر لعنت نہ کرے تو قیامت کے دن یہ نہ پوچھا جائے گا کہ ابلیس پر لعنت کیوں نہیں کی، اب رہی یزید کے لئے دعائے رحمت تو وہ جائز ہے بلکہ مستحب ہے اس لئے کہ اللھم اغفر للمؤ منین والمؤ منات میں وہ بھی داخل ہے واللہ اعلم کتبہ الغزالی''۔ (مرآۃ الجنان ج ۳ ص ۱۷۶)

قارئین کرام یہ تھا امام غزالیؒ کا وہ جرم جس پر مولانا بھی برہم ہیں اور مقبلی تو انھیں حاطب اللیل کا خطاب دے ہی چکے ہیں۔ مگر گستاخی معاف! علامہ مقبلی کو کبانی کی تحریر غور سے پڑھ جایئے، ہمارے علامہ کا ترجمہ ہی دیکھ لیجئے اس پوری تحریر میں مقبلی نے یزید کے جرم پر سخن طرازی کے سوا ایک بھی کوئی شہادت پیش کی ہے؟ مقبلی کو برسنا تھا خوب برستے اور جم کر برستے، لیکن پہلے ذرا شرعی قائم کردہ معیار کے مطابق ثبوت تو فراہم کردیتے، پھر میں کہتا ہوں مقبلی نے اپنی اس کتاب میں تقلید کے خلاف پرزور وکالت کی ہے اور علامہ شوکانی نے اسی کارنامے پر انھیں مجتہد کا لقب عطا فرمایا ہے، اور میں پھر پوچھتا ہوں کیا بلا ثبوت الزام عائد کرکے مقبلی نے اپنے پیش روؤں کی اندھی تقلید نہیں کی ہے؟ آگے پھر مولانا طاہر صاحب مقبلی کی زبانی امام غزالی اور ان کے موقف سے اتفاق رکھنے والوں کی مدحت سرائی کراتے ہیں، لیجئے! عربی اردو دونوں دیکھئے! مولانا طاہر صاحب لکھتے ہیں'' پھر مزید وضاحت سے یزید کے مسئلہ پر صاف صاف لکھتے ہیں'' وما یھون صنع یزید الا مخذول ادرکتہ الشقاوۃ فی مشارکتہ عطوامہ المرویات فایاك والتفریط والافراط ولکن الصبر عنھا

کالقبض علی الجمر سیما مع تراکم الجهل کزمننا هذا أسأ ل العافیة والسلامة آمین (حوالہ بالا)

''اور یزید کی حرکت کو وہی معمول سمجھے گا جو توفیق الٰہی سے محروم ہو اور جس کو شقاوت نے گھیر لیا ہو اسطرح وہ بھی اس کے مہلک کرتوتوں میں اس کا شریک بن گیا، لہذا تمہیں تفریط وافراط سے بچنا چاہئے، لیکن اس مسئلے میں صبر سے کام لینا ایسا ہی ہے جیسے انگارے کو مٹھی میں پکڑ لینا، خصوصاً جب کہ جہالت دوڑی چلی آئی ہو، جیسا کہ ہمارے زمانے میں، ہم اللہ تعالی سے عافیت وسلامتی کے خواہاں ہیں، آمین۔ (کردار یزید ص ۸۳)

علامہ مقبلی کا بے ثبوت الزام

عرض ہے کہ مناظر اسلام کی تحریر مقبلی کے بارے میں پھر سے دیکھ لیجئے: ''پھر مزید وضاحت سے یزید کے مسئلے پر صاف صاف لکھتے ہیں'' (منقولہ بالا)

اور مولانا کا کیا ہوا مقبلی کی عبارت کا ترجمہ دیکھئے! کہیں پر فسق یزید اور استحقاق لعنت کی کوئی دلیل اس عبارت میں ہے؟ بالکل نہیں، تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ حضرت امام غزالی اور ان کے موافقین کو مقبلی نے پہلے جتنا کوسا تھا اس سے ہمارے علامہ کا پیٹ نہیں بھرا، صرف صلواتیں سنانے کے لئے یہ عبارت لائی گئی ہے، کہ جو لعن یا فسق یزید کا قائل نہیں ہے وہ توفیق الٰہی سے محروم ہے، اس کو بدبختی نے گھیر لیا ہے، اور یزید کے (فرضی) مہلک کرتوتوں میں وہ بھی اس کا شریک ہے۔ اس عبارت میں مقبلی نے تفریط اوافراط سے بچنے کی نصیحت فرمائی ہے میں کہتا ہوں یہ منہ اور مسور کی دال؟ جو خود غلاظت بھرے گڈھے میں گلے تک، ڈوبا ہوا ہو وہ دوسروں کو صاف ستھرا

رہنے کی نصیحت کرے؟

ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

میں کہتا ہوں کہ بلا ثبوت صرف روایتی مقلد بن کر مقبلی تو خود افراط وتفریط کی زنجیروں میں اسیر ہیں؟ کیا وہ کہنا چاہتے ہیں کہ ہم نے اندھی تقلید کی ہے تم بھی کرلو! ورنہ توفیق الٰہی سے محروم قرار دیئے جاؤ گے؟ توفیق الٰہی کسی کے باوا کی جاگیر ہے؟ جو اپنے موقف سے اختلاف پر وہ کسی کو اس سے محروم کردے؟ پھر یہاں پر میں اپنے علامہ کو یاد دلادوں کہ حضرت محمد بن الحنفیہ نے ابن مطیع سے یہی تو پوچھا تھا، فلئن کان اطلعکم علیٰ ذالك انکم لشر کاؤہ ''کیا اس نے تم کو اس پر مطلع کیا ہے تو تم اس کے شریک بزم حریف بادہ ہو''۔ (کردار یزید ص ۲۶)

تو ہمارے علامہ اس کو شرعی شہادت کے دائرے سے نکال کر حضرت محدث اعظمی پر برس پڑے تھے، اور یہاں مقبلی کہہ رہے ہیں کہ جس نے یزید کی حرکت کو معمولی سمجھا وہ بھی اس کے مہلک کرتوتوں میں شریک ہوگیا۔ اور معمولی سمجھنے کا مطلب یہی ہوسکتا ہے کہ بلا ثبوت اس نے یزید کو فاسق یا مستحق لعنت نہیں گردانا، تو اب مولانا خوش ہیں۔ ہم مقبلی سے پوچھتے ہیں مولانا ہی اس کی طرف سے بتادیں کہ جس نے ان واقعات کا اصلی ذمہ دار یزید کو تسلیم نہیں کیا تو وہ اس جرم میں یزید کا شریک کیسے ہوگیا؟ آگے مولانا لکھتے ہیں

''ہم تو اگرچہ یزید پر لعنت کے عدم جواز کو ترجیح دیتے ہیں اس لئے کہ ''لیس المومن باللعان'' حدیث میں آیا ہے، نیز یہ ایک بیکار عمل ہے جو مومن کی شان کے خلاف ہے، لیکن علامہ مقبلی امام غزالی کے بتائے

ہوئے قاعدہ کے بارے میں بہت سخت تنقید کرتے ہیں، لکھتے ہیں، ''اور فقہ کا نرالا مسئلہ جس کو ابن حجر ہیثمی نے اپنی کتاب الصواعق المحرقۃ ص۲۲۲ میں بیان کیا ہے کہ یزید پر لعنت کرنا جائز نہیں، اگر چہ بالاجماع ایسے شخص پر لعنت کرنا جائز ہے جو مئے خور ہو، اور جو قطع رحم کا مرتکب ہو اور جو مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حرمت کو پامال کرے اور جو حضرت حسین کا قاتل ہو یا ان کے قتل کا حکم دے یا ان کے قتل سے راضی ہو، فرماتے ہیں، خود یزید پر لعنت نہیں کر سکتے، اگر اس نے ان تمام امور کا ارتکاب کیا تھا اور وہ قطعاً فاسق تھا جیسا کہ ان کا بیان ہے، اور ایسا ہی ہم ان کی کتابوں میں پاتے ہیں کہ کسی متعین شخص پر لعنت کرنا روا نہیں، یہ ان کا کلیہ ہے تو ان کی خدمت میں عرض ہے کہ تمہاری اس فقہ میں قیاس الدلالۃ کی بنا پر یوں ہونا چاہئے کہ نہ کسی معین شراب خور پر حد لگائی جاتی اور نہ کسی معین زانی پر، اور اسی طرح وہ (وہ زائد ہے، عطا) سارے احکامات شرعیہ میں بھی یہی ہونا چاہئے تھا، کیونکہ طریقہ تو ایک ہی ہے اور اس صورت میں تمہاری منطق بھی ہوا میں اڑ گئی کیونکہ تم تو منطق کی شکل اول کی بھی جو بدیہی الانتاج ہے مخالفت کر رہے ہو لہٰذا اب اس کے بعد اب (اب زائد ہے، عطا) کونسی دلیل تمہارے سامنے ٹھہر سکتی ہے، کیونکہ قیاس کی شکل اول کی صورت یہ ہے کہ یہ یزید جس نے شراب پی ہے (صغریٰ) اور شراب پینے والا ملعون ہے کبریٰ، لہٰذا یہ مزید (صحیح لفظ یزید، عطا) ملعون ہے، نتیجہ''۔

(کردار یزید ص۸۴)

مولانا طاہر صاحب کا غلط ترجمہ

مجھے پھر مولانا سے شکایت کرنی پڑ رہی ہے کہ انھوں نے ترجمے میں بھی خیانت سے کام لیا ہے، کیونکہ مقبلی کی عبارت یوں تھی، وان کان قد فعل هذه الاشياء فهو فاسق قطعاً، اور ترجمہ یہ ہونا تھا حالانکہ اگر اس نے یہ کام کئے ہیں تو وہ قطعاً فاسق ہے، اس عبارت میں مقبلی نے یزید کو مشروط طور سے فاسق کہا ہے، اور ہمارے علامہ نے اس کا ترجمہ یہ نقل کیا ہے کہ ''اور وہ قطعاً فاسق تھا جیسا کہ ان کا بیان ہے''۔ ایک تو مولانا نے بڑی غلطی یہ کی کہ مقبلی جیسے شخص کے دامن میں پناہ لی، دوسرے مقبلی کی عبارت میں بھی اپنا مزعومہ گھسیڑنے لگے، کیا یہی ان کی تحقیق اور غیر جانبداری ہے؟ پھر مولانا نے مقبلی کی اس عبارت پر غور کرنے کی زحمت گوارا نہیں کی، کہ ہمارا اجماعی مسئلہ لعن یزید کے عدم جواز کا ہے، مقبلی اپنی عبارت میں اجماع کی کھلی اڑا رہے ہیں اور مولانا خاموش ہیں کہ ہمارے ہی گروپ کا آدمی ہے، پھر اس مقبلی نے جو قیاس الدلالۃ کی بات کر کے فقہ کا مذاق اڑایا ہے تو میں اسے جاہل مطلق ماننے لگا ہوں، اور علامہ شوکانی نے صرف اس کی تقلید دشمنی کی وجہ سے اس کو مجتہد قرار دیا ہے، کیونکہ اس باب میں دونوں کا قارورہ مل رہا ہے، ورنہ کیا مقبلی نے بخاری کی حدیث نہیں دیکھی؟ نہیں دیکھی تو ہم دکھاتے ہیں، عن عمر بن الخطاب ان رجلاً على عهد النبى صلى الله عليه وسلم كان اسمه عبد الله وكان يلقب حماراً وكان يضحك رسول الله صلى الله عليه وسلم وكان النبى صلى الله عليه وسلم قد جلده فى الشراب فاتى به يوماًفامر به فجلد فقال رجل من القوم اللهم العنه ما اكثر ما يوتى به فقال النبى صلى الله عليه وسلم لا تلعنوه فوالله ما علمت انه يحب الله ورسوله۔ (بخاری کتاب الحدود)

حضرت سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایک شخص جس کا نام عبداللہ اور لقب حمار تھا، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہنسایا کرتا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب نوشی پر اسے کوڑے لگوائے تھے، ایک دن (اسی حالت میں) حضور کے پاس لایا گیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو کوڑے لگانے کا حکم فرمایا تو کوڑے لگائے گئے، قوم کے ایک شخص نے کہا اے اللہ اس پر لعنت فرما! شراب پی کر کتنا زیادہ دربار رسالت میں لایا جاتا ہے، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس پر لعنت مت بھیجو خدا کی قسم مجھے معلوم ہے، یہ شخص اللہ اور اس کے رسول سے محبت رکھتا ہے۔

مقبلی تو ہے نہیں؟ اپنی شہادت میں مقبلی کو لانے والے علامہ ہی بتائیں کہ ''نہ کسی شراب خور پر حد لگائی جاتی نہ کسی معین زانی پر''۔ یہ نتیجہ ہے مقبلی کے قیاس کا اور حدیث پاک میں معین شراب خور پر حد بھی جاری کی گئی ہے، اور اسی شرابی پر لعنت سے منع بھی کیا گیا ہے۔

علامہ مقبلی کی بنیادی اینٹ ہی غلط

اب تو ہم کہنے کا حق رکھتے ہیں کہ مقبلی کے قیاس کا سارا محل ہوا میں اڑ ہی نہیں گیا بلکہ تحلیل بھی ہو گیا، اور مقبلی نے جو اپنی منطق بگھاری تھی اس میں بنیادی اینٹ ہی اس نے غلط رکھی تھی تو نتیجے کی دیوار کیسے سیدھی دکھائی دے سکتی، بیچارے مقبلی کو اتنا بھی معلوم نہیں کہ قیاس کی شکل اول کا مسلم الثبوت ہونا ضروری ہے، لیکن یہ تو مقبلی نہیں علامہ کہہ رہے ہیں کیونکہ قوسین ( ) میں صغریٰ کبریٰ اور نتیجہ مقبلی کی عبارت کا نہیں علامہ کا قائم کردہ ہے، تو اب ہم علامہ ہی سے پوچھتے ہیں کہ بدیہی الانتاج ہونے کے لئے صغریٰ کبریٰ کا مسلم ہونا ضروری ہے، اور صغریٰ ہی یہاں مسلم نہیں ہے، کیونکہ مقبلی

کہہ رہے ہیں اور علامہ تائید میں سر ہلا رہے ہیں کہ ''یزید جس نے شراب پی ہے'' ہم اسی کو نہیں مانتے کہ یزید نے شراب پی ہے، کیونکہ علامہ اپنے علم کا سارا زور صرف کر کے بھی یقینی شاہد فراہم کرنے میں ابتک ناکام رہے ہیں اور صغریٰ مسلم نہیں ہے تو یہ نتیجہ نکال لینا کہ یزید ملعون ہے، خود ہی مدعی اور خود ہی منصف والی بات نہیں تو اور کیا ہے؟ ہمیں بے حد افسوس ہے کہ مولانا موقفِ رافضیت کی حمایت میں اس قدر آگے بڑھ گئے ہیں کہ انہیں کسی کی بھی عبارت اپنے مطلب کے لئے پیش کرنے میں کوئی جھجک محسوس نہیں ہوتی، ورنہ جس کتاب کے ص ۳۶۷ کی عبارت پیش کر کے انھوں نے مقبلی کی زبان سے اپنے اکابر پر دشنام طرازی کرائی اس سے صرف ایک صفحہ پہلے ۳۶۶ مین مقبلی کا بیان ان کو دکھائی نہیں دیا؟

مقبلی کا حضرت معاویہؓ کو جاہل گمراہ کہنا

مقبلی لکھتا ہے'' واما معاویةفطالب ملك اقتحم فيه كل داهية و ختمها بالبيعة ليزيد فالذى يزعم انه اجتهد فاخطاء لا نقول اجتهد فاخطاء لكنه اما جا هل لحقيقة الحال مقلد واما ضال اتبع هواه اللهم انا نشهد بذالك۔

(المعلم الشامخ ص ۳۶۶)

جہاں تک معاویہ کا معاملہ ہے تو وہ ملک کا طلب گار تھا جس نے اپنی حکومت میں ہر بصیرت والے کو مشکل میں ڈال دیا، اور یزید کے لئے بیعت لے کر اس کا اختتام کیا، تو جو شخص سمجھتا ہے کہ اس نے اجتہاد کیا اور غلطی کی، وہ خود غلطی کرتا ہے ہم ایسا نہیں کہتے کہ اس نے اجتہاد کیا تو غلطی کی لیکن وہ یا تو حقیقت حال سے جاہل مقلد ہے یا ایسا گمراہ جو اپنی خواہشات کے پیچھے چلا، اے اللہ ہم اس کی گواہی دیتے ہیں''۔

ہم کہتے ہیں یہ شخص جو حضرت معاویہ کے اجتہاد کا منکر و معاند ہے تو کیا احادیث نبویہ

کی روشنی میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ، کے کربلا جانے کی حضرت حسین رضی اللہ عنہ، کے اجتہاد کے سوا کوئی اور توجیہہ کرسکتا ہے؟ پھر حضرت حسینؓ کا اجتہاد مقبول ہے تو حضرت معاویہؓ کا مردود کیوں؟ اس بے ادب بے تمیز مقبلی کی یہ دلآزار عبارت دیکھئے اور علامہ سے پوچھئے!

مولانا طاہر صاحب کی دوہری پالیسی

عبداللہ بن مطیع اور محمد بن الحنفیہ کے مقدمے میں جب آپ حضرت ابن مطیعؓ سے اپنے حق میں گواہی دلوانا چاہ رہے تھے، تب تو آپ کے احترام صحابی والی رگ بڑے زوروں سے پھڑک رہی تھی، جب کہ ابن مطیع کو صحابیت سے محض اتنی سی نسبت ہے کہ انھیں پیدائش کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لایا گیا ہے اور آپ نے ان کی تحنیک فرما کر برکت کی دعا دی ہے، یہاں جلیل القدر صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر علی الاعلان سب وشتم کے تیر برسائے جارہے ہیں تو آپ کا جذبۂ احترام صحابہ بحر منجمد میں غوطہ لگانے چلا گیا ہے؟ وہاں صحابی صحابی کی رٹ لگا رہے تھے، یہاں کیوں سانپ سونگھ گیا ہے؟ آیئے ہم دو چار عنوانات کی جھلکیاں دکھائیں کہ مقبلی کیا چیز ہے؟ پھر بھی ہمارے علامہ کو اس کے دامن میں پناہ لیتے شرم تک نہیں آتی۔

مقبلی کی بحثوں کے عنوانات

مقبلی کی بحثوں کے عنوانات اس طرح ہیں:

ص۲۹۵ التقلید هو الذی فرق المسلمین ومزقهم ۔تقلید ہی نے مسلمانوں کو ٹکڑے ٹکڑے کردیا ہے۔

ص۳۰۵ جرح المحدثین وتعدیلهم للمخالف فی المذاهب ،محدثین کی جرح

وتعدیل ان کے مذہب کے مخالفین کے لئے۔

ص۳۰۷ بحث عدالة الصحابة صحابہ کی عدالت کی بحث، اس کی ایک چھوٹی عبارت دیکھئے وعلی الجملة من تتبع تلك الموارد وسوی بین الصحابة فهو اعمیٰ او متعام بالجملة یہ کہ جس نے ان موارد کی تلاش کی اور صحابہ کے درمیان برابری کی وہ اندھا یا جاہل ہے

ص۳۰۸ ولا شك ان البخاری من سادات المحدثین الرفعاء فماظنك بمن دونه مع هذا تجنب البخاری فمن لا یحصیٰ من الحفاظ العباد کما تخبرك عنه کتب الجرح والتعدیل مثل علی بن المدینی تجنبه مسلم وقال العجلی فی عمرو بن سعد بن ابی وقاص تابعی ثقة روی عنه الناس وهو الذی باشر قتل الحسین فقل لی ای جرح فی الدین اکبر من هذا ۔بے شک بخاری محدثین کے بلند مرتبہ سادات میں سے ہیں، تو ان سے کمتر کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے اس کے باوجود بخاری نے بے شمار حفاظ عباد کی حدیثوں سے پرہیز کیا ہے جیسا کہ جرح وتعدیل کی کتابیں تمہیں بتاتی ہیں، مثلاً علی ابن المدینی سے مسلم نے پرہیز کیا اور عجلی نے عمر بن سعد بن ابی وقاص کے بارے میں کہا کہ وہ تابعی ثقہ ہے، حالانکہ خود اس نے حسینؓ کا قتل کرایا ہے تو مجھے بتاؤ دین میں اس سے بڑی جرح اور کیا ہوگی؟ مقبلی صاحب نے یہاں پر عمر بن سعد بن ابی وقاص پر قاتل سیدنا حسین ہونے کا الزام عائد کیا ہے، جب کہ سچائی یہ ہے کہ قاتلین حسین صرف اور صرف کوفی سبائی رافضی ہیں عمر بن سعد کا قصور بس اتنا ہے کہ وہ اس لشکر کے کمانڈر تھے جسے امیر کوفہ عبیداللہ بن زیاد نے حضرت حسین کو روکنے پر مامور کیا تھا، علامہ ابن عبدالبر فرماتے ہیں، وقال یحییٰ بن معین: اهل الکوفة یقولون ان الذی قتل

الحسین عمر بن سعد بن ابی وقاص قال یحییٰ : وکان ابراھیم بن سعد یروی فیہ حدیثاً انہ لم یقتلہ عمر بن سعد وقال ابو عمر : انما نسب قتل الحسین الی عمر بن سعد لانہ کان الامیر علی الخیل التی اخرجھا عبید اللہ بن زیاد الی قتال الحسین وقال خلیفۃ بن خیاط الذی ولی قتل الحسین بن علی شمر بن ذی الجوشن وامیر الجیش عمر بن سعد وقال مصعب : الذی ولی قتل الحسین بن علی سنان بن سنا ن النخعی لارحمہ' اللہ۔(الاستیعاب ج۱ص۳۹۵)

یحییٰ بن معین نے فرمایا: کوفہ والے کہتے ہیں کہ حضرت حسین کو عمر بن سعد بن ابی وقاص نے قتل کیا: یحییٰ نے کہا: ابراہیم بن سعد اس کے متعلق حدیث بیان کرتے تھے کہ ان کو عمر بن سعد نے قتل نہیں کیا، اور ابو عمر نے کہا کہ عمر بن سعد کی طرف قتل حسین کی نسبت محض اس بنا پر کی گئی کہ جو لشکر عبید اللہ بن زیاد نے حضرت حسین سے مقابلے کے لیے بھیجا تھا وہ اس کے ذمہ دار تھے، خلیفہ بن خیاط نے کہا کہ شمر بن ذی الجوشن حسین بن علی رضی اللہ عنہما کے قتل کا ذمہ دار ہے، امیر لشکر عمر بن سعد تھے مصعب نے کہا کہ سنان بن سنان نخعی ہی قتل حسین کا ذمہ دار ہے اللہ اس پر رحم نہ کرے۔ اس کی قدرے تفصیل شہادت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے باب کے اخیر میں آئے گی انشاء اللہ

ص۳۰۹ الکلام فی رجال الصحیحین۔ بخاری ومسلم کے رجال پر کلام

ص۳۱۴ توسع المحدثین بدعوی التشیع وجرح اھلہ، محدثین کا تشیع کے دعوے میں توسع اور شیعوں پر جرح

عنوانات بہت سارے ہیں یہ نمونہ صرف اس لئے پیش کیا گیا ہے کہ اس شخص کی ذہنیت کا اندازہ لگایا جاسکے، مولانا سے اتنا ہی عرض ہے کہ

ع ببیں کہ از کہ بریدی وبا کہ پیوستی

مولانا طاہر صاحب کی زبردستی اور محدث کبیر پر جھوٹا الزام

محترم مولانا سید طاہر حسین صاحب گیاوی حضرت محدث کبیر رحمۃ اللہ علیہ پر الزام قائم کرنے کے لئے حضرت کی تحریر نقل فرما کر کچھ نقل سے پہلے کچھ نقل کے بعد حضرت کے متعلق اپنا بخار نکالتے ہیں، دیکھئے مولانا لکھتے ہیں:

مولانا اعظمیؒ کی ناشائستہ تحریر: اس بحث کو یہیں ختم کرنے کے بعد حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی علیہ الرحمہ کی خدمت میں عرض کرنا چاہتا ہوں کہ یزید کو غیر فاسق ثابت کر کے انھوں نے صحابۂ کرام کو غلط بیان اور جھوٹا بتایا ہے، نیز انھوں نے صحیح روایت کو من گھڑت اور جعلی بتایا ہے، اور کس بے دردی سے اس کارروائی کے لئے اپنی ذہانت دکھائی ہے غور فرمایئے! حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ جیسے صحابی پر کس طرح اپنی عالمانہ شان کے ساتھ حماقت اور غیر ذمہ دارانہ روش اور شرعی احکام میں غفلت برتنے کا الزام لگایا ہے، دھیان سے پڑھئے!

(پھر حضرت کی تحریر نقل کی ہے، عطا)

''بہر حال محرم ۶۱ھ تک یزید کے فسق وفجور کی کوئی شکایت تاریخوں میں نہیں ملتی، ہاں حادثۂ کربلا کے بعد جب اس جگر پاش واقعہ کے طبعی اثر سے ابن زیاد وغیرہ عمال یزید کے خلاف دلوں میں غم وغصہ کی لہر دوڑ گئی، اور ہر چند کہ یزید نے اس واقعہ میں کوئی پارٹ ادا نہیں کیا تھا مگر ہوا تھا سب کچھ اس کی حکومت میں، اس لئے وہ بھی لپیٹ میں آ گیا، اسی کے ساتھ یمامہ میں نجدہ بن عامر حکومت کیخلاف اٹھ کھڑا ہوا اور حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہ، نے مکہ میں در پردہ حکومت کیخلاف لوگوں کو ابھارنا شروع کیا، اس وقت پہلی دفعہ تاریخوں میں یزید کے فسق وفجور کا ذکر ملتا ہے، چنانچہ اس کے بعد ابن الزبیر کا ایک خطبہ تاریخوں میں منقول ہے، اس میں یزید کے نام کی تصریح تو نہیں

لیکن راوی کا بیان ہے کہ یزید پر تعریفیں تھی (صحیح عبارت تعریض تھی، عطا) لیکن راوی کے اس بیان کو صحیح بھی مان لیا جائے تو اس سے انکار ممکن نہیں کہ حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہ نے جو تعریفیں کی ہے (صحیح عبارت جو تعریض کی ہے، عطا) ذاتی واقفیت کی بنا پر نہیں کی ہے بلکہ کسی کے بیان پر جو بالکل مجہول ہے، یا افواہ پر اعتماد کر کے یہ تعریفیں کی ہیں (صحیح عبارت، یہ تعریض کی ہے) اب میں مہتمم صاحب سے شرعی مسئلہ پوچھتا ہوں کہ کیا ایسی بنیاد پر کسی مسلم پر فاسق (صحیح عبارت فسق) کا حکم لگانا جائز ہے؟ باقی رہا حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہ، کا عذر تو وہ بالکل واضح ہے کہ اولاً تو انھوں نے کوئی تصریح نہیں کی ہے، دوسرے حالات وواقعات سے وہ اتنے مغلوب ومتأثر تھے کہ اس تأثر نے ان کو غور کرنے کی مہلت نہیں دی''۔ (تبصرہ بر شہید کربلا ویزید ص ۴۸/۴۷)

اب مولانا طاہر لکھتے ہیں:

> ان سطروں میں مولانا حبیب الرحمٰن علیہ الرحمہ نے کتنی حقیقتوں کو مسخ کر کے رکھ ڈالا ہے اور حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب کے ساتھ کیسی چابکدستی دکھائی ہے، اگر تفصیل سے بتاؤں تو بہت وقت ضائع ہوگا، ان سب باتوں کو نظر انداز کرتا ہوں، لیکن جو بات نظر انداز نہیں کی جا سکتی ہے وہ حضرت عبداللہ بن الزبیر پر تہمت اور الزام غفلت اور لاپرواہی اور شرعی احکام میں مجرمانہ روش اختیار کرنے کی بات ہے، اس لئے اس کو واضح کرنا اور کھول کر بیان کرنا نہایت ضروری ہے''۔
>
> (کردار یزید ص ۸۶/۸۵)

ہم سمجھتے ہیں کہ مولانا کے پاس اب فسق یزید کی کوئی دلیل بچی نہیں تو وہ نہ صرف جذباتی باتوں سے اپنے قارئین کو حضرت عبداللہ بن الزبیر کے نام کا سہارا لے کر ورغلانے کی

کوشش کر رہے ہیں، ورنہ ابھی اُن کے مجتہد دوراں علامہ مقبلی کی دل خراش تحریر پیش کی جا چکی ہے اور صحابۂ رسول کی تنقیص شان اور فقہ پر ان کا ناموزوں اعتراض پیش کیا جا چکا ہے، اس وقت مولانا کی رگ حمیت زیر بغل تھی، یہاں حضرت کے بیان میں انھوں نے حضرت کی طرف سے حضرت عبداللہ ابن زبیر کے خطبے کی وہ بھی بزعم راوی ایک توجیہہ دیکھی، جس میں انھیں ڈوبتے کو تنکے کا سہارا دکھائی دیا تو وہی رگ حمیت دوبارہ پھڑکنے کے لئے انگڑائی لینے لگی، اور علامہ اپنے مناظرانہ رنگ میں مخالف پر بے جا الزام تراشی کے لئے پر تولنے لگے، مولانا کہتے ہیں کہ محدث کبیر نے ''یزید کو غیر فاسق ثابت کر کے صحابۂ کرام کو غلط بیان اور جھوٹا بتایا ہے''۔

مولانا طاہر صاحب کو کھلا چیلنج

میں کہتا ہوں کہ مولانا میں صداقت کی کچھ رمق بچی ہو تو اپنے بیان کو ثابت کر کے دکھائیں کہ محدث کبیر نے کس صحابی پر کہاں دروغ گوئی کا الزام عائد کیا ہے؟ ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین، پھر لکھتے ہیں، ''نیز انھوں نے صحیح روایت کو من گھڑت اور جعلی بتایا ہے''۔ حضرت کی پوری کتاب سے مولانا ایک روایت ثابت کر دیں، جہاں انھوں نے کسی صحیح روایت کو من گھڑت اور جعلی بتایا ہو، مولانا بے کار محض الزام تراشی نہ کریں انگلی رکھ کر بتائیں کہ حضرت نے فلاں روایت کو من گھڑت اور جعلی بتایا ہے، پھر ثابت کریں کہ یہ روایت صحیح اور بے غبار ہے، تب ہم مولانا کے دعوی پر غور کر کے اس کا بھرپور جواب دینگے انشاء العزیز، مقبلی کی کورانہ تقلید سے یہاں گاڑی چلنے والی نہیں ہے کہ صغریٰ کے مسلم ہونے کا ٹھکانہ نہیں، اور بدیہی نتیجہ خود سے نکال کر تیار بیٹھے ہیں کہ یزید ملعون ہے، پھر مولانا لکھتے ہیں ''اور کس بے دردی سے اس کارروائی کے لئے اپنی ذہانت دکھائی ہے'' تو میں علامہ کو بتادوں کہ حضرت محدث کبیر کا

مقام اوران کی ذات بہت بلند مرتبہ ہے، یہ سطحیت آپ ہی جیسے لوگوں کو زیب دیتی ہے کہ ثبوت کا تو دور دور تک کہیں پتہ نہیں اور الزام تراشیوں پر الزام تراشیاں کئے چلے جارہے ہیں، میں پھر کہتا ہوں کہ ہمت ہے تو ثبوت لے کر آیئے ہم نے حضرت کی جوتیاں سیدھی کر کے سیکھا ہے کہ حقیقت خواہ کتنی ہی کڑوی اور خواہ اپنوں ہی کے خلاف کیوں نہ جاتی ہو اسے مان لینا چاہئے، یہ تو آپ جیسے بزرگ ہیں جو بے سند و بے بنیاد باتیں پیش کرتے ہیں اور جب انھیں ثابت کرنے میں ناکام رہتے ہیں تو جذباتی باتوں کا سہارا لے کر فن مغالطہ میں اپنے طاق ہونے کا ثبوت پیش کرنے لگتے ہیں، میں پھر کہتا ہوں کہ حضرت کی تحریر مولانا ہی کی کتاب میں پیش نظر ہے، اس کو بار بار پڑھئے اور مولانا سے پوچھئے کہ محدث کبیرؒ نے کہاں کس حقیقت کو مسخ کیا ہے؟ اور کہاں عبد اللہ ابن زبیر پر تہمت رکھی ہے؟ اور کہاں ان کے لئے غفلت کا لفظ استعمال کیا ہے؟ اور کب ان کے سر شرعی احکام میں مجرمانہ روش اختیار کرنے کا الزام ڈالا ہے؟ اور اگر وہ ثابت نہیں کر سکتے، تو میں کہوں گا کہ حضرت عبد اللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ، کے متعلق یہ علامہ کے اپنے خیالات و جذبات ہیں جنھیں انھوں نے اپنی مناظرانہ فنکاری سے حضرت محدث کبیرؒ کے سر ڈالنے کی جرأت بیجا فرمائی ہے بصیرت چھوڑیئے! اگر مولانا کی بصارت ہی انکا ساتھ دے رہی ہے تو وہ حضرت کا بیان آنکھیں پھاڑ کر دیکھیں کہ حضرت صاف صاف فرمارہے ہیں کہ اس میں ''یزید کے نام کی تصریح تو نہیں لیکن راوی کا بیان ہے کہ یزید پر تعریض تھی، لیکن راوی کے اس بیان کو صحیح بھی مان لیا جائے'' غور سے دیکھئے! حضرت کی اس عبارت سے کیا نتیجہ نکلتا ہے؟ یہی نا! کہ اس خطبے میں یزید کے نام کی کوئی تصریح حضرت عبد اللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے نہیں فرمائی ہے، (۲) اس تعریض کی طرف اشارہ راوی نے کیا ہے (۳) راوی

کے اس اشارے کو حتمی قرار نہیں دیا جا سکتا، اور بالفرض اس کو صحیح مان لیا جائے تو اس گفتگو سے دنیا کا کون منصف مزاج یہ نتیجہ نکال سکتا ہے کہ حضرت نے ابن زبیر رضی اللہ عنہ پر تہمت اور الزام غفلت اور لا پرواہی اور شرعی احکام میں مجرمانہ روش اختیار کرنے کی بات کی ہے'' اور حضرت کا یہ جملہ کہ ''حالات وواقعات'' بفرض محال راوی کے دعوی کو تسلیم کرنے سے متعلق ہے، ''اور اس سے وہ اتنے مغلوب ومتأثر تھے کہ اس تأثر نے ان کو غور کرنے کی مہلت نہ دی'' میں بھی حضرت نے ابن زبیر رضی اللہ عنہ، کی طرف سے صفائی دی ہے، نہ کہ ان پر الزام تراشی کی ہے، کیا اسی بوتے پر مولانا حضرت محدث اعظمیؒ کی شان میں گستاخی کی جرأت کر رہے ہیں

رکھنا ہے کہیں پاؤں تو رکھو ہو کہیں پاؤں
چلنا ذرا آیا ہے تو اترائے چلو ہو

مولانا لکھتے ہیں کہ:

''محدث کبیرؒ نے کتنی حقیقتوں کو مسخ کر کے رکھ دیا ہے اور حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب کے ساتھ کیسی چابکدستی دکھائی ہے اگر تفصیل سے بتاؤں تو بہت وقت ضائع ہوگا''۔ (کردار یزید ص ۸۶)

میں کہتا ہوں کہ مولانا نے صرف الزام تراشی میں مہارت کی سند حاصل کی ہے یا وہ الزام کے متعلق کچھ ثبوت فراہم کرنا بھی جانتے ہیں؟ اگر ثبوت رکھتے ہیں تو سامنے لائیں پوری تفصیل سے بتائیں، اب تک انھوں نے دلیل دلیل ثبوت ثبوت کر کے وقت ہی ضائع کیا ہے، تھوڑا ضیاع اور سہی، حقیقت تو سامنے آئے؟ ہم ان سے کسی بات کو نظر انداز کرنے کی اپیل ہرگز نہیں کرتے، وہ تفصیل تو لائیں ہم بھی انشاء اللہ ایک ایک تفصیل کا تفصیلی آپریشن کرینگے، حضرت قاری طیب صاحب کی کتاب بھی

مطبوعہ ہے اور حضرت کی بھی، تاریخی حوالے بھی پردۂ خفا میں نہیں ہیں، روایت ودرایت کے اصول بھی منظر عام پر ہیں ہم بھی دیکھیں کہ اپنی لفاظی سے کون حقیقت پر کتنا پردہ ڈالتا ہے؟

مولانا سید طاہر حسین صاحب گیاوی مدظلہ، فرماتے ہیں:

''' گذشتہ اوراق میں مستند حوالوں کے ساتھ روایتیں گزر چکی ہیں کہ یزید شراب پیتا تھا اور یہ بیان صرف تاریخی بیان نہیں ہے، اور اس کے ثبوت کے لئے عین (صحیح لفظ عینی، عطا) گواہوں اور چشم دید شہادتوں کو لکھ چکا ہوں، ان سب کو سامنے رکھتے ہوئے حضرت عبداللہ ابن الزبیر رضی اللہ عنہما پر الزم دینا کہ وہ کسی مسلمان پر تہمت لگانے میں شرعی احکام کی رعایت نہ کر سکے یا انہوں نے صرف جذبات وخیالات سے متأثر ہو کر اپنی غیر ذمہ داری کا ثبوت دیا ہے، یہ الزام معمولی الزام نہیں ہے، اور کسی بھی صحابی کی شان کے صرف خلاف نہیں بلکہ عقیدہ اہل سنت کے خلاف ایک قسم کی کھلی بغاوت ہے''۔ (کردار یزید ص ۸۶)

پھر وہی مرغے کی ایک ٹانگ، توبہ! یہ مرغا اپنی دوسری ٹانگ باہر کیوں نہیں نکالتا؟ مولانا کہتے ہیں: کہ وہ گذشتہ اوراق میں مستند حوالوں کے ساتھ عینی دو گواہ اور چشم دید شاہد پیش کر چکے ہیں، اتنی ڈھٹائی کیساتھ مولانا نے جھوٹ بولنا کہاں سیکھا یہ تو وہی بتائیں گے، ایک بھی پختہ ثبوت جو میزان عدل پر پورا اترتا تو ہم مولانا کے فرمان پر آمنا وصدقنا کہہ لیتے، ہمارا معیار بھی مولانا کی طرح نہیں ہے کہ خود ہی پیش کیا خود ہی ثابت بھی مان لیا، ہم کہتے ہیں کہ مولانا کی پیش کردہ دلیلوں کو اسلاف کی پیش کردہ کسوٹی پر کوئی بھی پرکھ لے، مولانا کی روایتیں اور دلیلیں اگر کھری اتر جائیں اور پھر بھی

ہم انکار کر دیں تو جو چور کی سزا وہ ہماری، ہم قبول کرنے کو تیار ہیں، لیکن اگر کسوٹی ان روایتوں کو سند قبول عطا کرنے سے انکار کر دے، پھر بھی ہم سے انھیں قبول کرنے پر نہ صرف اصرار کیا جائے، بلکہ اسے عقیدۂ اہل سنت کے خلاف کھلی بغاوت قرار دیا جائے تو بتایئے اس سے بڑا ظلم اور کیا ہوگا؟ مولانا کیا کہنا چاہتے ہیں کہ شریعت اسلامی میں کسی پر الزام لگائے جانے سے متعلق کوئی ضابطہ نہیں ہے، یا ہے تو اس کا نفاذ شخصیتوں کو دیکھ کر کیا جاتا ہے؟ ہم کہتے ہیں کہ دونوں میں سے کوئی بات درست نہیں ہے، ضابطہ ہے اور ٹھوس ضابطہ ہے اور اس کا نفاذ بھی عمومی طور سے کیا جاتا ہے، چاہے کوئی چھوٹا کسی بڑے پر یا کوئی بہت بڑا کسی معمولی شخص پر کوئی الزام لگائے، تو اسے ثبوت ہر حال میں دینا ہوگا، وہ بھی ایسا حتمی اور یقینی کہ اس کے بعد ذرہ بھر کوئی احتمال باقی نہ رہ جائے، مشکوک یا احتمال والی گواہی بارگاہ شریعت سے مردود قرار دی جائے گی، اور پھر الزام لگانے والا خواہ کتنا ہی بڑا، مقبول، پارسا، عبادت گذار، اور کیسے ہی شریف خاندان سے کیوں نہ ہو زبان رسالت نے یہ ارشاد فرما کر کہ بخدا اگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی فاطمہ بھی چوری کرے گی تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود اس کا ہاتھ کاٹ دینگے، ضابطہ متعین فرما دیا ہے، یہی ضابطہ ہر ایک کے لئے ہے، پھر اسی کے ساتھ ساتھ یہ بھی کہ اگر مدعی شہادت پیش نہ کر سکے تو مدعا علیہ کو حد قذف کے دعویٰ کا حق ہے، بلکہ قاضیٔ وقت خود الزام ثابت نہ کر سکنے والے کو حد قذف کا مستحق سمجھ کر اس پر حد جاری کرے گا، جیسا کہ دور نبوی اور دور فاروقی میں ہوا۔

کیا حضرت ابن زبیرؓ نے یزید پر شراب نوشی کا الزام لگایا؟

اب ہمارے مولانا اصرار کر رہے ہیں کہ حضرت عبداللہ ابن زبیر نے اپنے خطبے میں یزید پر شراب نوشی کا الزام عائد کیا تھا، جب کہ محدث کبیر رحمہ، اللہ حضرت عبداللہ ابن

الزبیر کو یہ الزام لگانے سے بچانے کی کوشش فرمارہے ہیں۔ چلئے! مولانا ہی کی بات مان لیجئے! کہ حضرت عبداللہ بن زبیر نے یزید پر شراب نوشی کا الزام عائد کیا تھا، تو عرض ہے کہ الزام لگانا جتنا آسان ہے شہادت مہیا کرنا اس سے بدرجہا مشکل ہے، چلئے ابن زبیر کے خطبے ہی میں حتمی شہادت کا ذکر دکھا دیجئے! ورنہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ الزام لگانیوالا اگر اس کو ثابت کرنے میں ناکام رہے تو حد قذف کا مستوجب ٹھہرتا ہے، زیر بحث گفتگو میں حضرت محدث کبیر پر حضرت ابن زبیر کو جھٹلانے کا مولانا طاہر صاحب کا دعویٰ اس وقت مانا جائے گا، جب حضرت محدث ابن زبیر کے الزام لگانے کے معترف ہوں، محدث کبیر نے تو اعتراف ہی نہیں کیا ہے، دوسرے راوی کے اصرار کو بالفرض صحیح مانتے ہوئے انھوں نے دوسری تاویل فرمائی ہے جس پر علامہ سیخ پا ہورہے ہیں، اور جب علامہ اتنے گرم ہیں تو لازماً انھوں نے ہی اپنے اختراعی داؤ پیچ سے حضرت عبداللہ کو شہادت کی سنگلاخ وادی میں اتارنا چاہا ہے تو اب بات گھوم کر وہیں پہونچ جاتی ہے کہ حضرت عبداللہ ابن زبیر کے نام کی آڑ میں یہ کام خود علامہ کررہے ہیں، جب صورت حال ایسی ہے تو اب علامہ، عینی حتمی شاہد پیش کرنے کیلئے تیار رہیں، جن کی شہادت میں ''زیاد'' کی طرح کوئی احتمال نہ پایا جائے، اگر وہ ایسا کرنے میں کامیاب ہوجاتے ہیں تو ہم ان کے احسان مند ہونگے، اور انھیں موقف اہل سنت والجماعۃ کا اکلوتا ترجمان مان کر پھر سے انکے معتقد ہوجائیں گے، اور اگر وہ الزام لگا کر اسکی شہادت، مقرر کردہ شرعی معیار کے مطابق پیش کرنے سے قاصر رہتے ہیں، تو ہمیں انکو حد قذف کا مستحق گردانتے میں قطعاً کوئی ملال نہ ہوگا، دیدہ باید۔

مولانا آگے لکھتے ہیں:

''تاریخیں اگر سچائی کو سپورٹ کرتی ہیں تو کیا اس کی وجہ سے تاریخی

بیانات کو جھٹلا دینا عقلمندی ہے، سچائی کا انکار کردینا صحیح طریقہ ہے، میرے خیال میں ایسی حرکت کرنا نہ صرف بیجا یزید کی حمایت کرنا ہے بلکہ عقل کے خلاف بغاوت و سرکشی کرنا ہے بڑے افسوس کے ساتھ مجھے کہنا پڑتا ہے کہ مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی علیہ الرحمۃ نے اس موقع پر یہی کارروائی کرڈالی ہے''۔ (کردار یزید ص ۸۶)

میں عرض کرتا ہوں کہ تاریخیں صرف سچائی کو سپورٹ نہیں کرتیں بلکہ اسمیں اچھی خاصی تعداد میں کوڑا کچرا بھی بھرا پڑا ہے، اب کوئی عقلمند تاریخ کے خزانے سے انہیں کچروں کو اپنے سینے سے لگائے ہوئے آئے، اور ہم سے بھی انھیں کو سینے سے لگانے پر اصرار کرے، تو ہم سمجھتے ہیں کہ ان کچروں کو پھینک دینے میں ہی عقلمندی ہے نہ کہ انھیں حرز جان بنا لینے میں، اور ہمیں بھی بڑے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ علامہ نے بھی اس موقع پر یہی کارروائی کرڈالی ہے، اور یزید دشمنی میں رافضی موقف کی تقویت کو اپنا مشن بنائے ہوئے ہیں، مولانا فرماتے ہیں کہ:

''ان کے معروف محقق علامہ ابن کثیر علیہ الرحمۃ نے حضرت عبداللہ ابن الزبیر کے تعلق سے صرف تاریخوں کے حوالے نہیں دئے تھے بلکہ یہ بھی لکھ دیا تھا کہ محدث مؤرخ زبیر بن بکار نے لکھا ہے''

(کردار یزید ص ۸۶)

عرض ہے کہ مولانا مغالطہ دے کر بات نہ الجھائیں تو بہتر ہے، صاف صاف دلیل کیوں نہیں دیتے؟ اب مولانا ہی بتائیں کہ محدث ومؤرخ زبیر بن بکار نے لکھا ہے بالکل تسلیم! اور محدث ومؤرخ زبیر بن بکار کی جلالت قدر بھی تسلیم! لیکن مسئلہ شرعی طور

پر الزام لگانے کا ہے تو جب صحابیٔ رسول کو کریدا جا سکتا ہے تو زبیر بن بکار اور محقق ابن کثیر کو کیوں نہیں؟ اب یہی دیکھ لیجئے کہ واقعہ ۶۳ھ کا ہے، اور زبیر بن بکار کی وفات ۲۵۶ھ میں ہوئی ہے زبیر بن بکار تو واقعہ کے وقت پیدا بھی نہیں ہوئے تھے، اب انہیں جن لوگوں نے واقعے کی خبر دی ان کے سلسلے کو سامنے لایا جائے تو ان کی پرکھ ہوگی کہ یہ لوگ ثقہ ہیں یا مشکوک؟ پھر ان کے درمیان اتصال ہے یا انقطاع؟ پھر یہ بھی دیکھیں، کہ ابن کثیر کا انتقال ۷۷۴ھ میں ہوا ہے، ان کے اور ابن بکار کے مابین طویل فاصلہ ہے، اور ابن کثیرؒ نے بھی بیان نہیں فرمایا ہے کہ انہوں نے یہ روایت زبیر بن بکار کی کسی کتاب سے لی ہے، یا اور کوئی طریقہ ان کے پاس ہے؟ اگر مولانا صاف صاف بات کرتے راویوں کو سامنے لاتے تو ہم بھی کچھ عرض کرتے، ہم کہتے ہیں بدنیتوں نے یہ روایت زبیر ابن بکار کے حوالے سے مشہور کر دی ہے تو مولانا اس کی تغلیط کیسے فرمائیں گے؟ اس لئے اس باب میں تو کم از کم قدآور بزرگوں کا نام لے کر اپنی دلیلوں کا وزن بڑھانے کی کوشش نہ فرمائی جائے۔

موسیٰ شہوات کے اشعار کی حقیقت

اگلی دلیل میں مولانا نے انھیں حضرت ابن بکار کی روایت سے ایک شعر پیش کیا ہے، اور اس کو بھی بحوالہ البدایۃ نقل کیا ہے، لکھتے ہیں ''حضرت عبداللہ ابن زبیر کی باندی کسی دن یزید کے متعلق یہ شعر پڑھ رہی تھی

لست منا ولیس خالك منا : یا مضیع الصلوات للشهوات

ترجمہ: نہ تو ہم میں سے ہے نہ تیری نانیہال، اے خواہشات نفس کے پیچھے نمازوں کو ضائع کرنے والے

حضرت عبداللہ بن الزبیر نے اس باندی سے یہ شعر سنا تو کہا اس طرح پڑھو

انت منا ولیس خالك منا : یا مضیع الصلوة للشهوات

ترجمہ: تو میرے قبیلہ اور خاندان سے تو ضرور ہے مگر تیری نانیہال میرے خاندان سے نہیں ہے اے خواہشات کے پیچھے نمازوں کو برباد کرنے والے۔ (یزید)

محقق ابن کثیر علیہ الرحمہ کے الفاظ پڑھئے اور فیصلہ کیجئے! کسی مجہول راوی کی بات ہے یا صرف افواہ یا تاریخی بیان ہے، یاد رکھئے اس کا راوی (کے، عطا) حضرت عبدالرحمٰن بن سعید ہے (ہیں، عطا) جو عشرہ مبشرہ میں سے حضرت سعید بن زید کے صاحبزادے ہیں۔ قال زبیر بن بکار عن عبد الرحمن بن سعید بن زید بن عمر و بن نفیل انه قال فی یزید بن معاویة لست منا ولیس خالك منا ، یا مضیع الصلوة للشهوات قال وزعم بعض الناس ان هذا الشعر لموسیٰ بن یسار ویعرف بموسی الشهوات وروی عن عبدالله بن الزبیر انه سمع جاریة له تغنی بهذا البیت فضربها وقال قولی انت منا ولیس خالك منا یا مضیع الصلوت للشهوات۔

(البدایۃ والنہایۃ ج۸/ص۳۳۶)

ایک محقق بے نظیر مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی علیہ الرحمہ کا بیان آپ پڑھ چکے ہیں کہ عبداللہ بن الزبیر محض افواہ پر اعتماد کر کے کسی مسلمان کو شرابی ٹھہرانے والے بے احتیاط شخص تھے اب دوسری طرف یہ بھی پڑھئے کہ وہ نہایت محتاط باخبر تحقیقی مزاج رکھنے والے صحابی تھے، یہ بات یزیدی حمایت کے علم بردار محقق مولانا سراج الحق مچھلی شہری فرما رہے ہیں ''ابن

زبیر وغیرہ ہم عصر تھے ان کو حالات براہ راست معلوم ہوتے تھے''۔ اکابر تو مدتوں بعد میں آئے اور ان کو طبری وغیرہ کذاب مورخوں ہی کے لکھے ہوئے واقعات معلوم ہوئے تھے جس کی بنیاد پر وہ رائے بنی جو پھیلائی جارہی ہے۔ (سیرت حضرت علی زین العابدین ص ۱۵۸، ۱۵۹/کردار یزید ص ۸۷/۸۸)

میں عرض کرتا ہوں کہ دونوں واقعات سے جو نتیجہ مولانا نے اخذ فرما کر اس کو حتمی درجہ دینے کی غیر محمود سعی فرمائی ہے، یہ صرف ان کی زبردستی ہے، پوری بحث گذر چکی ہے گذشتہ صفحات میں دیکھ لیں، مگر مولانا ایک ہی بات بار بار دوہرانے کے عادی ہیں اس لئے مختصراً دوبارہ اشارہ کرنا پڑتا ہے کہ حضرت عبداللہ ابن زبیر کے خطبے میں چند مجمل باتیں تھیں جن سے اس کے راوی نے یہ نتیجہ نکالا کہ اس میں یزید کی شراب نوشی پر تعریض تھی، حضرت محدث اعظمی نے اس کا جواب یہ دیا تھا کہ ''اولاً تو انھوں نے کوئی تصریح نہیں کی ہے دوسرے حالات اور واقعات سے وہ اتنے مغلوب تھے کہ اس تأثر نے ان کو غور کرنے کی مہلت نہیں دی''۔ اور علامہ اس سے حضرت محدثؒ کو ''حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ کو محض افواہ پر اعتماد کر کے کسی مسلمان کو شرابی ٹھہرانے والے بے احتیاط'' بتانے والا قرار دے رہے ہیں، مولانا کی یہ بات اس وقت سچ ہوتی جب حضرت عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ، نے یزید کو صاف صاف لفظوں میں شراب پینے والا قرار دیا ہوتا؟ جب کہ ان کے خطبے میں ایسی کوئی بات ہی نہیں ہے، لیجئے پورا خطبہ ہی دیکھ لیجئے، اما واللہ لقد قتلوہ (یعنی حسیناً، عطا) طویلاً باللیل قیامہ کثیراً فی النہار صیامہ اما واللہ ما کان یستبدل بالقرآن الغنا والملاھی ولا بالبکاء من خشیۃ اللہ اللغو والحداء ولا بالصیام شرب المذام واکل

الحرام ولا بالجلوس فی حلق الذکر طلب الصید یعرض فی ذالک بیزید بن معاویۃ۔ (البدایۃ ج ۸/ص ۲۱۲)

یہ خطبہ جو حضرت عبداللہ ابن زبیر نے حضرت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر سن کر دیا تھا اس میں وہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے صفات گنا رہے ہیں اسی میں یہ بات بھی آ گئی کہ حضرت حسین روزوں کو شراب نوشی وحرام خوری سے تبدیل نہیں فرماتے تھے، راوی نے اس کو یزید پر تعریض مان لیا، اور اسی کا ذکر حضرت محدث کبیر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی توضیح میں فرمایا، اب مولانا کہہ رہے ہیں کہ حضرت محدث کبیر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن زبیر پر الزام لگایا ہے کہ حضرت عبداللہ ابن زبیر محض افواہ پر اعتماد کر کے کسی مسلمان کو شرابی ٹھہرانے والے بے احتیاط شخص تھے تو ہم مولانا سے کیا کہہ سکتے ہیں؟ لیکن مولانا میں اگر ہمت ہے تو ان کے پورے خطبے میں کہیں بھی یزید کے نام کی صراحت دکھا دیں، ہم تسلیم کر لیں گے، باقی راوی کے اپنی طرف سے متعین کردہ مجمل کو وہ حتمی اور یقینی مانتے ہیں تو جم کر بات کریں، ہم بھی انھیں راوی کا ہی مجمل دکھائیں گے، یہ تو کوئی انصاف نہیں ہے کہ جہاں اپنا مطلب ہو تو راوی کے مجمل پر اپنے مطلب کی عمارت کھڑی کر دی جائے، اور جہاں اپنے مطلب کے خلاف بات نکل رہی ہو تو راوی کے مجمل کو یکسر نظر انداز کر دیا جائے، یہاں پر حضرت عبداللہ بن زبیر کے بیان میں تعریض کی تاویل محدث کبیر علیہ الرحمہ نے فرمادی تو مولانا برہم ہو رہے ہیں، بخاری کی روایت دیکھیں حضرت عباس فرماتے ہیں: یا امیر المؤمنین اقض بینی وبین الظالم استبا، (بخاری ج ۲/ص ۱۰۸۵) امیر المؤمنین میرے اور ظالم (حضرت علیؓ) کے درمیان فیصلہ فرما دیجئے سخت کلامی ہوگئی، مسلم شریف میں یہی بیان باب حکم الفئ کے تحت آیا ہے اس میں الفاظ اور زیادہ سخت ہیں فقال عباس

یا امیر المؤمنین اقض بینی و بین ھذا الکاذب الآثم الغادر الخائن ۔

(مسلم شریف ج۲ص۹۰)

یہاں تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے صراحۃً حضرت علی کی شان میں مذکورہ الفاظ استعمال کئے ہیں، مولانا کو یہ بات سمجھ لینی چاہئے کہ کبھی جوش گفتگو میں بے اختیار ایسے الفاظ زبان سے نکل جاتے ہیں جن کا حقیقی معنی قائل کے ذہن میں نہیں ہوتا، محض شدت احوال مقصود ہوتی ہے، لہذا اس سے استدلال درست نہیں ہوتا۔

آیئے ذرا مولانا کے مستدل اس شعر کو بھی دیکھیں جس میں یزید کی شراب نوشی کا ذکر ہے، تو عرض ہے کہ یہ شعر حضرت ابن زبیر کا تو بالکل نہیں ہے ورنہ ان کی لونڈی اس کو دوسری طرح نہیں پڑھتی، اور نہ حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ، کو اصلاح کی نوبت آتی پھر اسی البدایہ میں ہے کہ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ شعر موسیٰ شہوات کا ہے جس نے اپنے شعر میں یزید کی شہوات کا ذکر کیا ہے تیسری بات یہ ہے کہ الزام دو مقصدوں سے لگایا جاتا ہے کسی کو محض بدنام کرنے کے لئے، یا اس کا جرم ثابت کرنے کے لئے، محض بدنام کرنے کے لئے جو الزام لگایا جاتا ہے اس میں عدالت جانے کی ضرورت نہیں ہوتی، اس کا ذکر گھروں اور گلیوں کوچوں میں ہوتا ہے اور بات پھیل جاتی ہے، جسے پروپیگنڈہ کہتے ہیں، جو الزام جرم ثابت کرنے کے لئے لگایا جاتا ہے وہ عدالت میں پیش کیا جاتا ہے اور اس کے لئے شہادت کی ضرورت پڑتی ہے، حضرت عبداللہ بن الزبیرؓ سطحی شخصیت کے مالک نہیں تھے، کہ وہ یہ الزام گلیوں کوچوں میں لگاتے، اور عدالت وہ گئے نہیں تو یہی کہا جاسکتا ہے کہ موسیٰ بن یسار عرف موسیٰ شہوات نے یزید کی مذمت میں جو شعر کہا تھا اس میں یزید کو ان کے خاندان سے باہر قرار دیا تھا، حضرت ابن زبیر نے ''انت منا' کہہ کر اس ٹکڑے کی اصلاح کر دی، اور چونکہ ان کا موقف

یزید کے خلاف تھا، پھر یہ شعر انھوں نے کہا بھی نہیں تھا تو ان کو کیا پڑی تھی کہ یزید کی طرف سے صفائی پیش کرتے رہتے، محض اتنی سی بات پر دعویٰ الزام کو حضرت ابن زبیر کی طرف منسوب کر دینے کے ہم قائل نہیں کوئی ہو تو ہو، پھر یہ بات ہمیں ابن بکار سے معلوم ہوئی ہے اور ابن بکار لاکھ مستند سہی لیکن واقعے اور ان کے درمیان طویل زمانہ حائل ہے، اور یہ بات ابن بکار کو کیسے معلوم ہوئی، اسکی سند کا بھی کوئی ذکر نہیں ہے؟ تو ایسی غیر مستند روایت سے کسی پر بھی کوئی الزام کیسے قائم کیا جاسکتا ہے؟ شاید مولانا کو اس کا پتہ ہو ہمیں تو بالکل نہیں معلوم، جی چاہتا ہے کہ اس تعلق سے مولانا کو یہاں پر انھیں کی تحریر دکھادی جائے۔ فرماتے ہیں:

> عرض یہ ہے کہ اس روایت کو حافظ ابن حجر نے کہاں سے نقل کیا، کسی کتاب کا حوالہ دیا نہیں کہ اس کی سند دیکھی جاسکے کہ کیسی ہے، ابن حجر محمد ابراہیم بن ابی عبلہ کے آٹھ سو سال بعد کے ہیں، مسند (سند، عطا) نقل نہیں، نہ کتاب کا حوالہ دیا پھر اس پر کسی مسئلہ کی بنیاد کیوں کر رکھی جاسکتی ہے''۔ (کردار یزید ص۱۳۵)

کاش مولانا اپنے ہی فرمودہ اصول پر قائم رہ کر روایتیں اور علامہ ذہبی وغیرہ کے اسماء پیش کیا کرتے تو ہمیں اتنی شکایت نہ ہوتی۔ یزید کی شراب نوشی پر آخری روایت مولانا نے اپنی کتاب کے ص۱۲۴ پر کتاب الاغانی سے پیش فرمائی ہے، لکھتے ہیں:

> مولانا اعظمی کے نزدیک تو اتنی صدیوں کے گذر جانے کے بعد بھی یزید کا فسق ثابت نہ ہوسکا تو وقت متعین کرنا بے نتیجہ ہی رہے گا''۔
>
> (کردار یزید ص۱۲۳)

دراصل حضرت محدث کبیر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے تبصرے میں سوالات قائم فرمائے

تھے کہ ''بہر حال محرم ۶۱ھ تک یزید کے فجور کی کوئی شکایت تاریخوں میں نہیں ملتی''۔
پھر یہ بھی کہ ''مولانا! ثانیاً ان کو بتانا پڑے گا کہ پھر بیعت کے کتنے دنوں بعد وہ فاسق ہوا''۔ مولانا طاہر صاحب نے اس مطالبے کو بیجا قرار دیا ہے اور جواب دیا ہے کہ اتنی صدیوں بعد بھی مولانا اعظمی کے نزدیک فسق یزید ثابت نہیں ہوسکا تو اب کیا ہوگا؟ میری سمجھ میں یہ نہیں آرہا ہے کہ مولانا صرف لکھتے چلے جاتے ہیں یا سوچتے بھی ہیں کہ میں نے لکھا کیا ہے؟ غور سے حضرت محدث اعظمی نور اللہ مرقدہ کا سوال دیکھئے! کہ ۶۱ھ تک یزید کے فجور کی کوئی شکایت تاریخوں میں نہیں ملتی تو پھر اس کے بعد وہ فاسق کب ہوا؟ یہ تو الزام لگانے والوں کو ثابت کرنا پڑیگا، اس کا جواب یہ کہ آپکا سوال بے جا ہے، اتنی صدیوں کے بعد بھی آپ نہیں مان سکے تو اب کیا مانیں گے؟ اس کا مطلب یہ کہ جوں جوں وقت گذرتا جائے، یہ ثبوت بھی سود خور مہاجن کے سود کی طرح خود بخود ترقی کرتا جائے؟ منوانے کا اگر یہ مطلب ہے کہ ساری چیزوں، سارے قرائن سے آنکھیں بند کیجئے، ہم الزام لگا رہے ہیں اس لئے لاریب فیہ کہہ کر تسلیم کر لیجئے! میں پھر پوچھتا ہوں اس میں کوئی انصاف اور ذرہ بھر کوئی معقولیت بھی ہے؟ آپ کی شہادت ہی بودی اور بے جان ہے کوئی کیوں مانے گا؟ اس میں صدیوں کے مرور سے جان ڈالنے کا کوئی کارگر نسخہ مولانا کے پاس ہے تو اسے پیش کریں، ورنہ انھیں بتانا ہوگا کہ ۶۱ھ تک جب یزید کے فسق و فجور کے ذکر سے تاریخ کا دامن خالی ہے تو وہ فاسق کب ہوا؟ اسی سوال کے جواب کے لئے مولانا نے اغانی کی یہ روایت عباسی صاحب کی کتاب خلافت معاویہ و یزید کے حوالے سے نقل کی ہے، لیکن یہ بھی دیکھ لیجئے کہ وار کرنے سے پہلے ہی ہتھیار بھی ڈال دیا ہے فرماتے ہیں۔

کتاب الاغانی سے استدلال اور اس کا تجزیہ

لیجئے غیر معتبر روایت سے وقت معلوم کر لیجئے، ولما حج فی خلافة ابیه جلس بالمدینة علی شراب فاستاذن علیه عبد الله بن عباس والحسین بن علی فامر بشرابه فرفع وقیل له ان ابن عباس ان وجد ریح شرابك عرفه فحجبه واذن للحسین فلما دخل وجد رائحة الشراب مع الطیب فقال لله طیبك هذا ما اطیبه وما کنت احسب احد یتقدمنا فی صنعة الطیب فما هذا یاابن معاویة؟ فقال یا ابا عبد الله هذا طیب یصنع لنا بالشام ثم دعا بقدح فشربه ثم دعا بقدح آخر فقال اسق ابا عبدا لله یا غلام فقال الحسین علیك شرابك ایها المرء لا عین علیك منی فشرب۔

(ص ۶۱ ج ۱۴ کتاب الاغانی خلافت معاویہ و یزید ص ۳۷۶/۳۷۷)

یزید نے جب اپنے والد کے زمانے میں حج کیا تو مدینہ آکر شراب نوشی کر رہا تھا کہ اتنے میں حضرت عبد اللہ بن عباس و حضرت حسین بن علی نے آنے کی اجازت چاہی (یزید) نے شراب لانے کا حکم دیا، پھر ہٹوا دیا کیونکہ اس سے کہا گیا کہ (حضرت ابن عباس کو اگر تمہاری شراب کی بو آگئی تو پہچان جائیں گے، اس لئے شراب کو چھپا دیا پھر حضرت حسین نے آنے کی اجازت چاہی، وہ جب داخل ہوئے تو انھیں خوشبو دار شراب کی خوشبو آئی تو انھوں نے (حسین نے) یزید سے کہا، تمہاری یہ خوشبو کیسی اچھی ہے مجھے تو یہ گمان بھی نہ تھا کہ خوشبو کی صنعت میں کوئی ہم سے سبقت لے جائیگا؟ اے ابن معاویہ یہ کیا خوشبو ہے؟ (یزید) نے کہا اے ابو عبد اللہ یہ خوشبو ہمارے شام میں بنائی جاتی ہے پھر انھوں نے ایک

پیالہ منگایا اور پیا پھر ایک اور پیالہ منگا کر چھوکرے سے کہا یہ ابوعبداللہ کو پلاؤ اس پر حضرت حسین نے کہا ائے شخص یہ شراب تم اپنے ہی لئے رہنے دو، میری نظریں تم پر نہیں، (گویا میں منہ پھیر لیتا ہوں) تم پئے جاؤ پھر انھوں نے پی لی (ترجمہ بھی عباسی صاحب کا ہے)

(کردار یزید ص ۱۲۴)

پہلی بات تو یہ ہے کہ خود مولانا اس روایت کو نامعتبر قرار دے رہے ہیں تو اسے پیش کرنا کتاب کی ضخامت بڑھانے اور قارئین کا وقت ضائع کرنے کے سوا اور کیا ہے؟ دوسرے یہ کہ مولانا نے اس روایت سے یزید کو لپیٹنے کے چکر میں خود سیدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہ، کو بھی لپیٹ لیا ہے، کیوں کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ، کو اس میں فرماتے ہوئے دکھایا گیا ہے علیك شرابك ایھا المرء لا عین علیك منی ۔ ''اے آدمی اپنی شراب اپنے پاس رکھو'' گویا میں تمہیں نہیں دیکھ رہا ہوں'' کیا عقل باور کرتی ہے کہ جو حسین یزید کے خلیفہ بننے کے بعد محض اس کی شراب خوری وغیرہ کا قصہ سن کر اس کے مقابلے میں پوری عزیمت کے ساتھ نکل پڑے ہیں، وہی حسین اس کو اپنی آنکھوں سے شراب پیتا دیکھ کر بھی نہ صرف یہ کہ منع اور تنبیہ نہیں فرماتے بلکہ کہتے ہیں کہ میں چشم پوشی کر لیتا ہوں تم اپنی شراب اپنے پاس رکھو! میں پوچھتا ہوں کہ اس جعلی روایت میں حضرت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ، کی کون سی تصویر پیش کی گئی ہے؟ اور پھر بے دھڑک مولانا اسے بطور دلیل یزید کے فسق کا وقت متعین کرنے کی کوشش میں نقل بھی فرما رہے ہیں، یہ حُبِّ حسین کی کون سی قسم ہے مولانا ہی بتائیں گے؟ پھر اگر انھوں نے اسے نقل کر ہی دیا تھا تو کم از کم حضرت حسین کی رضا والے حصے کی ہی پر زور تردید فرما دیتے، مگر فرماتے کیسے، اس سے تو ان کا مقصد ہی فوت ہو جاتا؟ پھر اس

روایت کو دیکھئے تو اس میں اور بہت سی باتیں ایسی ہیں جنہیں ذہن بالکل ماننے کو تیار نہیں ہوتا، یزید پی رہا ہے، حضرت ابن عباس اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کے آنے کی خبر ملتی ہے تو شراب چھپا دی جاتی ہے، پھر حضرت حسین خوشبو کا ذکر کرتے ہیں تو ایک پیالہ انھیں بھی پیش کر دیا جاتا ہے، سوال یہ ہے کہ یزید شام میں نہیں ہے حج سے لوٹا ہے اور مدینے میں ہے پھر بھی پی رہا ہے، کیا اسے پتہ نہیں تھا کہ میری اس حرکت سے میرے والد کی سخت بدنامی ہوگی؟ پھر اگر وہ اتنا ہی جری تھا تو اس نے بزرگوں کی آمد کی خبر سن کر شراب کیوں ہٹوا دی؟ اور پھر تھوڑی ہی دیر میں اتنا جری ہو گیا کہ نہ صرف شراب برملا کر دی، بلکہ اس کا ایک پیالہ حضرت حسین کی خدمت میں بھی پیش کر دیا؟ اور حضرت حسین بھی اسے روکنے ٹوکنے کی بجائے اس سے چشم پوشی کی گفتگو کرنے لگے؟ کیا اس بے سند اور غیر معتبر روایت سے یہ قرینہ نہیں نکلتا کہ کسی ناہنجار نے اس جعلی واقعہ کو قصہ اور روایت کی شکل دے کر جہاں یزید کو نشانہ بنانا چاہا ہے، وہیں حضرت حسین کو بھی نہیں بخشا ہے۔

مولانا سید طاہر حسین صاحب بقلم خود اس روایت کو غیر معتبر بھی بتاتے ہیں، پھر اسی سے نتیجہ بھی نکالنے لگتے ہیں، اور انتہائی افسوس کی بات یہ ہے کہ یہ کہتے وقت کہ یزید کی شراب نوشی آغاز شباب سے ہی تھی، اس اتہام میں حضرت سیدنا معاویہ کو بھی شامل کر لیتے ہیں، کہ انھیں بھی یزید کی شراب نوشی کا علم تھا، لیکن انھوں نے صرف نرمی سے سمجھانے پر اکتفا فرمایا۔ اور میں کہتا ہوں کہ جب مولانا اتنا آگے چلے ہی گئے تھے تو ایک قدم آگے بڑھ کر شاطروں کے کہے ہوئے وہ اشعار بھی پیش کر دیتے جس میں حضرت معاویہ نے یزید سے کہا تھا کہ تم رات کو پیا کرو کیونکہ رات سارے عیوب پر پردہ ڈال دیتی ہے۔ لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔

حضرت معاویہؓ کی یزید کو نصیحت

مولانا عنوان قائم کرتے ہیں:

''یزید کے لاابالی پن پر حضرت معاویہ کی نصیحت'' اور اس عنوان کے تحت لکھتے ہیں'' یہ روایت بتاتی ہے کہ یزید کی شراب نوشی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ، کی حیات میں ہی شروع ہو چکی تھی، وہ بھلے واقف نہ ہوں لیکن حضرت حسین کے علم میں یہ بات آ چکی تھی، یزید کے سلسلہ میں طبرانی کے حوالہ سے یہ بات گذر چکی ہے کہ یزید کی شراب نوشی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ، کے زمانے میں شروع ہو چکی تھی، جب کہ وہ بالکل نوعمر تھا اور نوعمروں کی طرح آزاد اور بے قید زندگی گزارتا تھا، حضرت معاویہ نے دیکھا تو نہ تھا لیکن کچھ ایسا محسوس کیا تو نصیحت ضرور کی تھی، اور سمجھایا بجھایا بھی تھا، گویا اس وقت اس کا فسق و فجور نہ سب کو معلوم تھا اور نہ ہی اعلانیہ یہ کام کرتا تھا، فاسق تو تھا مگر فاسق مجاہر نہ تھا، فاسق مجاہر تو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد اور راز دارانہ طور پر در پردہ جو کچھ وہ کرتا تھا اب کھل کر اعلانیہ کرنے لگا تھا، اس لئے مدینہ سے شام جانے والے وفد نے بلا اختلاف اس کی شراب نوشی کی خبر دی اور بیعت توڑ کر بغاوت وخروج پر تل گئے''۔ (کردار یزید ص ۱۲۵)

پہلی بات تو مولانا بتائیں کہ جن لوگوں نے صرف شراب نوشی کی خبر یا بقول مولانا تحقیق پا کر بیعت توڑی، ان کے بارے میں مولانا کا فتوی کیا ہے؟ اور نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت اس باب میں کیا کہتی ہے؟ مولانا تو ہمیں یہ بتاتے ہیں کہ

''فقہائے امت نے انھیں صحابۂ کرام کے عمل سے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ

امام وقت درمیان ایام خلافت فاسق ہو جائے تو بیعت خود بخود ٹوٹ جائے گی، یا اس کا معزول کرنا اور بیعت توڑنا جائز ہوگا یا نہ ہوگا، حضرت عبداللہ بن عمر عدم جواز کے قائل ہیں اور یہی صحیح ہے''۔

(کردار یزید ص ۹۰)

حضرت محدث کبیر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا کہ ''حضرت معاویہؓ نے اپنی زندگی میں جس وقت یزید کے لئے بیعت لی تھی اس وقت ایک متنفس نے بھی یہ نہیں کہا تھا کہ وہ فاسق وفاجر یا نااہل ہے'' (تبصرہ بر شہید کربلا و یزید ص ۳۵)

تو مولانا نے لکھا تھا:

''اس عبارت میں مولانا اعظمی کا یہ ارشاد تو ٹھیک ہے کہ مضبوط اور شرعی دلیل سے حضرت کی حیات میں کسی نے یزید کو نہ فاسق کہا، نہ فاجر نہ شرابی''۔

(کردار یزید ص ۱۱۵)

لیکن میں کہتا ہوں کہ یہاں بھی ڈنڈی مارنا نہیں بھولے ہیں، ورنہ مضبوط اور شرعی دلیل کو جانے دیجئے، مولانا سے کہئے کسی کمزور سے کمزور روایت سے بھی ثابت کر دیں کہ ولی عہدی کی بیعت کے وقت کسی نے یزید بن معاویہ کے کردار پر کوئی انگلی بھی اٹھائی تھی؟ بہر حال مشروط ہی سی مولانا نے یہاں اعتراف تو کر ہی لیا ہے کہ شہادت حضرت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ، سے پہلے یزید کا کھلم کھلا شراب پینا ثابت نہیں ہے، لیکن پھر میں کہونگا کہ مولانا تو ہم کو دکھا رہے ہیں کہ یزید حضرت معاویہ ہی کی زندگی میں نہ صرف بے کھٹکے پیتا تھا بلکہ حضرت ابن عباس وسیدنا حسین رضی اللہ عنہما کو اپنے برملا فسق کا گواہ بنانے میں بھی اسے کوئی حجاب نہ تھا، بلکہ اس سے بھی آگے بڑھ کر یہ کہ اس عمل میں اتنا جری ہو گیا تھا کہ حضرت حسین کو شراب کا پیالہ پیش کرنے میں بھی

اسے کوئی جھجھک محسوس نہ ہوتی تھی۔

مولانا نے حضرت معاویہ کی زندگی میں یزید کی شراب نوشی پر حضرت معاویہ کے سمجھانے کا ذکر اپنی کتاب کے ص ۲۳/۲۴ پر طبرانی کے حوالے سے کیا ہے اس میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے یزید کو نرمی سے سمجھانے کا ذکر ہے، لیکن بات اتنی سی ہی نہیں ہے، بلکہ ابن کثیر نے بحوالہ طبرانی بروایت محمد بن زکریا الغلابی البدایۃ میں اس کو بیان کیا ہے، اب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ، کی نصیحت بھی دیکھ لیجئے، حضرت معاویہ کی نصیحت میں یہ مفتری اشعار بطور دلیل نقل کئے گئے ہیں۔

''فباشر الليل بما تشتهي　　فان الليل نهار الاريب
كم فاسق تحسبه ناسكاً　　قد با شر الليل با مر عجيب
غطى عليه الليل استاره　　فبات في امن وعيش خصيب

میرے بیٹے تم جو چاہتے ہو رات کو کیا کرو، کیونکہ عقلمندوں کے لئے رات دن کی طرح ہے، کتنے ہی گنہگار جنھیں تم عبادت گزار سمجھتے ہو، وہ رات کو عجیب حرکتیں کرتے ہیں رات ان پر اپنے پردے ڈالدیتی ہے، اور وہ رات کو اطمینان سے عیاشی کرتے ہیں''۔

(البدایۃ بحوالہ طبرانی بروایت محمد بن زکریا غلابی ۸/ص ۲۲۸)

ذرا دیکھئے! اس نصیحت میں کیا ہے؟ آج کے دور کا کوئی عامی شخص بھی اپنے بیٹے کو اس طرح کی نصیحت نہیں کرتا، اور مولانا اس روایت کو بلا ڈکار ہضم کر کے اس سے حضرت معاویہ کے فضائل ثابت کر رہے ہیں، اور یزید کو پھانسنے کے جنون میں اپنا پھندہ کس کس کی گردن کی طرف بڑھا رہے ہیں؟ انھیں اس کا مطلقاً ہوش نہیں ہے، میں عرض کرتا ہوں اور پوری قوت سے کرتا ہوں یہ صرف اور صرف بکواس ہے، جسے کسی رافضی ذہنیت والے شاطر نے تخلیق کیا ہے جس کے دل میں احترام صحابہ کی کوئی رمق بھی نہیں

ہے بلکہ وہ مبغضین صحابہ کے گروپ سے متعلق ہے، اور انتہائی عیاری اور چالاکی سے ایسے اشعار اور ایسی داستانیں تراشتا ہے جس سے رفتہ رفتہ صحابیٔ رسول کی بدگمانی دل میں پیدا ہو اور اسی طرح کے دوسرے افسانوں سے اسے تقویت ملتی رہے، آیئے ہم ایک دوسرا پہلو بھی آپ کے سامنے پیش کرتے ہیں حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ ابن ابی الدنیا رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے نقل کرتے ہیں ''قال ابن ابی الدنيا حدثنا ابو كريب ثنا رشدين عمر بن الحارث عن ابی بكيربن الاشج ان معاوية قال ليزيد كيف تراك فاعلاً ان وليت قال يمتع الله بك يا امير المؤمنين قال لتخبرنی قال كنت والله يا ابت عاملاً فيهم عمل عمر بن الخطاب فقال معاوية سبحان الله يا بنی والله لقد جهدت علیٰ سيرة عثمان بن عفان فما اطقتها فكيف بك وسيرة عمر۔　　(البدایۃ ج ۸/ص ۲۲۹)

حضرت معاویہؓ نے یزید سے فرمایا تم کو ولایت مل جائے تو کس طرح حکومت چلاؤ گے یزید نے کہا، یا امیر المؤمنین اللہ آپ کو سلامت رکھے، فرمایا تم مجھے بتاؤ، یزید نے کہا خدا کی قسم میں حضرت عمر بن الخطاب جیسا عمل کرونگا، حضرت معاویہؓ بولے سبحان اللہ میں نے حضرت عثمان بن عفان کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کی تو کامیاب نہ ہوسکا، تم حضرت عمر کی سیرت کے مطابق حکومت کیسے کرسکو گے۔　(البدایۃ ج ۸ ص ۲۲۹)

وقال العتبی رأى معاوية ابنه يزيد يضرب غلاماً له فقال اعلم ان الله اقدر عليك منك عليه سوأة لك اتضرب من لايستطيع ان يمتنع عليك والله لقد منعتنی القدرة من ذوی الاحن وان احسن من عفا لمن قدر۔

(البدایۃ ج ۸ ص ۲۲۷)

حضرت معاویہ نے اپنے بیٹے یزید کو دیکھا کہ وہ اپنے غلام کو مار رہا ہے تو فرمایا جان لو تم

کو اس غلام پر جتنی قدرت ہے اس سے زیادہ اللہ تم پر قادر ہے یہ چیز تمہارے لیے عیب کی ہے، کیا تم اس کو مار رہے ہو جو تم سے کمزور ہے، بخدا مجھے تو کینہ پروروں سے بدلہ لینے سے قدرت نے ہی روک دیا، اور سب سے اچھا وہ ہے جو قدرت کے باوجود معاف کردے۔ پھر طبرانی کی روایت محمد بن زکریا غلابی سے مروی ہے اس کا تعارف ہم پیش کر چکے ہیں پھر دیکھ لیجئے! امام دارقطنی فرماتے ہیں یضع الحدیث جعلی حدیث بناتا ہے۔ (سؤالات الحاکم للدارقطنی ص ۱۴۸)

علامہ ذہبی فرماتے ہیں محمد بن زکریا الغلابی کذاب محمد بن زکریا غلابی بہت بڑا جھوٹا ہے۔ (میزان الاعتدال ج ۳ ص ۱۴۸)

علامہ ابن الجوزی کہتے ہیں محمد بن زکریا غالی قسم کا شیعہ تھا، دارقطنی نے کہا ہے کہ یہ جعلی حدیثیں بناتا تھا۔ (الموضوعات لابن الجوزی ج ۳ ص ۲۷۸)

پھر ایک جگہ پر لکھا ہے ھذا حدیث موضوع وضعه محمد بن زکریا، یہ جعلی حدیث محمد بن زکریا نے گھڑی ہے۔ (الموضوعات ج ۱ ص ۴۱۸)

شیعہ وہ بھی غالی قسم کا حضرت معاویہ اور ان کے صاحبزادے سے کتنی محبت کرتا ہوگا؟ قارئین اندازہ فرما سکتے ہیں، اور اسی کی پیش کی ہوئی روایت مولانا کے لئے قابل احتجاج ثابت ہو رہی ہے۔ میں پھر پوچھتا ہوں کہ حضرت عبداللہ ابن مطیع کی صحابیت ثابت کرنے کے لئے انھوں نے بہت زور لگایا تو الاصابۃ سے صرف اتنا ڈھونڈ لائے کہ انھیں پیدائش کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لایا گیا تو آپ نے ان کی تحنیک کی اور ان کے لئے دعائے برکت فرمائی۔ (کردار یزید ص ۴۵)

مگر سوال اب بھی باقی رہ گیا کہ حافظ ابن حجر کا زمانہ حضرت ابن مطیع سے آٹھ سو سال بعد کا ہے اور حافظ ابن حجر نے اس روایت کی کوئی دلیل ذکر نہیں فرمائی ہے، اسی لئے

مولانا نے بھی اسی صفحے پر اعتراف کیا ہے کہ ''بقول راجح وہ تابعی تو ہیں ہی'' اب ہم کہتے ہیں کہ وہاں ایک تابعی یا مولانا کی خاطر سے مان کر ایک رویت والے صحابی کو تو اتنا مقام دے رہے تھے کہ صحابی صحابی کا وظیفہ دوہراتے زبان خشک ہوئی جاتی تھی، یہاں جلیل القدر مسلم الثبوت صحابی پر غلیظ الزام لگایا جا رہا ہے تو سانپ کیوں سونگھ گیا ہے؟ کیا صرف مطلب براری کے وقت ہی صحابیت کا احترام یاد آتا ہے؟

ہمیں لگتا ہے کہ شاید یہ آخری روایت تھی جسے مولانا نے پیش کر کے تھیلی جھاڑ دی اس لئے ہم بھی اس بحث کو یہیں چھوڑ دیتے ہیں اور پلٹ کر ان کی کتاب میں وہیں چلتے ہیں جہاں انھوں نے دوسری بحث چھیڑی ہے۔

مولانا کی کتاب چار نقطوں پر مشتمل ہے اور انھیں چار مرکزی نقطوں پر بحث کر کے انھوں نے یزید کا فسق ثابت کرنے کی کوشش فرمائی ہے (۱) یزید کی شراب نوشی (۲) امارت کے لئے اس کی نااہلی (۳) شہادت سیدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہ، کی یزید کی طرف نسبت (۴) واقعۂ حرہ۔ شراب نوشی پر مولانا کے پیش کردہ دلائل کا جائزہ قارئین کرام کی نظروں سے گذر چکا ہے، اب ہم بالترتیب اس کی نااہلی پھر شہادت حسین رضی اللہ عنہ، اور اخیر میں واقعۂ حرہ کا جائزہ لیں گے، اس لئے بھی کہ یزید کی زندگی میں پیش آمدہ واقعات کی ترتیب بھی اسی طرح ہے، یزید کی نااہلی دکھانے کے لئے مولانا نے مجمع الزوائد کی ایک حدیث پیش فرمائی ہے چنانچہ لکھتے ہیں ''صرف بات کو سمجھانے کے لئے اس جگہ میں بھی ایک حدیث سناتا ہوں، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ جس وقت یزید کے لئے ولی عہدی کی بیعت لے رہے تھے، حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہما نے ایک حدیث سنائی تھی۔'' عن سعید بن حمیر (بن جبیر، عطا) ان عبد اللہ بن الزبیر قال لمعاویة فی الکلام الذی جریٰ بینهما فی

بیعة یزید وانت یا معاویة اخبرت بان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال اذا کان فی الارض خلیفتان فاقتلوا احدھما ۔

(رواہ الطبرانی فی الکبیر والاوسط ورجالہ ثقات مجمع الزوائد ج۵ ص۱۹۸)

حضرت سعید ابن جبیر سے روایت ہے کہ عبداللہ بن الزبیر نے اس گفتگو کے دوران جو ان کے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے ہوئی فرمایا، جب کہ حضرت معاویہ یزید کیلئے ولی عہدی کی بیعت کر (لے، عطا) رہے تھے، اے معاویہ آپ نے ہی تو سنایا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب زمین میں دو خلیفہ ہوں تو آخری والے کو قتل کردو اگر یزید حضرت معاویہ کی زندگی میں واجب القتل نہ ہوتا تو اس کا مطلب ہے کہ حضرت ابن الزبیر نے بے محل حدیث سنادی تھی۔

(کردار یزید ص۹۱/۹۲)

مولانا طاہر صاحب کی نامناسب تحریر اور اس کا جواب

مولانا اعظمی سے عرض کروں گا جس طرح اس حدیث کو یزید کے واجب القتل ہونے کی دلیل نہیں بنایا جاسکتا ہے اسی طرح ابن عمر کی سنائی ہوئی حدیث کو یزید کے غیر فاسق ہونے پر دلیل نہیں بنایا جاسکتا ہے، اس طرح کا عالمانہ مغالطہ مولانا اعظمی کو زیب نہیں دیتا ہے، موقع محل کو بھی سمجھنا چاہئے صرف ذہانت اور علم کا زور دکھانا علماء ربانیین کی شان نہیں ہے''۔

(کردار یزید ص۹۲)

مولانا طاہر صاحب حضرت محدث اعظمی کو یہ نصیحت صرف اس لئے فرمارہے ہیں کہ حضرت محدث کبیر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا ''اسی طرح ہماری عقیدت اس بات کو

ہرگز قبول نہیں کرسکتی کہ ایک شرابی بے نمازی وزانی کی بیعت توڑنے والوں کو حضرت ابن عمر جیسے فقیہ مجتہد، عالم باعمل، اور متقی پاکباز صحابی، یہ حدیث سنانے جائیں گے کہ جو امام کی اطاعت سے ہاتھ کھینچ لے گا وہ قیامت کے دن اللہ سے اس حال میں ملے گا کہ اس کے پاس کوئی حجت نہ ہوگی۔ اور جو اس حال میں مرے گا کہ اس کی گردن میں امام کی بیعت کا قلادہ نہ ہو وہ جاہلیت کی موت مرا (دیکھو مسلم ۲ ص ۱۲۸) اس موقع پر ابن عمر کا اس حدیث کو سنانا صریح دلیل اس بات کی ہے کہ وہ یزید کو فاسق وفاجر نہیں سمجھتے تھے اگر فاسق وفاجر سمجھتے تو یہ حدیث نہ سناتے بلکہ یہ فرماتے کہ ایسے فاسق کی بیعت توڑ دینا جائز تو ضرور ہے مگر بڑے فتنہ کا اندیشہ ہے لہذا یہ اقدام مناسب نہیں۔

(تبصرہ بر شہید کربلا ص۷۵) کردار یزید ص۹۱)

مولانا طاہر کہتے ہیں کہ:

اس تحریر میں محدث اعظمیؒ نے عالمانہ زیرکی دکھا کر بات کو بے محل حدیث مذکور سے جوڑ دیا ہے اور یہ عالمانہ مغالطہ محدث کبیرؒ کو زیب نہیں دیتا ہے اور اس طرح کی ذہانت اور زور علم کا استعمال علمائے ربانیین کی شان نہیں ہے۔

ہم عرض کرینگے کہ یہ تحریر مولانا ہی کو مبارک ہو جو زبردستی فسق کا پٹہ یزید کی گردن میں ڈالنے کے لئے واقدی، ابومخنف، اور ابوزکریا غلابی جیسے متروک واضعین حدیث اور تقیہ باز شیعہ راویوں کی روایتوں کو ایک دوسرے سے سہارا دے کر انھیں قابل استدلال قرار دینے کے لئے اپنی ذہانت کا بیجا استعمال کرکے قارئین کو مغالطہ دینے کی ناکام کوششیں فرماتے ہیں، حضرت محدث اعظمی کی شان ان سطحی حرکتوں سے بہت پرے ہے، مولانا کہتے ہیں کہ:

''یہ حدیث سنانا ہی حضرت ابن عمر کا اس بات کی دلیل ہے کہ مسئلہ فسق اور شراب نوشی کا نہیں تھا، بلکہ بیعت توڑنے کا تھا''۔

(کردار یزید ص ۹۱)

ہم کہتے ہیں، اس سادگی پہ کون نہ مرجائے اے خدا؟ مولانا خوب اچھی طرح جانتے ہیں کہ لوگوں کو بیعت توڑنے پر آمادہ ہی یزید پر شراب نوشی اور محرمات سے نکاح کا الزام عائد کر کے کیا گیا تھا، اور حضرت محمد بن الحنفیہؒ نے اس کی بھرپور تردید فرمادی تھی اس موقعہ پر حضرت ابن عمرؓ نے حدیث وعید سنائی تو ساتھ میں یہ تذکرہ بھی ضروری تھا کہ ٹھیک ہے تمہارا الزام اپنی جگہ درست ہے، لیکن اتنے سے الزام پر بیعت توڑنا درست نہیں، جب کہ حضرت عمر نے اس کی طرف اشارہ بھی نہیں فرمایا، اور بیعت توڑنے والی سخت وعید کی نہ صرف حدیث سنائی بلکہ اپنے گھر والوں کو بھی سختی سے فرمایا کہ اگر کسی نے بیعت توڑی تو میرا اس سے کوئی تعلق باقی نہیں رہے گا۔

مولانا فرماتے ہیں کہ شراب نوشی کے الزام پر حضرت ابن عمرؓ کی خاموشی اس بات کی دلیل ہے کہ انھوں نے اس الزام کو تسلیم کرلیا تھا، لیکن اس کی وجہ سے وہ بیعت توڑنے کے قائل نہ تھے، لہذا انھوں نے وعید والی حدیث سنائی، ہم کہتے ہیں کہ بیعت شکنی کا سارا قضیہ جب اسی بنیاد پر کھڑا کیا گیا تھا اور یہ الزام بقول مولانا حضرت ابن عمرؓ کے نزدیک درست بھی تھا، تو حضرت ابن عمر اس کے متعلق کچھ تو ضرور فرماتے؟ اور بیعت توڑنے والوں کو معذور رکھتے، یا کم از کم اتنا ضرور کہتے کہ تمہارا الزام تو درست ہے لیکن بیعت توڑنا زیادہ مضر ہے، مگر آپ نے ایسا کچھ نہیں کیا، بلکہ بیعت شکنی پر لوگوں کو اکسانے اور اصل الزام لگانے والے عبداللہ بن مطیع تک کو وعیدیں سناتے رہے، ابن مطیع نے ان کا اکرام کرنا چاہا تو فرمایا میں تمہارے پاس اس کیلئے نہیں آیا

ہوں، یہ قرائن صاف اشارہ کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمرؓ کو یہ الزام تسلیم نہیں تھا، اب مولانا کو تو زبردستی نتیجہ نکالنے کی عادت ہے خواہ اس سے وہ نتیجہ نکلتا ہو یا نہیں

؎ دریا کو اپنی موج کی طغیانیوں سے کام
کشتی کسی کی پار ہو یا درمیاں رہے

مولانا طاہر صاحب کا غلط استدلال

آیئے ہم ایک مثال پیش کرتے ہیں۔ حدیث میں بارہ خلفاء کے زمانے تک اسلامی شوکت کے برقرار رہنے کا ذکر آیا ہے، اکثر علماء نے یزید کو بھی ان بارہ خلفاء میں شامل کیا ہے، علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا تھا کہ ان بارہ خلفاء کے اکثر زمانوں تک امور سلطنت منظّم رہیں گے، کسی کے دور میں اگر تھوڑی بہت بدنظمی کا پتہ بھی چلتا ہو تو منظّم دور کی پائیداری کے مقابلے میں ان معمولی واقعات کا اعتبار نہ کر کے سب پر یکساں حکم لگادیا گیا ہے، علامہ ابن حجر کی عبارت دیکھئے۔

''وکانت الامور فی غالب ازمنة هؤلاء الاثنی عشر منتظمة وان وجد فی بعض مدتهم خلاف فهو بالنسبة الی الاستقامة نادر والله اعلم''۔

(فتح الباری ج ۱۳/ص ۲۶۶)

مولانا ہی کا ترجمہ بھی دیکھ لیجئے!

ان بارہ خلفاء کے زمانہ میں امور سلطنت منتظم تھے اگرچہ بعض کے زمانہ میں اختلافات بھی رونما ہوئے لیکن ان کی مدت تھوڑی اور بہت قلیل زمانہ ہے جو نا قابل اعتبار ہے''۔ (کردار یزید ص ۹۷)

اب اس سے مولانا نے جو نتیجہ برآمد فرمایا ہے ذرا اسے بھی دیکھ لیجئے!

ان بارہ خلفاء کے زمانہ میں دین کی شوکت اور اسلام کی رونق کا جو ذکر کیا

گیا ہے، اور یہ بارہ خلفاء لگا تار تسلسل سے ہونگے، تو اس میں یزید کا دور حکومت بھی اس مدت میں شریک ہوگا، اس کا جواب یہ ہے کہ یزید کا دور حکومت ان بارہ خلفاء میں بہت تھوڑا بنتا ہے، اس لئے غالب اور اکثر کے تحت اس مختصر قلیل زمانہ کا اعتبار نہ کر کے للاکثر حکم الکل کی بنا پر تمام بارہ خلفاء کے زمانہ پر ایک ہی حکم لگا دیا گیا ہے۔ (کردار یزید ص ۹۷)

ع من چہ سرائم وطنبورۂ من چہ می سراید

قارئین کرام علامہ ابن حجر کا فرمودہ پھر سے دیکھیں! اور مناظر اسلام کا نتیجہ بھی دیکھیں علامہ ابن حجر فرمارہے ہیں کہ اگر ان خلفاء کے دور میں قدرے اختلافات ہوئے بھی تو چونکہ وہ بہت کم ہیں اس لئے ان کا اعتبار نہ کر کے پورے دور پر شوکت اسلامی کے برقرار رہنے کا حکم لگایا گیا ہے، اور علامہ فرماتے ہیں کہ یزید کا دور حکومت ان بارہ خلفاء میں بہت تھوڑا بنتا ہے اس لئے تمام بارہ خلفاء کے زمانہ پر ایک ہی حکم لگا دیا گیا ہے، اگر یہی طرز عمل رہا تو شعبۂ انصاف تو مولانا کے پاس آتے ہی درجۂ شہادت پر فائز ہو جائے گا۔ میں کہتا ہوں علامہ ابن حجر کے منقولہ بیان میں صراحت تو کجا یزید کی طرف اشارہ بھی کوئی دکھلا دے؟ باقی بھوکے شخص کو تو چاند بھی گول گول روٹی ہی دکھائی دیتا ہے، یہ ہے مولانا کی وہ بے مثال تحقیق جسے مولانا نوشاد نوری صاحب نے ''غیر جانبدارانہ تحقیق'' فرمایا ہے۔

مولانا سید طاہر حسین صاحب مدظلہ نے جو حدیث پیش فرمائی ہے اس میں حضرت ابن زبیر کا یہ مقولہ بھی ہے ''اے معاویہ! آپ ہی نے تو سنایا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب زمین میں دو خلیفہ ہوں تو آخری والے کو قتل کر دو''۔ تو عرض ہے کہ یہ حدیث حضرت ابن زبیر نے حضرت معاویہ ہی سے سنی ہے، اور ولیعہدی کے موقع پر

حضرت معاویہ کو سنا رہے ہیں، تو اس کا مطلب حضرت ابن زبیرؓ حضرت معاویہ سے بہتر تو نہیں سمجھ سکتے ہیں؟ بیعت ولی عہدی کے وقت یہ حدیث حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ذہن سے نکل تو نہیں گئی ہوگی؟ یا جان بوجھ کر معاذ اللہ حضرت معاویہ نے اسے نظر انداز کر دیا؟ حالانکہ ایسی کوئی بات ہرگز ہرگز نہیں ہے، اور اس موقع پر اس حدیث سے استدلال کسی بھی طرح درست نہیں ہے، کیونکہ حدیث کا مقصود یہ ہے کہ ایک خلیفہ کے ہوتے ہوئے اگر دوسرے کے لئے بیعت لی جائے تو نظام مملکت درہم برہم ہوگا اور شوکت اسلامی میں خلل پیدا ہو جائے گا، تو یہ اجتماع کی صورت پر صادق آتا ہے، اور حضرت معاویہ کی بیعت ولی عہدی میں یہ صورت علی سبیل الاجتماع نہیں بلکہ علی سبیل البدل ہے، یعنی ان کے بعد یزید کو خلیفہ نامزد کیا جا رہا ہے نہ کہ ان کے ساتھ ساتھ دوسرے کو خلیفہ مان لینے کی بیعت لی جا رہی ہے۔

یزید کی ولیعہدی پر حضرت ابن زبیرؓ کا فرمان

خود عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے وہاں جو فرمایا ہے وہ علامہ ذہبی کی زبان سے سنئے!

فقال ابن الزبير ان كنت قد مللت الامارة فاعتزلها وهلم ابنك فلنبايعه ارأيت اذا بايعنا ابنك معك لا يّكما نسمع و نطيع لانجمع البيعة لكما ابدا ثم خرج

حضرت ابن زبیر نے کہا اگر امارت سے آپ کا جی بھر گیا ہے تو استعفیٰ دیجئے اور اپنے بیٹے کو لے آیئے ہم اس کے ہاتھ پر بیعت کر لیتے ہیں آپ ہی بتایئے کہ ہم آپ کے ساتھ ساتھ آپ کے بیٹے کے ہاتھ پر بھی بیعت کر لیں تو ہم کس کی سنیں کس کی مانیں؟ ہم ہرگز آپ دونوں کے لئے اکٹھی بیعت نہیں کرینگے پھر نکل گئے''۔

(تاریخ الاسلام ج ۴ ص ۱۴۹)

غور فرمایئے حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے پوری تقریر دونوں خلیفوں کیلئے اجتماعی

بیعت مان کر فرمائی ہے، جب کہ زمینی صورت حال اس سے مختلف ہے، بیعت ولیعہدی کا مطلب موجودہ خلیفہ کے بعد آئندہ خلیفہ کے لئے بیعت ہوتا ہے نہ کہ موجودہ خلیفہ کے ساتھ ساتھ کسی اور کو خلیفہ مان لینا، اور حدیث پاک میں اس صورت پر وعید نہیں ہے، ورنہ کیا نامزدگی یا آئندہ خلیفہ مقرر کرنے کے لئے شوریٰ کے فیصلے پر بھی اس حدیث کو نافذ کیا جائے گا؟ نہیں اور ہرگز نہیں، تو جب یہاں حدیث کا محل ہی نہیں ہے تو یہ سوال اٹھانا کہ کیا حضرت ابن زبیر نے بے محل حدیث سنادی تھی؟ صرف جذباتی اور قطعاً بے محل نہیں تو اور کیا ہے؟ پھر اگر گستاخی اور بے ادبی معاف کی جائے تو مولانا سے ایک سوال ضرور کیا جائے گا، کہ یہاں انھوں نے جو حدیث بے محل نقل فرمائی یہ حدیث انھیں اس وقت یاد آنی چاہئے، جب حضرت عبداللہ ابن حنظلہ مدینے میں اور حضرت عبداللہ ابن زبیر مکے میں ایک خلیفہ کے ہوتے ہوئے، وہ بھی ایسی صورت میں جب کہ اس کی امارت مستحکم تھی، دوسرے شخص کے لئے بیعت لے رہے تھے، وہاں تو یہ حدیث اپنے مصداق ومحل پر پوری طرح صادق آرہی تھی، کیونکہ وہاں بدل نہیں بلکہ اجتماع کی صورت تھی، وہاں مولانا کو یہ حدیث کیوں نہیں یاد آئی؟ وہاں لفظی احترام صحابیت یاد آیا حدیث یاد نہیں آئی، جب کہ صادق ومصدوق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدایت فرمائی تھی فمن اراد ان یفرق امر هذه الامة وهی جمیع فاضربوه بالسیف کائناً من کان۔ جو شخص امت کے معاملے میں افتراق ڈالنے کا ارادہ کرے حالانکہ وہ مجتمع ہو تو اس کو تلوار سے مارو چاہے وہ جو کوئی بھی ہو"۔

(مسلم شریف ج ۲ ص ۱۲۸)

اور مولانا ہمیں خود بتاتے ہیں کہ جس وقت مدینہ اور مکہ میں نئی بیعت لی جارہی تھی اس وقت اسلامی سلطنت پوری طرح متحد تھی کہیں کوئی انتشار نہیں تھا، مولانا لکھتے ہیں:

"یزید کی طاقت متحد تھی، قتل حسین کے بعد تو عراق مصر حجاز سب متحد تھے، دو سال تک کہیں نہ کوئی بغاوت اٹھی، نہ متحدہ قوت میں کوئی انتشار پیدا ہوا جو علاقہ حضرت معاویہؓ کے دور میں متحد تھا وہ حضرت حسین کی شہادت کے بعد تک متحد رہا، اور سب کے سب یزیدی دور تک متحد رہے اس لئے طاقت بھی متحد تھی پھر بغاوت اور انتشار پھیلنے کا بہانہ اور وہم تو کیا جا سکتا ہے لیکن اس کا حقیقت سے دور کا بھی کوئی تعلق نہیں، دو سال بعد ۶۳ھ میں پہلی مرتبہ اہل مدینہ نے بغاوت کی ہے، اب متحدہ قوت میں انتشار پیدا ہوا ہے"۔ (کردار یزید ص ۱۲۸/۱۲۹)

رہا حضرت عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ، کا معاملہ تو ہم انھیں ان کے اجتہاد پر محمول کرنے کے سوا اور کوئی راہ نہیں پاتے ہیں، اور احترام صحابیت کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ان کے نظریات سے بھی اتفاق کیا جائے، ورنہ ہمیں بتایا جائے کہ انتہائی جلیل القدر صحابی حضرت سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کے تمام تر احترام کے باوجود کیا ان کے نظریئے سے حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ، اور دیگر صحابۂ کرام نے اتفاق فرمایا؟ اور اتفاق نہ رکھنے کے باوجود ان بزرگوں کی طرف سے حضرت سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ کے واقعی احترام میں کوئی کمی آئی؟ نہیں اور قطعی نہیں۔

مولانا فرماتے ہیں:

"اگر ابن عمرؓ کے حدیث سنانے سے یزید کی عدالت ثابت ہوسکتی ہے، تو ابن الزبیر کے حدیث سنانے اور وہ بھی حضرت معاویہ کے سامنے انھیں سے سنی ہوئی حدیث، اور حضرت معاویہ کا کوئی جواب نہ دینا اور بالکل خاموش ہوجانے سے یزید کی نا اہلی اور صحابہ سے اس کی ولی عہدی کا

ناجائز و ناپسند ہونا کیوں نہیں ثابت ہوسکتا ہے؟ اس طرح کی منطق سے کسی حقیقت کو بدلا نہیں جاسکتا ہے''۔ (کردار یزید ص۹۲)

محترم مولانا نے حضرت ابن زبیر کے حدیث پیش کرنے اور حضرت معاویہ کی اس پر خاموشی سے یزید کی نااہلی اور اس کی ولی عہدی کے ناجائز ہونے کا نتیجہ نکالا ہے، میں عرض کر چکا ہوں مولانا زبردستی اپنے مطلب کا نتیجہ نکالنے کے ماہر معلوم ہوتے ہیں ان کی یہ مہارت انھیں مبارک، لیکن مولانا یہ جواب دیں کہ حضرت ابن زبیر نے تو یہ بھی کہا تھا کہ اگر آپ اکتا چکے ہیں تو استعفیٰ دیجئے پھر اپنے بیٹے کو لے آیئے ہم اس کے ہاتھ پر بیعت کرلیں گے، تو حضرت معاویہ کے استعفیٰ دینے کی صورت میں یزید کی نااہلی اہلیت میں اور ولی عہدی کا ناجائز ہونا جواز میں کیسے بدل جائے گا؟ مولانا اس پر کچھ روشنی ڈالیں گے؟ ہم بھی مولانا کی خدمت میں عرض کریں گے کہ بنانے سے بات نہیں بنا کرتی، اور جناب کی اس طرح کی 'منطق سے حقیقت کو بدلا نہیں جاسکتا ہے''۔

مولانا لکھتے ہیں ''حضرت ابن عمر کے اجتہاد میں یزید کی بیعت کا نہ توڑنا اس فتنہ بلکہ اس سے بدرجہا خطرناک فتنہ کی وجہ سے تھا، جس کے اندیشہ کا اظہار حضرت معاویہ کے انتقال کی خبر ملنے اور یزید کی بیعت کا حکم آنے کے وقت انھوں نے پہلے ہی کردیا تھا، اب خود ان کے اپنے بتائے ہوئے سبب کے بجائے ایک نیا نکتہ پیدا کرکے اپنے اجتہاد سے یزید کی عدالت کو سبب بنانا بزعم خود مجتہد بننے کی کوشش کرنا ہے، جب کہ یزید کے خلاف خروج و بغاوت کرنے والے بھی صحابۂ کرام کی ایک جماعت تھی، جنھوں نے اپنے اجتہاد پر عمل کیا تھا، پھر یہ سوال تو انھیں صحابۂ کرام سے کرنا

چاہئے تھا کہ آپ نے ابن عمر کیخلاف کیوں کیا اور آپ نے ابن عمر کے اجتہاد کو باطل کیوں قرار دیا''۔ (کردار یزید ص۹۲)

ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ مولانا کو سیدھی بات ادھر ادھر گھومانے، غلط بیانی اور مغالطہ دینے میں کیا مزہ ملتا ہے؟ مولانا کہتے ہیں حضرت ابن عمر کا یزید کی بیعت نہ توڑنا اس فتنہ بلکہ اس سے بدرجہا خطرناک فتنے کی وجہ سے تھا، جس کا اظہار انھوں نے یزید کی بیعت کا حکم آنے کے وقت کردیا تھا، میں عرض کرتا ہوں کہ مولانا اگر اپنے دعوی میں سچے ہیں تو اس فتنہ کا ذکر تاریخ کی کتابوں میں حضرت ابن عمر کے بیان سے دکھادیں، یا یہ اور اس سے کہیں زیادہ خطرناک فتنے صرف مولانا کے ذہن میں پلتے ہیں؟ ہم ابن کثیر کے حوالے سے دکھاتے ہیں کہ اس موقع پر حضرت ابن عمر نے کیا فرمایا تھا۔

وبعث الوليد الى عبد الله بن عمر فقال بايع يزيد فقال اذا بايع الناس بايعت فقال رجل انما تريد ان تختلف الناس ويقتتلون حتى يتفانوا فاذا لم يبق غيرك با يعوك فقال ابن عمر لا احب شيئاً مما قلت ولكن اذا بايع الناس فلم يبق غيرى بايعت ۔ (البدایۃ ج۸ ص۱۴۸)

ولید ابن عقبہ نے حضرت ابن عمر کے پاس آدمی بھیجا کہ یزید کی بیعت کرلیجئے فرمایا جب لوگ بیعت کرلیں گے تو میں بھی کرلوں گا، ایک آدمی بولا! آپ چاہتے ہیں کہ لوگوں میں اختلاف ہوجائے، اور وہ لڑ کر ختم ہوجائیں، جب آپ کے سوا کوئی نہ رہے تو لوگ آپ کی بیعت کرلیں، حضرت ابن عمر نے فرمایا تم نے جو کہا میں اس میں سے کچھ پسند نہیں کرتا، لیکن جب لوگ بیعت کرلیں گے اور میرے علاوہ کوئی باقی نہیں رہے گا تو میں بھی بیعت کرلوں گا۔

قارئین کرام یہ ہے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ پر یزید کے لئے بیعت کی

پیش کش کے موقع پر ان کا جواب، جس کو مولانا بہت بڑے خطرناک فتنے کے اندیشے کا اظہار فرمارہے ہیں، واقعہ یہ ہے جب دلائل ان کیخلاف جاتے ہیں اور شواہد سے ان کا دامن خالی ہوتا ہے تو وہ چوٹ کھائے سانپ کی طرح بل کھانے لگتے ہیں اور جواب کی بجائے طعن، تشنیع کو اپنا وطیرہ بنالیتے ہیں، مذکورہ بالا تحریر میں انھوں نے یہی کچھ کیا ہے، یزید کے خلاف خروج کرنے اور بیعت کا قلادہ اپنی گردنوں سے اتارنے والوں میں صحابۂ کرام کی کون سی بڑی جماعت تھی؟ ان کی تفصیل تو مولانا کو بتانی چاہئے تھی، اور بیعت توڑنیوالوں میں کتنے حضرات مجتہد تھے جنھیں مولانا حضرت ابن عمر کے اجتہاد کو باطل قرار دینے والا بتارہے ہیں، ان کی وضاحت بھی تو کرنی تھی، یا بیعت توڑنے والی پوری جماعت ہی صحابی بن کر مسند اجتہاد پر جلوہ نشین ہوگئی تھی؟

نبوی ہدایت کے مقابلے میں اجتہاد کی حقیقت

پھر مولانا اس کو اجتہاد اجتہاد کہہ کر معاملے کی سنگینی کم کرنے کی کوشش کررہے ہیں، ارشاد نبوی کے مقابلے میں کون سا اجتہاد کام آتا ہے؟ میں کہتا ہوں کہ مولانا بالکل غلط بیانی سے کام لے رہے ہیں، وہ خود اپنی ہی پیش کردہ روایت سامنے رکھیں، جس سے انھوں نے اپنی کتاب کا آغاز کیا ہے

> حضرت ابن عمر فرمارہے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے وہ فرمارہے تھے ہر غدار کے لئے قیامت کے دن ایک جھنڈا نصب کیا جائے گا اور ہم نے اس شخص (یعنی یزید بن معاویہ) کے لئے اللہ اور رسول کے نام پر بیعت کی ہے اور میں اس سے بڑی غداری نہیں جانتا کہ کسی شخص کے ہاتھ پر اللہ اور رسول کے نام پر بیعت کی جائے اور پھر اسی کے خلاف جنگ وقتال بھی کیا جائے۔ (کردار یزید ص ۱۲)

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ مسلمانوں کا معاملہ ایک شخص پر مجتمع ہو اور کوئی شخص تمہاری لاٹھی توڑنا چاہے یا تمہاری جماعت میں پھوٹ ڈالنے کی کوشش کرے تو اسے قتل کردو۔ (مسلم ج ۲ ص ۱۲۸)

مسلم شریف کی ہی دوسری حدیث میں ہے ''اسے تلوار سے مارو چاہے جو بھی ہو''

(مسلم ج ۲ ص ۱۲۸)

اور مولانا صریح حدیث کی مخالفت کرنیوالوں کو اجتہاد کے پردے میں بچانے کوشش کررہے ہیں، ہمیں بتایا جائے کہ حدیث کی صاف صاف ہدایت کے مقابلے میں کسی بھی نام نہاد اجتہاد کی کیا حیثیت ہے؟ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ، نے اسی ارشاد نبوی کی روشنی میں بیعت توڑنیوالے عبداللہ ابن مطیع کو بھی صاف صاف سمجھایا تھا، اور جب دیکھا کہ وہ لوگ کسی فہمائش کا کوئی اثر قبول کرنے کو تیار نہیں، تو اپنے گھر والوں کو حدیث نبوی سنا کر اس معاملے سے علیحدہ رہنے کی سختی سے تاکید فرمائی، حضرت محدث کبیر رحمۃ اللہ علیہ نے یہی بات اپنی تحریر میں فرمائی کہ اگر عبداللہ ابن عمرؓ یزید کو فاسق سمجھتے تو اس موقع پر اتنا تو ضرور فرماتے کہ میں بھی یزید کو فاسق تسلیم کرتا ہوں، لیکن بیعت شکنی میں نقصان اور خطرہ زیادہ ہے اس لئے ایسا مت کرو، لیکن آپ نے ایسا کچھ بھی نہیں فرمایا بلکہ وعید کی جو حدیثیں آئی ہیں انھیں سنا کر لوگوں کو بیعت شکنی سے روکنے کی حتی المقدور کوشش فرمائی۔ مولانا حضرت محدث کے استدلال کا جواب کیا دیتے انھیں مجتہد بننے کا طعنہ دے کر بات ادھر ادھر گھومانے میں مشغول ہوگئے۔

مولانا سید طاہر حسین گیاوی مدظلہ فرماتے ہیں۔

مولانا طاہر صاحب کا جذباتی استدلال اور اس کا تجزیہ

''میں عرض کرچکا ہوں کہ مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی صاحب کی منطق

سے لازم آتا ہے کہ عبداللہ بن مطیع، ابوعمرو بن حفص، معقل بن سنان اور محمد بن ابی الجہم رضی اللہ عنہم اور پورا وفد جو مدینہ سے یزید کے پاس گیا تھا، اورانھوں نے یزید کے (کی) شراب نوشی کی خبر دی تھی وہ سب کے سب جھوٹے تھے، اور صحابہ دیدہ و دانستہ کذب بیانی بھی کرتے تھے اور کسی عادل بادشاہ کے خلاف خروج و بغاوت بھی کرتے تھے۔

(کردار یزید ۹۴)

جب آدمی کے پاس کہنے کو کچھ نہیں بچتا اور وہ مخالف کا موقف تسلیم بھی نہیں کرنا چاہتا تو وہ ایسی ہی نامعقول حرکتیں کرتا ہے جیسی مولانا کر رہے ہیں، حضرت محدث اعظمی نے کسی صحابی کو جھوٹا نہیں کہا، یہ بات مولانا طاہر صاحب اپنے ذہن سے کہہ رہے ہیں حضرت نے یہ بھی نہیں فرمایا کہ صحابہ دیدہ و دانستہ کذب بیانی کرتے تھے، یہ بھی مولانا کے دماغ کی اختراع ہے اور خروج و بغاوت کی بات کہہ کر مولانا نے خود سے صحابہ پر باغی ہونے کا الزام عائد کیا ہے، اس کا جواب بھی مولانا ہی کے ذمہ ہے، دوسری بات یہ کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تو ارشاد فرمایا تھا کہ جب تک امیر تمہیں کسی معصیت کا حکم نہ دے تب تک تمہیں اس کی بات مانتے رہنا ہے، ہاں اگر وہ کسی معصیت کا حکم دے تو پھر کچھ نہیں سننا اور کچھ نہیں ماننا۔ (بخاری ج ۲ ص ۱۰۵۷)

اب ہمارے مولانا اجتہاد ہی سے شوق فرما رہے ہیں تو صحیح تاریخ کے حوالے سے وہی بتادیں کہ یزید نے مدینے والوں کو کس معصیت کا حکم دیا تھا؟ مولانا خبر شراب نوشی کی نقاب کے پیچھے چھپنا چاہتے ہیں؟ ہم کہتے ہیں کہ یزید ایک مسلمان تھا، اس پر کسی بھی الزام کے لئے محض خبر کافی نہیں شہادت ضروری ہے، اسلامی قانون کا ضابطہ مولانا اپنی لفاظی سے نہیں توڑ سکتے، یا تو شہادت دیں یا اپنے موقف کی کمزوری تسلیم کریں، مولانا

کی عجیب عادت ہے۔ دلیل ان سے دی نہیں جاتی، بات بات پر گفتگو کو جذباتی رنگ دے کر اپنے حق میں ہمدردی وصول کرنے کیلئے صحابیت کا حوالہ پیش کئے جاتے ہیں۔

قارئین کرام دیکھیں! کہ صحابہ کے نام پر عبداللہ ابن مطیع کا نام یہ پیش کرتے ہیں اور ثبوت میں اتنا لکھتے ہیں کہ ''ان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا گیا تو آپ نے ان کی تحنیک ایک کھجور سے کرائی اور ان کا نام عبداللہ رکھا اور ان کو برکت کی دعا دی''۔ محمد بن ابی الجہم کے بارے میں بھی علامہ ابن عبدالبر صرف اتنا لکھتے ہیں کہ ان کی پیدائش حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ہوئی ہے''۔ اور جہاں تک حضرت ابوعمرو بن حفص کی شرکت کا سوال ہے تو یہ پہلے لکھا جا چکا ہے کہ یہ ہمارے مناظر اسلام حضرت علامہ طاہر حسین صاحب کا وہ منفرد کمال ہے جس میں انکا میرے خیال میں کوئی ثانی نہیں، کیونکہ ان بزرگ کو وفد میں شریک کرنے کے لئے مولانا ان کی قبر سے اٹھا کر لائے ہیں، اس لئے کہ ان کا انتقال تو الاصابہ میں علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کے بیان کے مطابق حضرت سیدنا عمر بن الخطابؓ ہی کے زمانے میں ہو چکا تھا، وکان خرج مع علی الی الیمن فی عهد النبی صلی الله علیه وسلم فمات هناك حضرت علی رضی اللہ عنہ کیساتھ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں یمن تشریف لے گئے تھے، وہیں ان کا وصال ہو گیا، کہئے! ہے نا کمال؟

اب قارئین ہی بتائیں کہ اس تہی دامنی کے عالم میں مولانا پھپھولے نہ پھوڑیں تو اور کیا کریں؟ حضرت محدث اعظمی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا تھا ''یہاں تک جو میں نے عرض کیا اس سے میرا مقصد یہ ہے کہ حضرت معاویہؓ نے اپنی زندگی میں جس وقت یزید کے لئے بیعت لی تھی اس وقت ایک متنفس نے بھی یہ نہیں کہا تھا کہ وہ فاسق

وفاجر یا نااہل ہے''۔ (کردار یزید ص ۱۱۵)

مولانا طاہر صاحب کا مغالطہ کہ صحابۂ کرام یزید کی خلافت سے ناراض تھے

''اس پر مولانا عنوان قائم کرتے ہیں'' خلافت یزید پر صحابۂ کرام کی ناراضگی! اور پھر لکھتے ہیں، اس عبارت میں مولانا اعظمی کا یہ ارشاد تو ٹھیک ہے کہ مضبوط اور شرعی دلیل سے حضرت معاویہ کی زندگی میں کسی نے یزید کو نہ فاسق کہا نہ شرابی لیکن کسی نے اس کو نااہل نہ قرار دیا ہو یہ بات درست نہیں ہے، حقیقت واقعہ کے بالکل خلاف بھی ہے، چونکہ جس وقت حضرت معاویہ نے ولیعہدی کی بیعت لی، ایک سے زیادہ صحابہ کو اعتراض تھا، اور اس کے لئے خوشی سے آمادہ بھی نہ تھے مجمع الزوائد کے حوالے سے حضرت عبداللہ بن الزبیر کا اعتراض کرنا گذر ہی چکا ہے، اور تمام تاریخی بیانات حضرت عبداللہ بن عمر کے بارے میں بھی متفق ہیں، کہ اس کام کے لئے بخوشی آمادہ نہیں تھے، عشرہ مبشرہ میں سے حضرت سعید بن زید نے بھی بیعت نہیں کی تھی حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ نے صاف صاف کھل کر حضرت معاویہ کی مخالفت کی تھی، جس کا تذکرہ بسند صحیح مسند ابویعلی میں موجود ہے جو تاریخی بات بھی نہیں بلکہ حدیثی سند سے ثابت ہے اس جگہ سند کے ساتھ میں پورا واقعہ نقل کر دیتا ہوں، (اختصار کے لئے میں صرف مولانا کا ترجمہ نقل کرتا ہوں، عطا) ''جب ارادہ کیا معاویہ نے کہ خلیفہ بنائیں یزید کو تو مدینہ کے گورنر کو خط بھیجا کہ میرے پاس جس کو جی چاہے بطور وفد بھیجو، راوی کہتے ہیں اس کے پاس عمرو بن حزم

انصاری گئے، اور اجازت چاہی، پس دربان آیا اجازت لینے کے لئے تو حضرت معاویہ نے کہا، کس ضرورت سے آئے ہیں؟ دربان نے کہا امیر المؤمنین، طالب کرم بن کر آئے ہیں! حضرت معاویہ نے کہا اگر تم سچے ہو تو وہ جو چاہیں لکھ دیں اور تم ان کو جو مانگیں دیدو، اسے دیکھنا نہیں چاہتا ہوں، راوی کہتے ہیں دربان ان کے پاس آیا اور کہا آپ کی کیا حاجت ہے؟ آپ جو چاہئے لکھ دیجئے، عمرو بن حزم نے کہا کہ سبحان اللہ امیر المؤمنین کے دربار میں آؤں اور ان سے روکدیا جاؤں؟ میں پسند کرتا ہوں کہ ان سے ملوں اور گفتگو کروں، تو حضرت معاویہؓ نے دربان سے کہا، ان سے وعدہ کردو فلاں فلاں دن صبح کی نماز کے بعد وہ آجائیں، راوی کہتا ہے! حضرت معاویہ نے جب صبح کی نماز پڑھ لی تو حکم دیا کہ ایک اور تخت لگایا جائے ان کے درمیان میں، پھر باقی لوگوں کو وہاں سے نکال دیا، ان کے پاس ایک کرسی عمرو بن حزم کے لئے لگائی گئی تھی، اور انھوں نے اجازت چاہی تو ان کو اجازت دی گئی، حضرت معاویہ کو سلام کیا اور کرسی پر بیٹھ گئے، تو حضرت معاویہ نے ان سے کہا، تمہاری ضرورت کیا ہے؟ تو انہوں نے الحمد للہ کہا اور اللہ کی تعریف کی، پھر عمرو بن حزم نے کہا میری جان کی قسم! یزید بن معاویہ خاندان کے اعتبار سے قریش کے افضل قبیلہ سے ہیں، مال سے بے نیاز ہے، خیر کے سوا ہر چیز سے بے نیاز ہے، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ نے کسی بندے کو کسی کا رعیت نہیں بنایا مگر اس کے بارے میں قیامت کے دن ضرور پوچھے گا، میں تم کو خدا کی یاد دلاتا ہوں محمد صلی اللہ

علیہ وسلم کی امت میں تم کس کو خلیفہ بنا رہے ہو، اے معاویہ! راوی کہتا ہے، حضرت معاویہ نے ٹھنڈی صبح میں لمبا سانس لیا یہاں تک کہ پسینے پسینے ہو گئے اور اپنے چہرہ سے تین بار پسینہ پوچھا تب جا کر افاقہ ہوا، تب اللہ کی تعریف کی الحمد للہ کہا پھر اما بعد کہا اور فرمایا: آپ ایک نصیحت کرنے والے آدمی ہیں، آپ نے اپنی رائے پیش کر دی، جو کچھ کہنا تھا کہہ دیا اب میرے اور ان کے لڑکوں کے سوا کوئی بچا نہیں ہے اور میرا لڑکا انکے لڑکوں سے زیادہ حقدار ہے، اب آپ اپنی حاجت بتائیے، عمرو بن حزم نے کہا ہماری کوئی حاجت نہیں ہے، راوی کہتا ہے پھر ان کے بھائی نے کہا، کیا ہم مدینے سے سفر کر کے چند کلمات کے لئے آئے تھے؟ راوی کہتا ہے، پھر انکو انعامات کا حکم دیا، راوی کہتا ہے، پھر عمرو بن حزم کے لئے بھی اتنا ہی انعام کا حکم دیا''۔ (کردار یزید ص ۱۱۷/۱۱۸)

مولانا گیاوی صاحب یہاں اعتراف فرماتے ہیں، کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ، کی زندگی میں مضبوط اور شرعی دلیل سے کسی نے یزید کو نہ فاسق کہا نہ شرابی، اور میں پوچھتا ہوں کہ مولانا کو جب یہ بات تسلیم ہے تو وہ حضرت معاویہؓ کے علم کے ساتھ یزید کی شراب نوشی کی تصویر کیوں پیش کر رہے تھے؟ اور حج سے واپسی پر مدینہ منورہ میں حضرت ابن عباس اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ، کے سامنے انھوں نے یزید کی شراب نوشی کیوں دکھائی؟ اگر پیش کردہ وہ تصویر درست تھی تو اب یہ اعتراف کیوں ہے کہ حضرت معاویہ کی حیات تک شرعی ضابطے کے مطابق یزید کو نہ کسی نے فاسق کہا نہ بادہ خوار، اور میں پھر عرض کرتا ہوں کہ مولانا نے شرعی دلیل کی بات کی ہے، تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ، کی وفات کے بعد بھی مولانا ذرا شرعی دلیل سے یزید کی مئے

خواری یا اس کا دوسرا فسق دکھا دیں؟ ہم ان کے ممنون ہونگے۔ شرط یہ ہے کہ شرعی دلیلوں کا معیار جمہور فقہاء کا مقرر کردہ ہو مولانا کا خود ساختہ اور خانہ ساز نہ ہو، مولانا فرماتے ہیں کہ کسی نے یزید کو نا اہل بھی نہ قرار دیا ہو، یہ بات بالکل درست نہیں ہے، تو مولانا اپنے مزعومہ دعوے کی دلیل میں ایک آدھ روایت ہی ذکر فرما دیتے، جس میں بیعت سے انکار کے وقت یزید کی نا اہلی کا صاف صاف بیان بھی مذکور ہوتا، دیدہ باید، مولانا لکھتے ہیں کہ عشرہ مبشرہ میں سے سعید بن زید نے بھی یزید کی بیعت نہیں کی تھی میں عرض کرتا ہوں کہ مولانا نے بڑی مہربانی فرمائی کہ حضرت سعید بن زید تک ہی موقوف رہ گئے، ورنہ حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ، کے وصال تک جتنے صحابۂ کرام کی وفات ہو چکی تھی، ان سب کو مولانا یزید کی بیعت نہ کرنے والوں میں شامل کر دیتے، تو کوئی مولانا کا کیا بگاڑ لیتا؟ آیئے ذرا ہم حضرت سیدنا سعید بن زید رضی اللہ عنہ، کا سال وفات معلوم کر لیں استیعاب میں ہے۔ تو فی سعید بن زید بن عمرو بن نفیل بارضه بالعقیق ودفن بالمدینة فی ایام معاویة سنة خمسین اواحدیٰ وخمسین وهو ابن بضع وسبعین سنة۔ (الاستیعاب ج۲ ص۶۲۰)

حضرت سعید ابن زید بن عمر عقیق کی اپنی زمین میں واصل الی اللہ ہوئے حضرت معاویہ کے زمانے میں ۵۰ھ یا ۵۱ھ میں مدینے میں مدفون ہوئے آپکی عمر ستر سے کچھ اوپر تھی۔

اسد الغابہ میں ہے: تو فی سعید بن زید سنة خمسین اواحدی و خمسین وهو ابن بضع سبعین سنة۔ حضرت سعید بن زید کا وصال ۵۰ھ یا ۵۱ھ میں ہوا آپ کی عمر ستر سے کچھ اوپر تھی۔ (اسد الغابہ ص ۴۸۵)

یزید کی بیعت ۶۰ھ میں ہوئی اگر اس سے قبل کے جلیل القدر صحابۂ کرام کی بیعت یزید سے ناراضگی اور مخالفت ہی دکھانی ہے تو پھر بسم اللہ کیا جائے اور ۵۰ھ یا ۶۰ھ کے

درمیان وصال پانے والے تمام بزرگوں کا نام بھی مخالفین کی فہرست میں شامل کر دیا جائے، مولانا کی دلیل کچھ تو وزن دار ہو ہی جائے گی، ورنہ بیکار، خود کی جگ ہنسائی کرانے سے کیا حاصل؟ مولانا اپنی پیش کردہ روایت میں بیعت یزید سے حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ، کا انکار واختلاف دکھانا چاہ رہے ہیں، اور انھوں نے روایت پیش کر کے پہلے راویوں کی توثیق دکھائی ہے پھر لکھا ہے، ''یہ روایت نہایت کھری اور مضبوط وصحیح سند والی ہے''۔ یعنی دبے لفظوں میں مولانا یہ اعتراف فرما رہے ہیں کہ اس سے قبل انھوں نے کمزور اور ضعیف سندوں والی روایتیں ہی پیش کی ہیں، خیر جانے دیجئے، مولانا کا راویوں کو ثقہ بتانا زیر بحث روایت کو صحیح نہیں بنا سکتا ہے، کیونکہ راویوں کا ثقہ ہونا الگ بات ہے اور روایت کا صحیح ہونا الگ، اور محدثین کرام اس ضابطے کو صاف صاف بیان فرما چکے ہیں، علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

لا یلزم من کون رجاله ثقات ان یکون صحیحاً راویوں کے ثقہ ہونے سے یہ لازم نہیں ہوتا کہ حدیث بھی صحیح ہو، لان الاعمش مدلس کیونکہ اعمش مدلس ہیں۔

(تلخیص الحبیر ج۳ص۴۵)

ابن الجوزی نے بھی لکھا ہے، وقد یکون الاسناد کله ثقات ویکون الحدیث موضوعاً، کبھی کبھی راویوں کے ثقہ ہونے کے باوجود حدیث موضوع ہوتی ہے''۔

(الموضوعات لابن الجوزی ج۱ص۹۹)

اب زیر بحث حدیث کو ہی لیجئے۔ حضرت محمد بن سیرین رحمۃ اللہ اس کو خود بیان کر رہے ہیں اور قصہ یہ ہے کہ حضرت معاویہ شام میں ہیں اور محمد بن سیرین بصرہ میں، پھر محمد بن سیرین ارسال کرنے میں بھی مشہور ہیں، یعنی جس سے انھوں نے قصہ سنا ہے اس کو چھوڑ کر براہ راست صحابی سے روایت کر دیتے ہیں، اور روایت میں انقطاع

ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے روایت قابل احتجاج نہیں رہتی، اس واقعہ میں بھی چونکہ محمد ابن سیرین شام میں نہیں ہیں، تو یہ تفصیل انھیں کیسے معلوم ہوئی؟ لازماً انھوں نے یہ کہانی کسی ایسے غیر معتبر راوی سے سنی ہے، جس نے الٹ پلٹ کر یہ واقعہ ان سے بیان کیا ہے اور انھوں نے اس غیر معتبر راوی کا نام چھوڑ کر یہ روایت بیان کر دی۔ پھر روایت کا طرز بیان بھی شک میں ڈالتا ہے، مثلاً روایت کا شروع والا حصہ دیکھئے تو معلوم ہوتا ہے کہ حضرت معاویہ کی طلبی پر مدینے کے گورنر نے انھیں حضرت معاویہ کے پاس بھیجا تھا، اور روایت کا آخری حصہ دیکھئے تو ان کے بھائی کہتے ہیں ''کیا ہم مدینے سے سفر کر کے چند کلمات کے لئے آئے تھے؟ یعنی یہاں خود سے حضرت معاویہ کے پاس آنا معلوم ہوتا ہے، اور آغاز کے ٹکڑے سے ان کا بھیجا جانا مفہوم ہوتا ہے، اس طرح ایک ہی روایت کا ٹکڑا ایک دوسرے کے معارض پایا جاتا ہے۔ پھر یہ بات بھی بالکل سمجھ میں نہیں آتی کہ جب حضرت معاویہ نے انھیں طلب فرمایا تھا تو پھر یہ کیوں کہا ''ان کو جو مانگیں دیدو اسے دیکھنا نہیں چاہتا ہوں''۔ اور دربان نے جب ان کی حاجت پوچھی تو انھوں نے یہ کیوں کہا، کہ ''سبحان اللہ امیر المؤمنین کے دربار میں آؤں اور ان سے روکدیا جاؤں'' انھیں تو کہنا چاہئے کہ یہ امیر المؤمنین کا کیسا انصاف اور ان کا کیسا اخلاق ہے؟ کہ خود ہی طلب بھی فرمائیں، اور جب ان کی طلبی پر میں اتنی دور سے تعمیل حکم میں حاضر ہوں تو خود ہی ملنے سے انکار کر بھی فرمادیں؟ روایت کہتی ہے کہ جب انھوں نے ملاقات پر اصرار فرمایا تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ملاقات منظور فرمائی، ورنہ پہلے تو صرف انعام دے کر ہی واپس کرنا چاہ رہے تھے، اور یہ صرف اسی صورت میں ہوسکتا ہے کہ آپ حضرت معاویہ کی مرضی کے بغیر صرف اپنے ارادے سے تشریف لائے ہوں، اتنی علتوں کے ہوتے ہوئے مولانا اگر

یہ فرماتے ہیں کہ ''یہ روایت نہایت کھری اور مضبوط وصحیح سند والی ہے''۔تو یہ صرف اور صرف اپنے منہ میاں مٹھو بننے والی بات ہے اور اس سے زیادہ کچھ نہیں۔

پھر مولانا کی رعایت سے اگر اس کو صحیح مان بھی لیا جائے ،تو اس میں یزید کی نااہلی کی صراحت تو کُجا اس کی طرف اشارہ بھی نہیں ہے،مولانا نے پوری روایت سے یزید کی نااہلی پر دلالت کرنے والے دو نقطے تلاش فرمائے ہیں:

(۱) غنیا الاعن کل خیر (۲) انی اذ کرك الله یا معاویة فی امة محمد صلی الله علیه وسلم بمن تستخلف علیها ۔(یعنی اے معاویہ تم کو نبی کی امت کے معاملے میں خدا کو یاد دلاتا ہوں ،تم امت پر کس کو خلیفہ بنانا چاہ رہے ہو''۔ (کردار یزید ص ۱۱۸)

پہلے نقطے کے متعلق عرض ہے کہ اس میں انھوں نے یزید کی تعریف کی ہے،اور اسی کا ایک ٹکڑا یہ بھی ہے کہ ''وہ خیر کے سوا ہر چیز سے بے نیاز ہے''۔اگر مولانا اس ٹکڑے سے یزید کی نااہلی نکال رہے ہیں،تو میں پوچھتا ہوں کہ خیر سے اپنی موت تک دنیا کا کون سا بڑے سے بڑا ولی یا صحابی بے نیاز ہوسکتا ہے؟ پھر اگر کسی صحابی تک کی خیر سے بے نیازی عیب نہیں ہے تو یہی بات یزید کے لئے عیب کس طرح بن جائے گی ؟ مولانا ہی اس اشکال کو دور فرما سکتے ہیں، یہ کسی عام اہل علم کے بس کا روگ نہیں ہے۔

دوسری بات بمن تستخلف علیها سے استدلال کرنا ہے تو عرض ہے کہ من تستخلف اور بمن تستخلف میں بہت فرق ہے،اگر اس روایت میں من تستخلف ہوتا تو ہم کہتے کہ شاید مولانا کا استدلال کسی قدر درست ہو،لیکن یہاں تو بمن تستخلف علیها ہے جس کا صاف اور آسان مفہوم یہ ہے کہ معاویہ میں آپ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے معاملے میں یاد دلانا چاہتا ہوں کہ جس کو آپ خلیفہ

بنانا چاہتے ہیں، پہلے اس کے بارے میں اچھی طرح غور وفکر کر لیجئے! اور یہ بھی کوئی نااہلی یا عیب کی بات نہیں ہے،اور جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ، نے فرمایا تھا کہ میرا لڑکا ان کے لڑکوں سے زیادہ حقدار ہے،تو حضرت عمرو بن حزم کو صاف صاف لفظوں میں یزید کی نااہلی بتا دینی چاہئے تھی، کیونکہ معاملہ بے حد نازک امر سے متعلق تھا،مولانا یہاں پر بھی اجتہاد کا حوالہ دے کر اپنی جان چھڑاتے ہیں اور پھر یہ کہہ کر شیرہ لگا دیتے ہیں کہ:

''آئندہ پیش آنیوالے حالات نے بتا دیا کہ کس کا اجتہاد صحیح تھا''۔

(کردار یزید ص ۱۱۹)

ہم سمجھتے ہیں کہ حضرت محدث کبیر رحمۃ اللہ علیہ نے اس موقع پر جو توجیہہ فرمائی ہے اسے نقل کر دیں، قارئین دیکھیں کہ اس سے بہتر کوئی توجیہہ اب تک ان کے سامنے آئی ہے؟ حضرت فرماتے ہیں،''تاریخ کا ہر طالب علم جانتا ہے کہ حضرت معاویہؓ نے اپنے اواخر عہد خلافت میں یہ دیکھ کر کہ اکابر صحابہ سب ایک ایک کر کے رخصت ہو گئے اب صرف ان کی اولاد رہ گئی ہے،خواہ وہ صحابی ہو یا غیر صحابی،اور ان میں کوئی ایسا نہیں ہے جس کے پاس منظّم طاقت،کوئی وفادار جماعت اور کوئی بالفعل قوت وشوکت ہو، یہ صحیح ہے کہ حضرت ابن الزبیر کا فی الجملہ اثر مکہ میں ہے،مگر یہ بہت چھوٹی جماعت ہے حضرت حسین کا اثر کوفہ میں ہے،مگر کوفہ والوں کی فتنہ پسندی اور بے وفائی شہرۂ آفاق ہے،اور حضرت علیؓ وحسنؓ کے ساتھ جو انھوں نے کیا،اس سے دنیا واقف ہے،رہے حضرت ابن عمرؓ تو وہ دنیا سے بالکل کنارہ کش اور ان جھمیلوں سے دور بھاگنے والے ہیں،عبدالرحمٰن بن ابی بکر کے پاس کوئی طاقت نہیں ہے، نہ ان کا کسی جگہ کوئی خاص سیاسی رسوخ ہے،ان باتوں کو نگاہ میں رکھ کر انھوں نے آئندہ کا یہ انتظام مناسب سمجھا

کہ اپنے بعد خلافت کے لئے یزید کو نامزد کر دیں، اور ابھی سے لوگوں کو آگاہ کر کے اس کے لئے بیعت لے لیں، چنانچہ انھوں نے اس کا اعلان کر دیا، اور بیعت لینا شروع کی، اطراف مملکت کی تمام رعایا نے بیعت کر لی، صرف مذکورہ بالا چار شخصوں نے بیعت نہیں کی۔ (تبصرہ بر شہید کربلا و یزید ص ۳۴)

میں عرض کرتا ہوں کہ مولانا گیاوی صاحب کی پیش کردہ روایت میں (بشرط صحت) حضرت عمرو ابن حزم نے جو نصیحت حضرت معاویہ کو فرمائی تھی، حضرت معاویہؓ نے مکمل طور سے اس کا پاس فرمایا، اس کی تائید حضرت سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی اس دعاء سے ہوتی ہے جس کا ذکر علامہ ذہبیؒ نے اپنی تاریخ الاسلام میں فرمایا ہے، وقال ابو بکر بن ابی مریم عن عطیة بن قیس قال خطب معاویة فقال اللهم ان کنت انما عهدت لیزید لما رأ یت من فضله فبلغه ما املت واعنه وان کنت انما حملنی حب الوالد لولده وانه لیس باهل فاقبضه قبل ان یبلغ ذالك۔

(تاریخ الاسلام ج ۴/ص ۱۶۹)

حضرت معاویہؓ نے اپنے خطبے میں فرمایا اے اللہ اگر میں نے یزید کے لئے اس کی لیاقت دیکھ کر ولی عہدی کی بیعت لی ہے، تو اسے میری امید تک پہونچا، اور اس کی مدد فرما اور اگر میں نے ایک باپ ہونے کے ناطے اپنے بیٹے کے لئے ایسا کیا ہے، اور وہ اس کا اہل نہیں ہے تو مقصد تک پہونچنے سے پہلے اس کی روح قبض فرمالے، یہاں پر ایک بات عرض کرنی ضروری ہے کہ جس روایت کو پیش کر کے مولانا نے استدلال فرمایا ہے وہ حضرت عمرو بن حزم کا واقعہ نہیں، بلکہ ان کے صاحبزادے محمد بن عمرو بن حزم کا واقعہ ہے، ابن عساکر اپنی تاریخ میں یہ واقعہ نقل فرماتے ہیں ''اخبرنا ابو بکر محمد بن شجاع انبأنا ابو عمر و بن مندة أنبانا الحسن بن محمد

انبانا ابو الحسن اللنبانی ثنا ابو بکر بن ابی الدنیا حدثنی ابو جعفر العلکی ثنا اسماعیل بن ابراهیم عن ابن عون حدثنی عمر بن کثیر بن افلح قال خرج محمد بن عمر وبن حزم واخوه عمارة بن حزم فقد ما علیٰ معاویة فرأ هما ذات یوم فقال متی قدمتما قالا منذ کذا و کذا قال افلا تلقیانی بحاجتکما قالا وددنا قال فمیعاد کما غداً بالغداة فلما اصبحا جعل محمد یتهیأ للغد ویقول عمارة اذکر کذا اذکر کذا قال فحضرا الباب فاذن لهما ومعاویة جالس علی کرسی فتشهد محمد قال اما بعد فانه والله ما فی الارض الیوم نفس هی اعز علی من نفسك سویٰ نفسی وما فی الارض الیوم نفس احب الی رُشداً من نفسك سویٰ نفسی و ان یزید بن معاویة قد اصبح غنیا الاعن کل خیر اصبح واسط الحسب فی قریش واصبح غنیاً فی المال وان الله سائل کل راع عن رعیته وانك مسؤول عن رعیتك فانظر عباد الله من تولی امرهم ثم استغفر فلقد رأیت معاویة اخذه بهر وانا لفی یوم شات ثم تنفس ثم تشهد ثم قال اما بعد فانك امرؤ ناصح وانما قلت برائك والله ما کان علیك الا ذالك وانما بقی ابنی وابنائهم فابنی احق من ابنائهم ارتفعا راشدین فلما خرجا اقبل عمارة علیٰ اخیه فقال فما ضربنا اکباد الابل من المدینة الالهذا أفی یزید بن معاویة ما کنت تستقبله بشیء اشد مما استقبلته به فلما اکثر علیه قال حسبك أکل هذا لیظنك انك ستعطی قال فترکنا کذا و کذا لا یلتفت الینا ثم ارسل الینا ان ارفعا حوائجکما قال فرفعنا حوائجنا واعطانا ما شاء لنا وزادنا۔

(تاریخ دمشق لابن عساکر ج ۵۵/ص ۶/۵)

اس روایت میں اتنا مضمون تو بہر حال مشترک ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ، کے سامنے نصیحت کی گفتگو ہوئی، اور حضرت معاویہؓ نے اس نصیحت کا اعتراف بھی فرمایا، پھر یہ بھی فرمایا کہ میرا لڑکا اس معاملے میں ان کے لڑکوں سے بہتر ہے، ابن عساکر کی اس روایت میں بھی یزید کی ولی عہدی سے انکار کا کوئی جزئیہ محمد بن عمرو بن حزم کی طرف سے موجود نہیں ہے، البتہ گذشتہ روایت کا ابتدائی اور انتہائی ٹکڑا باہم مخالف تھا اور بھی علتیں تھیں، جن کے باعث روایت قابل قبول نہیں تھی، اس روایت میں عمرو بن حزم کے دونوں لڑکوں کا حضرت معاویہ کے دربار میں جانے کا پتہ چلتا ہے اور روایت میں کوئی جھول بھی نہیں پایا جاتا ہے اس سے مولانا طاہر صاحب جو یزید کی ولیعہدی سے صحابیٔ رسول عمرو بن حزم کا انکار و اختلاف دکھانا چاہتے تھے، وہ مقصد فوت ہو گیا ہے۔

مولانا لکھتے ہیں کہ:

''حضرت عمرو بن حزم نے خود بھی یزید کی ولیعہدی تسلیم نہ کی نہ اسکی خلافت کی بیعت کی، بلکہ ان کے صاحبزادہ محمد بن عمرو بن حزم جو صحابی تھے وہ بھی اپنے والد کے طریقے پر قائم رہے، اور جب یزید کی بدعملی اور بدکرداری کھل کر سامنے آئی تو یزید کی بیعت توڑنیوالوں کے ساتھ رہے''۔

(کردار یزید ص ۱۱۹)

حضرت عمرو بن حزم کی وفات ایک روایت کے مطابق حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ، کے زمانے میں اور دوسری اور تیسری روایت کے مطابق ۵۱ھ یا ۵۳ھ میں ہوئی ہے۔ (الاستیعاب ج ۳ ص ۱۱۷۳)

اور ابن عساکر کی روایت کے مطابق حضرت ابن معاویہؓ کی خدمت میں ان کے دونوں صاحبزادے تشریف لائے تھے اور حضرت محمد بن عمرو بن حزم نے نصیحت والی گفتگو

فرمائی تھی، مولانا انہیں صحابی قرار دے رہے ہیں، وہ بھی صرف اس لئے کہ شرف صحابیت کے ساتھ ان کا انکار مولانا کی دلیل کو قوی کر دے گا، لیکن ملاحظہ فرمائیے کہ حضرت محمد بن عمرو بن حزم کس درجہ کے صحابی تھے؟ الاستیعاب میں ہے محمد بن عمرو بن حزم الانصاری ولد فی سنة عشر من الهجرة بنجران وابوه عامل رسول الله صلى الله عليه وسلم وقيل ولد قبل وفاة رسول الله صلى الله عليه وسلم بسنتين سماه ابوه محمداً وكناه ابا سليمان وكتب بذالك الىٰ رسول الله صلى الله عليه وسلم فكتب اليه رسول الله صلى الله عليه وسلم ..... سمه محمداً وكنه ابا عبد الملك .....، قتل يوم الحرة وهو ابن ثلاث وخمسين سنة ويقال انه كان اشد الناس على عثمان المحمدون محمد بن ابى بكر، محمد بن ابى حذيفة، محمد بن عمرو بن حزم۔

(الاستیعاب ج ۳ ص ۱۳۷۵)

محمد بن عمرو بن حزم انصاری جس وقت انکے والد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عامل تھے، نجران میں ۱۰ھ میں پیدا ہوئے، یہ بھی کہا گیا ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے دو سال قبل پیدا ہوئے، انکے والد نے ان کا نام محمد اور کنیت ابو سلیمان رکھی، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو لکھ کر اس کی خبر بھیجی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں لکھوایا کہ اس کا نام محمد اور کنیت ابو عبد الملک رکھدیں، یہ ترپن سال کی عمر میں حرہ میں شہید ہوئے، اور کہا جاتا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، کی مخالفت میں محمد نام کے لوگ سب سے زیادہ سخت تھے، محمد بن ابی بکر، محمد بن ابی حذیفہ، محمد بن عمرو بن حزم''۔

اس روایت سے ایک جھلک تو ضرور ملتی ہے کہ یہ محمد بن عمرو بن حزم حضرت سیدنا عثمان

رضی اللہ عنہ، کے سخت مخالف تھے اور اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ یہ مخالفت بھی سبائی پروپیگنڈے سے متاثر ہونے کا نتیجہ ہے، جو بالآخر ترقی کر کے ان کو خروج و بغاوت کے مقام تک لے آئی، اب ہمارے مولانا ان کو بھی درجہ صحابیت عطا فرما رہے ہیں تو صرف اس لئے کہ مولانا کو یزید کے خلاف حضرت معاویہ کے سامنے ان کا انکار اور بالآخر حرہ میں یزید کے خلاف انکا خروج دکھائی دے رہا ہے، اور اس کو مولانا نوشاد نوری فرماتے ہیں کہ ''اس شان کی تحقیق ہے کہ منصف انسان اسے قبول کئے بغیر نہیں رہ سکتا''۔

کیا اس پوری جماعت نے یزید کی مخالفت میں انصاف کو ذبح کرنے کی قسم کھا رکھی ہے؟

مولانا طاہر صاحب کی غلط بیانی اور اس کی حقیقت

مولانا سید طاہر حسین صاحب مدظلہ فرماتے ہیں:

''اسی طرح ولی عہدی کی بیعت کے معاملہ میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے مخالفت کی اور بخاری میں خود ان کا بیان موجود ہے کہ حضرت معاویہ نے اپنے صاحبزادے کے لئے جب ولی عہد پر ارشاد فرماتے ہیں مملوک خلافت کے زیادہ حقدار ہیں (مولانا کی اردو تو اردوئے معلّٰی کا نادر نمونہ معلوم ہوتی ہے، عطا) تو عبداللہ بن عمر کہتے ہیں کہ میرا ارادہ تھا کہ ان کا جواب دوں کہ جنھوں نے آپ سے اور آپکے والد سے اسلام کے لئے جنگ لڑی ہے وہ خلافت کے زیادہ حقدار ہیں، مگر فتنہ اور خوں ریزی کے خیال سے میں بول نہ سکا''۔

(دیکھئے بخاری ج۲ص۵۹۹ / کردار یزید ص۱۱۹)

ہم نے بخاری کے مذکورہ صفحے کی ایک ایک سطر دیکھ لی لیکن یہ روایت ہمیں بالکل نہیں ملی جب کہ دیگر حوالوں کی مراجعت میں متعلقہ روایتیں مل گئیں، اس لئے اختلاف

طباعت کا عذر بھی یہاں کارآمد نہیں ہے، البتہ تلاش کے بعد ہمیں یہ روایت ص۵۸۹/ ۵۹۰ پر باب غزوۃ الخندق میں مل گئی، لیجئے دیکھ لیجئے!

عن ابن عمر رضی اللہ عنہ قال دخلت علی حفصة و نو ساتها تنطف (ای ذوائبها تقطر، قسطلانی) قلت قد کان من امر الناس ما ترین فلم یجعل لی من الامر شئ فقالت الحق فانهم ینتظرونك واخشی ان یکون من احتباسك عنهم فرقة فلم تدعه حتی ذهب فلما تفرق الناس خطب معاویة قال من کان یرید ان یتکلم فی هذا الامر فلیطلع لنا قرنه فلنحن احق به منه قال حبیب بن مسلمة فهلا اجبته قال عبد الله فحللت حبوتی و هممت ان اقول احق بهٰذا الامر منك من قاتلك واباك علی الاسلام فخشیت ان اقول کلمة تفرق بین الجمیع وتسفك الدم ویحمل عنی غیر ذالك۔ (بخاری ج۲ص۵۸۹/۵۹۰)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ، فرماتے ہیں کہ میں ام المؤمنین حضرت حفصہ کے پاس گیا میں نے کہا، لوگوں کا جو معاملہ ہے آپ دیکھ رہی ہیں، انھوں نے میرے لئے کوئی بات رہنے نہیں دی، فرمایا ان کے پاس جاؤ وہ تمہارا انتظار کر رہے ہیں، اور مجھے اندیشہ ہے کہ تمہارے نہ رہنے کی وجہ سے کوئی تفرقہ نہ ہو جائے، انھوں نے مجھے جانے پر مجبور کر دیا، جب لوگ بکھر گئے تو حضرت معاویہؓ نے خطبہ دیا کہ جو شخص اس مسئلے پر بات کرنا چاہتا ہے وہ آگے آئے، کیونکہ ہم خلافت کے اس سے زیادہ حقدار ہیں، حبیب بن مسلمہ نے کہا میں نے ابن عمر سے پوچھا کہ آپ نے انھیں جواب کیوں نہیں دیا؟ عبداللہ ابن عمر نے فرمایا میں نے پیٹھ سے پنڈلی کو باندھنے والا کپڑا کھول دیا اور سوچا کہ میں کہدوں کہ خلافت کے آپ سے زیادہ حقدار تو وہ لوگ ہیں، جنھوں

نے آپ اور آپ کے والد سے اسلام کے لئے جنگ کی ہے، پھر مجھے ڈر لگا کہ میں یہ بات کہوں اور فرقہ بندی اور خونریزی نہ ہو جائے، اور لوگ میری بات کا دوسرا مطلب نہ نکال لیں، علامہ قسطلانی کا قول حاشیے میں ہے، ماترین ای بما وقع بین علی و معاویۃ من القتال فی الصفین یوم اجتماعھم علی الحکومۃ فیما اختلفوا فیہ۔

(بخاری ج۲ ص۵۸۹)

''آپ دیکھ رہی ہیں یعنی حضرت علی اور معاویہ کے درمیان صفین میں جو لڑائی ہوئی حکومت پر ان کے اجتماع کے دن جس کے متعلق ان میں اختلاف ہو گیا''۔

قارئین کرام دیکھ رہے ہیں، کہ مولانا طاہر صاحب کی پیش کردہ روایت میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ، کا یہ مقولہ صفین کے موقع کا ہے، اور مولانا اس کو یزید کی ولیعہدی کے موقع پر دکھلا رہے ہیں، میں مولانا کو دعوت دیتا ہوں کہ وہ اپنے ذہن و دماغ کی ساری توانائی صرف کر کے بھی یزید کی ولیعہدی کے موقع پر حضرت ابن عمرؓ کا یہ قول کسی روایت سے کسی کتاب سے ڈھونڈ کر لا دیں، اور اپنا پیش کیا ہوا دعویٰ ثابت کر دیں، اور اگر نہیں کر سکتے تو ہم پوچھ سکتے ہیں کہ آخری انھیں اس طرح کی غلط بیانی اور مغالطے میں کون سا لطف ملتا ہے؟

مولانا سید طاہر حسین صاحب گیاوی مدظلہ، نے علامہ ابن کثیر کی البدایہ سے ایک روایت نقل فرمائی ہے ''لما جاء ت بیعۃ یزید بن معاویۃ الی المدینۃ قال عبد الرحمن لمروان جعلتموھا واللہ ھرقلیۃ و کسرویۃ یعنی جعلتم ملک الملک لمن بعدہ من ولدہ جب یزید کی بیعت کا معاملہ مدینہ میں آیا، عبدالرحمٰن بن ابی بکر نے مروان سے کہا خدا کی قسم تم لوگوں نے حکومت کو ہرقل اور کسریٰ کی حکومت بنا دیا ہے کہ ملک کا بادشاہ اپنی اولاد میں جس کو چاہتا ہے بادشاہ بنا دیتا ہے۔ (البدایۃ والنہایۃ ج۸/ص۱۲۹)

مولانا لکھتے ہیں:

''یہ روایت بھی نہایت مضبوط اور صحیح ہے غرض اس وقت جب ولیعہدی کی بیعت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ یزید کیلئے لے رہے تھے، حضرت انسؓ حضرت ابن عباسؓ، حضرت حسینؓ حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت عبداللہ بن الزبیرؓ حضرت سعید بن زیدؓ (جو عشرہ مبشرہ میں سے تھے) حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ اور دیگر بہت سارے صحابہ جو بقید حیات تھے، سب نے حضرت معاویہ کی مخالفت کی تھی اور ان میں سے کوئی بھی یزید کی ولیعہدی کو بہ خوشی منظور کرنے کو آمادہ نہ تھا کیوں کہ یہ حضرات صحابہ نہ تو یزید کی شخصیت کو اکابر صحابہ کی موجودگی میں خلافت کا اہل سمجھتے تھے، اور نہ ہی حضرت معاویہ کا یہ اقدام اسلام کے شورائی نظام کے مناسب تھا، یہ اقدام جس زمانہ کی بات ہے وہ بہت سے تجربہ کار اور اکابر صحابہ کے ماحول میں اذا وسد الامر الی غیر اھلہ فانتظر الساعۃ کے قبیل سے تھا''۔ (کردار یزید ص۱۲۰)

مولانا لکھتے ہیں کہ یہ روایت نہایت مضبوط اور صحیح ہے، ہم مان لیتے ہیں، لیکن مولانا نے اس روایت کو یزید کی نااہلی کے ثبوت میں کیوں پیش کیا ہے؟ ہم اس کو سمجھنے سے قاصر ہیں قارئین کرام ہی پیش کردہ روایت کو بغور دیکھیں، اس میں حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر کی طرف سے یزید کی نااہلی کی طرف کوئی خفیف سا اشارہ بھی ہے؟ اگر ہے تو ہم جاننا چاہیں گے کہ وہ لفظ کون سا ہے جو یزید کی نااہلی کی جانب مشیر ہے؟ اگر نہیں ہے تو مولانا یہ سینہ زوری کیوں فرما رہے ہیں؟ حضرت عبدالرحمٰن نے جو کچھ فرمایا اس کا تمام تر رشتہ انتخاب کے طریقۂ کار سے ہے نہ کہ یزید کی اہلیت و نااہلی سے۔ مولانا

کی عادت معلوم ہوتی ہے کہ بات ثابت کرسکو نہ کرسکو، ایک سانس میں درجنوں دعوے کرتے جاؤ، حضرت سعید بن زیدؓ، حضرت عمرو بن حفصؓ، حضرت عمرو بن حزمؓ وغیرہم کے متعلق ساری حقیقت گذشتہ صفحات میں آچکی ہے، حضرت انس رضی اللہ عنہ، کے اختلاف کا دعویٰ بھی محض دعویٰ ہی ہے، ہم نے الاصابہ، الاستیعاب اسد الغابۃ اور دیگر کتابوں کی ورق گردانی کی، کہیں بھی اس کا ذکر موجود نہیں ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ، نے یزید کی ولیعہدی سے اختلاف فرمایا ہو، حضرت سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ، نے فرمایا تھا، انما انا رجل من المسلمین فاذا اجتمعوا علیٰ امر فانما انا رجل منهم فقال یرحمك الله وخرج ابن عمر۔ (تاریخ الاسلام للذہبی ج۴ص۱۴۹)

میں بھی مسلمانوں کا ایک فرد ہوں، کسی بات پر جب سب کا اتفاق ہو جائے گا تو میں بھی انھیں کا ایک فرد بنوں گا، حضرت معاویہ نے فرمایا اللہ تم پر رحم کرے اور ابن عمر نکل گئے۔ حضرت سیدنا ابن الزبیر کا جواب بھی سن لیجئے! ان کنت قد مللت الامارة فاعتزلها وهلم ابنك فلنبایعه أرائیت اذا بایعنا ابنك معك لایکما نسمع ونطیع لانجمع البیعة لکما ابدا ثم خرج۔ (تاریخ الاسلام ج۴ص۱۴۹)

اگر آپ امارت سے اکتا گئے ہوں تو اس سے استعفیٰ دیجئے اور اپنے بیٹے کو لائیے ہم اس کے ہاتھ پر بیعت کر لیتے ہیں، آپ ہی بتائیے! کہ ہم آپ کے ساتھ آپ کے بیٹے کی بیعت بھی کریں، تو ہم آپ دونوں میں سے کس کی سنیں اور مانیں؟ ہم کبھی آپ دونوں کی اکٹھی بیعت نہیں کرینگے۔ اب ہمیں مولانا ہی سمجھائیں گے کہ حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ، کی تجویز اذا وسد الامر الی غیر اهله کی قبیل سے تھی کہ نہیں؟ مولانا ہمیں بتاتے ہیں کہ بہت سارے صحابہ نے یزید کی ولیعہدی کی مخالفت کی تھی، اور تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ پانچ بزرگوں نے ولیعہدی کے وقت بیعت کی مخالفت

فرمائی تھی اور حضرت عبد الرحمٰن ابن ابی بکر کا اسی حال میں وصال ہوگیا، اور حضرت ابن عمر اور حضرت ابن عباس نے یزید کی بیعت قبول فرمالی، صرف دو بزرگ حضرت سیدنا حسین اور حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما قبول بیعت سے کنارہ کش ہو کر مکہ تشریف لے گئے، ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں ولما توفی الحسن کان الحسین یفد الی معاویة کل عام فیعطیه ویکرمه وقد کان فی الجیش الذی غزو القسطنطنیه مع ابن معاویة لیزید فی سنة احدیٰ وخمسین ولما اخذت البیعة لیزید فی حیاة معاویة کان الحسین ممن امتنع مبایعته هو وابن الزبیر وعبد الرحمن بن ابی بکر و ابن عمر وابن عباس ثم مات ابن ابی بکر و هو مصمم علیٰ ذالك فلما مات معاویة سنة ستین وبویع لیزید بائع ابن عمر وابن عباس وصمم علی المخالفة الحسین وابن الزبیر وخرجا من المدینة فارین الیٰ مکة فاقامابها۔ (البدایۃ ج۸ص۱۵۱)

''جب حضرت حسن رضی اللہ عنہ، کی وفات ہوگئی، تو حضرت حسین ہر سال حضرت معاویہؓ کے پاس جاتے رہے اور وہ انھیں نوازتے اور انکا اکرام فرماتے رہے۔ حضرت حسین یزید ابن معاویہ کے ساتھ اس لشکر میں بھی تھے، جس نے ۵۱ھ میں قسطنطنیہ کی جنگ لڑی تھی، جب حضرت معاویہ کی زندگی میں یزید کے لئے بیعت لی جانے لگی تو حضرت حسین، ابن زبیر، عبد الرحمٰن ابن ابی بکر، ابن عمر اور ابن عباس رضی اللہ عنہم نے بیعت نہیں فرمائی، پھر عبد الرحمٰن ابن ابی بکر کا انتقال ہوگیا اور وہ اپنے اس فیصلے پر قائم تھے، جب حضرت معاویہ کا ۶۰ھ میں انتقال ہوگیا اور یزید کے لئے بیعت لی گئی، تو ابن عمر اور ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیعت فرمالی اور حضرت حسین اور ابن زبیر رضی اللہ عنہما مخالفت پر اڑے رہے، اور بھاگ کر مکہ چلے گئے اور وہیں قیام

فرمالیا''۔

یہ روایت ہمیں بتاتی ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن ابن ابی بکر بیعت یزید سے پہلے ہی اللہ کو پیارے ہوگئے تھے، اور اختلاف رکھنے والوں میں سے حضرت عبداللہ ابن عمر، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بھی بیعت کر لی تھی، صرف حضرت حسین اور ابن زبیر رضی اللہ عنہما دو بزرگوں کا نام آتا ہے، کہ انھوں نے یزید کی بیعت قبول نہیں فرمائی، اور اپنے اختلاف پر قائم رہے، بلکہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ، نے بھی اخیر وقت میں یزید کی بیعت کا ارادہ فرمالیا تھا جسے سبائی ظالموں نے پورا نہیں ہونے دیا، اب مولانا بہت سارے صحابہ کو مخالفت کرنے والوں کے پلیٹ فارم پر دکھا رہے ہیں تو مولانا کو ان بزرگوں کے اسمائے گرامی بھی پیش کرنے چاہئیں، اور جنھوں نے پہلے مخالفت فرمائی پھر بیعت میں عام مسلمانوں کیساتھ شامل ہوگئے، تو اب ان کی مخالفت کا کوئی مطلب باقی نہیں رہ گیا، ان کے نام مخالفین میں شمار کرنا اپنے پیش کردہ حضرات کی گنتی میں صرف اضافے کی ناکام کوشش کے سوا اور کیا ہے؟ ہم تو منتظر ہیں کہ مولانا اختلافی پلیٹ فارم پر جو بہت سارے صحابۂ کرام کا مجمع دیکھ رہے ہیں از راہ کرم وہ چشمہ مولانا ہمیں بھی عطا فرمائیں، ہم بھی تو دیکھیں کہ سچ مچ وہ تعداد پلیٹ فارم پر ہے بھی یا یہ صرف مولانا کا فریب نظر ہے، اور مولانا ہمیں بھی اپنے جیسا ہی بنانا چاہتے ہیں؟

مولانا فرماتے ہیں:

> ''یہ دوسری بات ہے کہ افضل کی موجودگی میں مفضول کو اختیار کر لینا ایک خلاف اولیٰ اقدام تھا، اور صحابۂ کرام کی بڑی تعداد اس عمل کو غیر مناسب اور یزید کو نااہل سمجھ رہی تھی''۔ (کردار یزید ص ۱۲۰)

ہم عرض کریں گے کہ یزید کی نااہلی کا ثبوت پیش کئے بغیر اس کو نااہل قرار دینا صرف

زیادتی ہی نہیں حد درجہ کی ڈھٹائی بھی ہے، ورنہ جن پانچ بزرگوں کا اختلاف ولیعہدیٔ یزید کے وقت سامنے آیا ہے، سب نے طریقۂ انتخاب پر اعتراض فرمایا ہے، یزید کی اہلیت کا کسی نے اپنے اعتراض کے باوجود انکار نہیں فرمایا، اور افضل کے ہوتے ہوئے غیر افضل کا انتخاب کہیں بھی خلاف اولیٰ نہیں ہے، ابن حجر ہیتمی فرماتے ہیں۔ واعلم انه يجوز نصب المفضول مع وجود من هو افضل منه لاجماع العلماء بعد الخلفاء الراشدين على امامة بعض من قريش مع وجود افضل منه منهم۔ (الصواعق المحرقۃ ص ۷)

''افضل کے ہوتے ہوئے مفضول کا مقرر کرنا جائز ہے، کیونکہ علماء نے خلفائے راشدین کے بعد بعض قریش کی امامت پر اجماع کیا ہے، باوجودیکہ ان میں سے کچھ لوگ مقرر کردہ سے افضل تھے''۔

اور فرماتے ہیں و المعنى فى ذالك ان غير الافضل قد يكون اقدر منه على القيام بمصالح الدين واعرف تدبير الملك واوفق لانتظام حال الرعية واوثق فى اندفاع الفتنة۔ (الصواعق المحرقۃ ص ۷)

مطلب یہ ہے کہ غیر افضل کبھی مصالح دین کے قیام پر افضل سے زیادہ قادر، اور ملکی تدبیر کا زیادہ جاننے والا، اور رعیت کے حسب حال انتظام کے زیادہ موافق، اور فتنے کو روکنے میں زیادہ با اعتماد ہوتا ہے۔

مولانا افضل کے ہوتے ہوئے مفضول کے تقرر کو غیر اولیٰ فرما رہے ہیں ہم ان سے کہتے ہیں کہ ہمت ہے تو ذرا یہاں بھی مفضول کے تقرر کو غیر اولیٰ کہہ دیں پھر دیکھیں ان کا کیا حشر ہوتا ہے؟

عن ابن عمر رضى الله عنه قال امر رسول الله صلى الله عليه وسلم

اسامةعلی قوم فطعنوا فی امارته فقال ان تطعنوا فی امارته فقد طعنتم فی امارة ابیه من قبله وایم الله لقد کان خلیقاً للامارةوان کان لمن احب الناس الی وان هذا لمن احب الناس الیّ بعده۔

(بخاری ج۲ص۶۱۰ حدیث نمبر۴۰۸۹)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لشکر پر حضرت اسامہ ابن زید کو امیر بنا دیا، لوگوں نے ان کی امارت پر طعن کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تم اس کی امارت پر طعنہ زن ہوتے ہو، تو تم نے تو اس سے پہلے اس کے باپ کی امارت پر بھی انگلی اٹھائی تھی، اور خدا کی قسم وہ امارت کے قابل تھا اور لوگوں میں مجھے سب سے زیادہ محبوب بھی، اور زید کے بعد یہ بھی مجھے لوگوں میں سب سے زیادہ محبوب ہے''۔

قوم پر نشان لگا کر حاشیے پر علامہ قسطلانی کا قول منقول ہے من کبار المهاجرین والانصار، فیم ابو بکرو عمر وسعد وسعید و ابو عبیدة وقتادة بن النعمان وغیرهم ۔ (قسطلانی بر بخاری)

''اس قوم پر امیر مقرر فرمایا جس میں اکابر مہاجرین وانصار صحابہ موجود تھے ان میں حضرت ابوبکر، عمر، سعد، سعید، ابوعبیدہ، قتادہ بن نعمان وغیرہم شامل تھے'' فی امارة ابیه پر نشان لگا کر قسطلانی کی عبارت یوں منقول ہے یرید امارة زید بن حارثة فی غزوة موتة وفیهم خیار الصحابة منهم جعفر بن ابی طالب ۔

(بخاری ج۱ص۵۲۸)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد غزوۂ موتہ سے تھی جس میں بہترین صحابہ مثلاً حضرت جعفر ابن ابی طالب اور دوسرے حضرات موجود تھے۔

علامہ ذہبی لکھتے ہیں۔ وفی المغازی ان النبی صلی الله علیه وسلم امر اسامة علی جیش فیهم ابو بکر وله ثمان و عشرون ۔

(تاریخ الاسلام ج۴ص۱۷۶ سیر اعلام النبلاء ج۲ص۵۰۰)

''مغازی میں ہے کہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اسامہ کو ایک لشکر کا امیر مقرر فرمایا تھا جس میں حضرت ابوبکر تھے، اس وقت حضرت اسامہ کی عمر اٹھائیس سال تھی''۔ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ، کی جب حضرت اسامہ سے ملاقات ہوتی تو فرماتے السلام علیک ایها الامیر آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امیر مقرر فرمایا اور اللہ کو پیارے ہو گئے دراں حالے کہ آپ ہمارے امیر تھے۔

عن عبد الله بن دینار وغیره قال لم یلق عمر اسامة قط الا قال السلام علیك ایها الامیر ورحمة الله وبرکاته امیر امره رسول الله صلی الله علیه وسلم ومات وانت علیّ امیر ۔(تاریخ الاسلام ج۴ص۱۷۷ سیر اعلام النبلاء ج۲ص۵۰۱)

کس نے میرے چند تنکوں کو جلانے کیلئے
برق کی زد میں گلستاں کا گلستاں رکھ دیا

انتخاب میں اہلیت مطلوب ہے نہ کہ فضیلت

حقیقت یہ ہے کہ صلاحیتیں مختلف ہوا کرتی ہیں، کوئی ضروری نہیں کہ ایک شخص فضائل ومحاسن کا حامل ہو تو دوسری ضروری صلاحیت بھی اس میں موجود ہی ہو، حضرت سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو دھاء العرب عرب کا بصیرت مند شخص کہا جاتا تھا، آپ کی بصیرت نے محسوس فرمایا کہ بے شک دیگر صحابۂ کرام کے صاحبزادگان بھی ہیں اور ان میں دیگر نوع سے یزید کے مقابلے میں افضلیت بھی ہے، لیکن امور سلطنت کی انجام دہی کا مسئلہ بہت نازک ہوا کرتا ہے۔ اس میں تجربہ کی بھی شدید ضرورت پڑتی ہے اور پختگیٔ

رائے کے ساتھ ساتھ ذکاوت وشجاعت کی بھی، اور یزید میں یہ ساری صلاحیتیں موجود ہیں ان کے خیال میں وہی ان سب سے زیادہ لائق ہے، اور انھوں نے اپنی بصیرت کے مطابق اس پر عمل بھی فرمایا، اور یزید نے بھی ثابت کر دیا کہ وہ حضرت معاویہ کی امیدوں پر کھرا اترا، ایک بار پھر مولانا طاہر صاحب کا اعتراف پڑھ لیجئے:

''یزید کی طاقت متحد تھی، قتل حسین کے بعد تو عراق مصر حجاز سب متحد تھے، دو سال تک کہیں نہ کوئی بغاوت اٹھی نہ متحدہ قوت میں کوئی انتشار پیدا ہوا، جو علاقہ حضرت معاویہ کے دور میں متحد تھا، حضرت حسین کی شہادت کے بعد تک متحد رہا، اور سب کے سب یزیدی دور تک متحد رہے، اس لئے طاقت بھی متحد تھی، پھر بغاوت اور انتشار پھیلنے کا بہانہ اور وہم تو کیا جا سکتا ہے، لیکن اس کا حقیقت سے دور کا بھی کوئی تعلق نہیں دو سال کے بعد ۶۳ھ میں پہلی مرتبہ اہل مدینہ نے بغاوت کی ہے اب متحدہ قوت میں انتشار پیدا ہوا ہے۔ (کردار یزید ص ۱۲۹)

ضد اور ہٹ کا برا ہو، کہ پھر بھی مولانا حضرت معاویہؓ پر تعریض سے نہیں چوکتے، فرماتے ہیں:

''لیکن آئندہ پیش آنیوالے حالات نے بتا دیا کہ کس کا اجتہاد صحیح تھا''۔

(کردار یزید ص ۱۱۹)

کیا حضرت معاویہؓ نے یزید کی ولیعہدی کیلئے زور وزر کا استعمال کیا

مولانا فرماتے ہیں:

''یزید خلافت کا اہل اور قابل امیدوار بھی نہ تھا کہ اس کی تعریف کی جائے، بلکہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس کام میں زر اور زور کا بھی

استعمال کرنا پڑا، حافظ ابن کثیر علیہ الرحمۃ محدث زبیر بن بکار سے نقل فرماتے ہیں: قال الزبیر بن بکار حدثنی ابراھیم بن محمد بن عبد العزیز الزھری عن ابیہ عن جدہ قال بعث معاویۃ الیٰ عبد الرحمن بن ابی بکر بمأۃ الف درھم بعد ان ابی البیعۃ لیزید بن معاویۃ فردھا عبد الرحمن وابیٰ ان یاخذھا وقال ابیع دینی بدنیای وخرج الی مکۃ فمات بھا ۔(ترجمہ مولانا ہی کا ہے) زبیر ابن بکار کہتے ہیں مجھ سے ابراہیم نے حدیث بیان کی ان سے محمد ابن عبد العزیز نے اور محمد سے ابراہیم کے دادا عبد العزیز نے، وہ کہتے ہیں عبد الرحمٰن بن ابی بکر نے جب یزید کی بیعت سے انکار کر دیا تو ان کو حضرت معاویہ نے ایک لاکھ درہم بھی دیئے، عبد الرحمٰن بن ابی بکر نے اس کو واپس کر دیا اور بیعت سے انکار کر دیا اور کہا میں اپنے دین کو دنیا کے عوض بیچونگا؟ عبد الرحمٰن بن ابی بکر مکہ چلے گئے اور وہیں ان کا انتقال ہو گیا''۔ اسی کے ساتھ مولانا یہ بھی فرماتے ہیں۔''اس سند میں کوئی جان نہیں ہے اس لئے اس کی ایک تاریخی روایت سے زیادہ کوئی حقیقت نہیں۔

(کردار یزید ص ۱۲۱)

سوال یہ ہے کہ جب اس روایت کی سند میں کوئی جان نہیں ہے، تو مولانا نے اسے اپنی کتاب میں درج کیوں کیا؟ کتاب کی ضخامت بڑھانے کے لئے یا قارئین کو حضرت معاویہ سے بدگمان کرا کر ''ثواب دارین'' حاصل کرنے کے لئے؟ اور میں عرض کرتا ہوں کہ اگر سند میں جان بھی ہوتی تو اس سے حضرت معاویہ پر زر کے استعمال کی تہمت کی کوئی گنجائش نہ ہوتی، کیا اہل علم نہیں جانتے کہ حضرت معاویہ کی ذات گرامی

ہو یا یزید کی، دونوں کے ہاتھ ہمیشہ کھلے رہتے تھے، کون ہے جوان دونوں کے یہاں سے خالی واپس آیا ہو؟ حضرت حسنین ہوں یا حضرت عبداللہ بن جعفر، حضرت ابن عباس، عبداللہ ابن زبیر اور حضرت ابن مطیع ہوں، کہ محمد ابن الحنفیہ، کس کا ان دونوں پدر و پسر نے اکرام نہیں فرمایا اور ان کی خدمت عطایا و ہدایا سے نہیں کی؟ حسب عادت اگر انھوں نے ایک اختلاف رکھنے والے بزرگ کی خدمت میں ہدیہ بھیجا تو اس اختلاف کے باعث ممکن ہے، انھوں نے اسے تالیف قلب پر محمول کیا ہو، لیکن مولانا طاہر پر کون سا نشہ سوار ہو گیا؟ کہ اس کے زیر اثر ایک معزز صحابی کے اکرام کو رشوت دہی پر محمول کر کے قارئین کی نظروں میں انہیں راشی دکھانے کی مذموم کوشش کرنے لگے؟ اور یہ بھی لکھ مارنے لگے کہ اس کام میں انھیں زور وزر کا استعمال کرنا پڑا۔ میں پوچھتا ہوں اس نشے کی زیادتی کی وجہ سے کہیں احترام صحابیت کی رگ مفلوج و ماؤف تو نہیں ہو گئی؟

لیجئے ایک روایت ہم بھی پیش کر دیتے ہیں، دیکھیں! مولانا اپنے زور قلم سے اس پر کیا حکم لگاتے ہیں، وقال ابن ابی الدنیا حدثنا یوسف بن موسی ثنا جریر عن مغیرة قال ارسل الحسن بن علی وعبد الله بن جعفر الی معاویة یسألانه المال فبعث الیهما او الیٰ کل منهما بمأة الف فبلغ ذالك علیاً فقال لهما الاتستحیان ،رجل نطعن فی عینه غدوة وعشیة تسالانه المال فقال بل حرمتنا انت وجادهو لنا۔ (البدایۃ ج۸ص۱۳۷)

حضرت حسن ابن علی رضی اللہ عنہما اور حضرت عبداللہ ابن جعفرؓ نے حضرت معاویہؓ کے پاس پیغام بھیجا، یہ دونوں حضرات ان سے مال چاہ رہے تھے، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ، نے دونوں کو ایک ایک لاکھ بھیج دئے، حضرت علی رضی اللہ عنہ تک بات پہونچ گئی

تو دونوں سے فرمایا، تمہیں شرم نہیں آتی؟ جس آدمی کی ہم صبح شام نکتہ چینی کرتے ہیں تم اسی سے مال طلب کرتے ہو، دونوں بولے آپ نے ہمیں محروم رکھا اور انھوں نے خوب دیا۔ مولانا فرمائیں یہاں کس مقصد کے لئے زر کا استعمال ہو رہا تھا؟

محترم مولانا سید طاہر حسین صاحب گیاوی مدظلہ، نے اس حدیث سے یزید کی فساد کاری پر استدلال فرمایا ہے جس میں تذکرہ ہے کہ ''میری امت کی ہلاکت چند قریشی چھوکروں کے ہاتھوں ہوگی'' دراصل یہ استدلال حضرت محدث اعظمی علیہ الرحمہ کے مخاطب ممدوح گرامی حضرت قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ہے، انھوں نے اس حدیث کا مصداق یزید کو قرار دیا تھا، جس کا جواب حضرت محدث اعظمی علیہ الرحمہ نے پیش فرمایا تھا، مولانا طاہر صاحب حضرت کے اس جواب کا ایک حصہ نقل فرما کر اس پر نقد اور حضرت محدث پر طنز فرماتے ہیں، مولانا حضرت محدثؒ کے جواب کا ٹکڑا نقل فرماتے ہیں۔

''دوسری بات مہتمم صاحب سے یہ عرض کرنی ہے کہ جس بات کی کسی حدیث میں تصریح نہ ہو اور شارحین اپنے اپنے علم کے مطابق قرائن کی بنا پر حدیث کا محمل متعین کرنے کی کوشش کریں تو شارحین کے بیان کردہ محامل کو حدیث کا درجہ نہیں دیا جاتا، مثلاً آپ کی منقولہ بالا حدیث میں صرف اتنا بیان ہے کہ ''میری امت کی ہلاکت چند قریشی چھوکروں کے ہاتھ ہوگی''۔

حدیث میں صراحۃً یا اشارۃً کوئی تعیین ان چھوکروں کی نہیں ہے، اب اگر کسی قرینہ کی بنا پر کسی عالم نے یہ لکھ دیا کہ اس میں یزید کی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے تو اس بنیاد پر یہ کہنا ہرگز صحیح نہیں ہے کہ حدیث میں یزید کے ہاتھوں سے امت کی بربادی کی پیشین گوئی کی گئی۔ اور واضح لفظوں میں سنئے چند غیر متعین قریشی لڑکوں کے ہاتھ امت کی

بربادی کی خبر کو تو حق تسلیم کرنا اور اس پر آمنا وصدقنا کہنا ضروری ہے، لیکن یہ تسلیم کرنا کہ ان لڑکوں میں یزید بھی داخل ہے قطعاً ضروری نہیں ہے، اس لئے کہ اس کی تصریح حدیث میں نہیں ہے، ہاں احتمال کے درجہ میں یہ کہنا اور ماننا ممکن ہے کہ ہوسکتا ہے کہ یزید بھی ان میں داخل ہو، اب مہتمم صاحب سے پوچھتا ہوں کہ ایسی احتمالی بات بھی داخل عقائد ہوسکتی ہے''۔ (تبصرہ برشہید کربلا ویزید ص ۲۳/کردار یزید ص ۹۸/۹۹)

مولانا طاہر صاحب کی انتہائی گستاخ تحریر اور اس کا جواب

مولانا طاہر صاحب لکھتے ہیں:

''مولانا اعظمی کی نصیحت کا ماحصل'' مولانا اعظمی کے اس طویل اقتباس کو میں نے اس لئے نقل کیا ہے کہ مولانا اعظمی کا غرور علم اس جگہ بالکل کھل گیا ہے اور وہ تکبر کو تواضع کی چادر میں چھپانے میں بری طرح ناکام ہوگئے ہیں، اور بڑے بڑے محدثین اور اصحاب علم کو ہی نہیں، صحابیٔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم تک کو اپنی گھمنڈ کی ٹھوکر پر رکھ کر بے توقیر بنا ڈالا ہے، پہلے تو آپ سے یہ عرض کردوں کہ ''میری امت کی ہلاکت چند قریشی چھوکروں کے ہاتھوں ہوگی''۔ کا حدیث ہونا مولانا اعظمی کو بھی تسلیم ہے، کیونکہ یہ بخاری کی حدیث اور قول رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے ان چھوکروں کو وہ نہیں جانتے ہیں، اور نہ قطعی یا یقینی تعین کسی کے علم میں ہونا ان کو تسلیم ہے، اور نہ اس کو ماننے کیلئے تیار ہیں، اور حافظ ابن حجر عسقلانی اور حافظ بدرالدین علیہما الرحمۃ نے جوان چھوکروں میں پہلا نام یزید کا بتایا ہے، اس کو احتمال کا درجہ دیا ہے، یقینی ماننے سے مولانا اعظمی کو بالکل انکار ہے، اور اسکو کسی طرح وہ یقینی مانتے ہی نہیں۔

(کردار یزید ص ۹۹/۱۰۰)

میں عرض کرتا ہوں کہ یہاں مولانا نے بالکل صاف غلط بیانی فرمائی ہے، ورنہ حضرت کا مذکورہ بیان قارئین کرام دیکھیں اور فرمائیں کہ حضرت کے بیان سے کہیں بھی اشارہ ملتا ہے کہ وہ حدیث کے مفہوم کا کسی کے بھی علم میں آنے سے انکار کررہے ہیں؟ مولانا نے لکھا ہے کہ ''نہ قطعی اور یقینی تعین کسی کے علم میں ہونا ان کو تسلیم ہے'' حضرت نے صرف شارحین حدیث کی شرحوں کے متعلق فرمایا تھا کہ ان کا بیان کردہ محمل ان کے علم وقرائن کی روشنی میں ہے، اس پر احتمال تھا کہ حکم تو لگایا جاسکتا ہے اس کو قطعیت کا درجہ نہیں دیا جاسکتا، ورنہ مولانا ہی بتائیں کہ دو شارحین کسی حدیث سے اپنے اپنے علم کی روشنی مین دو متضاد محمل دکھائیں تو کیا دونوں کو قطعی قرار دے کر یہ کہنا درست ہوگا کہ ایک ہی حدیث سے دو متضاد قطعی محمل کا نکالنا خود حدیث پر ہی سوالیہ نشان کھڑا کردیتا ہے؟ قطعی محمل تو وحی الٰہی سے ہی متعین کیا جاسکتا ہے، اور شارحین کرام کی شرحوں کو اپنے مطلب کے لئے ممکن ہے مولانا وحی ربانی کا درجہ دیدیں ہم اسے تسلیم کرنے کو تیار نہیں، اگر مولانا کے بقول کسی کے علم سے ان کی مراد صحابیٔ رسول کی ذات ہے تو حضرت اعظمی رحمۃ اللہ علیہ نے اسکا انکار بالکل نہیں فرمایا ہے، اور مولانا اس باب میں فریب دے رہے ہیں، ورنہ عبارت سامنے ہے ہمت کرکے ذرا ہمیں بھی دکھائیں، کہ حضرت نے صحابیٔ رسول کے فرمان کا انکار کس جملے میں فرمایا ہے؟

آگے مولانا فرماتے ہیں:

لیکن میں عرض کرنا چاہتا ہوں کہ بات صرف ابن حجر یا تنہا حافظ عینی کی ہوتی تو بھی مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی کے احترام میں مانی جاسکتی تھی کیونکہ ''نحن رجال وهم رجال'' کی حد میں ہی بات رہتی لیکن مجھے نہایت ہی افسوس اور حیرت ہوتی ہے، کہ بات تو صحابیٔ رسول حضرت

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، تک پہونچتی ہے، کیونکہ بخاری میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، کا یہ اعلان موجود ہے کہ میں ان چھوکروں کو جانتا ہوں، مجھے ان کے اور ان کے باپ کے نام بھی معلوم ہیں، چاہوں تو بتا بھی سکتا ہوں، بخاری کی یہ روایت پڑھئے، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ایک مرتبہ مروان اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، مسجد نبوی میں بیٹھے تھے، تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول سنایا یقول هلكة امتى على يدى غلمة من قريش فقال ابو هريرة لو شئت ان اقول بنى فلان وبنى فلان ۔(بخاری ج۱ص۵۰۹/و ج۲ص۱۰۴۶) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے میری امت کی ہلاکت چند قریشی چھوکروں کے ہاتھوں ہوگی حضرت ابو ہریرہ نے کہا اگر میں چاہوں تو فلاں کی اولاد فلاں کی اولاد نام بنام بتا سکتا ہوں''۔

(کردار یزید ص۱۰۰)

مولانا فرماتے ہیں بات حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، تک پہونچتی ہے، میں عرض کرتا ہوں، جی نہیں اور ہرگز نہیں! یہ صرف اور صرف مولانا گیاوی کی زبردستی ہے، جو حضرت محدث اعظمی کی طرف سے قطعی علم کے انکار کو ٹھیل ٹھیل کر حضرت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، کی بارگاہ تک پہونچا رہی ہے، اور اس کا سطحی مقصد سیدنا ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ، کے حوالے سے اپنے موقف کے لئے قارئین کرام کی ہمدردی حاصل کرنا ہے، ورنہ حضرت سیدنا ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ، نے اپنی حدیث میں صرف اتنا فرمایا ہے کہ میں چاہوں تو فلاں کی اولاد فلاں کی اولاد نام بنام بھی بتا سکتا ہوں، میں کہتا ہوں، مولانا سارے وسائل اور ساری ہمت بٹور کر حضرت سیدنا ابو ہریرہؓ کی زبان سے یزید کا نام

سنوادیں، ہم ہر حال میں اس کو قطعی اور حتمی مان کر اس پر ایمان لے آئیں گے، اور اگر نہیں سنوا سکتے تو خود سن لیں کہ مغالطے کو دلیل کا درجہ کبھی نہیں مل سکتا، یہاں حال یہ ہے کہ سیدنا ابو ہریرہؓ فرمارہے ہیں کہ میں چاہوں تو بتا سکتا ہوں، اور انھوں نے نہیں بتایا؟ تو پھر مولانا پر کون سی وحی اتر گئی؟ کہ حضرت ابو ہریرہؓ کے نہ بتانے کے باوجود یزید کو اس کا محمل قرار دینے کیلئے اصرار پر اصرار کئے جارہے ہیں، اور نہ ماننے والوں کو یہ تعدی بھرا طعنہ بھی دینے سے نہیں چوکتے کہ ''صحابیٔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم تک کو اپنی گھمنڈ کی ٹھوکر پر رکھ کر بے توقیر بناڈالا ہے''۔

میں عرض کرتا ہوں کہ اگر کسی کی طرف ایسی بات منسوب کی جائے جو اس میں نہ ہو تو وہ بات حدیث پاک کی روشنی میں خود الزام لگانے والے کی طرف لوٹتی ہے، اور اب میں کہتا ہوں کہ حضرت نے تو ایسا ہرگز نہیں کیا، ہاں مولانا طاہر صاحب نے صحابیٔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم تک کو اپنی گھمنڈ کی ٹھوکر پر رکھ کر بے توقیر ضرور بناڈالا ہے۔

قارئین کرام اس حدیث کو خوب اچھی طرح یاد رکھیں، بخاری کے حوالے سے انشاء اللہ یہی حدیث میں آئندہ آپ کے سامنے رکھوں گا اور مولانا نے جو ادھورا سچ آپ کے سامنے رکھا ہے میں اسے مکمل پیش کرنے کی کوشش کرونگا۔

مولانا سید طاہر حسین صاحب مدظلہ فرماتے ہیں:

''اس روایت سے اتنا تو ثابت ہوگیا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، کو ان چھوکروں کے نام یقینی طور پر معلوم تھے، اور ظاہر ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، کو نام حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی بتائے تھے، دوسرا ان ناموں کو جاننے کا کوئی ذریعہ ان کے پاس نہیں تھا، اب سنئے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، کو جو نام معلوم تھے وہ یقینی اور حتمی تھے، صرف احتمالی

نہیں، کیونکہ احتمالی ماننے کا مطلب یہ ہوگا کہ حضرت ابو ہریرہ کو حضور کی بات پر یقین اور جزم نہ تھا، بلکہ ان کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی احتمال اور شک ہی تھا، حالانکہ کسی صحابی کے بارے میں یہ سمجھنا بہت بڑی گمراہی کا دروازہ کھولنا ہے، اس لئے ہمارا عقیدہ ہے کہ ان چھوکروں کے نام حضرت ابو ہریرہ کو بالیقین معلوم تھے، البتہ حضرت ابو ہریرہ صراحت کے ساتھ کسی مصلحت کی وجہ سے ان چھوکروں کو کھول کر بتاتے نہ تھے، مگر کبھی اشارہ فرمادیتے تھے، اور صحیح روایتوں میں حضرت ابو ہریرہ نے کنایہ سے نام بتادیئے ہیں، محدث بیہقی علیہ الرحمہ نے وہ صحیح روایت نقل کردی ہے، امام بیہقی علیہ الرحمہ اپنی کتاب دلائل النبوۃ ج ۶ رص ۴۰۷ پر ایک عنوان قائم فرماتے ہیں، ما جاء فی اخبار النبی صلی اللہ علیہ وسلم بالفتن التی ظهرت بعد الستین من اغلیمة قریش و کان کما اخبر، اور اس کے بعد محدث بیہقی نے اس عنوان کے تحت دو حدیثیں ذکر فرمائی ہیں، ان میں ایک حضرت ابو سعید خدری جس کی تعین ذکر کی ہے (؟) پھر لکھتے ہیں، وقد روی عن علی ثم عن ابو (ابی، عطا) هریرة مایؤ کد هذا التاریخ، حضرت علی رضی اللہ عنہ، پھر حضرت ابو ہریرہ سے وہ بات مروی ہے جو اسی تاریخ کی تائید کرتی ہے۔

(کردار یزید ص ۱۰۰/۱۰۱)

قارئین کرام! اس لمبی چوڑی تقریر سے کچھ نام کا پتہ چلا؟ سوائے اس کے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، کو یہ نام حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بتائے تھے، اسی بنیاد پر حضرت ابو ہریرہ بھی فرمایا کرتے تھے، کہ میں چاہوں تو بنی فلاں بنی فلاں کر کے نام

بنام بتا سکتا ہوں، یہ بھی معلوم ہوگیا کہ حضرت ابو ہریرہ کو ان ناموں کے بارے میں پختہ یقین تھا، کہ یہ نام جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بتائے ہیں انہیں چھوکروں کے نام ہیں جن کے ہاتھوں امت کی بربادی لکھی ہے، لیکن وہ سوال تو اب بھی سر اٹھائے کھڑا ہے کہ اپنے بعد والوں کو حضرت ابو ہریرہ نے وہ نام بتائے؟ مولانا فرماتے ہیں کہ کنایہ سے بتائے، اب ہم پوچھتے ہیں کہ کنایہ سے حتمی نام تک پہونچنا کیا یقینی ہوتا ہے؟ یہی شکایت تو ہمیں اب تک مفسقین یزید اپنے بزرگوں سے ہے کہ تفسیق کے فتاویٰ تو دھڑا دھڑ بے خطر داغے جا رہے ہیں، اور ثبوت کے نام پر کبھی یہاں کبھی وہاں کی روایتیں پیش کرتے چلے جاتے ہیں، یہاں ایک سوال اور پیدا ہوتا ہے کہ کیا فسق یزید کا عقیدہ اس قدر لازمی ہے کہ اس کو ثابت کرنے کے لئے کسی جوڑ توڑ سے گریز نہ کیا جائے، اور بہر صورت فسق کا پھندا یزید کی گردن میں ڈال کر ہی دم لیا جائے؟ اناپ شناپ جیسی بھی روایتیں ہوں انکا راوی خواہ متہم کذاب، رافضی کیوں نہ ہو، بس روایتوں کی تعداد دکھا کر ہر چند صفحے کے بعد دعویٰ کر دیا جائے کہ ہم نے فسق یزید کے لئے دلائل کا انبار جمع کر دیا۔ حالانکہ میں سمجھتا ہوں کہ کسی کی بھی تفسیق و تکفیر کا مسئلہ انتہائی نازک اور انتہائی پرخطر ہے، بخاری کی روایت دیکھئے، عن ابی ذر انه سمع النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول لا یرمی رجل رجلاً بالفسوق ولا یرمیه بالکفر الا ارتدت علیه ان لم یکن صاحبه کذالك۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ، فرماتے ہیں کہ انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کوئی آدمی کسی شخص پر فاسق ہونیکا الزام عائد کرتا ہے، یا کسی شخص پر کفر کی تہمت لگاتا ہے تو وہ فسق اور کفر اسی الزام لگانے والے کی طرف لوٹ آتا ہے اگر متہم شخص ایسا نہ ہو۔

(بخاری ج ۲ ص ۸۹۳ باب ما ینہیٰ عن السباب واللعن)

مولانا نے محدث بیہقی کا حوالہ تو دیا ہے مگر شاید کسی مصلحت سے اس کو چھوڑ کر علامہ ابن حجر ہیتمی مکی کے دامن میں پہونچ گئے ہیں، پہلے اسی پیش کردہ روایت سے نمٹ لیں پھر مولانا جائیں نہ جائیں، انھوں نے تذکرہ فرمادیا ہے تو ہم تعمیل ارشاد میں محدث بیہقی کی بارگاہ میں ضرور حاضری دیں گے، بس تھوڑا انتظار فرمائیں۔ مولانا سید طاہر حسین صاحب لکھتے ہیں، حضرت ابو ہریرہ والی روایت بسند صحیح مروی ہے اور اس میں نام کی طرف کنایۃً تذکرہ ہے، اس لئے اس کو پیش کر رہا ہوں۔

ابن حجر ہیتمیؒ کا بیان اور اس کا جواب

محدث ابن حجر مکی علیہ الرحمۃ الصواعق المحرقۃ ص ۲۲۱ پر تحریر فرماتے ہیں۔ وکان مع ابی هريرة رضى الله عنه علم من النبى صلى الله عليه وسلم بما مر عنه صلى الله عليه وسلم فى يزيد فانه كا ن يدعوا اللهم انى اعوذ بك من راس الستين وامارة الصبيان فاستجاب الله له فتوفاه، سنة تسع وخمسين وكانت وفاة معاوية وولاية ابنه سنة ستين فعلم ابو هريرة بو لاية يزيد فى هذه السنة فاستعاذ منها لما علمه من قبيح احواله بواسطة الصادق والمصدوق صلى الله عليه وسلم بذالك۔

(الصواعق المحرقۃ ص ۲۲۱ مطبوعہ استانبول)

مولانا اس کا ترجمہ فرماتے ہیں:

''نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی روایت میں جو کچھ گذرا یزید کے بارے میں، حضرت ابو ہریرہ کو اس کی معلومات تھیں اور حضرت ابو ہریرہ دعا فرماتے تھے، اللہ کی پناہ چاہتا ہوں ۶۰ھ کی شروعات سے اور بچوں کی حکومت سے تو اللہ نے ان کی دعا قبول کی اس لئے ان کو ۵۹ھ میں

وفات دیدی، حضرت معاویہ کی وفات اور ان کے بیٹے یزید کی حکومت ۶۰ھ میں ہے پس حضرت ابو ہریرہ یزید کی حکومت کے بارے میں جانتے تھے اس لئے وہ اللہ کی پناہ چاہتے تھے، کیونکہ وہ اس کے برے حالات کو جانتے تھے صادق ومصدوق صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے۔

(کردار یزید ص ۱۰۱/۱۰۲)

میں ایک بار پھر قارئین کرام سے درخواست کروں گا کہ مولانا کی پیش کردہ روایت مولانا کے ترجمے کے ساتھ بغور پڑھ جائیے اور پھر فیصلہ کیجئے کہ مولانا طاہر صاحب نے حضرت محدث کبیر پر جو الزام عائد کیا تھا کہ حضرت نے ''صحابیٔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم تک کو اپنی گھمنڈ کی ٹھوکر پر رکھ کر بے توقیر بناڈالا ہے''۔ (کردار یزید ص ۹۹)

اس بے ہودہ الزام کا کوئی ثبوت پیش کردہ روایت میں ہے؟ حضرت سیدنا ابو ہریرہ کی زبان حق ترجمان سے یزید کا نام کہیں آیا؟ سوائے اس کے کہ وہ ساٹھویں سال سے اور بچوں کی حکومت سے پناہ مانگتے تھے، اور اتفاق سے ۵۹ھ میں ان کا وصال ہوگیا تو حتمی فیصلہ کرلیا گیا، کہ چونکہ یزید کی امارت ساٹھ ہجری میں ہوئی ہے، تو وہ حدیث کا مصداق یزید کو مان کر اس سے ہی پناہ مانگا کرتے تھے، لہذا یزید ہی وہ مہلک بچہ بھی ہے جس کا ذکر حدیث پاک میں آیا ہے، لیکن میں پوچھتا ہوں کہ یہ استدلال حضرت ابو ہریرہ کا ہے یا ابن حجر مکی کا؟ اور حضرت محدث کبیر پہلے ہی فرما چکے ہیں کہ شارحین اپنے علم کی روشنی میں قرائن کو دیکھ کر جو محمل متعین فرماتے ہیں وہ احتمالی تو ہوسکتا ہے، حتمی اور یقینی کسی طرح نہیں ہوسکتا ہے۔

ساٹھویں سال کی حقیقت

اب ہم عرض کرتے ہیں کہ اس پیش کردہ روایت میں تو راس الستین کا لفظ ہے یعنی ۶۰ھ کا آغاز، یاد رکھئے کہ حدیث پاک میں ستین کا لفظ ہے ''سنۃ'' کے ساتھ ہو یا ''راس'' کے ساتھ، حدیث میں ہجری کہیں نہیں ہے، اور کسی کے علم میں ہے تو دکھائے اس کی بات آگے ہوگی، ابھی یہ دیکھئے کہ اس روایت میں ''راس الستین'' کا لفظ ہے جس کا سیدھا ترجمہ ۶۰ھ کا شروع، اور ۶۰ھ کے شروع سے آخر مراد نہیں ہوتا، ورنہ شروع کا لفظ کیوں آتا، اب دیکھئے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ، کا وصال ۶۰ھ کے نصف رجب میں ہوا ہے؟ اگر ساٹھ ہجری ہی کے آغاز سے پناہ مانگی جارہی ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت معاویہ کی امارت سے پناہ مانگی جارہی ہے، لیجئے روایت فٹ کرنا چاہتے تھے یزید پر، فٹ ہوگئی حضرت معاویہؓ پر، اور میں عرض کرتا ہوں کہ ۶۰ھ سے پناہ مانگنے کا حکم حدیث پاک میں ضرور ہے مگر ۶۰ھ کو ساٹھ ہجری بنانا مولانا کی دستکاری اور فنکاری ہے، کیونکہ جس وقت نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یہ ارشاد فرما رہے تھے، اس وقت ہجری سن کا کہیں کوئی تصور ہی نہیں تھا، دور فاروقی میں جب مشورہ ہوا کہ اپنا بھی کوئی سال ہونا چاہئے تو اس میں میلاد نبوی کی بات بھی آئی، لیکن پھر ہجرت کی عظیم قربانی کو بنیاد بنا کر اسی نام سے اپنا سال موسوم کرنے کی بات طے ہو گئی، اور چونکہ ہجرت مدینہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال سے دس سال پیشتر ہوئی تھی اس لئے ہجری سال کا آغاز بارہ سال پیچھے سے کر دیا گیا، اب دیکھئے کہ جس وقت نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابو ہریرہؓ کو ۶۰ھ سے پناہ مانگنے کی ہدایت فرما رہے ہیں، تو چونکہ اس وقت کوئی اسلامی سال متعین ہی نہیں تھا، کہ وہ کس نام کا ہو؟ اور اس کا آغاز کب سے ہو تو لازماً یہی سمجھا جائے گا کہ وہ ساٹھواں سال کم از کم حضور صلی

اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی کے بعد آئے گا۔ اور دور فاروقی میں چونکہ اسلامی سال ہجرت سے طے پایا، اس لئے اس کو بارہ سال پیچھے کر کے اس کا شمار کیا گیا، اور یزید کی تخت نشینی ۶۰ھ میں ہوئی ہے جب کہ درحقیقت فرمان نبوی کے بعد ابھی اڑتالیس سال ہی پورے ہوئے ہیں، ساٹھواں سال حقیقت میں بارہ سال کے بعد آئے گا، تو اب اپنے سامنے ہجری سال پا کر، اور حضرت ابو ہریرہ کے ۵۹ھ میں انتقال کو دیکھ کر، یزید پر اس تعوذ والی حدیث کو فٹ کر دینا، اور پھر اس کو حتمی بھی قرار دینا کس دنیا کا انصاف ہے؟ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کا استدلال وحی الٰہی اور قول صحابی تو نہیں ہے کہ ہم اسے آنکھ بند کر کے صرف اتباعاً اور تقلیداً مان لیں؟ پھر یہ بھی سوچئے کہ سال کے تقرر کے لئے تو نعمت نبوت کی تجویز بھی آئی تھی، اگر ہجری سال کو چھوڑ کر نبوی سال مقرر کر لیا جاتا تو کیا ہمارے بزرگ دور حضرت معاویہ پر بھی اسے منطبق کرتے؟ کیونکہ حضور صلی اللہ عیہ وسلم تو ساٹھواں سال فرما چکے تھے، جہاں ساٹھواں سال آئے وہاں یہ حدیث فٹ کر دی جائے، خواہ ہجری سال ہو یا نبوی سال۔

پھر یہ بھی دیکھیں کہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول آسانی پیدا کرنیکا تھا، ''الدین یسر''۔ ''یسرا ولا تعسرا'' اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اشارہ یزید کی طرف ہی تھا تو ساٹھ فرما کر پھر اس کو بارہ سال پیچھے لیجا کر ساٹھ بنانے کی پیچیدہ شکل کیوں بتائی گئی سیدھے سیدھے اڑتالیسواں سال فرما دیتے، تاکہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی الٰہی یہ بھی معلوم ہو گیا تھا، کہ اسلامی سال کا پہلا سال بارہ سال پیچھے سے شروع ہوگا تب بھی اڑتالیسواں سال فرمانے کے بعد وہ سیدھا سیدھا یزید پر فٹ ہو جاتا، اور اس میں کسی قیل وقال کی ضرورت پیش نہیں آتی، ہاں اگر مولانا ہمیں ۶۰ھ کی روایت دکھا دیں تو ہم فوراً آمنا وصدقنا کہنے کے لئے تیار ہیں، پھر یہ بھی دیکھیں کہ حدیث

پاک میں ۶۰ھ ہی نہیں ۷۰ھ بھی ہے، اور ۷۰ھ کی روایت سامنے آنے کے بعد مولانا کا ہوائی قلعہ دکھائی دینے کے بجائے بالا بالا ہی لاپتہ ہو جاتا تھا، اس لئے مولانا نے ۷۰ھ والی روایت کو غیر معتبر ثابت کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا ہے، ہم اس پر بھی آئندہ روشنی ڈالیں گے انشاء اللہ العزیز۔

مولانا نے اب دلائل النبوۃ کی روایت ذکر کی ہے فرماتے ہیں:

"عن عمیر بن هانئ انه حدثه قال : کان ابو هریرة عشی فی سوق المدینة وهو یقول اللهم لا تدرکنی سنة الستین ویحکم تمسکوا بصدغی معاویة اللهم لا تدرکنی امارة الصبیان۔

(دلائل النبوۃ للبیہقی ج۶ ص۴۱۰)

عمیر بن ہانی سے روایت کرتے ہیں انھوں نے بیان کیا کہ حضرت ابو ہریرہ نے مدینہ کے بازار میں رات کا کھانا تناول فرمایا اور کہا اے اللہ مجھے ۶۰ھ نہ پائے تم لوگوں کا ناس ہو، حضرت امیر معاویہ کی پیشانی کے دو طرف کے بال پکڑ لو، اے اللہ چھوکروں کی حکومت مجھ کو نہ پاوے"۔

آگے امام بیہقی لکھتے ہیں: وهما انما یقولان مثل هذا الشی سمعاه من النبی صلی الله علیه وسلم وہ دونوں کہیں گے اس قسم کی بات جو دونوں نے سنا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے، محدث بیہقی رحمہ اللہ صاف صاف کھول کر بتا رہے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بال پکڑ کر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کنایہ جس نام کا اشارہ فرمایا، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے نام تھے، وہ حضرت معاویہ کے صاحبزادہ تھے، اب بھی اگر کوئی نہ سمجھے تو اس ناسمجھ کو کون سمجھا سکتا ہے؟

(کردار یزید ص۱۰۲/۱۰۳)

مولانا طاہر صاحب کی بددیانتی

میں نے دلائل النبوۃ میں جب یہ پورا بیان دیکھا تو میری زبان سے بے ساختہ نکلا

چہ دلاور است دزدے کہ بکف چراغ دارد

اور اب میں پورے اعتماد سے عرض کرتا ہوں، کہ مولانا نے یہاں پر غلط استدلال کے ساتھ ساتھ بددیانتی کا مظاہرہ بھی فرمایا ہے، مولانا کی کاریگری ملاحظہ فرمائیے! کہ ص۱۰۱ پر انھوں نے محدث بیہقی کا جملہ "وقد روی عن علی ثم عن ابی هریرة ما یوکد هذا التاریخ" تو نقل کیا، لیکن اس کے بعد محدث بیہقی کی ذکر کردہ حدیث کو چھوڑ کر الصواعق المحرقۃ کی عبارت نقل کرنے لگے ہیں، پھر بیہقیؒ نے حضرت علی اور حضرت ابو ہریرہ کا نام لے کر ان کی حدیثوں کا ذکر فرمایا تھا، تو مولانا نے حضرت علی کی حدیث چھوڑ دی، اور حضرت ابو ہریرہ کی حدیث نقل کر کے اپنے مطلب کیلئے زمین آسمان کے قلابے ملانے میں مصروف ہو گئے، پہلی حدیث جو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی تھی، اس کو انھوں نے نظر انداز کر دیا، کیونکہ مولانا جانتے تھے کہ اگر اس حدیث کو نقل کر دیا گیا، تو بھانڈا پھوٹ جائے گا، اور ان کا خانہ ساز گھروندا بکھر جائے گا، لیجئے! ہم "وقد روی" سے متصل امام بیہقی کی دونوں حدیثیں آپ کے سامنے پیش کئے دیتے ہیں۔

(۱) "اخبر نا ابو عبد الله الحافظ حدثنا ابو العباس محمد بن یعقوب ، حدثنا الحسن بن علی بن عفان ، حدثنا ابو اسامة ، عن مجالد عن عامر قال لما رجع علی رضی الله عنه من صفین قال : یا ایها الناس لا تکرهوا امارة معاویة فانه لو فقد تموه لقد رایتم الرؤوس تنزومن کوا هلها کا لحنظل۔

(۲) اخبر نا ابو عبدالله الحافظ و ابو بکر احمد بن الحسن القاضی قالا حدثنا ابو العباس محمد بن یعقوب اخبرنا العباس بن الولید بن مزید البیروتی قال اخبرنا ابی قال حدثنا ابن جابر عن عمیر بن هانی ، انه حدثه قال : کان ابو هریرة عشی فی سوق المدینة وهو یقول اللهم لا تدرکنی سنة الستین ویحکم تمسکوا بصدغی معاویة اللهم لاتدرکنی امارةالصبیان، وهما یقولان مثل هذا الشئ سمعاه من النبی صلی الله علیه وسلم

(دلائل النبوۃ ج۶ ص۴۶۶)

پہلی روایت علامہ ذہبی نے تاریخ الاسلام ج۴ ص۳۱۰ پر اور سیر اعلام النبلاء ج۳ ص۱۴۴ پر بھی نقل فرمائی ہے۔ پہلی روایت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ، فرماتے ہیں لوگو! معاویہ کی امارت کو ناپسند مت کرو کیونکہ تم انھیں کھودو گے تو دیکھو گے کہ سر گردنوں سے اس طرح کٹ کٹ کر گرتے ہیں جیسے حنظل اپنے درخت سے گرتا ہے۔

ذہن میں رکھئے! کہ اس روایت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ، نے حضرت معاویہؓ کے ساتھ ان کی امارت کی بھی توصیف فرمائی ہے۔

دوسری روایت میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، کا واقعہ منقول ہے کہ آپ نے مدینہ کے بازار میں رات کا کھانا تناول کیا، آپ فرمارہے تھے، اے اللہ مجھے ساٹھواں سال نہ پائے، تمہارا ناس ہو، معاویہ کی کنپٹیاں تھام لو! اے اللہ مجھے بچوں کی حکومت نہ پائے، مولانا فرماتے ہیں کہ:

''حضرت معاویہ کے بال پکڑ کر ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، نے کنایۃً جس نام کا اشارہ فرمایا وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے نام تھے، وہ حضرت امیر معاویہؓ کے صاحبزادہ تھے''۔ (کردار یزید ص۱۰۳)

قارئین کرام ہی بتائیں! کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، نے حضرت معاویہؓ کے بال کب پکڑے؟ حضرت معاویہ تو شام میں ہیں، اور ابو ہریرہ مدینے کے بازار میں عشائیہ تناول فرمارہے ہیں، پھر یہ بھی کہ بال پکڑ کر حضرت معاویہ کے صاحبزادے کو متعین کر کے کنایۃً ان کے نام کا اشارہ کب فرمایا؟ مولانا نے جو فریب اپنے قارئین کو دینا چاہا ہے ہم اس کی حقیقت پیش کرتے ہیں۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے جو دونوں حدیثیں پیش فرمائی ہیں، ان میں سے ایک کا مفہوم دوسرے کے معارض تو نہیں ہوگا؟ یا تو دونوں سے تنقیص ثابت ہوگی یا توصیف وتعریف؟ اور پہلی حدیث سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ، کی توصیف واضح طور سے نکل رہی ہے تو دوسری حدیث میں بھی ان کی توصیف کا پہلو ہی راجح ہوگا، پھر ان دونوں کو محدث بیہقی علیہ الرحمہ نے قیاساً حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جوڑ دیا ہے کہ ان دونوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسی بات سنی ہوگی، تبھی تو یہ دونوں حضرات بھی اس کا ذکر فرمارہے ہیں۔ مولانا طاہر صاحب نے امام بیہقی کا قول نقل کر کے اس کا تذکرہ بالکل نہیں فرمایا، کہ یہ دونوں حضرات کون تھے؟ اور انھوں نے کب اس کا ذکر فرمایا؟ اب غور کرنے کی بات ہے کہ دوسری روایت میں اگر تمسکوا بصدغی معاویة سے حضرت معاویہ کے بالوں کو پکڑنا مراد لیا جائے جیسا کہ مولانا طاہر صاحب بتلا رہے ہیں، تو اس سے حضرت معاویہ کی توصیف تو نہیں جھلکتی، پھر محدث بیہقی کو کیا پڑی تھی کہ وہ دونوں کو اپنی کتاب میں ایک ساتھ نقل فرماتے اور پھر دونوں پر ایک ہی تبصرہ بھی فرماتے؟ پھر یہ بھی دیکھنا چاہئے کہ پیشانی کے دوطرف کے بالوں سے یزید کی ذات کیسے مراد ہوسکتی ہے؟ اگر یزید ہی کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہوتا تو اس کے لئے دوسری بہت سی تعبیریں تھیں، دوطرف کے بال

پکڑنے کی تعبیر کیوں؟ جب کہ اس سے یزید کا کوئی ربط بھی نہیں ہے، نہ کہیں بیٹے کی طرف اشارہ کرنے کے لئے پیشانی کے دوطرف کے بالوں کی تعبیر کہیں رائج ہے، اسی کے ساتھ یہ بھی کہ اس روایت میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، نے ''تمسکوا'' کا لفظ فرمایا ہے جس کے معنی تھامنے کے ہیں، اور تھامنا عموماً قبول کرنے کے معنی میں آتا ہے، سنت خلفائے راشدین کی حدیث میں بھی ''تمسکوا بہما'' کا لفظ آیا ہے، اور سب جانتے ہیں کہ بارگاہ نبوی سے سنت خلفائے راشدین کو مضبوطی سے تھامے رہنے کی تاکید فرمائی جارہی ہے، مولانا کو چونکہ گفتگو پُر پیچ بنانے اور خواہ مخواہ اسے طول دینے کی عادت ہے، اس لئے یہاں بھی انھوں نے یہی فنکاری پیش فرمائی ہے، کہ حدیث کے اصلی مقصود کی طرف قاری کا ذہن مائل ہی نہ ہوسکے، ورنہ سیدھی سیدھی بات ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، یزید کے مسند امارت سے روکنے کی طرف کوئی اشارہ ہرگز نہیں فرمارہے ہیں، بلکہ مولانا طاہر صاحب کے علی الرغم حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ، کی حکمت عملی کو مضبوطی سے تھامنے کی طرف اشارہ فرمارہے ہیں، جس کا صراحۃً اشارہ اس سے پہلی، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فرمان والی حدیث میں مل رہا ہے، اس صورت میں دونوں حدیثوں کا مضمون اور حضرت محدث بیہقی کا دونوں کے متعلق تبصرہ بھی بالکل مطابق ہوگا، اور کسی قسم کا کوئی اشکال بھی وارد نہ ہوگا۔

مولانا نے اپنی الٹی سمجھ سے حدیث کا الٹا مفہوم نکال کر الٹے حضرت محدث اعظمی رحمہ اللہ کو ناسمجھ ہونے کا طعنہ دیا ہے، ہم علامہ سمجھدار سے گذارش کریں گے کہ وہ پہلے اپنے بیمار ذہن کا اچھی طرح علاج کرالیں، تب بڑوں کے منہ لگنے کی سوچیں۔

اور پہلے عرض کیا جاچکا ہے کہ سنة ستین سے ہجری سال مراد لینا زبردستی کے سوا اور کچھ نہیں ہے، لیکن دقت یہ ہے کہ خواہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہو یا نہ فرمایا ہو،

لیکن اپنی طرف سے جوڑ کر اگر مولانا ۶۰ھ کو ۶۰ھ نہیں بناتے ہیں، تو ان کی پیش کردہ ساری دلیلیں ہباءً منثوراً ہوجاتی ہیں، اسی لئے انھوں نے جہاں جہاں ۶۰ھ کا ذکر آیا ہے ۶۰ھ کو ۶۰ھ میں تبدیل کردیا ہے، اب اگر ان سے پوچھا جائے کہ ۶۰ھ کے ساتھ ہجری لاحق کرنے کی دلیل ان کے پاس کیا ہے؟ تو جواب میں اول فول بکنے کے سوا مولانا اور کیا کریں گے؟ دوسری بات یہ ہے کہ حضرت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، کی ماثور دعا میں ''اللھم لا تدرکنی سنة ستین و لاامارة الصبیان'' کے الفاظ جہاں بھی آئے ہیں، وہاں دونوں کا ایک ساتھ ہونا ضروری نہیں ہے، حضرت محدث کبیر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس کا ذکر فرمایا ہے۔

''میں اہل انصاف سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ ایک ساتھ دو چیزوں کی دعا مانگنے سے یہ کیوں کر لازم آتا ہے کہ داعی ان چیزوں میں معیت ومقارنت کا اعتقاد رکھتا ہے، کیا دونوں چیزوں کو ایک ساتھ ذکر کرنے سے لازم آتا ہے کہ ان دونوں کا وقوع بھی ایک ساتھ ہوگا؟ میں سمجھتا ہوں کہ ان دونوں باتوں میں لزوم کا دعویٰ غور وفکر کے بعد کوئی نہیں کرسکتا، بالخصوص جب کہ حضرت ابو ہریرہ کے الفاظ یہ ہیں اللھم لا تدرکنی سنة ستین و لا امارة الصبیان (اے اللہ مجھ کو نہ ۶۰ھ پائے اور نہ لڑکوں کی حکومت) یہ طرز تعبیر صاف بتارہا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ امارت صبیان کو ۶۰ھ سے بالکل علیحدہ اور الگ ایک مستقل چیز سمجھتے تھے، اگر دونوں میں معیت کا تصور ان کو ہوتا تو لفظ لا کے اعادہ کے ساتھ اس کو پہلے پر عطف نہ کرتے، بلکہ یوں کہتے لا تدرکنی سنة ستین و امارة الصبیان''۔ (تبصرہ بر شہید کربلا و یزید ص ۲۷)

اس کا جو جواب مولانا طاہر نے دیا ہے اس کو بھی دیکھ لیجئے! پھر ہم کچھ عرض کریں گے،

''اب جب لا تدرکنی کے ساتھ و لا امارة الصبیان واقع ہے

تو دونوں دعاؤں کا ایک ساتھ کرنا بالکل واضح ہے، اس لئے ولا کے بعد فعل کا اعادہ بھی نہیں کیا گیا، تاکہ دونوں جملوں اور دعاؤں کا ایک ہی وقت اور ایک ہی ساتھ میں ہونا واضح اور معلوم رہے، اسلئے سن ساٹھ اور صبیانی حکومت کا ایک ساتھ ہونا بالکل صاف صاف سمجھ میں آتا ہے''۔

(کردار یزید ص ۱۰۵)

مولانا طاہر صاحب کا استدلال اور اس کا حشر

ہم عرض کرتے ہیں کہ یہ صرف مولانا کی کج بحثی اور دفع الوقتی ہے، ورنہ مولانا بتائیں کہ جو مضمون وہ ثابت کرنا چاہتے ہیں وہ تو ''لا'' کے بغیر بھی ہو رہا تھا تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، کو ولا امارة الصبیان فرمانے کی کیا ضرورت تھی؟ وامارة الصبیان بھی فرمادیتے تو کام چل جاتا؟ ولا امارة الصبیان کیوں فرمایا؟ اور یہ جو مولانا کہہ رہے ہیں کہ لا کے بعد فعل کا اعادہ نہیں کیا گیا تو کیا مولانا نحو کی کسی کتاب سے دکھا سکتے ہیں کہ عطف میں مغائرت ظاہر کرنے کے لئے فعل کا اعادہ بھی ضروری ہے؟ فعل کے اعادہ کے بغیر صرف حرف نفی کے اعادہ کے ساتھ مغائرت نہیں مانی جائے گی؟ دوسری بات یہ ہے کہ چاہے لا تدرکنی کے صیغے کے ساتھ اس کو ادا کیا جائے، یا تعوذ کے صیغے کے ساتھ دونوں صورتوں میں تعوذ ہی مراد ہوتا ہے، اور تعوذ میں اگر مختلف چیزوں کو جمع کر دیا جائے تو ان میں معیت ہرگز نہیں ہوتی، ورنہ مولانا ہی بتائیں کہ اگر کوئی شخص جنگل میں قدم رکھتے وقت دعا کرے کہ اللهم لا تدرکنی الذیاب ولاالاسود، یا اللهم انی اعوذبك من الافاعی والعقارب۔ اے اللہ میری ملاقات شیروں بھیڑیوں سے نہ ہو، یا اے اللہ میں سانپوں بچھوؤں سے تیری پناہ چاہتا ہوں، تو ان کی منطق سے لازم آئے گا کہ شیر بھیڑئے یا سانپ بچھوؤں کی جب تک میٹنگ نہ ہو تب

تک یہ دعا کارگر نہ ہوگی، اور یہ نتیجہ نکالنے والا کتنا بڑا خر دماغ ہوسکتا ہے، کہنے کی ضرورت نہیں۔ مسند احمد کی روایت ہے، رسول الله صلی الله علیه وسلم کان یقول اللهم انی اعوذبك من الفقر والقلة والذلة واعوذبك من ان اظلم او اظلم۔ (مسند احمد ج ۱۴ ص ۶۳)

تو مولانا کی منطق سے لازم آئے گا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک ساتھ ظالم اور مظلوم ہونے سے پناہ طلب فرماتے تھے، صرف ظالم ہونے یا صرف مظلوم ہونے سے پناہ طلبی حضور کا مقصود نہ تھا، کیا کوئی ادنیٰ درجے کا بیوقوف بھی اس کو باور کرسکتا ہے؟

حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا بھی فرمایا کرتے تھے، اللهم انی اعوذبك من الاربع من علم لاینفع ومن قلب لا یخشع ومن نفس لا تشبع ومن دعاء لا یسمع۔

(مسند احمد ج ۱۴ ص ۱۸۸)

اب مولانا کی ہی منطق سے ہی یہ لازم آئے گا کہ جب تک ان چاروں چیزوں کا ایک جگہ اجتماع نہ ہو تب تک یہ دعا دائرۂ قبول سے باہر رکھی جائے؟ دراصل مولانا کی مجبوری یہ ہے کہ ہر حال میں انھیں یزید کی گردن پھانسنی ہے، اور اگر سنۂ ستین اور امارۃ صبیان کے زمانوں کی یکجائی ختم کر کے انھیں علحدہ زمانوں پر محمول کیا جائے تو مولانا کا سارا پلان فیل ہو جائے گا، جو مولانا کو ہرگز منظور نہیں، تو اس کام کے لئے مولانا کو کسی بھی حد سے گذرنا پڑے خواہ حدیث کی نئی قسم ایجاد کرنی پڑے، خواہ عربیت کے قواعد سے منہ موڑنا پڑے، خواہ کسی قول کا نتیجہ قائل کی مرضی کے خلاف برآمد کرنا پڑے، مولانا نے اس کے لئے اپنی کمر کس لی ہے، اور اس سے پیچھے ہٹنے کے لئے وہ ہرگز تیار نہیں، ورنہ مولانا نے اگر انصاف کی آنکھوں سے دیکھا ہوتا، تو حضرت محدث کبیر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ کا ایک اثر امام بخاری کی کتاب الادب المفرد سے

پیش فرمایا تھا، سمعت ابا هريرة يتعوذ من امارة الصبيان والسفهاء ۔(حضرت ابو ہریرہ لڑکوں اور کم عقلوں کی امارت سے پناہ چاہتے تھے) مولانا طاہر صاحب حضرت کی کتاب کا تحقیقی جواب دے رہے ہیں، تو ممکن نہیں کہ مولانا کی نظر حضرت کے منقولہ اس اثر پر نہ پڑی ہو جس میں سنۃ ستین کا کوئی ذکر ہی نہیں ہے، پھر اسی طرح کی ایک مرفوع حدیث مستدرک حاکم میں بھی ہے، اخبرنی الصادق والمصدوق صلى الله عليه وسلم ان فساد امتى على يدى غلمة سفهاء من قريش ۔میری امت کا بگاڑ قریش کے چند بے عقل لڑکوں کے ہاتھوں ہوگا۔

امام حاکم نے اس کو صحیح الاسناد قرار دیا ہے۔ (مستدرک ج۴ص ۵۱۷)

یہاں بھی صرف بے وقوف نادان لڑکوں کا ذکر ہے، ۶۰ھ کا کہیں کوئی پتہ نہیں ہے پھر مستدرک ہی کی ایک حدیث میں امارۃ سفہاء کا ذکر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے اور اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے امارۃ سفہاء کی پہچان تو بتائی ہے ۶۰ھ کا کہیں کوئی ذکر نہیں فرمایا ہے۔ عن جابر بن عبد الله رضى الله عنهما ان النبى صلى الله عليه وسلم قال لكعب بن عجرة اعاذك الله يا كعب من امارة السفهاء قال وما امارة السفهاء يا رسول الله قال امراء يكونون بعدى لا يهدون بهدى ولا يستنون بسنتى فمن صدقهم بكذبهم واعانهم على ظلمهم فأولئك ليسوا منى ولست منهم ولا يردون على حوضى۔

(مستدرک ج۴ص ۴۶۸)

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کعب بن عجرہ سے فرمایا، اللہ تجھے بیوقوفوں کی امارت سے بچائے انھوں نے سوال کیا، یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیوقوفوں کی امارت کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

میرے بعد ایسے امراء ہوں گے جو میرے طریقے پر نہیں چلیں گے، اور میری سنت کو نہیں اپنائیں گے، جس نے بھی ان کے جھوٹ کی تصدیق کی اور ان کے ظلم پر ان کی مدد کی وہ میرے نہیں ہیں، اور نہ میں ان کا ہوں اور یہ لوگ میرے حوض پر نہیں آئیں گے۔

اب دیکھئے اگر ساٹھ ہی میں بچوں کی اس حکومت کا آغاز ہونا تھا، تو اس کی سیدھی علامت نبی صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرما دیتے کہ چھوکروں کی یہ حکومت ۶۰ھ میں شروع ہو جائے گی، مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بچوں کی حکومت کی نشانیاں تو بتائیں، سن کے ساتھ اس کی تحدید نہیں فرمائی، یہ واضح قرینہ ہے کہ جہاں حدیث پاک میں یا حضرت ابو ہریرہ کی دعا میں دونوں کا ذکر ہے تو دونوں الگ الگ چیزیں ہیں، بچوں کی حکومت ایک الگ چیز ہے اور ۶۰ھ کا حادثہ الگ چیز ہے، اور یہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ ۶۰ھ کو ہجری سال سے مقید کرنا بالکل درست نہیں ہے، کیونکہ جس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم ۶۰ھ کے فتنے کو ارشاد فرما رہے تھے، اس وقت ہجری سال کا کہیں کوئی تصور کسی کے حاشیۂ خیال میں بھی نہیں تھا، حضرت محدث کبیر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت قاری محمد طیب صاحب کو امارۃ الصبیان والی حدیث پر دوبارہ غور کرنیکی دعوت دی تھی، حضرت فرماتے ہیں "غلمۃ من قریش پر بحث ونظر کے خاتمہ پر ہم مہتمم صاحب کو ایک بار پھر مستقلاً امارۃ الصبیان والی پیشین گوئی پر غور وفکر کی دعوت دیتے ہیں اور عرض کرنا چاہتے ہیں کہ آپ تو اس پیشین گوئی کا ذکر حضرت ابو ہریرہ کی دعا کے ضمن میں ظاہر فرماتے ہیں، اور اس دعا کیساتھ سنۃ ستین کا ذکر دیکھ کر یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ اس کا ظہور حضرت ابو ہریرہ کے خیال میں ۶۰ھ سے ہونے والا تھا، مگر جناب کو یہ معلوم ہونا چاہئے کہ اس پیشین گوئی کا ذکر ایک صحیح مرفوع حدیث میں ہے، اور اس حدیث نبوی میں امارۃ الصبیان کا ذکر ۷۰ھ کے ساتھ ہے، لہٰذا جناب کے استدلال

کے بموجب اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کو ساتھ ذکر کر کے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے، کہ امارۃ الصبیان کی ابتدا ۶۰ھ سے یا ۷۰ھ کے بعد ہوگی، پس حدیث نبوی اور دعائے ابوہریرہ کے اشاروں میں تعارض ہے، اور ظاہر ہے کہ ایسے تعارض کے وقت حدیث نبوی کو ترجیح دی جائے گی''

(تبصرہ بر شہید کربلا و یزید ص ۳۰ / منقول از کردار یزید ص ۱۰۰/۱۱۱)

اس پر مولانا طاہر صاحب لکھتے ہیں ''ستۃ سبعین کی روایت بحوالہ مسند ابویعلیٰ حافظ ابن کثیر علیہ الرحمہ نے نقل کی ہے لیکن میرے پاس ابن کثیر کی البدایۃ والنہایۃ کا جو نسخہ ہے وہ دار ابن کثیر دمشق کا مطبوعہ ہے، اور الطبعۃ الثالثۃ ۱۴۲۴ مطابق ۲۰۱۳ء ہے، اس پر تحقیق ریاض عبدالحمید مسواد اور محمد حسان عبید کی ہے، اور مراجعت شیخ عبدالقادر ارناؤط اور الدکتور بشار عداد معروف کی ہے اس روایت پر تعلیق البدایۃ والنہایۃ ج ۸/ص ۳۲۶) پر لکھتے ہیں، ورواہ احمد فی مسندہ ج ۲ ص ۳۲۶ واسنادہ ضعیف۔

(تعلیق البدایۃ والنہایۃ ج ۸ ص ۳۲۶)

مولانا طاہر صاحب کی بے ادبی اور اس کا جواب

''یہ روایت مسند احمد ج ۲ ص ۳۲۶ پر بھی ہے، لیکن اس کی سند ضعیف ہے ،معلوم ہوا کہ محدث اعظمی نے جس روایت کو صحیح حدیث قرار دیا ہے، وہ اگر چہ مرفوع ہے لیکن ضعیف ہے۔ اب حدیث ضعیف کو صحیح پر صرف مرفوع ہونے کی وجہ سے ترجیح دینا یہ مولانا اعظمی کا ہی کمال ہے، جب کہ اس کی سند میں کامل ابن العلا لاقیتی ابو العلاء موجود ہے، اور بلا تعین وبلا ولدیت ابوصالح ان کے استاد بھی موجود ہیں معلوم نہیں کہ یہ ابوصالح مینا مولیٰ ضباعہ ہیں یا ابوصالح الیمان ہیں، جب کہ کامل ابو العلاء دونوں

ابوصالح سے روایت کرتے ہیں، اس لئے ایسی ضعیف روایت کو قوی روایت پر راجح قرار دینے کے لئے محدث اعظمی جیسا دل گردہ چاہئے کسی عام عالم کے بس کی بات نہیں ہے''۔ (کردار یزید ص ۱۱۱)

میں عرض کرتا ہوں کہ درحقیقت دل گردہ تو ہمارے مناظر اسلام جیسا چاہئے، جو واقدی ابومخنف، ابن زکریا غلابی جیسے متہم، کذاب، نا قابل اعتبار، اور متروک راویوں کو تاریخ کے کوڑے دان سے لا لا کر اپنی بزم حجت آراستہ فرماتے ہیں، اور ان کی روایتوں کو سند اعتبار بخشتے ہوئے انھیں مطلقاً کوئی حجاب محسوس نہیں ہوتا، مگر بیچارے مولانا کریں بھی تو کیا کریں؟ انھوں نے جو موقف اختیار کیا ہے، اس کے اثبات کے لئے مولانا کی جیب میں کوئی کھرا سکہ ہے ہی کہاں؟ جسے وہ ڈنکے کی چوٹ سے پیش کر سکیں، یہاں بھی ان کی پریشانی یہ ہے کہ اگر یہ ستۃ سبعین والی روایت کو صحیح مان لیں تو ان کی بچھائی ہوئی ساری بساط ہی الٹ جائے گی، کیونکہ یہ ساری تگ و دو تو صرف اس لئے ہے کہ کسی طرح یزید کی گردن اس میں پھنس جائے، اگر ستۃ سبعین والی روایت کو مولانا مان لیتے ہیں تو یہ پھندا یزید کی گردن سے دس سال آگے نکل جائے گا اور اس کی گردن مولانا کے کمند تزویر سے آزاد رہ جائے گی۔ مولانا نے اس روایت کی تضعیف کے لئے شیخ ارناؤط پر بھروسہ کیا ہے، لیکن شیخ ارناؤوط کوئی حرف آخر تو ہیں نہیں کہ ان کے فرمان کو آنکھ بند کر کے مان لیا جائے۔

پہلے ذرا رأس السبعین والی روایت کو دیکھ لیں، پھر مولانا نے اس پر جو جرح فرمائی ہے ہم اس کا بھی جائزہ لیں گے۔

امام ابن ابی شیبہؒ فرماتے ہیں۔ حدثنا وکیع عن کامل ابی العلاء عن ابی صالح عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تعوذوا باللہ

من راس السبعين و من أمرة الصبيان ۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۵/ص ۴۹ کتاب الفتن)

مسند احمد بن حنبل میں ہے: حدثنا الاسود قال : اخبرنا كامل يعنى اباالعلاء قال سمعت اباصالح مؤذنا كان يوذن لهم قال سمعت ابا هريرة يقول قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ، تعوذوا بالله من راس السبيعن وامارة الصبيان۔ (مسند احمد ج ۱۴/ص ۶۸)

یہی حدیث مسند بزار میں بھی ہے۔ حدثنا احمد بن منصور حدثنا ابو احمد حدثنا كامل بن العلاء عن ابى صالح وهو مولى ضباعة عن ابى هريرة قال كان النبى صلى الله عليه وسلم يتعوذ من راس السبعين ومن امارة الصبيان ۔

(مسند البزار ج ۱۶/ص ۲۴۹)

پہلی دونوں روایتوں میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ۷۰ھ کے سر سے اور بچوں کی حکومت سے پناہ مانگنے کا حکم دیا، اور تیسری روایت کا مضمون ہے کہ خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ۷۰ھ کے سر سے اور بچوں کی امارت سے پناہ مانگتے تھے۔

تاریخ ابن معین میں ہے: حدثنا آدم بن ابى اياس قال حدثنا ابن ابى ذئب قال حدثنا سعيد بن سمعان قال سمعت ابا هريرة يتعوذ من امارة الصبيان والسفهاء فقال سعيد بن سمعان فاخبرنى ابن حسنة الجهنى انه قال لا بى هريرة ما آية ذالك قال ان تقطع الارحام ويطاع المغوى ويعصى المرشد ۔

(تاریخ ابن معین ۳۳۳)

سعید ابن سمعان نے کہا کہ میں نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو بچوں اور بیوقوفوں کی حکومت سے پناہ مانگتے ہوئے سنا، سعید بن سمعان کو ابن حسنہ جہنی نے بتایا کہ انھوں

نے حضرت ابو ہریرہ سے پوچھا اس کی نشانی کیا ہے؟ حضرت ابو ہریرہ نے جواب دیا کہ رشتے منقطع ہو جائیں گے، سرکش کی بات مانی جائیگی اور رہنما کی نافرمانی ہوگی" یہ روایت صرف اس لئے نقل کردی گئی کہ سنۃ ستین یا سبعین الگ ہے، اور امارۃ صبیان علحدہ چیز، دونوں کو ایک دوسرے کا متلازم سمجھنا درست نہیں ہے۔

سنۃ ستین یا سنۃ سبعین

اب آیئے مولانا نے سنۃ سبعین کو ضعیف قرار دے کر محدث اعظمیؒ کی شان میں جو نذرانۂ کدورت پیش فرمایا ہے، تو ہم ذرا مولانا کی تضعیف کا جائزہ لیں، سن ۷۰ھ کی تینوں حدیثیں بحوالہ کامل ابن العلاء عن ابی صالح منقول ہیں ۔ ابو صالح مینا مولی ضباعہ: ۔امام ابن ابی شیبہ علی بن المدینی سے نقل کرتے ہیں۔ وسالته عن ابى صالح مولىٰ ضباعة فقال كان ثبتا وكان من التابعين وهو الذى يروى عنه اهل الكوفة ۔ میں نے ابن المدینی سے ابو صالح مولیٰ ضباعہ کے بارے میں سوال کیا تو انھوں نے کہا وہ ثبت تھے اور تابعین میں سے تھے، یہ وہی ہیں جن سے کوفہ والے روایت کرتے ہیں۔ (سوالات ابن ابی شیبہ لابن المدینی ج ۱ ص ۱۰۷)

امام ابن حبان نے انھیں ثقات میں شمار کیا ہے۔ ميناء ابو صالح مولىٰ ضباعة بنت الزبير يروى عن ابى هريرة ويروى عنه كامل ابو العلاء ۔ مینا ابو صالح مولیٰ ضباعہ بنت زبیر ابو ہریرہ اور ان سے کامل ابو العلاء روایت کرتے ہیں۔

(کتاب الثقات لابن حبان ج ۵ ص ۴۵۵)

علامہ ذہبی فرماتے ہیں: فاما ابو صالح السمان الزيات ، وابو صالح الحنفى وابو صالح مولىٰ ضباعة تابعى الكوفة فهو لاء ثقات۔

ابو صالح سمان زیات، ابو صالح حنفی اور ابو صالح مولیٰ ضباعہ جو کوفہ کے تابعی ہیں یہ

سب ثقہ ہیں۔ (میزان الاعتدال ج۴ص۵۳۹)

کامل ابن العلاء ابوالعلاء کو بھی دیکھ لیجئے۔عباس دوری اپنے استاذ یحییٰ بن معینؒ سے نقل کرتے ہیں سمعت یحییٰ یقول کامل بن العلاء ابو العلاء ثقة ، کامل ابن العلاء ابوالعلاء ثقہ ہیں۔ (تاریخ ابن معین روایۃ الدوری ج۳ص۳۴۱طبع مکہ)

ابن ابی خیثمہؒ نے بھی فرمایا۔ سمعت یحییٰ بن معین یقول کامل ابو العلاء ثقة میں نے یحییٰ بن معین کو فرماتے ہوئے سنا کہ کامل ابوالعلاء ثقہ ہیں۔

(تاریخ ابن ابی خیثمہ ج۲ص۲۰۷/الجرح التعدیل ج۷ص۱۷۲)

امام عجلیؒ نے فرمایا: کامل ابو العلاء کوفی ثقة ،کامل ابوالعلاء کوفی ثقہ ہیں۔

(الثقات للعجلی ج۱ص۳۹۶طبع الباز)

ابن عدی فرماتے ہیں،ارجو ان لاباس به ،میں امید کرتا ہوں ان کی روایت لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (الکامل لابن عدی ج۷ص۲۲۷دارالکتب بیروت)

امام یعقوب فسوی بھی ان کو ثقہ لکھتے ہیں:

حدثنا عبد الله بن رجاء قال : ثنا كامل بن العلاء وهو ثقة مجھ سے عبداللہ بن رجاء نے بیان کیا انھوں نے کہا ہم سے کامل ابن العلاء نے بیان کیا اور وہ ثقہ ہیں۔

(المعرفۃ والتاریخ لیعقوب الفسوی ج۳ص۲۳۴)

امام نسائی فرماتے ہیں وہ قوی نہیں دوسری جگہ فرماتے ہیں ان کی روایت لینے میں کوئی حرج نہیں۔ (تہذیب التہذیب)

حافظ ابن حجر علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں۔کامل ابن العلاء ابوالعلاء تمیمی سعدی کوفی ابوصالح سمان اور عطاء سے،اوران سے وکیع ،زید بن الحباب روایت کرتے ہیں ابن حبان نے ان کی توثیق کی ہے۔ (لسان المیزان ج۷ص۲۴۴)

اسی ستۃ سبعین والی مرفوع حدیث کے بارے میں امام بوصیری علیہ الرحمہ نے لکھا ہے

و عن ابی هر یرة قال قال رسول الله صلی الله علیه و سلم تعوذوا بالله من راس السبعین و من امارةالصبیان رواه احمد بن منیع و رواته ثقات و ابو بکر بن ابی شیبة و ابو یعلی الا انه قال تعوذوا بالله من سنة سبعین ۔

حضرت سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ستر سال کے اوائل سے اور بچوں کی امارت سے اللہ کی پناہ مانگو،اس کو احمد بن منیع نے روایت کیا اور اس کے تمام راوی ثقہ ہیں،اور ابوبکر ابن ابی شیبہ اور ابویعلیٰ نے بھی اس کی روایت کی ہے،مگر ابویعلی نے کہا ستر کے سال سے اللہ کی پناہ مانگو۔

(اتحاف الخیرہ المہرہ للبوصیری ج۸ص۳۹مطبوعہ ریاض)

اب قارئین کرام ہی بتائیں! کسی میں ایسا دل گردہ ہے جو ایک صحیح مرفوع حدیث کو پس پشت ڈال کر صرف اپنی مطلب برآری کے لئے قول صحابی کو اپنا مستدل بنانے کی بے مثال جسارت کر سکے؟ اور اتنا ہی نہیں صحیح مرفوع حدیث سے استفادہ کرنے والے کو صلواتیں بھی سنانے بیٹھ جائے؟ یہ کارنامہ تو ہمارے مناظر اسلام ہی انجام دے سکتے ہیں۔پھر یہ بھی دیکھئے کہ حضرت شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنی کتاب میں ستۃ سبعین والی حدیث ہی نقل فرمائی ہے،جس کو حضرت محدث کبیر رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب کے صفحہ۳۱ پر منصب امامت کے حوالے سے نقل فرمایا گیا ہے۔

گذشتہ صفحات میں قارئین کرام نے دیکھا کہ مولانا طاہر حسین صاحب نے راس ستین یا ستۃ ستین اور امارۃ صبیان کے ایک ہی زمانے میں واقع ہونے پر زور دیا تھا،ایک فلسطینی عالم شیخ عبدالرحمٰن العقبی نے سو صفحے کا ایک رسالہ مسائل سلطانیہ کے نام سے لکھا ہے اس میں انھوں نے بھی ۷۰ھ والی حدیث کا ذکر کرتے ہوئے

فرمایا ہے، کہ یہ مطلب نہیں ہے کہ بچوں کی حکومت ستر کے اوائل میں ہوگی، کیونکہ واؤ مغائرت کے لئے ہے، جیسے کوئی کہے کہ میں سرمایہ دارانہ اور اشترا کی نظام سے اللہ کی پناہ چاہتا ہوں، اس لئے بچوں کی حکومت کا زمانہ ستر کے اوائل کے علاوہ ہوگا۔

(مسائل سلطانیہ للشیخ عبدالرحمٰن العقبی ۳۷)

مولانا نے ساٹھ والی روایت کو ہی قبول کر کے اس کو ہجری مانا ہے، لیکن ملا علی قاری اس حدیث کے متعلق مشکواۃ کی شرح اپنی کتاب مرقاۃ میں فرماتے ہیں، ای من فتنة تنشاء فی ابتداء سبعین من تاریخ الهجرة او وفاته علیه الصلاة والسلام۔ یعنی اس فتنہ سے پناہ مانگو جو ستر ہجری یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے ستر سال بعد کی ابتدا میں ظاہر ہوگا۔ (مرقاۃ المفاتیح ج ۶ ص ۲۴۱۸)

اب آیئے ذرا مولانا کے ہاتھوں کی صفائی بھی دیکھ لیجئے! کہ مولانا اپنی بات منوانے کے کیسے ہتھکنڈے استعمال فرماتے ہیں، اور کیسی کرامت دکھاتے ہیں؟ مولانا لکھتے ہیں:

> ۶۰ھ کا تعین صرف حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، کی موقوف روایت ہی نہیں کرتی، بلکہ خود نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پہلے مرفوع روایت سے بھی منقول ہے، ابن حجر مکی تطہیر الجنان ص ۶۶ پر فرماتے ہیں: وفی حدیث رواته ثقات تعوذ (ایسا ہی ہے، عطا) بالله من راس الستین وفی روایة سنة ستین ومن امارة الصبیان۔ (کردار یزید ص ۱۱۲ برحاشیہ)

اب حقیقت دیکھئے! تطہیر الجنان کی صحیح عبارت درج ذیل ہے۔ وفی حدیث رواته ثقات تعوذوا بالله من راس الستین وفی روایة من راس السبعین وامارة الصبیان۔ ایک حدیث میں جس کے راوی ثقہ ہیں یوں ہے، اللہ کی پناہ مانگو ساٹھ کے

شروع سے اور ایک روایت میں یوں ہے، ستر کے شروع سے اور بچوں کی امارت سے۔

(تطہیر الجنان ص ۲۲۶/۲۲۷ مطبوعہ دار الصحابہ مصر)

مولانا طاہر صاحب کی کاریگری

مولانا کی کاریگری دیکھئے! کہ ابن حجر مکی نے جو دوسری روایت پیش کی ہے، اس میں من راس السبعین ہے، مولانا نے اسکو سنۃ ستین بنا ڈالا ہے۔ سنا تھا کہ یہ کام کچہری کے وکلاء کرتے ہیں۔ اب مناظر اسلام بھی کرنے لگے ہیں، اللہ خیر کرے لیکن کم از کم ہمیں اصل روایت کی تطبیق سے اتنا فائدہ تو ضرور ہوگیا کہ مولانا اپنی ہیرا پھیری کا اقبال کریں یا نہ کریں، اصل کتاب کی عبارت پر خواہ وہ جتنا ہاتھ صاف فرمالیں لیکن بقلم خود انھوں نے ابن حجر مکی علیہ الرحمۃ کی زبان سے اس حدیث کے راویوں کا ثقہ ہونا تو تسلیم کر ہی لیا ہے، اور جب تطہیر الجنان میں سنۃ ستین کی بجائے من راس السبعین کی عبارت ملے گی، تو ان کے پاس ماننے کے سوا کوئی راستہ ہی کہاں بچے گا؟ کیونکہ استدلال میں تو اسی کو پیش کیا جاتا ہے جو کم از کم پیش کرنے والے کی نظر میں مسلم ہو۔ لو! آپ اپنے دام میں صیاد آ گیا

جی چاہتا ہے کہ یہاں پر مولانا کے جواب دینے کا محققانہ انداز بھی قارئین کی خدمت میں پیش کر دوں۔ مولانا حضرت محدث کبیر کی بالکل نامکمل عبارت نقل کرتے ہیں ''دنیا میں ایک حافظ ابن حجر ہی حدیث کے شارح اور اس فن کے متبحر عالم نہیں گذرے ہیں، بلکہ اور حضرات کو بھی یہ سعادت نصیب ہوئی ہے، بالخصوص ہمارے اور آپ کے علمی مورث اعلیٰ اور واقعی حکیم الاسلام شیخ المشائخ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی جو علم دقائق واسرار کتاب وسنت میں اپنا ثانی نہیں رکھتے، آپ نے ذرا زحمت کر کے یہ

کیوں نہیں معلوم کرلیا کہ وہ کیا فرماتے ہیں۔

(تبصرہ برشہید کربلا ویزید ص۲۴ / ازکردار یزید ص۱۰۳/۱۰۴)

لیکن مولانا نے اصل مستدل عبارت چھوڑ دی ہے جو یہ ہے۔

سنئے! حضرت شاہ صاحب ازالۃ الخفاء میں فرماتے ہیں، ''ہدنۂ ثانیہ آنکہ بعد اللتیا والتی امر سلطنت برعبدالملک مستقر شد وہمہ اہل اسلام تحت حکم او درآمدند واولاد واحفاد او نیز در عالم بہمیں نسق فرماں روائی کردند ودرحدیث شریف بیان حکومت ایں فریق آمدہ است اخرج البخاری من حدیث ابی ہریرۃ ہلکۃ امتی علی ایدی غلمۃ من قریش''۔ دوسری مصالحت یہ ہے کہ بڑے جھگڑوں کے بعد حکومت کا معاملہ عبدالملک پر قرار پایا گیا اور تمام اہل اسلام اس کے حکم کے ماتحت ہوگئے، اور اس کے بیٹوں پوتوں نے بھی اسی ڈھنگ سے عالم میں فرماں روائی کی، حدیث شریف میں اس فریق کی حکومت کا بیان آیا ہے، بخاری نے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ میری امت کی ہلاکت قریش کے چند لڑکوں کے ہاتھوں ہوگی، دیکھئے! شاہ صاحب اس حدیث کا محمل عبدالملک بن مروان کی اولاد کو قرار دیتے ہیں''۔ (تبصرہ برشہید کربلا ویزید ص۲۴/۲۵)

مولانا طاہر صاحب نے اپنی کتاب میں اس عبارت کا پہلا ٹکڑا صرف اس لئے نقل کیا کہ وہ قارئین کو دکھا سکیں، کہ محدث اعظمی حافظ ابن حجر کی عظمت کو تسلیم نہیں کرتے، جبکہ یہ ان کا مغالطہ ہے، اور جو اصل مستدل حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا بیان تھا، اس کو گول کر گئے، بہر حال حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے استدلال کا ''محققانہ'' جواب مولانا طاہر صاحب سے سن لیجئے!

سوال کچھ جواب کچھ اور

''یہ مولانا حبیب الرحمٰن صاحب علیہ الرحمۃ کی حافظ ابن حجر علیہ الرحمہ کے خلاف دفع الوقتی ہے ورنہ مولانا موصوف نے زیر بحث مسئلہ میں خود ذرا زحمت کیوں نہیں کی کہ شاہ صاحب نے یزید کے متعلق کیا لکھا ہے شاہ ولی اللہ جیسا دیدہ ور اور عبقری صاحب علم لکھتا ہے وھو منافق او فاسق فمنھا الحجاج ویزید بن معاویۃ ومختار۔ (حجۃ اللہ البالغۃ ج۲ ص۲۱۵)

حضرت شاہ صاحب نور اللہ مرقدہ کی اس عبارت کی توجیہہ تو ہم انشاء اللہ آگے پیش کریں گے، ابھی یہ دیکھئے کہ مولانا طاہر صاحب نے، کیا حضرت کے استدلال کا جواب دیا؟ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بخاری کی اسی حدیث سے استدلال کر کے اس کا مصداق عبدالملک کی اولاد کو قرار دیا تھا، اور اس کو حضرت محدث اعظمی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب میں نقل کر کے فرمایا تھا کہ دیکھئے شیخ المشائخ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی اسکا مصداق یزید کو نہیں بلکہ بنو عبدالملک بن مروان کو قرار دیتے ہیں، اس کا جواب مولانا طاہر صاحب یہ دیتے ہیں کہ حضرت شاہ صاحب نے یزید کا شمار فاسقین میں کیا ہے۔

اب قارئین ہی بتائیں فاسقین میں یزید کو شمار کر کے حضرت شاہ صاحب نے یزید کو اس حدیث کا مصداق بتایا؟ بات کچھ ہوتی ہے مولانا گھوم کر کہیں اور چلے جاتے ہیں، پھر یہاں پر حجۃ اللہ البالغۃ کی عبارت بھی مولانا نے ادھوری نقل کی ہے، دیکھ لیجئے، پوری عبارت یوں ہے ''ومن القرون الفاضلۃ اتفاقاً من ھو منافق او فاسق ومنھا الحجاج و یزید بن معاویۃ ومختار وغلمۃ من قریش الذی یھلکون الناس وغیرھم ممن بین النبی صلی اللہ علیہ وسلم سوء حالھم''۔

(حجۃ البالغۃ ج۲ ص۳۳۲)

بہترین زمانے میں سے اتفاقاً ایسے لوگ بھی ہوئے ہیں جو منافق یا فاسق تھے، اسی زمانے کے حجاج اور یزید بن معاویہ اور مختار اور قریش کے چھوکرے بھی ہیں، جو لوگوں کو ہلاک کرتے ہیں، ان کے علاوہ بھی ایسے لوگ جن کا برا حال نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا ہے۔

قارئین کرام دیکھیں کہ یزید وغیرہ کے ذکر کے بعد حضرت شاہ صاحب نے قریشی چھوکروں کا ذکر الگ فرمایا ہے، جو لوگوں کو ہلاک کرتے ہیں، اس روایت میں بھی حضرت شاہ صاحب نے یزید کو ان چھوکروں میں شامل نہیں فرمایا ہے، باقی یزید کو حجاج ومختار کے ساتھ جو حضرت نے شامل فرمایا ہے، میں عرض کر چکا ہوں کہ اس کی توجیہہ انشاءاللہ آگے آئے گی۔

اسی طرح حضرت محدث کبیر رحمۃ اللہ علیہ نے یہ ثابت کرنے کے لئے کہ راس السبعین حضرت شاہ اسماعیل شہید علیہ الرحمۃ کے نزدیک بھی ثابت ہے، اور ان کے نزدیک بھی امارۃ صبیان کا مصداق یزید نہیں ہے، حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ کا بیان منصب امامت سے نقل فرمایا تھا کہ ''ونیز در حدیثے دیگر وارد شدہ تعوذ و باللہ من راس السبعین وایں کلمہ اشارت است بانقضائے زمان سلطنت کاملہ، پس گویا کہ مجموع ایں ہر سہ از منہ (زمان نبوت وزمان خلافت، وزمان سلطنت کاملہ) را زمان برکت قرار دادہ اند کہ شر وفساد ے کہ قابل تعوذ باشد بعد انقضائے سلطنت کاملہ ظاہر خواہد گردد۔

(منصب امامت ص ۸۰)

ایک دوسری حدیث میں آیا ہے کہ ستر سال کے آغاز سے پناہ مانگو اور یہ سلطنت کاملہ کی مدت پورے ہو جانے کی طرف اشارہ ہے، گویا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان

تینوں کے مجموعے کو برکت کا زمانہ قرار دیا ہے (زمان نبوت، زمان خلافت اور زمان سلطنت کاملہ) کیونکہ جو شر وفساد پناہ مانگنے کے قابل ہے وہ سلطنت کاملہ کے ختم ہو جانے کے بعد ظاہر ہوگا۔ (کردار یزید ص ۱۱۳)

مولانا طاہر صاحب جواب میں لکھتے ہیں ''سنئے! مولانا اسماعیل شہید یزید کو خارج نہیں مانتے، مولانا اسماعیل شہید یزید اور اس کے اعوان وانصار کو کیا کہتے ہیں، وہ تقویۃ الایمان میں لکھتے ہیں۔

جاننا چاہیئے کہ عبید اللہ بن زیاد اور عمر بن سعد اور شمر اور خولی وغیرہ مردودوں نے باجازت یزید پلید کے حضرت امام حسین کو رنج پہونچایا''۔ (تقویۃ الایمان ص ۱۸۶)

قارئین کرام ہی دیکھیں! کہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے سلطنت کاملہ کے زمانے تک کو حدیث کی روشنی میں برکت کا زمانہ قرار دے کر قابل تعوذ زمانہ اس کے بعد کا قرار دیا تھا، جس میں یزید کا زمانہ شامل نہیں ہوتا اور یزید پر یہ حدیث صادق نہیں آتی، تو اس کا جواب مولانا نے یہ دیا ہے، کہ شاہ صاحب یزید کو سیدنا حسین کا قاتل سمجھتے ہیں، اس لئے یزید اس میں شامل رہے گا، قارئین کرام ہی دیکھیں! کیا یہ تحریر جواب بننے کی لیاقت رکھتی ہے؟

حضرت محدث اعظمیؒ نے لکھا تھا ''اسی کے ساتھ یہ بات یاد رکھئے کہ امام ابوعبداللہ الحاکم نے حدیث غلمۃ من قریش کا مصداق شرکائے قتل عثمان کو قرار دیا ہے، اور ان کی تصریح کے بموجب حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ، صاحب سر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فتن کی حدیثوں اور انکے معانی ومطالب کے سب سے بڑے واقف تھے غلمۃ من قریش کا مصداق قاتلین عثمان ہی کو قرار دیا ہے''۔ (تبصرہ بر شہید کربلا ویزید ص ۲۹)

امام حاکم پر تہمت کے الزام کی حقیقت

محترم مولانا سید طاہر حسین صاحب نے اس پر لمبی بحث کی ہے میں ان کی بحث کا آخری حصہ پیش کر رہا ہوں، مولانا لکھتے ہیں:

''میں بہت غور وخوض کرنے کے بعد حدیث کے مختلف الفاظ وطرق کے مطالعہ کے بعد یہ عرض کر رہا ہوں کہ اس موقع پر مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی علیہ الرحمۃ نے صرف امام حاکم پر ہی تہمت نہیں رکھی ہے، بلکہ صحابیٔ رسول حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ، پر الزام لگا ڈالا ہے کہ انھوں نے حدیث غلمۃ من قریش کا مصداق قاتلین عثمان کو قرار دیا ہے، اگر کوئی صاحب حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ، کا وہ جملہ نقل کر دیں جس کا ترجمہ قاتلین عثمان کیا گیا ہے تو مجھے اپنی بات سے رجوع کرنے میں ذرا بھی تأمل نہ ہوگا، قتل عثمان کے وقت حدیث سنانا اور بات ہے، اور قاتلین عثمان کو مصداق ٹھہرانا اور بات ہے''۔ (کردار یزید ص ۱۱۰)

مولانا کی ہٹ دھرمی کا، میں سمجھتا ہوں کہ کسی کے پاس کوئی علاج نہیں ہے، مولانا کہتے ہیں ''قتل عثمان کے وقت حدیث سنانا اور بات ہے، قاتلین عثمان کو مصداق ٹھہرانا اور بات ہے''۔ تو مولانا ہی بتادیں کہ فتنے سے متعلق یہ حدیث حضرت سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ، نے کس کی فضیلت بیان کرنے کے لئے سنائی تھی؟ اس موقع پر حدیث سنانے کا مطلب اگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے متعلقہ لوگوں کی مذمت نہیں تھی تو پھر کیا تھی؟ پھر یہی حدیث قتل سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے موقع پر کیوں سنائی گئی؟ اور جب قتل کے موقع پر سنائی گئی تو کیا قاتلوں کی طرف اشارہ نہ ہوگا، کہ وہ قاتل، امت کی ہلاکت والی وعید کے مصداق ہیں۔ مولانا فرماتے ہیں کہ حضرت

رحمۃ اللہ علیہ نے امام حاکم پر تہمت رکھی ہے، اور مولانا نے یہ بات بقول خود تعدد طرق کا مطالعہ کر کے اس میں بہت غور وخوض کے بعد یہ بات کہی ہے، آیئے ہم بھی دیکھیں کہ واقعی حضرت محدث اعظمیؒ نے امام حاکم پر تہمت رکھی ہے یا کچھ اور بات ہے؟ امام حاکم مستدرک کی ج ۴ ص ۵۱۷ پر حدیث ۸۴۵۰/۱۵۸ کے تحت حضرت ابو ہریرہ کی حدیث نقل کرتے ہیں سمعت اباهريرة رضى الله عنه يقول لمروان بن الحكم اخبرنى ابو القاسم الصادق المصدوق صلى الله عليه وسلم قال ان فساد امتى على يدى غلمة سفهاء من قريش۔ (مستدرک ج ۴ ص ۵۱۷)

پھر فرماتے ہیں، هذا حديث صحيح الاسناد ولم يخرجاه وقد شهد حذيفة بن اليمان لصحة هذ الحديث ج ۴ ص ۵۱۷) یہ حدیث سند کے اعتبار سے صحیح ہے اور حضرات شیخین نے اس کی تخریج نہیں فرمائی، حالانکہ اس حدیث کی صحت کی شہادت حضرت حذیفہ ابن الیمان نے دی ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ وہ شہادت کیا ہے، کہاں حضرت حذیفہ نے فرمایا؟ اور شہادت دی کہ حضرت ابو ہریرہ کی اس مروی حدیث کا مضمون صحیح ہے، اور امام حاکم جب اس شہادت کا دعویٰ فرما رہے ہیں تو ان کو وہ شہادت پیش کرنی چاہئے، آپ آس پاس کے تمام اوراق کھنگال لیجئے! صحت حدیث کی شہادت سے متعلق آپ کو حضرت حذیفہ کا کوئی بیان نہیں مل سکے گا، پھر سوال یہ ہوگا کہ امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بے بنیاد دعویٰ کیوں فرمایا؟ تو عرض ہے کہ دعویٰ بے دلیل نہیں ہے بلکہ اس کی دلیل کے طور پر امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ، کی وہ حدیث پیش فرمائی ہے، جس میں سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ، کی شہادت کے موقع پر حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ، نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، کی حدیث سے ملتا جلتا مضمون نبی اکرم صلی اللہ

علیہ وسلم سے نقل فرمایا ہے، اور چونکہ دونوں حدیثوں کا مضمون اور مفہوم معنوی اعتبار سے یکساں ہے، اس لئے امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ، کی حدیث کو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، کی حدیث کی شہادت میں پیش کیا ہے، اور یہ بھی دیکھئے کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ، اس حدیث کو حضرت سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ، کی شہادت کے موقع پر پیش فرما رہے ہیں، تو کیا انھوں نے موقع محل بھی نہیں دیکھا تھا؟ اور بلا کسی ربط کے یہ حدیث پیش فرمادی تھی؟ اب قارئین ہی انصاف فرمائیں کہ اگر حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ، نے قتل عثمان رضی اللہ عنہ، سے اس حدیث کو مربوط سمجھ کر یہ حدیث سنائی ہے تو کیا انھوں نے صرف واقعۂ قتل کی طرف اشارہ فرمایا، اور قاتلین سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ، سے صرف نظر فرمالیا؟ اور اگر امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے دوسری حدیث کو بطور شہادت نقل فرمایا ہے اور حضرت سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ، نے قاتلین کے برے کردار کو سامنے رکھ کر یہ حدیث سنائی ہے، تو پھر مولانا طاہر کا یہ نادری فرمان زبردستی اور سینہ زوری نہیں ہے تو پھر اور کیا ہے؟ کہ ''اس موقع پر مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی علیہ الرحمۃ نے صرف امام حاکم پر ہی تہمت نہیں رکھی ہے بلکہ صحابیٔ رسول حضرت حذیفہ بن الیمان پر الزام ڈالا ہے کہ انھوں نے حدیث غلمۃ من قریش کا مصداق قاتلین عثمان کو قرار دیا ہے''۔

مولانا طاہر صاحب کی سینہ زوری

پھر ذرا مولانا کی دوسری سینہ زوری دیکھئے! فرماتے ہیں، اگر کوئی صاحب حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ، کا وہ جملہ نقل کردیں جس کا ترجمہ قاتلین عثمان کیا گیا ہے تو مجھے اپنی بات سے رجوع کرنے میں ذرا بھی تأمل نہ ہوگا''۔

مولانا سے پوچھئے! کیا آپ کے لینے کے باٹ اور ہیں اور دینے کے کوئی اور؟ مولانا

حضرت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، کی مروی حدیث کا کوئی جملہ نقل فرمادیں، جس کا ترجمہ یزید کیا گیا ہے تو ہم بھی اپنا موقف تبدیل کر کے مولانا کے مقتدی بن جائیں گے، یا وہ حضرت سیدنا ابو ہریرہؓ سے ان ناموں کی تصریح ہی نقل فرمادیں، جن میں یزید بھی شامل ہو؟ مولانا کہتے ہیں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، کو وہ نام معلوم تھے لیکن سوال تو یہ ہے کہ کیا یہ نام انھوں نے بتائے؟ اور انھوں نے نہیں بتائے تو مولانا پر کون سی وحی اتری کہ ان کا مصداق یزید ہی ہے؟ اور مولانا جو یہ کہتے ہیں کہ محدث اعظمی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ، پر الزام ڈالا ہے، تو میں کہتا ہوں کہ اس سے بڑا الزام تو مولانا نے حضرت سیدنا ابو ہریرہؓ پر لگایا ہے، کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، کو یقینی طور پر معلوم تھا کہ یزید کے ہاتھوں امت کی ہلاکت ہونیوالی ہے، پھر بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ، سے یزید کی بیعت ولیعہدی کے موقع پر انھوں نے کچھ نہیں فرمایا، کم از کم مسلمانوں کی خیر خواہی میں الدین النصیحۃ کے تحت تو حضرت ابو ہریرہ کا لازمی فرض بنتا تھا، کہ وہ کم از کم حضرت سیدنا معاویہؓ کو خبر دار کردیتے۔ مولانا اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ کو بتانے میں جان کا خطرہ تھا، میں کہتا ہوں کہ امت پر اتنا سنگین خطرہ منڈلا رہا تھا اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، کو اس خطرے کے اصل ذمہ دار کا نام معلوم بھی تھا، پھر بھی انھوں نے امت پر اتنے بڑے خطرے کے مقابلے میں اپنی جان کو ترجیح دی؟ مولانا ایک جلیل القدر صحابی کو اتنا بڑا بزدل اور خود پسند ثابت کرنا چاہتے ہیں؟ مولانا سید طاہر حسین صاحب نے جو باتیں یہاں پر بنائی ہیں ان میں سے ایک قارئین کرام بھی دیکھ لیں! فرماتے ہیں:

''حضرت حذیفہ صاحب السر مشہور تھے اور لوگ اس قسم کی حدیثیں ان سے پوچھتے بھی تھے، اب ایسے صحابی سے اگر کسی شخص نے اس طرح کی

بات قتل عثمانؓ کے وقت دریافت کرلیا اور انھوں نے ایک حدیث فتنہ کے متعلق سنادی تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہوتا، کہ خاص اسی وقت کے فتنہ سے اس کا تعلق ہے، جب کہ وہ حدیث جو حضرت حذیفہ بن یمان نے اس موقع پر سنائی تھی، اس کے الفاظ واضح طور پر بتارہے ہیں کہ حدیث کا تعلق آنیوالے زمانہ سے ہے، اور یہ فتنہ کبھی آئندہ پیش آئے گا۔

(کردار یزید ص ۱۰۷)

یعنی مولانا یہ کہنا چاہتے ہیں کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ، گفتگو میں مطابقت کا خیال نہیں فرماتے تھے؟ اور کوئی شہادت سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ، کے وقت کسی فتنہ کے متعلق دریافت کرتا تو اس کو آئندہ پیش آنیوالے فتنہ کی بات جواب میں فرماتے تھے؟ اس توجیہہ پر تو شاید مولانا کے معتقدین ہی آمنا وصدقنا کہہ سکتے ہیں، ہم تو عرض کریں گے کہ مولانا ان الفاظ کی نشاندہی فرمادیں، جس سے یہ واضح ہو جائے کہ حضرت حذیفہ کا یہ بیان آئندہ فتنہ سے متعلق ہے، شہادت عثمان والے فتنۂ دار سے نہیں ہے، اور مسند احمد بن حنبل والی روایت میں شہادت عثمان کے ذکر کے نہ ہونے سے بھی یہ لازم نہیں آتا کہ اس کا تعلق شہادت حضرت عثمان والے فتنے سے نہیں ہے، کیونکہ حدیثوں کا مطالعہ کرنیوالے جانتے ہیں کہ ایک شخص کی ایک حدیث میں اگر کسی بات کے ہونیکا ذکر ہے اور اسی کی دوسری حدیث میں اس کے ہونے کا ذکر نہیں ہے تو اس بات کے نہ ہونے پر استدلال نہیں ہوسکتا، مثلاً امام حاکم والی روایت میں حضرت حذیفہ کی اس حدیث کا تذکرہ ذکر شہادت عثمان کے ساتھ ہے تو مسند امام احمد والی حدیث میں حضرت حذیفہ کا یہی مضمون شہادت سیدنا عثمان کے ذکر کے بغیر ہے تو اس سے لازم نہیں آتا کہ حضرت عثمان کی شہادت سے الگ ہوکر یہ حدیث بیان کی گئی

ہے، اور حدیث میں بیان کردہ مضمون کا شہادت سیدنا عثمان سے کوئی تعلق نہیں ہے، یہ تو ہمارے مولانا ہیں جو ہونی کو انہونی کرنے کا کمال اپنے اندر رکھتے ہیں، مولانا فرماتے ہیں کہ ''کسی شخص نے اس طرح کی بات قتل عثمان کے وقت دریافت کرلیا'' لیکن ہمیں تو حدیث میں ایسا اشارہ نہیں ملتا کہ کسی نے دریافت کیا ہو، حدیث تو بتاتی ہے کہ ''ہم حضرت حذیفہ کے پاس گئے لوگ ان کے پاس تھے تو انھوں نے فرمایا'' اچھا ہم مولانا کی خاطر مان لیں کہ سوال کیا گیا تھا، تو بتایا جائے کہ جواب سوال کے مطابق ہوگا یا مخالف؟ اگر مطابق ہونا چاہئے تو اس کو شہادت عثمان رضی اللہ عنہ، سے متعلق ماننے میں مولانا کو کیا پریشانی ہے؟ کہیں ایسی پریشانی تو نہیں کہ اس کو تسلیم کرلینے کے بعد ان کے مفروضوں کا محل زمین بوس ہو جائے گا؟

آیئے! اب ذرا اس پر بھی گفتگو کرلیں کہ حدیث پاک میں تو غلمۃ من قریش کا لفظ آیا ہے یا امارۃ الصبیان کی بات آئی ہے تو اس حدیث کو یزید پر کیسے منطبق کیا جاسکتا ہے؟ اور کیسے یزید کو اس کا مصداق قرار دیا جاسکتا ہے؟ کیونکہ یزید تو عہدہ سنبھالنے کے وقت کوئی بچہ یا نابالغ نہیں ہے، اور خواہ صبیان کا لفظ ہو یا غلمۃ یا اغیلمۃ کا، یہ الفاظ تو نوعمری اور کم عمری پر دلالت کرتے ہیں اور یزید اس لائق نہیں تھا کہ اس کو بچہ قرار دیا جاسکے۔ تو اس کیلئے پیچیدہ راستہ اختیار کیا گیا، حقیقت کو بالائے طاق رکھا گیا، اور مجازی معنی مراد لے کر یزید کو اس کا مصداق قرار دینے کی کوشش کی گئی، کبھی کہا گیا کہ یزید عمر کے لحاظ سے تو بالغ تھا لیکن اس کی عقل بچوں والی تھی، لہذا وہ امارۃ صبیان میں شامل ہے۔

چونتیس سالہ بچہ

حضرت قاری طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ جن کی وکالت مولانا طاہر صاحب کررہے

ہیں، اپنی کتاب میں لکھتے ہیں ''یہی وہ امارت تھی جس کا اولین سربراہ یزید تھا، جو چونتیس سالہ جوان تھا، عمر بلوغ کی تھی، مگر عقل وتدبیر اور دین کے لحاظ سے نابالغ اور صبی تھا۔ (شہید کربلا اور یزید ص ۱۶۰)

شارح بخاری علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی موقف اختیار کیا ہے، چنانچہ لکھتے ہیں، وقال ابن الاثیر: المراد بالاغیلمة هنا الصبیان ولذالك صغرهم قلت وقد یطلق الصبی واغلیم بالتصغیر علی ضعیف العقل والتدبیر والدین ولو کان محتلماً وهو المراد هنا فان الخلفاء من بنی امیةلم یکن فیهم من استخلف وهو دون البلوغ۔ (فتح الباری ج ۲۵ ص ۱۷)

''ابن اثیر نے کہا اغیلمہ سے مراد یہاں بچے ہیں، اسی لئے حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو تصغیر کے صیغے کیساتھ بیان فرمایا، حافظ ابن حجر فرماتے ہیں، میں نے کہا کہ کبھی دین اور تدبیر اور عقل کے لحاظ سے کمزور لوگوں کو بھی بچہ کہہ دیا جاتا ہے، چاہے وہ بالغ ہی کیوں نہ ہو اور یہاں یہی مراد ہے، کیونکہ بنی امیہ میں کوئی شخص بالغ ہونے سے پہلے خلیفہ نہیں بنایا گیا ہے''۔

علامہ ابن حجر کے بیان کے مطابق حقیقی معنوں میں یزید کو تو بچہ نہیں کہا جا سکتا ہے لیکن کبھی بیوقوف کو بھی بچہ کہہ دیا جاتا ہے، کیونکہ جس طرح بچے میں عقل نہیں ہوتی بیوقوف میں بھی نہیں ہوتی، لیکن بصد ادب عرض ہے کہ حقیقی معنی کو چھوڑ کر مجازی معنی مراد لینا اسی وقت جائز اور درست ہوتا ہے جب حقیقی معنی مراد لینا انتہائی مشکل اور متعذر ہو جائے، صبی اور غلیم کے حقیقی معنی یزید پر تو صادق نہیں آ سکتے؟ مجازی معنی کے اعتبار سے ہی یزید کو بچہ کہا جا سکتا ہے تو پھر سوال یہ ہے کہ یہاں کون سی مجبوری تھی کہ حدیث کو اس کے حقیقی معنی سے ہٹا کر مجازی مصداق پر فٹ کیا جائے؟ یہ سوال اپنی جگہ محتاج

جواب ہے، دوسری بات یہ ہے کہ یزید کو اس کا مصداق قرار دینے کیلئے ہی بے عقل کہا گیا ہے۔ چنانچہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، وهو المراد هنا یہاں پر یہی مراد ہے، لیکن ہم عرض کریں گے، کہ یہ بھی تحکم اور تعدی ہے، کیونکہ روایت تو کہتی ہے کہ یزید بے وقوف نہیں تھا، بلکہ ذہین سمجھدار اور مضبوط رائے کا مالک تھا۔

مؤرخین کا بیان کہ یزید بے وقوف نہیں تھا

خود مولانا طاہر صاحب نے علامہ ذہبی کا قول یزید کے بارے میں نقل کیا ہے، علامہ ذہبی فرماتے ہیں قلت کان قویاً شجاعا ذا رای وحزم وفطنة وفصاحة۔

(سیر اعلام النبلاء ج ۴ ص ۱۹ / کردار یزید ص ۳۷)

نوٹ: میرے پاس جو سیر اعلام النبلاء ہے اس میں یہ بیان ج ۵ ص ۳۷ پر ہے۔

کہ یزید طاقتور، بہادر، مضبوط رائے اور سمجھداری والا فصیح البیان شخص تھا، پھر مولانا طاہر صاحب ہی ہمیں علامہ ابن کثیر کے حوالے سے بھی بتاتے ہیں کہ فاقر نواب ابیه علی الاقالیم ولم یعزل احداً منهم و هذا من ذکائه ، یزید نے اپنے والد کے مقرر کئے ہوئے عاملوں کو اپنے عہدوں پر قرار رکھا اور کسی کو معزول نہیں کیا، اور یہ اس کی ذہانت کی علامت ہے''۔ (البدایۃ والنہایہ ج ۸ ص ۲۱۳ / کردار یزید ص ۱۵)

میرے پاس موجود البدایۃ میں یہ عبارت ج ۸ ص ۱۴۶ پر ہے۔

ابن کثیر لکھتے ہیں، وقد کان یزید فیه خصال محمودة من الکرم والحلم والفصاحة والشعر والشجاعة وحسن الرائ فی الملك۔

''یزید میں بہت سی اچھی عادتیں تھیں جیسے کرم، بردباری، شعر گوئی، بہادری، اور ملکی معاملے میں رائے کی خوبی۔ (البدایہ ج ۸ ص ۲۳۰)

اب دیکھئے! کہ علامہ ذہبی اور ابن کثیر کے بیان سے معلوم ہو رہا ہے کہ یزید ذہین بھی

تھا سمجھدار بھی اور ملکی معاملوں میں بہترین رای کا مالک بھی، تو اب اس حدیث کو یزید پر منطبق کرنے والوں کو ایسا بے وقوف تلاش کر کے لانا ہوگا، جو بیوقوف ہونے کیساتھ ساتھ ذہین وفطین اور صائب الرائے بھی ہو۔ اس حدیث کو بنیاد بنا کر ہلاکت کا پھندا یزید کی گردن میں ڈالنے والوں نے پہلے حدیث کو حقیقت سے مجاز کی طرف موڑا، پھر مجاز سے بھی ہاتھ دھو بیٹھے، اب مولانا طاہر گیاوی صاحب سے پوچھا جائے کہ انھیں امارۃ صبیان اور غلمۃ من قریش کے باب میں یزید کے نام پر ہی اصرار کیوں؟ اور جب انہیں اس حدیث کا حقیقی مصداق بخاری سے خود راوی حدیث حضرت سعید دکھا رہے ہیں تو انھیں اسے قبول کرنے میں تذبذب کیوں ہے؟ اور بدرجہ مجبوری قبول بھی کرتے ہیں تو اس موقع پر بھی اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی تشریح کے وقت بھی مولانا ''اولہم یزید'' کا وظیفہ کیوں پڑھنے لگتے ہیں؟ آخر انھیں یزید سے اتنا ''پیار'' کیوں ہوگیا ہے؟ پھر مولانا سے یہ بھی پوچھا جائے کہ حدیث رسول پر انکی اجارہ داری کب سے ہوگئی کہ اب حدیث کا مصداق بھی ان کی مرضی سے طے ہوا کرے گا؟ حدیث کا اصل مصداق سامنے ہوتے ہوئے بھی اگر مولانا کی مرضی نہ ہو تو اس سے آنکھیں بند کر لی جائینگی، اور حقیقتاً یا مجازاً کسی بھی طرح کوئی اس کا مصداق نہ بنتا ہو پھر بھی اگر مولانا چاہیں تو اس پر حدیث فٹ کر دی جائے گی؟ یزید کو اس حدیث کے تحت لانے کے لئے دوسری تعلیل یہ کی گئی ہے کہ یزید خود تو چاہے اس حدیث کا اصلی مصداق نہ ہو، لیکن بالواسطہ تو اس کا مصداق بن ہی جائے گا، اس لئے کہ اپنے عہد ولایت میں وہ بزرگوں کو ولایت سے ہٹا کر کمسن لڑکوں کو اس عہدے پر مامور کر دیتا تھا اور جب ملک کی اکثر ولایت کے والیان کمسن ہوں، تو ایسی حکومت ہر حال میں چھوکروں کی حکومت ہی کہلائے گی۔ حکیم الاسلام حضرت قاری محمد طیب

صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

کیا یزید بڑوں کو معزول کر کے نوعمر لڑکوں کا تقرر کرتا تھا؟

''غرض حدیث نبوی کی پیشگوئی کے مطابق اس ۶۰ھ کی امارۃ الصبیان نے جو کچھ انقلاب امت میں برپا کیا وہ یہ تھا کہ یزید اور اسکی پارٹی نے اکابر وشیوخ اور بڑے بوڑھوں کو کسی کی جان لے کر، کسی کا مال چھین کر، کسی کو دونوں سے محروم کر کے، کسی کو ڈرا دھمکا کر، کسی کو مجبور کر کے کلیدی عہدوں اور منصوبوں سے علحدہ کر کے نوخیز لڑکوں کو امارت میں بھرتی کیا، جس سے لڑکوں کی امارت یعنی امارت الصبیان کا ظہور ہوا۔

(شہید کربلا اور یزید ص ۱۶۴)

ہم انتہائی ادب سے عرض کریں گے کہ ہمیں قطعی یقین نہیں آرہا ہے کہ یہ تحریر ہمارے ایک ایسے بزرگ کی ہے جن کا احترام ہمارے سینۂ و دل کے صفحات پر نقش ہے؟ کیوں کہ ہم اپنے بزرگوں کے بارے میں اعتقاد رکھتے ہیں کہ وہ کبھی کچی بات ہرگز نہیں کہتے، انھیں کفی بالمرء کذباً ان یحدث بکل ما سمع کا نبوی ارشاد معلوم ہے، اور پیش نظر عبارت کی رُو سے لازم آتا ہے کہ (۱) یزید نے پرانے بزرگ عہدہ داروں میں سے کسی کی جان لی (۲) کسی کا مال چھینا (۳) کسی کی جان بھی لی اور اس کا مال بھی غصب کیا (۴) کسی کو ڈرایا دھمکایا (۵) کسی کو مجبور کر کے عہدے سے الگ کیا، اور پھر ان کی جگہوں پر کم سن لڑکوں اور بچوں کو امارت میں بھرتی کیا، اور اسی وجہ سے اس کی حکومت میں امارت صبیان کا ظہور ہوا۔ یہی دعویٰ کیا کم تھا کہ یزید بڑے شہروں کی امارت سے بزرگوں کو ہٹا کر انکی جگہ اپنے کمسن رشتہ داروں کو مقرر کر دیا کرتا تھا''۔ مولانا طاہر صاحب نے فتح الباری اور عمدۃ القاری کی عبارتیں اپنی کتاب میں ص ۱۷ کے حاشیے پر نقل کی ہیں، ''واولہم یزید علیہ ما یستحق وکان غالباً

ینزع الشیوخ من امارة البلدان الکبار و یولیها الاصاغر من اقاربه''۔

عمدۃ القاری ج۲۴ رص۲۶۱)

اورابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔''فان یزید کان غالباً ینزع الشیوخ من امارة البلدان الکبار و یولیها الاصاغر من اقاربه''۔(فتح الباری ج۱۳ص۱۳)

ہم سمجھتے تھے کہ ہمارے انتہائی قابل احترام بزرگ حافظ ابن حجر، وعلامہ بدرالدین عینی نوراللہ مرقدہما کوئی بات بلاتحقیق نہیں فرماتے، اورانھوں نے بخاری شریف کی شرحوں میں یزید کے متعلق یہ دعویٰ فرمایا ہے تو اس کی بنیاد ضرور ہوگی؟ اور یقیناً یزید نے ایسا ہی کیا ہوگا؟ جیسا ہمارے بزرگ فرمارہے ہیں، اور یقین کیجئے ہم نے تاریخ خلیفہ، طبری، الکامل، تاریخ الاسلام، البدایہ سب کتابیں چھان ماریں، اور ہمیں لے دے کے صرف دو واقعے ملے جن میں یزید کی طرف سے سابقہ والی کی معزولی کے بعد کم عمر والی کا تقرر پایا گیا، ایک واقعہ سجستان کا ہے ۶۱ھ کا جس میں یزید نے عبدالرحمٰن اور عباد کو خراسان وسجستان کی ولایت سے معزول کر کے انھیں کے بھائی سلم بن زیاد کو دونوں جگہوں کی ولایت سونپ دی تھی، اور سلم بن زیاد نے اس علاقے میں اپنی فتوحات میں اضافہ کیا، دوسرا واقعہ مدینہ کی امارت سے ولید ابن عتبہ کو معزول کر کے عثمان بن محمد بن ابی سفیان کی وہاں تقرری کا ہے، اور یہ تقرر کیسے ہوا؟ یہ ابن اثیر کی زبان سے سن لیجئے!

''ابن زبیر نے ولید کے بارے میں مکر سے کام لیا تو یزید کو لکھا کہ آپ نے ہمارے پاس ایسا آدمی بھیجا ہے جو کسی ہدایت کی طرف متوجہ نہیں ہوتا اور کسی صاحب حکمت کی نصیحت کی پرواہ نہیں کرتا، اگر آپ کسی نرم خو شخص کو بھیج دیں تو مجھے امید ہے کہ بہت سے معاملے سلجھ جائیں گے، اور انتشار ختم ہوجائے گا، تو یزید نے ولید کو معزول کر دیا

اور عثمان بن محمد بن ابی سفیان کو والی بنادیا اور یہ عثمان کم سن ناتجربہ کار جوان تھا''۔

(الکامل ج۳ص۴۴۷)

بس کُل یہ دو معاملے ہیں جن میں یزید نے قدیم والیوں کو معزول کر کے جوانوں کو اس کی جگہ والی بنایا ہے، ان میں سے بھی ایک میں یزید نے انھیں کے بھائی سلم کو اور دوسرے میں حضرت عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ، کی فرمائش اور ان کے خط لکھنے پر ولید ابن عتبہ کو معزول کر کے عثمان ابن محمد کو ولایت سونپی ہے، اور محض ان کی بنیاد پر دعویٰ کر دیا گیا ہے کہ:''یزید اکثر بوڑھوں کو ہٹا کر کم سن رشتہ داروں کو والی بنایا کرتا تھا''۔ پھر یہ بھی دیکھئے کہ ابن کثیر کے مطابق جب سلم ابن زیاد کو خراسان وسجستان کا والی بنایا گیا ہے تو اس کی عمر چوبیس سال تھی۔ (کردار یزید ص۱۶)

اچھا! بات یہیں تک رہتی تو کوئی بات نہیں تھی، لیکن بات سنگین اس وقت ہوجاتی ہے جب ہمارے دونوں بزرگ شارحین بخاری علیہم الرحمۃ محض اتنی سی بات پر یزید کو امارۃ الصبیان میں داخل فرمادیتے ہیں، اور اس کو ھلکة امتی علی یدی غلمة من قریش کا مصداق بنادیتے ہیں، اسی کے ساتھ یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ جب تک عثمان بن محمد مدینہ میں والی رہا تو کوئی واقعہ رونما نہیں ہوا، لیکن جب اس کی نرمی سے سازشی عناصر سر اٹھانے لگے، اور اہل مدینہ کو یزید کی شراب نوشی وغیرہ کے افسانے منظّم ڈھنگ سے سنانے لگے، تو مدینہ میں یزید کے خلاف عام ماحول بن گیا، اور پھر یزید نے عثمان بن محمد کو معزول کر کے دوبارہ ولید بن عتبہ کو مدینہ کی ولایت پر مامور کر دیا۔ ہمارے بزرگوں نے جو فرمایا ہے کہ یزید اکثر بزرگوں کو بڑے شہروں کی ولایت سے معزول کر کے ان کی جگہ نوعمر رشتہ داروں کو مامور کر دیا کرتا تھا، ہمارے یہ

دونوں بزرگ تو اللہ کو پیارے ہو چکے اور صدیاں گذر گئیں۔ ان کے اس قول کو حجت بنانیوالے ہمارے علامہ تو ہیں جنھوں نے ان بزرگوں کے قول ''ویولیھا الاصاغر من اقاربہ'' کو بنیاد بنا کر نعرۂ ''اولہم یزید'' کی گردان فرمائی ہے، میں علامہ ہی کو دعوت دیتا ہوں کہ ماشاء اللہ ان کا مطالعہ بھی بہت وسیع ہے اور وہ ''تعدد طرق'' سے بھی خوب واقف ہیں، ذرا ہمیں بھی کتب تاریخ سے یہ منظر دکھا دیں کہ کہاں کہاں یزید نے بزرگوں کو معزول کر کے ان مقامات پر اپنے چھوکرے رشتہ داروں کو نصب کیا ہے؟ مجھے یقین ہے کہ اپنی تمام تر صلاحیتیں اور ذہانت کی تمام تر توانائیاں صرف کر کے بھی مولانا یہ منظر نہیں دکھا سکیں گے۔ اور اس سے بھی زیادہ مبہوت کر دینے والی بات یہ ہے کہ حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ان دونوں قابل قدر بزرگوں کے بے جان اور مردہ قول کے لئے اپنے گھر سے مرچ مصالحہ فراہم کیا ہے، سابقہ بزرگوں نے تو صرف عزل ونصب کے بیان پر اکتفا فرمایا تھا، حضرت قاری صاحب نے تو اس کا کام کے لئے کسی کے جان لینے، کسی کا مال چھیننے، کسی کو دونوں سے محروم کرنے، کسی کو ڈرانے دھمکانے، کسی کو مجبور کر کے کلیدی عہدوں سے علحدہ کرنے کا خانہ ساز اور انتہائی بے بنیاد الزام بھی یزید کے سر ڈال دیا، کیا اس قسم کی ہوائی باتیں ایک انتہائی باوقار ادارے کے انتہائی قابل قدر مہتمم کو زیب دیتی ہیں؟ اور اگر انھوں نے دعویٰ فرمایا ہے اور ہمارے علامہ ان کی وکالت میں حضرت محدث اعظمی کی تغلیط کا حوصلہ رکھتے ہیں، تو ذرا علامہ ہی قاری صاحب کے بیان کردہ الزام کو تاریخ کی روشنی میں ثابت کر کے دکھا دیں؟ یا بار بار اپنی کتاب میں لکھ دینے سے کہ میں ثابت کر چکا ہوں اور ثبوت ندارد ہو تو کیا دعویٰ ثابت مان لیا جائیگا؟

بچوں کی امارت کا حقیقی محمل

آیئے اب ذرا دیکھیں کہ بخاری شریف کی اس روایت کا حقیقی اور غیر مجازی مصداق بخاری ہی کی حدیث میں کیا ہے؟۔ ''ابو ھریرہ قال سمعت الصادق والمصدوق صلی اللہ علیہ وسلم ھلکۃ امتی علی ایدی غلمۃ من قریش فقال مروان لعنۃ اللہ علیھم غلمۃ فقال ابو ھریرۃ لو شئت ان اقول بنی فلان وبنی فلان لفعلت فکنت (عمرو بن یحییٰ بن سعید بن عمر بن سعید) اخرج مع جدی الی بنی مروان حین ملکوا بالشام فاذا راھم غلماناً احداثاً قال لنا عسی ھولاء ان یکونوا منھم قلنا انت اعلم۔

(بخاری ج۲ ص۱۰۴۶/حدیث نمبر۶۸۸۱)

مسند احمد کی روایت میں اضافہ ہے، قال: فقمت اخرج انا مع ابی وجدی الیٰ مروان فاذا ھم یبایعون الصبیان منھم ومن یبایع لہ وھو فی خرقۃ قال لنا عسی اصحابکم ھؤلاء ان یکونوا الذین سمعت ابا ھریرۃ یذکران ھذہ الملوک یشبہ بعضہ بعضاً۔ (مسند احمد ج۴ ص۵۷/۵۸)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے صادق ومصدوق صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ میری امت کی ہلاکت قریش کے چھوکروں کے ہاتھوں ہوگی، تو مروان نے کہا چھوکرے؟ ان پر اللہ کی لعنت ہو، تو حضرت ابو ہریرہ نے فرمایا اگر میں چاہوں کہ بنی فلاں بنی فلاں کہوں تو کر سکتا ہوں، عمرو بن یحییٰ کہتے ہیں، میں اپنے دادا کے ساتھ مروان کے پاس اس وقت شام گیا، جب وہاں ان کی حکومت تھی، تو میرے دادا نے انھیں نوعمر چھوکرے دیکھ کر فرمایا، قریب ہے کہ یہ لوگ وہی کم عمر چھوکرے ہوں، ہم نے کہا آپ زیادہ جانتے ہیں''۔

مسند احمد کی روایت کے مطابق عمرو بن یحییٰ کہتے ہیں میں اپنے والد اور دادا کے ساتھ بنی مروان کے پاس جا رہا تھا تو وہ بچوں کی بیعت لے رہے تھے، اور ایسے بچے کی بیعت بھی لے رہے تھے جو کپڑے میں لپٹا تھا، ہم سے دادا بولے، قریب ہے کہ تمہارے یہ اصحاب وہی لوگ ہیں جن کے بارے میں میں نے حضرت ابو ہریرہ سے سنا تھا، وہ بیان کر رہے تھے کہ یہ بادشاہ ایک دوسرے کے مشابہ ہیں، اس حدیث کو دیکھئے! کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، کی اس مروی حدیث کے راوی اس حدیث کا مصداق آنکھوں سے دیکھ کر بیان فرما رہے ہیں، اور اس مصداق میں حدیث کو بالکل حقیقت پر محمول کیا گیا ہے، نہ کہ مجاز پر، اور جن بزرگوں نے حدیث کا مصداق ہونے میں یزید کو بھی شامل کر لیا ہے تو میں بہ تفصیل عرض کرتا ہوں کہ یزید اس کا مصداق نہ حقیقتاً بنتا ہے نہ مجازاً، اور لطف دیکھئے! حضرت علامہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ اسی حدیث کی تشریح فرماتے ہوئے اعتراف بھی کرتے ہیں کہ بنی امیہ میں نہ کوئی خلیفہ نابالغ تھا نہ اس کے عمال میں سے کوئی، مگر پھر تاویل فرماتے ہیں کہ یہ ہو سکتا ہے کہ غلیمہ سے بعض خلفاء کی اولاد مراد ہو جن کی وجہ سے بگاڑ ہوا ہو، تو انھیں کی طرف اسے منسوب کر دیا گیا، لیکن اس کو عموم پر محمول کرنا زیادہ اچھا ہے۔ (فتح الباری ج ۲۵ ص ۱۷)

اور یہ عرض کیا جا چکا ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس حدیث کا مصداق بنی مروان کو ہی قرار دیا ہے، اب قارئین ہی از روئے انصاف فیصلہ فرمائیں، کہ فسادی چھوکروں کا حقیقی اور اصلی مصداق کون ہے؟۔

گذشتہ صفحات میں حضرت مہتمم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا یزید پر الزام نقل کیا گیا تھا کہ وہ کسی کی جان لے کر، کسی کا مال چھین کر، کسی کو دونوں سے محروم کر کے، ان کی جگہوں پر نوخیز لڑکوں کو متعین کرتا تھا۔ جی چاہتا ہے کہ ذرا دوسری تصویر بھی قارئین

کرام کو دکھا دی جائے۔

یزید کی داد و دہش

''حضرت معاویہ نے یزید سے فرمایا کہ مدینہ والوں میں میرے ایک دوست ہیں تم ان کا اکرام کرنا، یزید نے پوچھا وہ کون ہیں؟ فرمایا عبداللہ ابن جعفر، جب حضرت عبداللہ ابن جعفر رضی اللہ عنہ، حضرت معاویہ کی وفات کے بعد یزید کے پاس آئے تو حضرت معاویہ جتنا ان کو دیتے تھے یزید نے اس کو دوگنا کر دیا، حضرت معاویہ ان کو چھ لاکھ درہم دیتے تھے، یزید نے انھیں دس لاکھ دیئے، حضرت عبداللہ ابن جعفر یزید سے بولے، میرے ماں باپ تم پر قربان، تو یزید نے دس لاکھ اور دیئے، حضرت عبداللہ ابن جعفر نے یزید سے فرمایا، خدا کی قسم تمہارے بعد اپنے ماں باپ کو میں کسی کے لئے جمع نہیں کروں گا، جب حضرت عبداللہ ابن جعفر یزید کے پاس سے نکلے حالانکہ یزید نے انھیں بیس لاکھ درہم دیئے تھے، تو انھوں نے یزید کے دروازے پر بختی اونٹوں کو دیکھا جو یزید کے پاس ہدیئے میں خراسان سے آئے تھے، حضرت ابن جعفر رضی اللہ عنہ، واپس آئے اور یزید سے تین بختی اونٹ طلب فرمائے، تاکہ وہ ان پر حج اور عمرہ کے لئے جا سکیں، اور وہ جب یزید کے پاس شام آنا چاہیں تو آئیں۔ یزید نے دربان سے پوچھا دروازے پر یہ بختی اونٹ کیسے ہیں؟ یزید نے ان کو محسوس نہیں کیا تھا، دربان بولا امیر المؤمنین! یہ چار سو بختی اونٹ خراسان سے ہمارے پاس آئے ہیں، ان پر انواع و اقسام کے سامان اور ہر طرح کے مال لدے ہوئے تھے، یزید نے کہا ان کو ساز و سامان کے ساتھ عبداللہ بن جعفر کے حوالے کر دو! اسی لئے حضرت عبداللہ بن جعفر فرماتے تھے تم یزید کی خوبی رائے پر اسی لئے میری ملامت کرتے ہو''۔

(ابن کثیر ج ۸ ص ۲۳۰)

علامہ ذہبی فرماتے ہیں۔ جویریہ بن اسماء کہتے ہیں میں نے اپنے بزرگوں سے سنا کہ عبداللہ ابن حنظلہ ابن الغسیل اوسی مدنی آٹھ بیٹوں کیساتھ یزید کے پاس گئے تھے، یزید نے ان کو ایک لاکھ اور انکے ہر بیٹے کو دس دس ہزار پوشاک کے علاوہ دیئے تھے۔

(تاریخ الاسلام ج۵ص۲۴)

مدائنی کہتے ہیں، عبداللہ بن جعفر کو یزید نے چالیس لاکھ دیئے، اعتراض کیا گیا کہ آپ ان کو چالیس لاکھ دے رہے ہیں، یزید بولا ہاں وہ مال تقسیم کر دیتے ہیں، تو ان کو دینے کا مطلب مدینہ والوں کو دینا ہے۔ (انساب الاشراف ج۵ص۳۰۲)

اولہم یزید کی اصلیت

اب یہاں پر ایک سوال رہ جاتا ہے کہ جب یزید پر امارۃ الصبیان والی حدیث صادق نہیں آرہی تھی، اور اس کے مقابلے میں حدیث کا حقیقی محمل موجود بھی تھا، تو ہمارے معتمد علیہ شارحین حدیث نے اس کو یزید پر محمول کر کے اولہم یزید کیوں فرمایا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، کی دعا میں اللھم لا تدرکنی سنة ستین ولا امارة الصبیان کا لفظ آیا ہے، ہمارے بزرگوں سے چوک یہ ہوئی کہ انھوں نے اولاً تو دونوں کا مصداق یکجا سمجھا، پھر سنۃ ستین کو انھوں نے ہجری سال سمجھ لیا۔ اب ہجری سال ماننے کی صورت میں بنی مروان کے بچے تو مل رہے تھے، ہجری کا ساٹھواں سال نہیں مل رہا تھا، ہمارے بزرگوں نے ہجری کے ساٹھویں سال کو بنیاد مان لیا، پھر انھوں نے دیکھا کہ ساٹھویں ہجری سال میں تو یزید تخت نشین ہوا ہے بس یہیں ان سے چوک ہوئی، اور انھوں نے یزید کو اس کا مصداق قرار دینے کے لئے تاویلوں پر تاویلیں شروع فرمادیں، اگر ان کا ذہن اس طرف جاتا کہ جس وقت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ساٹھویں سال کا ذکر فرمارہے تھے، اس وقت تو ہجری سال کی

پیدائش بھی نہیں ہوئی تھی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد اپنے وصال کے بعد سے ساٹھویں سال کا ہونا چاہئے، اور اگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری حدیث کا بھی لحاظ فرمایا جاتا جس کے تمام راوی ثقہ ہیں اور اس میں سترویں سال کا ذکر ہے، اور اس کو نبی اکرم صلی اللہ کے وصال سے جوڑا جائے تو یہ ٹھیک بنی مروان پر منطبق ہوتا ہے جس میں راوی نے بچوں حتی کہ تولیے میں لپٹے ہوئے بچے کے لئے بھی بیعت لی جاتی ہوئی اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ اس صورت میں نہ کوئی تعذر پیش آتا ہے نہ مجاز کو اختیار کرنے کی نوبت آتی ہے، اور میں یہ بھی عرض کر چکا ہوں کہ اس حدیث کو یزید پر چسپاں کرنے کی صورت میں تو نہ حقیقت ہی پر عمل ہو پاتا ہے نہ مجاز پر۔

بارہ خلفاء کا ذکر۔

حضرت قاری محمد طیب رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیق یزید کے لئے غلمۃ من قریش اور امارۃ الصبیان والی حدیثوں کو یزید پر صادق کرنے کی سعی کرتے ہوئے اسی بنیاد پر یزید کو فاسق قرار دینا چاہا تھا، حضرت محدث کبیر رحمۃ اللہ علیہ نے بخاری و مسلم کی بارہ خلفاء والی حدیث جواب میں ذکر فرمائی تھی، اور استدلال فرماتے ہوئے لکھا تھا۔ ”صحیح مسلم وغیرہ میں حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ، سے مروی ہے لایزال الاسلام عزیزاً الی اثنی عشر خلیفة (الیٰ) کلھم من قریش (۱۱۹/۲) یعنی اسلام اس وقت تک طاقتور اور پُر شوکت رہے گا یا دین اس وقت تک برقرار رہے گا جب تک تم میں بارہ ایسے خلیفے ہونگے، جن پر امت مجتمع ہو جائے گی، ایک اور روایت میں وارد ہوا ہے لا یزال ھذا الدین قائماً، یہ حدیث بخاری و صحیح مسلم وغیرہما میں مختلف لفظوں کے ساتھ مروی ہے، اور اس کی صحت میں قدح ناممکن ہے، تیسری روایت میں آیا ہے لا یزال ھذا الدین قائماً حتی یکون علیکم اثنا عشر خلیفة کلھم تجتمع

علیه الامة ۔ (فتح الباری ج ۱۳/ص ۱۶۷)

دیکھئے! یہ حدیث جس طرح اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ مطلق خلافت کا انحصار صرف پانچ خلفاء میں نہیں ہے اسی طرح یہ بھی پکار کر کہہ رہی ہے کہ بارہ خلفاء کے وجود وظہور اسلام تک اسلام باعزت وشوکت اور دین قائم رہے گا، اور ظاہر ہے کہ یہ ان خلفاء کے دینی شعور، احساس ذمہ داری، اور فرائض خلافت کی انجام دہی میں پوری مستعدی کا نتیجہ ہوگا پس ایسی خلافت جو چاہے راشدہ نہ ہو، مگر دین کا قیام، اور اسلام کی عزت وشوکت اس سے وابستہ ہو، کون کہہ سکتا ہے کہ وہ شرعاً مطلوب ومحمود نہیں ہے اور کون کہہ سکتا ہے کہ اقامت دین اور اظہار شوکت اسلام کے لئے اس کی طلب وتمنا مقام ولایت کے منافی ہے''۔ (تبصرہ برشہید کربلا ویزید ص ۲۰)

دراصل حضرت کی یہ تحریر ان بزرگوں کے جواب میں ہے، جو لوگ حضرت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے سفر کوفہ کو طلب خلافت کے لئے نہیں مانتے، جب کہ ابن کثیر وغیرہ نے اس سفر کیلئے عنوان میں ہی فی طلب الامارۃ وغیرہ کا ذکر کیا ہے، حضرت رحمۃ اللہ علیہ بتانا چاہ رہے ہیں کہ اس میں شرعاً کوئی مذموم پہلو ہے ہی نہیں جس کی رو سے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ، سے طلب امارۃ کی نفی کی جائے، پھر حضرت ان بارہ خلفاء میں یزید کے بھی شامل ہونے پر استدلال فرماتے ہوئے لکھتے ہیں۔ ''بارہ خلفاء کی پیشین گوئی کی شرح''

''اب آیئے ذرا یہ بھی معلوم کرتے چلئے کہ اس حدیث کی شرح علمائے محققین نے کیا کی ہے، حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں اس پر بہت لمبی بحث کی ہے، اور آخر میں فرمایا ہے کہ اس حدیث کی شرح وتوجیہہ میں جس قول کا پلہ سب سے بھاری ہے وہ یہ ہے کہ اس حدیث میں خلیفہ پر امت کے مجتمع ہونے کا مطلب یہ ہے کہ امت اس کی

بیعت کے لئے منقاد ہو جائے گی اور واقعات کی دنیا میں یہ وصف حضرات خلفائے اربعہ کے سوا جن پر صادق آیا ان کے نام یہ ہیں، حضرت معاویہؓ، یزید، عبدالملک، ولید، سلیمان، یزید ثانی، ہشام، ولید ثانی اس کے بعد ابن حجر نے ایک اور توجیہہ ذکر کی ہے، جو اس سے کسی قدر مختلف ہے مگر اس توجیہہ میں بھی انھوں نے ان بارہ خلفاء میں یزید کو شمار کیا ہے۔ (ملاحظہ ہو فتح الباری از ص ۱۶۸ تا ص ۱۷۰ جلد نمبر ۱۳)

اور سیوطی نے حافظ ابن حجر کے حوالہ سے تاریخ الخلفاء ص ۷ میں اس کو نقل کیا ہے اور ملا علی قاری نے بھی ولید ثانی کے بجائے عمر بن عبدالعزیز کو رکھ کر انھیں اشخاص کو اس حدیث کا مصداق ٹھہرایا ہے، جن میں یزید بھی شامل ہے۔

(شرح فقہ اکبر ۸۲/ تبصرہ برشہید کربلا ویزید ص ۲۲)

مولانا سید طاہر حسین صاحب گیاوی مدظلہ لکھتے ہیں:

''بخاری اور دیگر کتب حدیث میں بارہ خلفاء کے دور میں اسلام کے غلبہ اور عزت کی پیشین گوئی کی گئی ہے، اس سے بے جا یزید کی حمایت کے لئے مولانا کمربستہ ہو گئے ہیں، حالانکہ کئی وجہ سے یہ استدلال ان کے شایان شان نہیں ہے، (۱) اس روایت میں ان خلفاء کے عادل اور ثقہ متقی پرہیزگار ہونے پر دلالت کرنیوالا کوئی لفظ نہیں ہے اور ان خلفاء کے تعلق سے کوئی لفظ بھی پیشین گوئی میں موجود نہیں ہے، کہ خلفاء کیسے ہونگے، اور ان کے اپنے ذاتی اعمال اچھے ہونگے یا برے، یہ بات صرف اس قرینے سے سمجھی گئی ہے کہ جب دین اسلام ان کے زمانہ میں بہت شان وشوکت اور عزت غلبہ سے ہوگا تو وہ خلفاء بھی اچھے ہونگے، تو یہ صرف اسی طرح اجتہاد وفہم ہے، جس کا حدیث کے کسی لفظ سے کوئی تعلق

نہیں اور نہ ان خلفاء کے کردار کا نص میں کوئی ذکر موجود ہے، اور آپ کو ان خلفاء کے کردار وعمل سے استدلال کرنا ہے نہ کہ اپنے یا کسی کے اجتہاد وقیاس سے''۔ (کردار یزید ص ۹۶)

مولانا طاہر صاحب کا استدلال اور اس کا جواب

میں عرض کرتا ہوں کہ ہمارے علامہ چکنی مچھلی کی طرح ہیں، اپنے خلاف موقف مضبوط استدلال دیکھتے ہی فوراً پھسل جاتے ہیں، مولانا کا مذکورہ بیان دیکھئے اور چاہیں تو اس سے پیشتر نقل کردہ حضرت اعظمی کا بیان بھی پڑھ لیجئے! اب سوال یہ ہے کہ مولانا نے جو غلمۃ من قریش والی حدیث یزید پر فٹ کرنے کے لئے اتنے صفحات سیاہ کئے، اس میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، نے یزید کا نام بتایا تھا؟ اور یزید کے نام کا حدیث کے کسی لفظ سے کوئی تعلق تھا؟ اگر نہیں تھا تو یزید کا نام ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اجتہاد سے ''اولہم یزید'' کہہ کر بتایا تھا یا نص سے؟ اگر اجتہاد سے بتایا تھا اور علامہ اس پر آمنا وصدقنا کہہ چکے ہیں، تو اسی اجتہاد سے علامہ ابن حجر یزید کا نام ان خلفاء میں ذکر فرمارہے ہیں تو جناب کے پیٹ میں درد کیوں ہورہا ہے؟ پھر مولانا کو یہ دیکھنا چاہیئے کہ اگر وہ غلمۃ من قریش سے یزید کی حکومت کو بربادی والی حکومت ثابت کرنا چاہتے ہیں تو زیر بحث حدیث سے یزید کی حکومت تو شوکت اسلام والی حکومت ثابت ہورہی ہے، اور یہی بات مولانا سے ہضم نہیں ہورہی ہے تو مغالطہ دینے کیلئے کبھی اجتہاد کی بات کرتے ہیں اور کبھی کردار کی۔

مولانا لکھتے ہیں (۲) ان خلفاء کے نام حدیث میں کہیں مذکور نہیں ہیں، نہ اس بات کی کوئی تصریح کسی حدیث میں ہے کہ یہ لگاتار یکے بعد دیگرے تسلسل سے ہونگے، اور بارہ کے بارہ ایک کے پیچھے ایک ہونگے

بیچ میں ان کے درمیان کوئی انقطاع نہ ہوگا یا ہوگا سب کے زمانے بھی مسلسل ہی ہونگے یا مختلف زمانوں میں درمیانی انقطاع کے ساتھ بارہ کی تعداد پوری ہوگی، حدیث کا تعلق صرف تعداد سے ہے حدیث کا کوئی لفظ تسلسل یا انقطاع کو نہیں بتاتا ہے، اسلئے بعضوں نے مختلف زمانوں سے بھی اس حدیث کو جوڑا ہے اور حضور کے بعد مختلف زمانوں پر بھی محمول کیا ہے''۔ (کردار یزید ص ۹۶)

میں عرض کرتا ہوں کہ بے شک اس حدیث میں نہ کسی خلیفہ کا نام مذکور ہے، نہ اس میں تسلسل وانقطاع کا صراحۃً ذکر کرنے والا کوئی لفظ موجود ہے، لیکن دو باتیں اس میں ضرور مذکور ہیں، ایک تو اسلام کے اس دور میں ذیشان ہونے کی بات صراحۃً کہی گئی ہے دوسرے ''الیٰ اثنا عشر'' کا صراحۃً بیان ہے، صرف بارہ خلفاء کا ذکر مقصود ہوتا تو ''الیٰ'' لانے کی بجائے کوئی دوسرا لفظ بھی لایا جاسکتا تھا، بارہ خلفاء کے زمانے میں نہیں بلکہ بارہ خلفاء تک کے زمانے کا بیان ہے جس سے یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہاں انقطاع قلیل اور تسلسل زیادہ ہے، کیونکہ اس کے لئے اگر صرف خلفاء کے ذاتی کردار کو بنیاد بنایا جائے تو یہ بہت طویل زمانوں پر محیط ہوجائے گا، جب کہ حدیث پاک میں اس زمانے میں اسلام کے غلبے اور شوکت کا ذکر فرمایا گیا ہے، اور شوکت غلبہ کے لئے خلیفہ پر امت کا اجتماع ضروری ہے۔

جس کو دوسری حدیث میں ''تجتمع علیہ الامۃ'' کہا گیا ہے، اس لئے شارحین حدیث نے اس منصوص نقطے کو بنیاد بنا کر جو تفتیش فرمائی اس کے نتیجے میں جس سے خلیفہ پر انھیں امت کا مکمل اجتماع نظر آیا انھوں نے اس منصوص اشارے کی روشنی میں اس خلیفہ کو بارہ خلفاء میں شامل کردیا، اب چونکہ اکثر علماء کی جستجو میں یہ انقیاد یزید کے

لئے بھی پایا جارہا تھا، تو علماء نے ان بارہ خلفاء میں یزید کو بھی شامل کر دیا ہے، جس پر مولانا پیچ وتاب کھا رہے ہیں، یقین مانئے انصاف کی یہ میزان مولانا کے ہاتھ میں ہوتی تو یزید معیار پر ہونے کے باوجود کب کا اس سے خارج ہو چکا ہوتا، مولانا کہتے ہیں کہ ''بعضوں نے مختلف زمانوں سے پیشین گوئی کو جوڑا ہے، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مختلف زمانوں پر بھی محمول کیا ہے'' میں کہتا ہوں کہ جب تک مولانا یہ نہ دکھادیں کہ کن کن بزرگوں نے اسے کن کن زمانوں پر محمول کیا ہے؟ اور ان کے اس محمول کرنے سے کتنے بزرگوں نے اتفاق فرمایا ہے؟ تب تک اس تحریر کو مغالطے کی ایک ناکام کوشش ہی قرار دیا جائے گا، ہاں انقیاد سے یہ بات یاد آئی کہ یہ زمانہ آج کا دور پُرفتن نہیں ہے بلکہ خیر القرون کا دور ہے، اور اس دور میں کم از کم اتنا تو مانا ہی جاسکتا ہے، کہ امت کسی شرابی، زانی بدقماش، بندر نچانیوالے، دین میں تبدیلی کرنے والے پر ہرگز مجتمع نہیں ہوسکتی، ورنہ امت نے اپنا سربراہ متفقہ طور سے کسی ''فاسق مجاہر'' کو مان لیا تو کیا وہ دور خیر القرون کہلانے کے لائق رہ جائے گا؟

مولانا لکھتے ہیں ''ان بارہ خلفاء کے زمانے میں دین کی شوکت اور اسلام کی رونق کا جو ذکر کیا گیا ہے، اور یہ بارہ خلفاء لگاتار تسلسل سے ہونگے تو اس میں یزید کا دور حکومت ان بارہ خلفاء میں بہت تھوڑا بنتا ہے اس لئے غالب اور اکثر کے تحت اس مختصر قلیل زمانہ کا اعتبار نہ کرکے للاکثر حکم الکل کی بنا پر تمام بارہ خلفاء کے زمانہ پر ایک ہی حکم لگا دیا گیا ہے، حافظ ابن حجر عسقلانی علیہ الرحمۃ کے الفاظ پڑھئے وکانت الامور فی غالب ازمنة هؤ الاء الاثنی عشر منتظمةوان وجد فی بعض مدتهم خلاف فهو بالنسبة الی الاستقامة نادر والله اعلم۔

(فتح الباری ج ۱۳ ص ۲۶۶ مطبوعہ کتب خانہ اشرفیہ دیوبند)

ان بارہ خلفاء کے زمانہ میں امور سلطنت منظّم تھے اگر چہ بعض کے زمانہ میں اختلافات بھی رونما ہوئے، لیکن انکی مدت بہت تھوڑی اور بہت قلیل زمانہ ہے جو نا قابل اعتبار ہے''۔ (کردار یزید ص ۹۷)

ذرا یہ بھی پڑھ لیجئے پھر میں کچھ عرض کروں گا،

''اب تسلسل کی وجہ سے یزید کا دور حکومت بھی شامل ہوتا تھا، تو اس کا جواب خود ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری میں اسی حدیث کے ذیل میں دے دیا ہے، لیکن افسوس کہ مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی علیہ الرحمہ کو نظر نہیں آیا یا انھوں نے قصداً چھوڑ دیا۔ (کردار یزید ص ۹۶)

شاید ایسے ہی کسی خرد ماغ کے لئے کسی نے کہا تھا

ع خود فراموشی کند تہمت دہد استادرا

اور میں عرض کرتا ہوں، کہ یا تو یہ مولانا کی حد درجہ کوتاہ فہمی ہے، یا غایت درجہ کی بددیانتی اور فریب دہی، مولانا یہاں پر بالکل غلط بیانی سے کام لے رہے ہیں۔ بلکہ آنکھوں میں دھول جھونکنے کی مذموم سعی فرمارہے ہیں، میں پوچھتا ہوں کہ اگر یزید کے اس مختصر قلیل زمانہ کا اعتبار نہیں کیا گیا تھا تو پھر اس کو شامل کیوں کیا گیا؟ خود مولانا کا ترجمہ دیکھئے تو بات سمجھ میں آجائے گی کہ علامہ ابن حجر علیہ الرحمۃ نے وہ کہا ہی نہیں ہے جو مولانا ان کے منہ سے کہلوانا چاہ رہے ہیں۔ غور فرمایئے علامہ ابن حجر فرماتے ہیں کہ ''ان بارہ خلفاء کے زمانہ میں امور سلطنت منظّم تھے، اگر چہ بعض کے زمانہ میں اختلافات بھی رونما ہوئے''۔ کیا مولانا ہی کے کئے ہوئے اس ترجمے سے یہ بات معلوم نہیں ہوتی کہ علامہ ابن حجرؒ امور سلطنت کے منظّم ہونے کی بات کر رہے ہیں اور پھر فرماتے ہیں کہ ان خلفاء میں سے کسی کے زمانہ میں کچھ اختلاف بھی ہوا تو چونکہ

انھیں کے زمانے میں استقامت کا زمانہ طویل ہے، جس کے مقابلے میں یہ اختلاف نادر کے درجے میں ہے لہذا اس خلیفہ کے پورے زمانے پر استقامت اور امت کے مجتمع ہونے کا حکم لگا دیا گیا ہے اور ہمارے علامہ زبردستی، فرماتے ہیں کہ ''یزید کا دور حکومت ان بارہ خلفاء میں بہت تھوڑا بنتا ہے اس لئے غالب اور اکثر کے تحت اس مختصر قلیل زمانہ کا اعتبار نہ کر کے للاکثر حکم الکل کی بنا پر تمام بارہ خلفاء کے زمانہ پر ایک ہی حکم لگا دیا گیا ہے''۔ میں چیلنج کرتا ہوں کہ مولانا نے علامہ ابن حجر کی زبان سے جو بات زبردستی کہلوائی ہے تو حافظ ابن حجر کی اس منقولہ تحریر کو کسی عربی داں کے سامنے پیش کر دیا جائے، پھر دیکھا جائے کہ مولانا نے صراحۃً غلط بیانی کی ہے یا نہیں؟ اور میں یہ بھی کہتا ہوں کہ مولانا یزید کی مخالفت خوب کریں، لیکن اس مخالفت میں اتنے مدہوش نہ ہو جائیں کہ انصاف کا خون کرتے ہوئے بھی ان کا نفس انھیں ملامت کرنا چھوڑ دے، پھر ستم بالائے ستم یہ کہ کج فہمی ان کی خود کی ہے اور الزام حضرت محدث اعظمی رحمۃ اللہ علیہ کو دے رہے ہیں۔

ع بریں عقل و دانش بباید گریست

لیجئے! میں علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کی پوری عبارت نقل کر دیتا ہوں بات اور شاید مولانا کی طبیعت بھی پوری طرح صاف ہو جائے گی، علامہ ابن حجرؒ فرماتے ہیں'' ولا یقدح فی ذالك قوله یجتمع علیهم الناس لانه یحتمل علی الاکثر الا غلب لان فی هذه الصفة لم تفقد منهم الا فی الحسن بن علی وعبد الله بن الزبیر مع صحة ولا یتهما والحکم بان من خالفهما لم یثبت استحقاقه الا بعد تسلیم الحسن وبعد قتل بن الزبیر والله اعلم ۔وکانت الامور فی غالب ازمنة هؤلاء الاثنی عشر منتظمة وان وجد فی بعض مدتهم خلاف

فهو بالنسبة الی الاستقامة نادر ، والله اعلم ''۔

(فتح الباری ج ۱۳/۲۱۵ مطبوعہ بیروت)

مذکورہ خلفاء پر لوگوں کے اجتماع کے متعلق اعتراض نہ کیا جائے، کیونکہ یہ اکثر اور اغلب پر محمول ہے، کیونکہ یہ مکمل اجتماع کی صفت حسن ابن علی اور عبداللہ ابن زبیر کی ولایت کے صحیح ہونے کے باوجود ان کے علاوہ کسی میں معدوم نہیں ہے اور ان کے مخالف جو حضرات تھے ان کا استحقاق حضرت حسن کے خلافت سونپنے کے بعد ہی حضرت معاویہ میں، اور عبداللہ ابن زبیر کے قتل کے بعد ہی عبدالملک میں پایا گیا، اور ان بارہ خلفاء کے اکثر زمانوں میں امور سلطنت منظّم تھے اگر چہ کسی کی مدت میں کچھ اختلاف بھی پایا گیا تو ان کی استقامت کی بہ نسبت وہ اختلاف نادر کے درجے میں ہے واللہ اعلم۔

اب قارئین کرام خود فیصلہ فرمالیں! کہ علامہ ابن حجر نے ان بارہ خلفاء کے زمانوں میں اختلاف کی قلت وندرت کی بات کہی ہے یا یزید کے زمانۂ خلافت کی قلت وندرت کی؟ اب آیئے ذرا یہ بھی دیکھ لیں کہ یزید کو بارہ خلفا میں کن کن بزرگوں نے شامل فرمایا ہے، ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔''عن جابر بن سمرة قال دخلت مع ابی علی النبی صلی الله علیه وسلم فسمعته یقول لا یزال امر الناس ماضیاً ما ولّهم اثنا عشر رجلاً کلهم من قریش وفی لفظ لا یزال الامر عزیزاً الیٰ اثنی عشر خلیفةً وکان الامر کما قال النبی صلی الله علیه وسلم فالاثنا عشر هم الخلفاء الراشدون الاربعة ومعاویةوابنه یزید و عبد الملك بن مروان واولاده الاربعة وبینهم عمر بن عبد العزیز ثم اخذ الامر فی الخلال ۔

(شرح فقہ اکبر ۸۴)

حضرت جابر ابن سمرہ رضی اللہ عنہ، فرماتے ہیں کہ میں اپنے والد کے ساتھ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ کو فرماتے ہوئے سنا کہ لوگوں کا معاملہ باوقار طور سے چلتا رہے گا جب تک ان میں بارہ خلفاء حکومت کرینگے جو سب قریش کے ہونگے، دوسری روایت کے مطابق بارہ خلفاء تک اسلام کا معاملہ پُرشوکت رہے گا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جیسا فرمایا تھا ویسا ہی ہوا تو یہ بارہ خلفاء چاروں خلفائے راشدین، معاویہ ان کے صاحبزادے یزید، عبدالملک بن مروان، ان کی چاروں اولاد ہیں، ان کے درمیان حضرت عمر بن عبدالعزیز کا زمانہ بھی ہے، پھر معاملہ کمزور پڑتا گیا۔

علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، ''وفی لفظ لایزال الاسلام عزیزاً الیٰ اثنی عشر خلیفة کلهم من قریش وهکذا کان فکان الخلفاء ابو بکر وعمر وعثمان وعلی ثم تولیٰ من اجتمع الناس علیه وصار له عزةو منعة معاویة وابنه یزید ثم عبد الملك واولاده الاربعة وبینهم عمر بن عبد العزیز وبعد ذالك حصل فی دولةالاسلام من النقص ما هو باقی الی الآن فان بنی امیة تو لوا علی جمیع ارض الاسلام وکانت الدولة فی زمنهم عزیزة۔

(منہاج السنۃ ج ۸ ص ۲۳۸)

ایک روایت کے الفاظ کے مطابق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اسلام بارہ خلفاء کے زمانے تک غالب رہے گا سب کے سب قریش کے ہونگے اور ایسا ہی ہوا یہ خلفاء حضرت ابوبکر، عمر، عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم تھے پھر لوگ جن پر اکٹھے ہوگئے وہ حاکم بنے اور انھیں عزت وطاقت حاصل رہی، حضرت معاویہ، ان کے بیٹے یزید پھر عبدالملک اور ان کی چاروں اولاد اور ان کے درمیان عمر بن عبدالعزیز، اور اس

کے بعد اسلامی سلطنت میں کمی آ گئی جو آج تک باقی ہے، کیونکہ بنی امیہ کی حکومت پوری اسلامی دنیا پر تھی، اور ان کے زمانے میں یہ حکومت شان وشوکت والی تھی''۔

سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ ''علمائے اہل سنت میں قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کا یہ مطلب بتاتے ہیں کہ تمام خلفاء میں سے بارہ شخص مراد ہیں جن سے اسلام کی خدمت بن آئی اور وہ متقی تھے، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ ابوداؤد کے الفاظ کی بنا پر خلفائے راشدین اور بنوامیہ میں سے ان بارہ خلفاء کو گناتے ہیں جن کی خلافت پر تمام امت کا اجتماع رہا، یعنی سیدنا ابوبکر، سیدنا عمر، سیدنا عثمان، سیدنا علی، سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہم یزید، عبدالملک، ولید سلیمان، عمر بن عبدالعزیز، یزید ثانی، ہشام''۔ (سیرۃ النبی ج ۲ ص ۱۳۹۳)

پھر مولانا کو یہ بھی دیکھنا چاہئے کہ اگر مدۃ خلافت کی کمی بارہ خلفاء کی تخمینی تعیین میں حارج ہوتی تو حضرت عمر بن عبدالعزیز کی خلافت کا شمار اس میں ہرگز نہ ہوتا، کیونکہ ان کی مدت خلافت تو یزید سے بہرحال کم یعنی ڈھائی سال ہے، علامہ بلاذری لکھتے ہیں، وکانت خلافته ثلاثین شهراً، ان کی خلافت ڈھائی سال رہی۔

(انساب الاشراف ج ۸ ص ۱۲۶)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری میں قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو نقل کر کے اسے بہترین قول قرار دیا ہے، قال القاضی عیاض لعل المراد بالاثنی عشر فی هذه الاحادیث وشابهها انهم یکونون فی مدة عزة الخلافة وقوة الاسلام واستقامة اموره والاجتماع علی من یقوم بالخلافة وقد وجد هذا فیمن اجتمع علیه الناس الی ان اضطرب امر بنی امیة ووقعت بینهم الفتنة زمن الولید بن یزید ۔۔قال شیخ الاسلام فی فتح الباری کلام القاضی هذا

احسن ما قیل فی هذا الحدیث و ارجحه لتائیده ۔(الصواعق المحرقۃ ص۱۶)

خود علامہ ابن حجر مکی نے الصواعق المحرقۃ میں جو اسماء گنائے ہیں ان کی ترتیب اس طرح ہے، حضرات خلفاء ثلاثہ، پھر حضرت علی، حضرت معاویہ، یزید، عبدالملک، ولید، سلیمان، عمر بن عبدالعزیز، یزید ثانی، ہشام۔(الصواعق المحرقۃ ص۱۷)

یزید کی حکومت کے بارے میں خود مولانا طاہر حسین صاحب کا اعتراف بھی ملاحظہ فرمالیجئے، لکھتے ہیں:

''یزید کی طاقت متحد تھی، قتل حسین کے بعد تو عراق مصر حجاز سب متحد تھے دو سال تک کہیں نہ کوئی بغاوت اٹھی، نہ متحدہ قوت میں کوئی انتشار پیدا ہوا جو علاقہ حضرت معاویہؓ کے دور تک متحد تھا وہ حضرت حسین کی شہادت کے بعد تک متحد رہا اور سب کے سب یزیدی دور تک متحد رہے، اس لئے طاقت بھی متحد تھی، پھر بغاوت اور انتشار پھیلنے کا بہانہ اور وہم تو کیا جا سکتا ہے، لیکن اس کا حقیقت سے دور کا بھی کوئی تعلق نہیں ہے دو سال بعد ۶۳ھ میں پہلی مرتبہ اہل مدینہ نے بغاوت کی ہے، اب متحدہ قوت میں انتشار پیدا ہوا ہے''۔ (کردار یزید ص۱۲۸/۱۲۹)

تاریخ میں یزید کے ساتھ بہت بڑی ناانصافی یہ ہوئی ہے، کہ سبائی راویوں کی طرف سے یزید کی کردار کشی کی جو مذموم کوشش کی گئی ہے، ہمارے مہربانوں نے انھیں روایتوں کو اپنا مستدل بنا کر نادانستہ طور سے تقیہ باز کذاب متہم راویوں کے مذموم مقصد کی تکمیل میں انھیں کا ساتھ دیا ہے، اور اپنی تحریروں میں انھیں کے آلودہ خیالات کی ترجمانی کی ہے، اب اگر کوئی تاریخ کے چلمن سے جھانکتی ہوئی کسی سچائی کو سامنے لانے کی کوشش کرتا ہے، تو ہمارے علامہ ان کی شان میں کس طرح ہتک آمیز جملوں کا

استعمال فرماتے ہیں ذرا اسے بھی دیکھ لیجئے۔

مولانا طاہر صاحب کا طنز اور اس کا جواب

یہ کارروائی تین دن تک ہوتی رہی اور یزید کے حکم سے ہوتی رہی پھر بھی حامئ یزید ہمارے مہربان محقق کے خیال میں یزید فاسق نہیں ہوا''

(کردار یزید ص۵۰)

مگر ہمارے یزیدی حمایتی اہل علم کو ابھی یزید کے فاسق ہونے کی کوئی شرعی دلیل نہیں مل سکی ہے، صرف تاریخی روایتوں اور سنی سنائی باتوں کو بیچارے کیسے مان لیں بالخصوص محقق کبیر محدث جلیل حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی علیہ الرحمہ تو ایسی لچر اور کمزور بات کو مان ہی نہیں سکتے ہیں جس کی رو سے یزید فاسق ہو چکا تھا''۔(کردار یزید ص۵۵/۵۶)

''تاکہ یزیدی حمایت کے سرگرم اہل علم حضرات کو تسلیم کرنے میں بھی شک وشبہ باقی نہ رہ جائے''۔ (کردار یزید ص۶۵)

''یزید کو بالکل بری کر کے اور پلید کو رحمۃ اللہ علیہ بنا کر مولانا اعظمی نے اکابر دیوبند کے موقف سے بھی انحراف فرمایا ہے''۔

(کردار یزید ص۱۱۳)

''اس موقع پر جو سب سے بڑی غلطی مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی علیہ الرحمہ نے کی ہے وہ یہ کہ یزید کی طرف سے صفائی پیش کرنے میں بڑے بڑے علم کے سورماؤں کو بھی انھوں نے پیچھے چھوڑ دیا ہے''۔

(کردار یزید ص۱۲۵)

''بلاخوف تردید کہتا ہوں کہ مولانا اعظمی میں یزید کی حمایت اور اسکی برأت

کا کچھ زیادہ ہی جذبہ پایا جاتا ہے''۔ (کردار یزید ص ۱۲۹)

یہ صرف نمونہ ہے ورنہ مولانا کی کتاب، اس طرح کے تبصروں سے بھری پڑی ہے، میں اس میں مولانا کو یک گونہ معذور سمجھتا ہوں کہ دلیلوں سے تہی دامن آدمی اور کر بھی کیا سکتا ہے؟ ع اذ ایئس الانسان طال لسانه

پوری کتاب پڑھئے تو ایسا لگتا ہے جیسے کسی منصف مزاج عالم نے کسی موضوع پر غیر جانبدارانہ تحقیق نہ فرمائی ہو، بلکہ ابومخنف کے کسی خلف اکبر نے دل کے پھپھولے پھوڑ کر صفحات کے سینوں پر بکھیر دیئے ہوں۔

غزوۂ قسطنطنیہ اور یزید

حضرت محدث اعظمی رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث غزوۂ قسطنطنیہ سے بھی فسق یزید کو اہل سنت کا عقیدہ قرار دینے کیخلاف استدلال فرمایا ہے، اور لکھا ہے کہ ''چونکہ فسق یزید کو اہل سنت کا عقیدہ اور عقیدہ بھی منصوص ثابت کرنے کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ صحیح بخاری کی ایک حدیث ہے، جس کی نہایت کاری ضرب اس عقیدہ پر پڑتی ہے اس لئے مہتمم صاحب نے اس حدیث کے مفہوم کو مسخ کرنے کے لئے اپنے علم وحکمت کی پوری قوت صرف کردی ہے، وہ حدیث صحیح بخاری وغیرہ میں بایں الفاظ مروی ہے، اول جیش من امتی یغزون مدینة قیصر مغفور لهم ''میری امت کا سب سے پہلا لشکر جو قیصر کے شہر (قسطنطنیہ) میں جہاد کرے گا، اس کی مغفرت کردی گئی ہے''۔ اور تاریخوں سے تحقیقی طور پر ثابت ہے کہ مجاہدین اسلام کا پہلا لشکر جس نے قسطنطنیہ پر حملہ کیا، اس کا سپہ سالار یزید تھا، لہذا اس نبوی بشارت کی رو سے وہ بھی مغفور لہ قرار پاتا ہے۔

(تبصرہ بر شہید کربلا و یزید ص ۹۳)

حضرت مہتمم صاحب نور اللہ مرقدہ، نے یزید کو اس بشارت سے دور رکھنے کی حتی المقدور سعی فرمائی ہے، اور حضرت محدث کبیر رحمۃ اللہ علیہ نے انھیں بھرپور جواب دیا ہے، ہمارے علامہ گیاوی صاحب اس بحث میں خاموشی سے گذر گئے ہیں، جس کی مصلحت انھیں کو بہتر معلوم ہوگی، ہم آپ کی خدمت میں اس کی کچھ اور تفصیلات پیش کرنے کی سعادت حاصل کرنا چاہتے ہیں۔

خلیفہ ابن خیاط لکھتے ہیں: سنة خمسين : وفيها غزا يزيد بن معاوية ارض الروم ومعه ابو ايوب الانصاری وفيها مات ابو ايوب الانصاری۔

(تاریخ خلیفہ ص ۲۱۱)

علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں: سنة تسع واربعين : ، فيها غزا يزيد بن معاوية بلاد الروم حتى بلغ قسطنطنية ومعه جماعات من سادات الصحابة منهم ابن عمر ، وابن عباس وابن الزبير وابو ايو ب الانصاری وقد ثبت فی صحيح البخاری ان رسول الله صلى الله عليه سلم قال: اول جيش يغزون مدينة قيصر مغفور لهم فكان هذا الجيش اول من غزا ها''۔ (البدایۃ ج ۸ ص ۳۲)

۴۹ھ اسی سال یزید بن معاویہ نے بلاد روم میں غزوہ کیا، یہاں تک کہ قسطنطنیہ پہونچ گیا اور اس کے ساتھ سادات صحابہ کی ایک جماعت تھی، جس میں ابن عمر ابن عباس، ابن زبیر اور ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہم تھے، اور صحیح بخاری میں یہ حدیث ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیصر کے شہر میں جو پہلا لشکر جہاد کرے گا ان سب کی مغفرت کردی جائے گی، تو یہی وہ پہلا لشکر تھا جس نے لڑائی کی''۔

مستدرک حاکم کی روایت ہے: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لتفتحن القسطنطنيه ولنعم الامير اميرها ولنعم الجيش ذالك الجيش هذا حديث

صحیح الاسناد ولم یخرجاہ ۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم قسطنطنیہ ضرور فتح کروگے اوراس کا امیر کتنا اچھا امیر ہے اور وہ لشکر کتنا اچھا لشکر ہے۔

(مستدرک ج۴ص۴۶۸)

علامہ ذہبی لکھتے ہیں۔لہ علی ھنا تہ حسنة وھی غزو القسطنطنیه وکان امیر ذالك الجیش وفیھم مثل ابی ایوب الانصاری۔

(سیر اعلام النبلاء ج۴ص۳۵/ تاریخ الاسلام ج۴ص۲۱)

''یزید کی کوتاہیوں کے باوجود اس کے پاس نیکی ہے اور وہ غزوۂ قسطنطنیہ ہے، وہ اس کا امیر لشکر تھا، اوراس میں ابوایوب انصاری جیسے صحابہ موجود تھے''۔

علامہ ابن کثیر فرماتے ہیں: کانت وفاته (ابی ایو ب الانصاری) وھو محاصر القسطنطنیه مع یزید بن معاویة وھو اول جیش غزا ھا وھم مبشرون بالجنة والمغفرة۔ (جامع المسانید والسنن لابن کثیر ج۹ص۳۹)

''حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی وفات قسطنطنیہ کے محاصرے کی حالت میں ہوئی جب کہ وہ یزید بن معاویہ کے ساتھ تھے، یہی غزوۂ قسطنطنیہ کا پہلا لشکر تھا، سب کو جنت اور مغفرت کی بشارت ہے''۔

اسی سفر میں حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ، کی وفات ہوئی، تو موت سے پہلے حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ، نے یزید کو اپنے متعلق وصیت فرمائی۔

علامہ ذہبی لکھتے ہیں: فمرض (ابو ایوب) وعلی الجیش یزید بن معاویة فاتاه یعوده فقال حاجتك ،قال نعم اذا انامت فارکب بی ، ثم تبیغ لی فی ارض العدو ما وجدت مساغا فاذا لم تجد مساغا فادفنی ثم ارجع فلما مات رکب به ثم ساربه ثم دفنه (عن ابن علیه عن ایو ب عن محمد)

(سیر اعلام النبلاء ج۲ص۴۰۴)

''حضرت ابوایوب انصاری بیمار پڑ گئے، یزید ابن معاویہ لشکر کا امیر تھا، تو عیادت کے لئے ان کے پاس آیا، پوچھا آپ کی کوئی حاجت؟ فرمایا ہاں میری وفات ہو جائے تو مجھے سوار کرنا، پھر جہاں تک ممکن ہو دشمن کی زمین میں لے چلنا، جب گنجائش نہ رہے تو مجھے دفن کر کے واپس آجانا، جب ان کا انتقال ہوگیا تو یزید نے ان کو سوار کیا، لے کر چلا پھر انہیں دفن کیا''۔

ابن عبدربہ نے العقد الفرید میں اس کی کچھ تفصیل یوں ذکر کی ہے: (قال العتبی وحدثنی ابو ابراھیم) قال فخرج یزید ، فلما صار علی الخلیج ثقل ابو ایوب الانصاری فاتاه یزید عائداً فقال ما حاجتك ابا ایو ب ؟ فقال امادنیاکم فلاحاجة لی فیھا ولکن قدمنی ما استطعت فی بلاد العدو فانی سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول یدفن عند سور القسطنطنیه رجل صالح ارجو ان اکون ھو فلما مات امر یزید بتکفینه وحمل علیٰ سریره ثم اخرج الکتائب فجعل قیصر یریٰ سریراً یحمل والناس یقتتلون فارسل الی یزید ، ما ھذا الذی اریٰ ؟ قال صاحب نبینا وقد سالنا ان نقدمه فی بلادك ونحن منفذون وصیته او تلحق ارواحنا بالله فارسل الیه، العجب کل العجب ،کیف یدھی الناس اباك وھو یرسلك فتعمد الی صاحب نبیك فتدفنه فی بلادنا ، فاذا ولیت اخرجناه الی الکلاب فقال یزید انی والله ما اردت ان اودعه بلادکم حتی اودع کلامی آذانکم فانك کافر بالذی اکرمت ھذا له، ولئن بلغنی انه نبش من قبره او مثل به لا ترکت بارض العرب نصرانیاً الا قتلته ولاکنیسة الاھدمتھا ، فبعث الیه

قیصر کان ابوك اعلم بك فوحق المسیح لاحفظنه بیدی سنة "۔

(العقد الفرید لابن عبدربہ ج۵ص۱۱۶/۱۱۷)

''یزید روم کے لئے نکلا جب خلیج تک پہونچا تو حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ، کی طبیعت بگڑنے لگی، یزید ان کے پاس عیادت کے لئے آیا تو پوچھا، ابوایوب! آپ کی کوئی حاجت ہے؟ فرمایا دنیا کی حاجت پوچھتے ہو تو مجھے اس کی کوئی ضرورت نہیں لیکن تم دشمن کے علاقے میں مجھے لے کر جتنا تم سے ہو سکے بڑھتے چلو! کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ قسطنطنیہ کی دیوار کے پاس ایک نیک آدمی دفن کیا جائے گا، میں چاہتا ہوں کہ وہ نیک شخص میں ہوں، جب ان کا انتقال ہوگیا تو یزید نے ان کی تکفین کا حکم دیا، انہیں ایک تخت پر رکھا، پھر فوج کی ٹکڑیاں نکالیں، قیصر دیکھ رہا تھا کہ تخت لے جایا جا رہا ہے اور لوگ لڑائی میں مشغول ہیں تو اس نے یزید کے پاس خبر بھیجی، کہ میں جو دیکھ رہا ہوں وہ کیا ہے؟ اس نے کہا کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں، انھوں نے ہم سے یہ مطالبہ کیا ہے کہ ہم انھیں تمہارے ملک میں آگے لئے چلیں، اور ہم انکی وصیت پوری کر کے رہیں گے، چاہے اس کام میں ہماری جانیں اللہ کو پیاری ہو جائیں، قیصر نے یزید کے پاس خبر بھیجی، تعجب ہے لوگ تمہارے والد کو ہوشیار کیسے کہتے ہیں؟ حالانکہ وہ تمہیں بھیجتے ہیں اور تم اپنے نبی کے صحابی کو ہمارے ملک میں دفن کرنے کا عزم رکھتے ہو، ادھر تم واپس جاؤ گے، ادھر ہم انھیں نکال کر کتوں کے آگے ڈال دیں گے، تو یزید نے کہا خدا کی قسم میں انہیں تمہارے ملک میں اس وقت تک سپرد خاک نہیں کرونگا جب تک اپنی بات تمہارے کانوں کے حوالے نہ کردوں، کیونکہ جس وجہ سے میں نے ان کے لئے یہ باعزت قدم اٹھایا ہے تم اسے ماننے والے نہیں ہو، اگر مجھے خبر ملی کہ ان کی قبر کھودی گئی یا

ان کی لاش کی بے حرمتی کی گئی، تو میں سرزمین عرب میں ایک بھی عیسائی کو زندہ نہیں چھوڑونگا، اور ایک بھی کنیسہ باقی نہیں رہنے دونگا، قیصر نے یہ سن کر پیغام بھیجا کہ تمہارے والد تم کو زیادہ جانتے ہیں، مسیح کی قسم میں خود سال بھر تک اس کی حفاظت کروں گا''۔

امام مہلب بن احمد اسدی (م۴۳۵) کہتے ہیں، فی هذا الحدیث منقبة لمعاویة لانه اول من غزا البحر و منقبة لولده یزید لانه اول من غزا مدینة قیصر۔ (فتح الباری ج۱۱ص۱۹۳)

''اس حدیث میں حضرت معاویہ رضی اللہ کی تعریف ہے کیونکہ غزوہ بحر پہلے انھوں نے ہی کیا ہے اور ان کے لڑکے یزید کی بھی تعریف ہے، کیونکہ قیصر کے شہر پر حملہ کرنیوالا بھی پہلا وہی ہے'' علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ اسی حدیث کے ذیل میں ابن التین کی طرف سے یزید کی عدم شرکت کا جواب دیتے ہوئے کہتے ہیں فانه کان امیر ذالك الجیش بالاتفاق ۔(ج۱۱ص۱۹۳) ''یزید سب کے نزدیک متفقہ طور سے اس لشکر کا سربراہ تھا'' پھر لوگوں کے اس اعتراض کا بھی جواب دیتے ہیں کہ یزید کا حملہ قسطنطنیہ کے لئے نہیں بلکہ حمص کے لئے تھا، فرماتے ہیں حمص پہلے ہی فتح ہو چکا تھا، حضرت ام حرام اسی غزوے میں تھیں، قسطنطنیہ ہی کی لڑائی کا سپہ سالار یزید تھا۔

امام مہلب کا استدلال کہ یزید جنتی ہے

علامہ قسطلانی (۹۲۳) شارح بخاری فرماتے ہیں واستدل به المهلب علیٰ ثبوت خلافة یزید وانه من اهل الجنة لدخوله فی عموم قوله مغفور لهم ،امام مہلب نے اس حدیث سے یزید کی خلافت کے ثبوت اور اس کے جنتی ہونے پر استدلال کیا ہے کیونکہ مغفور لہم کے عموم کے تحت وہ بھی اس میں داخل ہے''۔

واجیب بان هذا جار علی طریق الحمیة لبنی امیة ، ولا یلزم من دخوله فی ذالك العموم ان لا یخرج بدلیل خاص اذ لاخلاف ان قوله علیه الصلواة والسلام مغفور لهم مشروط بکونه من اهل المغفرة حتی لو ارتد واحد ممن غزا ها بعد ذالك لم یدخل فی ذالك العموم اتفاقاً قاله ابن المنیر۔

(ارشادالساری ج۶ص۴۰۹)

علامہ قسطلانی کہتے ہیں کہ اس کا جواب بایں طور دیا گیا ہے کہ ایسی بات بنی امیہ کی طرفداری کے لحاظ سے کہی گئی ہے، کیونکہ اس عموم میں کسی کے داخل ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ خاص دلیل کی وجہ سے بھی اس سے باہر نہ ہو، کیونکہ اس بات میں کسی کا اختلاف نہیں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول مغفورلہم اس کے اہل مغفرت ہونے سے مشروط ہے، یہاں تک کہ اس غزوہ میں شریک ہونے والا اگر مرتد ہو جائے تو وہ بالاتفاق علماء کے نزدیک اس بشارت میں داخل نہ ہوگا، ابن منیر نے ایسا کہا ہے''۔

لیکن میں عرض کرتا ہوں کہ ایسا کہنا بھی تعصب اور بدگمانی پر مبنی ہے، کیونکہ جب حدیث میں مطلقاً شرکائے غزوہ کے لئے بشارت آئی ہے تو اس بشارت میں یزید کو شامل کرنے میں بنی امیہ کی طرفداری کا پہلو کہاں سے نکلتا ہے؟ کیا یہ حضرات چاہتے ہیں کہ احادیث کے محامل بھی ان کی منشاء سے متعین کئے جائیں،؟ اور اگر کوئی بدیہی محمل ان کی منشاء کیخلاف نظر آئے تو اس کو باہر رکھنے کے لئے تاویلوں کی دوکان کھول دی جائے؟ اور ارتداد کی بات چھیڑنا بھی صرف تعصب عنید اور توجیہہ بعید کی وجہ سے ہے، ورنہ پہلے انھیں یزید کا ارتداد ثابت کرنا چاہئے، پھر اس کے تحت یزید کو باہر کرنے کی بات سوچنی چاہئے، حدیث پاک میں جب مطلق شرکاء حضرات کے لئے بشارت آئی ہے تو ابن التین اور ابن المنیر کے چوں چرا کرنے سے یزید کا نام خدائی رجسٹر

سے کیسے کٹ سکتا ہے؟

علامہ قسطلانی علیہ الرحمہ نے اپنی شرح میں سعد الدین تفتازانی کا قول بھی نقل کیا ہے کہ یزید قتل حسین رضی اللہ عنہ، سے کافر ہو گیا تھا، اسی لئے علماء نے متفقہ طور سے اس پر لعنت کا فتویٰ دیا ہے، تو اس کا مکمل مدلل جواب ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے شرح فقہ اکبر میں تفصیل سے دیدیا ہے۔

حضرت محدث اعظمی رحمۃ اللہ علیہ نے ابن کثیر کا یہ قول بھی نقل فرمایا ہے کہ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ، یزید کی فوج میں تھے،، انتقال کے وقت آپ نے یزید ہی کو اپنا وصی بنایا تھا، اور یزید ہی نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی تھی ابن کثیر کے الفاظ ہیں وکان فی جیش یزید بن معاویة والیه اوصیٰ وهو الذی صلی علیه ۔

(ابن کثیر ج۸ص۵۸)

مجھے یہاں پر بصد ادب یہ بات عرض کرنی ہے کہ ہمارے اکابر نے بلاشبہ مخلصانہ طور پر حدیث کی تفتیش تنقیح اور اس کی تشریح میں کاوش بلیغ فرمائی ہے، اللہ رب العزت انہیں ان کی خدمات جلیلہ پر انہیں شایان شان اجر عظیم سے سرفراز فرمائے، لیکن حدیث قسطنطنیہ اور امارۃ الصبیان کے تعلق سے انھوں نے جو کچھ فرمایا ہے کیا ۶۰ھ میں یزید کے سوا کوئی اور تخت نشین ہوتا تب بھی ہمارے بزرگ ان حدیثوں کو اس پر منطبق فرماتے؟ اور کیا ارتداد اور نفاق کا ذکر کر کے انھیں بھی اس حدیث سے باہر کرنے کی زحمت گوارا کرتے؟ نہیں! تو حدیث کو اس کے عموم سے کیوں ہٹایا جا رہا ہے؟ اور رحمت الٰہی کو مقید دکھانے کی کاوش کیوں فرمائی جا رہی ہے؟ کیا صرف اس لئے کہ سبائی شاطروں نے ایک مضبوط حکومت کے مسلم رہنما کے خلاف محاذ تیار کیا ہوا ہے؟ اور اپنی تمام جعل سازیوں کو دین کا نوے فیصد حصہ اور اہم کارخیر مان کر پوری تیاریوں

کے ساتھ اپنے مشن میں لگے ہوئے ہیں، چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت معاویہ اوران کے بعد یزید کے معائب بیان کرنے میں واقدی، محمد بن زکریا غلابی، اورلوط بن یحییٰ ابومخنف جیسے سڑے ہوئے رافضی ہی اس میدان کی کمان سنبھالے نظر آتے ہیں۔

یزیداور ہمارے اکابر رحمہم اللہ

ایک سوال اب بھی تشنۂ جواب رہ جاتا ہے کہ ہمارے اکابر جن پر ہم بہت سے معاملات میں مکمل اعتماد رکھتے ہیں، انھوں نے بھی یزید کے متعلق اچھی رائے قائم نہیں فرمائی ہے۔ مثلاً

علامہ ابن کثیر نے فرمایا: بل قد کان فاسقاً ''بلکہ وہ یزید فاسق تھا''

(کردار یزید ص ۳۶)

علامہ ذہبی نے فرمایا: افتتح دولته بمقتل الشهيد الحسين واختتمها بواقعة الحرة فمقته الناس ۔''اکھڑ سخت مزاج نشہ خوراور غلط کاراور ناصبی تھا اپنی حکومت کا آغاز حضرت حسین شہید کے قتل سے کیا اوراختتام واقعۂ حرہ پر کیا ہے، اس لئے لوگوں نے اسے ناپسند کرلیا''۔

(کردار یزید ص ۳۷)

علامہ ابن تیمیہ فرماتے ہیں۔''ان سب باتوں کے باوجود یہی کہا جائے گا کہ یزیداوراس طرح کے دیگر بادشاہ زیادہ سے زیادہ فاسق ہیں۔

(کردار یزید ص ۴۰)

سیدنا امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ کیا آپ یزید کی حدیث کو قبول کریں گے؟ تو انھوں نے کہا نہیں، اس کے لئے کوئی احترام نہیں ہے، کیا وہی یزید نہیں ہے جس نے اہل مدینہ کے ساتھ کیا

کچھ نہیں کیا''۔ (کردار یزید ص ۴۲)

علامہ ابن حجر عسقلانی نے فرمایا، وہ اپنی لذتوں میں غرق رہتا تھا، اہل کمال نے اس کو پسند نہیں کیا ہے، حضرت حسین کے قتل کی وجہ سے، پھر اسکے بعد واقعۂ حرہ کی وجہ سے بھی''۔ (کردار یزید ص ۶۰)

علامہ ابن حجر مکی فرماتے ہیں۔ یزید بن معاویة فانه من اقبحهم وافسقهم ۔

(تطہیر الجنان ص ۵۳)

یزید بن معاویہ سب سے بُرا اور سب سے بڑا فاسق تھا''۔

(برحاشیہ کردار یزید ص ۱۰۵ / صرف عربی عبارت)

مولانا اسماعیل شہیدؒ نے یزید کو پلید کہا۔ (تقویۃ الایمان ص ۱۸۶ / کردار یزید ص ۱۱۳)

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا، یزید منافق یا فاسق تھا، شام میں گمراہی کا داعی تھا۔ (حجۃ البالغۃ / کردار یزید ص ۱۰۴)

ہم تسلیم کرتے ہیں کہ ان بزرگوں کے یہ اقوال یزید کے بارے میں ہیں، لیکن ہم یہ بھی جاننا چاہتے ہیں کہ ان اقوال کی وجہ اور بنیاد کیا ہے؟ کیونکہ ان بزرگوں نے خود سے تو یہ حادثات ملاحظہ نہیں فرمائے؟ یزید کا زمانہ ۶۰ھ سے ۶۳ھ کا ہے اور مذکورہ بالا بزرگوں میں سے سب سے قریب زمانے کے حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ ہیں، آپ کی پیدائش ۱۶۴ھ ہجری کی اور وفات ۲۴۱ھ کی ہے یعنی زمانۂ یزید کے واقعات کا زمانہ حضرت امام صاحب کی پیدائش سے بھی تقریباً سو سال پہلے کا ہے، پھر یزید کے زمانے کے بعد بھی واقعات کی کہانیاں سینوں ہی میں موجود رہی ہیں، ابن سعد متوفی ۲۳۰ھ نے انھیں اپنی طبقات میں جمع کیا ہے، پھر اس دور میں رافضی اور

شیعہ راوی جتنے سرگرم رہے ہیں وہ کسی تاریخ کے طالب علم سے مخفی نہیں ہے۔

محمد بن عبدالہادی شیبانی لکھتے ہیں۔وقد برز من الشیعة مورخون کبار اصبح الاعتماد فیما بعد علی اخبارهم من امثال الکلبی ، ونصر بن مزاحم وابی مخنف وغیرهم ، والتقیةعند الشیعة دین قائم ومعتقد اساسی فی مذهبهم بحیث یحق لائی شیعی ان یکذب وان یظهر خلاف ما یبطن وذالك فی سبیل خدمة مذهبه ومعتقده الذی یعتقده۔ (مواقف المعارضة ص ۲۸)

شیعوں میں سے بڑے مؤرخین ظاہر ہوئے بعد والوں نے ان کی خبروں پر اعتماد کرلیا، مثلاً کلبی، نصر بن مزاحم، ابومخنف وغیرہ، اور تقیہ شیعوں کے نزدیک ان کے مذہب میں دین قائم اور بنیادی عقیدہ ہے، جس کی رو سے کسی بھی شیعہ کو جھوٹ بولنے اور مافی الضمیر کیخلاف ظاہر کرنے کا حق حاصل ہے، اوران کا یہ مکروہ فعل اپنے عقیدے کے فروغ اور اپنے مذہب کی خدمت کے لئے ہے''۔

اب جو خبریں ان راویوں کے توسط سے بعد والوں تک پہونچ رہی ہیں انکی صداقت پر کتنا اعتماد کیا جاسکتا ہے ظاہر ہے؟ ہاں اگر ثقہ راویوں سے واقعات کے عینی مشاہد تک کی متصل روایت ملتی تو اس کے قبول کرنے میں کوئی عذر بالکل نہ ہوتا،

منظّم پروپیگنڈے کی تاثیر

اب عرض ہے کہ ہمارے بزرگوں تک بھی روایتیں تسلسل کے ساتھ پہونچیں، تو ان کے اذہان بھی متأثر ہوگئے اور انھوں نے انھیں کی بنیاد پر اپنی رائیں قائم فرمالیں، اور وہ تو کیا ان کی جگہ پر کوئی بھی ہوگا تو انہیں کی طرح رائے قائم کرنے پر مجبور ہوگا، دراصل کمال، مربوط اور منظّم ڈھنگ سے خبروں کو پھیلانے کا ہے یہی کام عہد نبوی میں منافقین نے کیا تھا، اور حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ، کے دور سے سبائیوں

رافضیوں نے کیا، نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہوتے ہوئے ام المؤمنین حضرت عائشہ پر جو بہتان عظیم عائد کیا گیا، اس کا مرکز اگرچہ منافقوں کا سردار عبداللہ بن ابی تھا، لیکن کچھ صحابہ بھی متأثر ہوکر اس میں شامل ہوگئے، بخاری کی حدیث دیکھئے!

وکان الذی تولی کبر الافك عبد الله بن ابی بن سلول قال عروة اخبرت انه کان یشاع ویتحدث به عنده فیقره ویستوشیه وقال عروة لم یسم من اهل الافك ایضاً الاحسان بن ثابت ومسطح بن اثاثة وحمنة بنت جحش فی ناس آخرین لاعلم لی بهم غیر انهم عصبة ۔ (بخاری ج۱ص۵۹۴)

''بہتان کے معاملے کو جس نے بڑا بنادیا وہ عبداللہ بن ابی ابن سلول تھا، عروہ نے کہا، مجھے خبر دی گئی، کہ جب خبر اس کے پاس پہونچتی اور اس کے متعلق اس کے پاس گفتگو ہوتی، تو وہ اسے کرید کر پھیلاتا، اور اس کی توثیق کرتا اور اسکو پھیلاتا تھا، عروہ نے یہ بھی کہا کہ افک والوں سے میں سے حسان بن ثابت، مسطح بن اثاثہ اور حمنہ بنت جحش کے علاوہ دوسرے لوگوں کے تعین کا مجھے علم نہیں ہے لیکن یہ پوری ایک جماعت ہے''۔

قرآن کریم نے بھی منافقین کے علاوہ عصبۃ منکم کا لفظ استعمال کیا ہے، جس سے پتہ چلتا ہے کہ مومنین مخلصین کی ایک جماعت بھی منافقین کے پروپیگنڈے کے زیر اثر آگئی تھی۔ مسطح بن اثاثہ جن کا ذکر واقعۂ افک میں آیا ہے یہ کوئی عام نہیں بدری صحابی ہیں، بخاری ہی کی روایت ہے۔ قالت فاقبلت انا وام مسطح فعثرت ام مسطح فی مرطها فقالت تعس مسطح فقلت بئیس ما قلت تسبین رجلاً شهدبدراً فذکر الافك۔ (بخاری ج۲ص۵۷۳)

''حضرت ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں اور مسطح کی ماں جارہی تھیں، مسطح کی ماں کا پاؤں جلد بازی میں پھسل گیا، تو ان سے منہ سے نکلا مسطح برباد

ہوگیا، میں نے کہا آپ نے کتنی بری بات کہی، آپ ایسے شخص کو برا کہہ رہی ہیں جو غزوۂ بدر میں شریک ہے''۔ اتنا ہی نہیں بلکہ منافقوں کے مذموم ومسموم پروپیگنڈے کا اثر خود نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ہوگیا تھا، اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف آپ کی توجہ میں فرق آ گیا تھا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں انی لا اعرف من رسول الله صلى الله عليه وسلم اللطف الذى كنت ارىٰ منه حين اشتكى انما يدخل رسول الله صلى اله عليه وسلم فيسلم ثم يقول كيف تيكم ثم ينصرف۔ (بخاری ج۲ص۸۴۔۵۹)

''میں رسول اللہ صلی اللہ عیلہ وسلم کی پہلے جو محبت دیکھتی تھی اب اس کو نہیں پاتی تھی۔ بس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لاتے، سلام کرتے پھر پوچھتے کیسی ہو پھر لوٹ جاتے''۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام المؤمنین رضی اللہ عنہا سے یہ بھی فرمایا تھا۔ ان كنت الممت بذنب فاستغفرى الله وتو بى اليه فان العبد اذا اعترف بذنبه ثم تاب تاب الله عليه۔ (بخاری شریف ج۲ص۶۹۸)

''اگر تم سے کچھ چوک ہوگئی ہے تو اللہ سے استغفار کرو اور توبہ کرلو کیوں کہ جب بندہ اپنے گناہ کا اقرار کرکے توبہ کرلیتا ہے تو اللہ اس کی توبہ قبول فرمالیتا ہے''۔ حضرت مابورؓ حضرت ماریہ کے یہاں آیا کرتے تھے، بد باطنوں نے ان پر بھی تہمت لگا دی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی اس خبر کا اثر ہوا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ، کو مابور کے قتل کا حکم بھی دیدیا، حضرت علی رضی اللہ عنہ، نے مابور کو پکڑنے کے لئے اپنی طرف کھینچا تو مابور کا ستر کھل گیا، حضرت علی رضی اللہ عنہ، نے دیکھا کہ پیدائشی طور سے حضرت مابور کا عضو مخصوص ہی نہیں ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ، نے لوٹ کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

الشاهد يرىٰ ما لايرىٰ الغائب ''دیکھنے والا جس بات کو جانتا ہے غیر حاضر اس کو نہیں دیکھ سکتا''۔ علامہ نسفیؒ نے اپنی تفسیر مدارک میں اس واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے (ماتقدم من ذنبك وماتاخر) يريد جميع ما فرط منك او ما تقدم من حديث مارية وما تأخر من امرأة زيد۔ (مدارک ج۴ص۱۵۷)

اسی پروپیگنڈے کا اثر تھا، کہ حضرت سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ، کی شہادت میں محمد بن ابی بکر جیسے لوگ شریک ہوگئے، جب کہ سیدنا ذی النورین کے خلاف الزامات کی زمینی حقیقت کچھ نہ تھی، یہ حاسدین کا پروپیگنڈہ ہی تھا، کہ حضرت امام اوزاعی جیسے بزرگ سیدنا امام ابوحنیفہ کو بدعتی کہہ بیٹھے، اور حضرت عبداللہ ابن مبارک نے اپنی حکمت علمی سے انھیں حقیقت کا آئینہ دکھایا تو امام اوزاعی نے رجوع فرمایا، پروپیگنڈے کی یہی تاثیر تھی جس سے سیدنا امام باقر رحمۃ اللہ علیہ نے سیدنا امام اعظمؒ پر سنت نبوی کی مخالفت کا الزام لگایا، اور جب دونوں حضرات کی گفتگو ہوئی تو بدگمانی کا خاتمہ ہوا، دور قریب میں اسی پروپیگنڈا الابی نے محمد بن عبدالوہاب پر جھوٹے الزامات عائد کرکے انھیں پوری دنیا میں بدنام کیا، اور حضرت مولانا منظور احمد نعمانی رحمۃ اللہ علیہ کو الزامات کی حقیقت سامنے لانے کے لئے کتاب لکھنی پڑی، دور کیوں جائیں یہ پروپیگنڈے ہی کا کمال تو تھا، کہ اکابر علمائے دارالعلوم کے خلاف تکفیر کی فضا تیار کی گئی، اور حضرت نانوتوی علیہ الرحمۃ پر انکار ختم نبوت او رعموماً اکابر علمائے دارالعلوم کو بلا ثبوت، گستاخیٔ رسول کا مجرم مان لیا گیا، یہاں تک کہ مسلمانوں کا ایک مخصوص طبقہ ہزار صفائی کے باوجود اپنے اس بے ثبوت موقف سے پیچھے ہٹنے کو تیار نہیں، مولانا نے تقویۃ الایمان کی عبارت پیش کرکے مولانا شہید کی زبان سے یزید پر پلیدی کی کیچڑ پھینکی ہے، کیا اس مخصوص طبقے کے نزدیک حضرت شہید کا دامن اسی کیچڑ سے آلودہ نہیں

ہے؟ اس مخصوص طبقے نے صراط مستقیم کے حوالے سے مولانا شہید علیہ الرحمہ پر الزام عائد کیا ہے کہ حضرت کے نزدیک نماز میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال آجانا بیوی کی مجامعت کے خیال سے کئی گنا زیادہ بُرا تھا، کیا ہمارے مولانا اس سے اتفاق فرمائیں گے؟ میں عرض کرنا چاہتا ہوں کہ ہمارے اکابر آج کے ہیں، واقعہ پونے چودہ سو سال پیشتر کا ہے، ہمارے اکابر خواہ وہ آٹھویں صدی ہجری کے علامہ ذہبیؒ ہوں یا نویں صدی ہجری کے علامہ ابن حجرؒ، بعد والوں کو قدیم تاریخ کی روشنی میں ہی کسی رائے کے قائم کرنے کا حق حاصل ہوگا، اور قدیم تاریخ کا ذخیرہ جیسا کہ میں عرض کر چکا ہوں سینوں تک ہی محدود رہا ہے، جن کی حیثیت قصہ گوئی کی رہی ہے ابن سعد کا زمانہ سب سے قریبی زمانہ ہے جس میں ان واقعات کو تحریری صورت میں محفوظ کرنے کا نظم ہوا پھر خلیفہ بن خیاط نے اور اخیر میں ابن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ) نے تاریخ مرتب کی، پھر ابن اثیر نے طبری کی زمین پر ہی اپنی کامل کی بنیاد رکھی، اور اسی بنیاد پر حافظ ذہبی نے تاریخ الاسلام اور علامہ ابن کثیر نے البدایۃ والنہایہ کی تعمیر فرمائی، اور ہم جانتے ہیں کہ پہلی اور دوسری صدی ہجری کا زمانہ سبائی گروپ کے مختلف طبقوں کی سرگرمیوں کا زمانہ ہے، بیشتر وہی لوگ روایتوں کے راوی ہیں، تو ہم بالعموم ان کی روایتوں کی طرف سے بالکل مامون و مطمئن ہو کر ان پر مکمل اعتماد کس طرح کر سکتے ہیں؟ بہتر ہوگا کہ ہم اس ماحول کا بھی ذکر کریں جس میں یہ فتنے پیدا ہوئے، اور حضرت سیدنا معاویہ اور یزید کیخلاف منفی فضا بنائی گئی۔ دنیا جانتی ہے کہ سبائی فتنے کی تخم ریزی، افضلیت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کے نعرے کے ساتھ کی گئی تھی، یہودی شاطر نے حالات کا باریک بینی سے مطالعہ کیا، تو اس نے پایا کہ حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ اہل بیت میں ایک خصوصی مقام پر فائز ہیں، اور خلافت کا سلسلہ سیدنا

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، سے جاری ہوا ہے، جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے انتہائی معتمد علیہ تو ہیں لیکن خانوادۂ نبوت سے انکا تعلق نہیں ہے، یہی حال خلفائے ثلاثہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا ہے، اب اس نے اسلام کا لبادہ اوڑھ کر حضرت علی رضی اللہ عنہ، کے جو فضائل زبان نبوت سے منقول ہوئے تھے، تلاش تلاش کر انہیں دور دراز کے مسلمانوں میں پھیلانا شروع کیا۔ یہ معاملہ شروع میں حضرت علی کی فضیلت وافضلیت تک محدود رہا، جس کے اثر سے محدثین کرام کے بعض حضرات بھی محفوظ نہیں رہے، پھر اس شاطر نے اسے حضرت علیؓ کی امارت سے جوڑ کر یہ تبلیغ شروع کی، کہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ان کی جگہ پر حضرت علی رضی اللہ عنہ، کا ہی استحقاق تھا، حضرات شیخین کا اس پر اوّلی تقرر غصب وخیانت ہے، اب یہاں سے حضرات شیخین بلکہ خلفائے ثلاثہ کے ساتھ تبری وتحاشی کی خباثت، افضلیت علی رضی اللہ عنہ، کے ساتھ لاحق ہوگئی، پھر ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ دور فاروقی تک افضلیت علی رضی اللہ عنہ، کی آواز دور دور تک کہیں سنائی نہیں دیتی، یہ فتنہ دور عثمانی میں نمودار ہوا، ایک بڑی جماعت پس پردہ سرگرم رہی اور کچھ لوگ شہادت سیدنا ذی النورین کے موقع پر سامنے بھی آگئے، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ، کی خلافت قائم ہونے پر حکمت عملی کے تحت یہ سازشی ان کی حکومت میں شامل ہوگئے، لیکن ایک کڑوی حقیقت یہ بھی ہے کہ انھیں صرف اپنے مذموم مقصد کی تکمیل کے لئے حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کی شخصیت کا استعمال کرنا تھا، کیونکہ اہل بیت کی مقتدر شخصیت ان کے علاوہ دوسری نہ تھی، جب کہ انھیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے استحکام سے بھی کوئی غرض نہ تھی، چنانچہ تاریخ شاہد ہے کہ ان کم بختوں نے آپؓ کو بھی چین سے رہنے نہ دیا، اور بے وفائی سے کام لیتے رہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ، کے سامنے چونکہ خلافت اسلامیہ کا استحکام

اصل اور اہم تھا، اس لئے آپ مجبوراً انھیں شر پسند قاتلین سیدنا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ، کے خلاف کوئی قدم نہ اٹھا سکے، چونکہ ان فتنہ پروروں نے اپنا مرکزی نقطہ حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کی ذات عالی کو بنا رکھا تھا اور سیدنا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ، کی جنگ ان سے صفین کے موقعے پر ہو چکی تھی، تو یہ ظالم حضرت معاویہ کو بخشنے کے لئے کب تیار ہو سکتے تھے؟ یہی وجہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ، کے بعد حضرت حسن ابن علی رضی اللہ عنہما نے چھ ماہ مسند خلافت سنبھال کر حضرت معاویہ کے حوالے کر دی، اور ان سے مصالحت فرمائی، تو یہی حُب علی وحسن کا نعرہ لگانے والے سبائی ذہنیت کے سازشی انہیں عار المؤمنین اور مذل المسلمین کہہ کر مخاطب کرنے لگے۔

علامہ ذہبی فرماتے ہیں، بایع اهل الكوفة بعد ابيه واحبوه اكثر من ابيه۔

(سیر اعلام النبلاء ج ۳ ص ۱۴۵)

''حضرت حسن کے ہاتھ پر ان کے والد کے بعد کوفہ والوں نے بیعت کر لی اور ان کے والد سے زیادہ ان سے محبت کی''۔ اور جب حضرت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ، نے بشارت نبوی کے تحت اپنی خلافت حضرت معاویہ کے حوالے کر دی، تو محبت کی نقاب ان کے چہروں سے اتر گئی، علامہ ذہبی فرماتے ہیں۔ وبايع معاوية على ان جعل له العهد بالخلافة من بعده فكان اصحاب الحسن يقولون له يا عار المؤمنين فيقول العار خير من النار۔ (سیر اعلام النبلاء ج ۳ ص ۱۴۵)

آپ نے حضرت معاویہ کے ہاتھ پر اس شرط کے ساتھ بیعت کر لی کہ وہ اپنے بعد آپ کو خلافت کا ولی عہد بنائیں تو حضرت حسن کے ساتھی آپ کو یا عار المؤمنین (اے مسلمانوں کیلئے باعث شرم) کہہ کر پکارتے تھے، آپ ان کے جواب میں فرماتے، عار جہنم کی آگ سے بہتر ہے''۔ السری بن اسماعیل عن الشعبی حدثنی

سفيان بن الليل قلت للحسن لما رجع الى المدينة من الكوفة يا مذل المؤمنين۔ (سیر اعلام النبلاء ج ۳ ص ۱۴۷)

سفیان بن اللیل کہتا ہے میں نے حسن رضی اللہ عنہ سے ان کے کوفہ سے مدینہ لوٹتے وقت کہا ''اے مؤمنوں کے ذلیل کرنے والے''۔

ابن اثیر لکھتے ہیں: ولما سار الحسن من الكوفة عرض له رجل فقال يا مسود وجوه المسلمين۔ (الکامل ج ۳ ص ۲۷۴)

''حضرت حسن کوفہ سے چلے تو ایک شخص ملا اور اس نے کہا اے مسلمانوں کے چہروں پر کالک پوتنے والے''۔ پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ، کے بعد مسند امارت یزید کے پاس آئی تو اس سبائی ٹولے کو یہ امارت کیسے پسند آ سکتی تھی؟ انھیں حضرت معاویہ سے ہی کدورت تھی تو وہ اس پر یزید کو متمکن دیکھتے ہوئے کیسے خاموش رہ سکتے تھے؟ انھوں نے اپنی سرگرمی شروع کر دی، اس کا تذکرہ انشاء اللہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ، کی شہادت کے ضمن میں آئے گا۔

یزید اور سبائی جماعت

خلاصہ یہ کہ تاریخ کے نگار خانے میں ہمیں یزید کی جو کریہہ صورت دکھائی دے رہی ہے، وہ سبائی مصورین کی فنکاری کے نتیجے میں ہے، ورنہ اصل تصویر اس کے برعکس ہے، حرہ کے موقع پر حضرت عبداللہ ابن مطیع اور محمد بن الحنفیہ کی جو مناظرانہ گفتگو ہوئی ہے اس میں خود عبداللہ ابن مطیع نے الزام لگانے کے باوجود عینی مشاہدے کا انکار کیا ہے، اور اس موقعہ پر پورے وفد کا کوئی ایک فرد بھی عینی شہادت کے ساتھ حضرت محمد بن الحنفیہ کے سامنے نہیں آیا ہے، جب کہ حضرت محمد ابن الحنفیہ نے یزید کی نیک چلنی کی عینی شہادت دی ہے، پہلے یہ دیکھ لیجئے کہ محمد بن الحنفیہ کون ہیں اور ان کا مقام

کیا ہے، تو عرض ہے کہ محمد بن الحنفیہ حضرت علی رضی اللہ عنہ، کے صاحبزادے اور حضرات حسنین کے بھائی ہیں۔

علامہ ذہبی لکھتے ہیں: الطبقة الاولیٰ من کبراء التابعین ابن الحنفیه السید الامام ابو القاسم وابو عبد الله محمد بن الامام علی بن ابی طالب ۔

(سیر اعلام النبلاء ج۴ص۱۱۰)

اکابر تابعین کا پہلا طبقہ۔ابن الحنفیہ سید امام ابوالقاسم ابوعبداللہ محمد بن امام علی بن ابی طالب ۔محمد ابن الحنفیہ یزید پر شراب نوشی اور ترک نماز کے بارے میں اس وقت فرماتے ہیں جب حضرت حسین کی شہادت کو ڈھائی سال سے زیادہ عرصہ گذر چکا تھا۔

مارأیت منه ما تذکرون وقد اقمت عنده فرایته مواظباً للصلوة متحریاًللخیر یسأل عن الفقه۔

(تاریخ الاسلام للذہبی جلد دوم ص۴۸۷ رکردار یزید ص۲۵)

''میں نے وہ باتیں نہیں دیکھیں جو تم ذکر کرتے ہو، حالانکہ میں اس کے پاس گیا ہوں اور اس کے پاس ٹھہرا ہوں، میں نے تو اس کو برابر پابند نماز اور خیر کا طالب اور اس کا قصد کرنے والا دیکھا ہے، وہ احکام شرع کو پوچھتا رہتا ہے، اور میں نے اس کو سنت کا التزام کرنے والا دیکھا ہے''۔جب یزید کے حال کی عینی شہادت ایک عالم ربانی سے مل رہی ہے، تو اس کے بالمقابل جھوٹے جعلساز راویوں کی روایتوں سے اس کے برعکس تصور قائم کر لینا، ہم نہیں سمجھتے کہ انصاف کے تقاضوں کو پورا کرتا ہے۔علامہ ابن کثیر فرماتے ہیں: وهذه صفة مقتله ماخوذة من کلام ائمة هذا الشان لا کما یزعمه اهل التشیع من الکذب ۔ (البدایہ ج۸ص۱۷۲)

شہادت حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا یہ بیان ذی شان ائمہ کے بیان سے لیا گیا ہے، وہ

نہیں جو شیعہ اپنے خیال سے جھوٹ بیان کرتے ہیں۔اور ذیشان ائمہ کے کلام کی پہلی روایت انھوں نے قال ابومخنف سے شروع کی ہے اور ابومخنف لوط بن یحییٰ کا تعارف ہم کرا چکے ہیں کہ جھلا بھنا شیعہ، گمراہ جھوٹا، روافض کے لئے جعلی حدیثیں بنانے والا، اور بقول علامہ ذہبی، گرا ہوا متروک غیر معتمد علیہ، رافضی اخباری، ہلاکت زدہ راوی ہے، تو اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ جن اہل تشیع کی جھوٹی روایتوں کو انھوں نے چھوڑ دیا ہے ان میں انھوں نے کیسے کیسے گل کھلائے ہونگے ؟ اور علامہ ذہبی اور ابن کثیر جیسے بزرگ ابومخنف جیسے راویوں کو اپنی کتابوں میں جگہ دیں اور ان کی بیان کردہ روایتوں سے ذہن بنا کر اپنی کتابوں میں اپنی ذاتی رائیں بھی درج فرمائیں، تو متأخرین اکابر نے متقدمین پر اعتماد فرما کر اگر یزید کے متعلق اپنے رایوں کا اظہار فرمایا، تو اس میں تعجب کی کیا بات ہے؟ لیکن ایک طالب علم جب غیر جانبدار ہو کر تحقیق کرنے بیٹھے اور یزید کے حالات کو اکابر کی رایوں کے برعکس پائے، تو وہ بے چارہ تو اتنا ہی کہہ سکتا ہے کہ کہیں نہ کہیں ہمارے قابل احترام و باعظمت بزرگوں سے بھی اس مسئلہ میں چوک ضرور ہوئی ہے، یہ الگ بات ہے کہ ہمارے علامہ مولانا گیاوی صاحب ان جیسے ردی اور قریب المرگ راویوں کو اپنی مسیحائی سے آکسیجن فراہم کر کے صحت مند دکھانے کی سعی بلیغ فرمائیں، ممکن ہے وہ اس طرح اپنی انا کے لئے سامان تسکین فراہم کر لیں، ہمیں تو ان کی یہ ترکیب ہرگز مطمئن نہیں کر سکے گی، اور ہم یہاں پر حضرت امام غزالی کے قول سے اتفاق کرنے پر مجبور ہونگے، ترجمہ پیش خدمت ہے۔''اور جو شخص یہ گمان کرتا ہے کہ یزید نے حضرت حسین کے قتل کا حکم دیا اور وہ اس سے راضی ہوا تو اس سے اس شخص کی انتہائی حماقت معلوم ہو سکتی ہے، اس لئے کہ خود اس کے زمانہ میں جو اکابر اور وزراء وسلاطین قتل ہوئے اگر کوئی تحقیقی اور قطعی طور پر جاننا چاہے کہ کس نے اس

کے قتل کا حکم دیا؟ اور کون راضی ہوا؟ اور کس نے ناپسند کیا؟ تو اس پر قادر نہیں ہوگا، باوجودیکہ یہ قتل اس کے پاس، اور اس کے زمانہ میں ہوا ہے، اور وہ اس کا مشاہدہ کر رہا ہے، پھر جس واقعہ کو چار سو برس گذر چکے ہیں وہ اسکو تحقیقی طور پر کیوں کر جان سکتا ہے؟

(تبصرہ بر شہید کربلا و یزید ص ۶۰)

محترم مولانا سید طاہر حسین صاحب مدظلہ مجموع الفتاویٰ سے علامہ ابن تیمیہ کا قول نقل فرماتے ہیں: ولهذا كان الذى عليه معتقد اهل السنة وائمة الامة انه لايسب ولايحب''۔ (مجموع الفتاویٰ لابن تیمیہ ج ۳ ص ۴۱۲)

''اس لئے امت کے ائمہ اور اہل سنت کا عقیدہ یہ ہے کہ یزید کو نہ گالی دی جائے نہ اس سے محبت کی جائے''۔ (کردار یزید ص ۴۷)

پھر علامہ ذہبی علیہ الرحمہ کا قول نقل کرتے ہیں: ويزيد ممن لانسبه ولانحبه''۔ یزید ان میں سے ہے کہ نہ ہم اس کو گالی گلوج کرتے ہیں، اور نہ ہی اس سے محبت کرتے ہیں''۔ (سیر اعلام النبلاء ج ۴ ص ۱۹ / کردار یزید ص ۱۲۲)

جہاں تک اس فتوے اور علامہ ذہبی کے دعوے کے پہلے ٹکڑے کا تعلق ہے، تو ہم اس سے سو فیصد اتفاق رکھتے ہیں کہ اہل بیت کے مقابلے میں ہمارا یزید سے کوئی تعلق نہیں۔ اہل بیت کی محبت ہمارا ایمان ہے، لیکن عام مسلمانوں کا ایک فرد ہونے کے ناطے ہمیں یہ بھی قطعاً منظور نہیں، کہ اہل بیت کی محبت کے دھوکے میں یزید پر بے بنیاد الزامات عائد کئے جائیں، کیونکہ ہمیں اس میں حب اہل بیت سے زیادہ بغض معاویہ کا پہلو جھلکتا دکھائی دیتا ہے، اور جو کام بدبخت رافضیوں اور سبائیوں نے کیا ہے ان کی بے وجہ تائید ہماری شایان شان ہرگز نہیں، لیکن اجازت ہو تو گستاخی کی معافی چاہتے ہوئے ہم اپنے بزرگوں سے بصد ادب ایک سوال ضرور کرنا چاہیں گے کہ حضور! آپ

کی لغت میں گالی کس کا نام ہے؟ آپ فرماتے ہیں کہ ہم یزید کو گالی نہیں دیتے، اور علامہ ابن تیمیہ اہل سنت اور امت کے ائمہ کرام کا یہی عقیدہ بھی بیان فرماتے ہیں، ازراہ کرم ہمیں بتایا جائے کہ آپ کے اس فرمان کا مطلب کیا ہے؟ وكان ناصبيًا فظاً غليظاً جلفاً يتناول المسكر ويفعل المنكر ''اکھڑ، سخت مزاج نشہ خور، اور غلط کار اور ناصبی تھا''۔ (سیر اعلام النبلاء ج ۴ ص ۱۹ / کردار یزید ص ۳۷)

قتل الحسين واخوانه واله وشرب يزيد الخمر وارتكب اشياء منكرة ۔ یزید نے اہل مدینہ کیساتھ غلط کام کیا، اور حضرت حسین ان کے بھائیوں اور اولاد کے ساتھ قتل کا معاملہ کرلیا، شراب نوشی بھی کی، اور ناجائز کام کئے''۔

(تاریخ الاسلام ج ۲ ص ۳۷۵)

میں پوچھتا ہوں کہ اگر کسی کی شان میں اکھڑ، سخت مزاج، نشہ خور، غلط کار، ناصبی قاتل جیسے الفاظ کا استعمال آپ کی لغت میں گالی نہیں ہے، تو خدارا ہمیں بتایا جائے کہ وہ کون سے الفاظ ہیں جنہیں کسی مسلمان کی شان میں استعمال کرنا گالی سمجھا جائے گا؟ زیادہ سے زیادہ مولانا طاہر صاحب فرمائیں گے کہ یہ گالی نہیں حقیقت بیانی ہے، تو پھر ہم لوٹ کر عرض کریں گے، کہ اس کو حقیقت باور کرانے کے لئے ٹھوس ثبوت درکار ہے جو مولانا تو کیا کسی کے پاس بالکل نہیں ہے، اور ٹھوس ثبوت کے بغیر کسی ملزم کو مجرم کہہ دینا انصاف کا دن دہاڑے خون کرنا ہے۔

مولانا طاہر صاحب کا جذباتی استدلال اور اس کا تجزیہ

مولانا طاہر حسین صاحب ایک جگہ فرماتے ہیں:

''محدثین کرام جن کی نظریں وسیع ہیں، ان کے علم میں اس سلسلہ کی اور بھی روایت موجود ہیں، اور اسماء الرجال کے اندر بھی یزید کی شراب نوشی

کی مزید تصریحات موجود ہیں، ان سب کو مسترد اور رد کر دیا جائے تو نہ اسماء الرجال کا کوئی اعتبار باقی رہے گا، نہ علم حدیث اور سند کا ہی کوئی بھروسہ رہ جائے گا، ایسا دروازہ کھل جائے گا کہ دین بازیچۂ اطفال ہو کر رہ جائے گا۔ (کردار یزید ص ۶۷)

عرض ہے کہ مولانا جذباتی باتیں چھوڑیں! ثبوت کی بات کریں، بلاشبہ محدثین کرام کی نظریں وسیع ہیں، اور ان کے علم میں اس سلسلہ کی مزید روایت بھی ہیں، لیکن کیا صرف ان روایتوں کے ان کے علم تک محدود رہنے سے کام چلے گا؟ یا مدعیٰ ثابت کرنے کے لئے انھیں سامنے بھی لانا ہوگا؟ اور مولانا نے مسترد کرنے کی بات کہی ہے، تو ہم مسترد کرنیوالے کون ہوتے ہیں؟ مولانا روایتیں سامنے لائیں، ہم انہیں کے مذکورہ محدثین کرام کے بنائے ہوئے ضابطوں کی روشنی میں ان کا جائزہ لیں گے، قابل قبول ہوئیں تو سر آنکھوں پر، ورنہ محدثین کرام تو فرمائیں کہ ابومخنف، ہشام کلبی، ابن زکریا غلابی، اور واقدی متروک اور نا قابل احتجاج ہیں، اور مولانا انھیں ردی راویوں کے پرزے جوڑ کر ہمیں باور کرائیں کہ لیجئے! روایت درجۂ حسن یا صحت تک پہونچ کر قابل احتجاج ہوگئی، تو معاف کریں کہ اگر یہ دروازہ کھول دیا جائے، تو شریعت مطہرہ کے پرزے اڑنے میں دیر نہیں لگے گی۔

اب دو بحثیں اور باقی ہیں پہلے ہم مولانا کی کتاب میں شہادت سیدنا حسین کے تعلق سے یزید پر الزامات کا جائزہ لیں گے پھر اخیر میں حرہ کے موضع پر گفتگو کریں گے انشاء اللہ۔

شہادت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ: واقعات، الزامات اور حقیقت

محترم مولانا سید طاہر حسین صاحب مدظلہ نے اپنی کتاب میں یزید کے قاتل حسین

ہونے کی زوردار وکالت ص ۵۶ سے ۶۴ تک پھیلائی ہے، ہم اس کا ایک ایک کر کے جائزہ پیش کرنے کی کوشش کریں گے، لیکن ہم چاہتے ہیں کہ بحث چھڑ ہی گئی ہے تو سارے احوال پس منظر کے ساتھ قارئین کرام کے سامنے آجائیں، تاکہ فیصلہ کرنے میں آسانی ہو کہ اس حادثۂ فاجعہ کا اصلی مجرم کون ہے؟

یزید رجب میں تخت نشیں ہوا تو اس نے مدینہ میں اپنے والی ولید بن عقبہ کے پاس خبر بھیجی، کہ اس کے نام کی بیعت لی جائے، حضرت سیدنا حسینؓ اور عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہما نے مہلت مانگی اور ایک دن کے بعد مکہ کے لئے نکل گئے۔

''حضرت ابن زبیر مکہ آئے تو یزید کی طرف سے عمرو بن سعید وہاں کے والی تھے ان سے حضرت ابن زبیر نے فرمایا، میں صرف پناہ لینے آیا ہوں، وہ نہ لوگوں کیساتھ نہ نماز کی جماعت میں شریک ہوتے تھے، نہ حج میں، وہ اور ان کے ساتھی ایک گوشے میں پڑے رہتے تھے۔ (طبری ج ۵ ص ۳۴۳)

ابن کثیر کا بیان ہے کہ ''حضرت ابن زبیر نے کعبہ کے پاس جائے نماز طے کر لی تھی اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ، سے ملاقات کو جس طرح اور لوگ آتے تھے، ابن زبیر بھی ان میں شامل ہو کر حضرت حسینؓ کے پاس آتے جاتے تھے۔ (ابن کثیر ۸ ص ۱۵۱)

حضرت حسین رضی اللہ عنہ، تو خاموش رہے، لیکن حضرت ابن زبیر نے حضرت حسین کو ترغیب دینا شروع کیا، کہ جب کوفہ میں آپ کے اور آپ کے والد کے طرفدار ہیں تو آپ ان کے پاس کیوں نہیں چلے جاتے؟ میرے پاس ان کی طرح کی ایک جماعت ہوتی تو میں تو چلا جاتا''۔ (تاریخ خلیفہ ص ۲۳۳)

علامہ ذہبی لکھتے ہیں: وخرج الحسین وابن الزبیر لوقتهما الی مکة ونزل الحسین بمکة دارالعباس ولزم عبد الله الحجر فلبس المغافر وجعل

یحرض علیٰ بنی امیة کان یتردد الی الحسین ویشیر علیه ان یقدم العراق ویقول له هم شیعتکم و کان بن عباس یقول له لا تفعل ۔

(تاریخ الاسلام ج۵ص۷)

حضرت حسین اور ابن زبیر اسی وقت مکہ کے لئے روانہ ہوگئے، حضرت حسین مکہ میں حضرت عباس کے گھر اترے اور عبداللہ بن زبیر نے حطیم کے پاس کا گوشہ پکڑ لیا اور لوگوں کو بنی امیہ کے خلاف بھڑکانے لگے، وہ حضرت حسین کے پاس آتے جاتے تھے اور انھیں کوفہ جانے کا اشارہ کرتے تھے، کہتے تھے وہ آپ کے طرفدار ہیں، حضرت ابن عباس کہتے تھے ایسا مت کیجئے۔

ابن اثیر لکھتے ہیں: وهو (الحسین) اثقل خلق الله علی ابن الزبیر لان اهل الحجاز لا یبایعونه ما دام الحسین باقیاً بالبلد۔ (الکامل ج۳ص۱۸۱)

''حضرت حسین ابن زبیر پر اللہ کی مخلوق میں سب سے زیادہ بھاری تھے کیونکہ جب تک حضرت حسین مکہ میں رہتے لوگ ان کے ہاتھ پر بیعت نہیں کرتے''۔ علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں۔''ولا یمکنه ان یتحرك بشئ مما فی نفسه مع وجود الحسین کما یعلم من تعظیم الناس له وتقدیهم ایاه علیه ومع هذا کله لیس هو معظماً عند الناس مثل الحسین بل الناس انما میلهم الی الحسین لانه السید الکبیر وابن بنت رسول الله صلی الله علیه وسلم فلیس علی وجه الارض یومئذ احد یسامیه ولایساویه ۔ (البدایہ ج۸ص۱۵۱)

''ابن زبیر کیلئے حضرت حسین کے ہوتے اپنے مافی الضمیر کے مطابق کوئی حرکت ممکن نہیں تھی، کیونکہ وہ ان کے تئیں لوگوں کی تعظیم اور خود پر ان کی تقدیم کو اچھی طرح جانتے تھے، اس کے ساتھ ساتھ وہ حسین کی طرح لوگوں کے نزدیک باعظمت نہیں

تھے، بلکہ لوگوں کا رجحان حضرت حسین کی طرف تھا، کیونکہ وہی بڑے سید اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے تھے، تو روئے زمین پر کوئی ان سے برتر اور ان کے برابر نہیں تھا''۔ ابن جریر کہتے ہیں: علا ابن الزبیر بمکة و کاتبه اهل المدینة وقال الناس اما اذا هلك الحسین علیه السلام فلیس احد ینازع ابن الزبیر۔

(طبری ج۵ص۴۷۵)

''ابن زبیر مکہ میں رہے اور مدینہ والوں سے ان کی خط وکتابت ہوتی رہی، لوگوں نے کہا، جب حضرت حسین کی وفات ہوجائے گی تو کوئی ابن زبیر کی مخالفت نہیں کریگا''

کوفیوں کے خطوط

حضرت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ، کے مکہ میں مقیم ہونے کی خبر پھیلی، تو کوفیوں نے انھیں اپنے یہاں بلانے کے لئے مراسلت شروع کردی، ذمہ داروں کی طرف سے لگاتار سیدنا حسینؓ کے پاس خطوط بھیجوائے گئے، کہ آپ ہمارے پاس تشریف لے آیئے، ابھی تک ہم نے یزید کی بیعت قبول نہیں کی ہے، اور یزید کے والی کوفہ نعمان بن بشیرؓ کے پیچھے ہم جمعہ اور عید بھی نہیں پڑھتے، آپ تشریف لے آئیں، تو ہم انھیں یہاں سے نکال دینگے۔

(ابن جریر لکھتے ہیں: فلما بلغ اهل الکوفة هلاك معاویة ارجف اهل العراق بیزید وقالوا: قد امتنع حسین وابن الزبیر ولحقا بمکة فکتب اهل الکوفة الی حسین وعلیهم النعمان بن بشیر۔ (تاریخ الطبری ج۵ص۳۵۲)

''جب حضرت حضرت معاویہ کے انتقال کی خبر کوفہ پہونچی تو کوفہ والوں نے یزید کیخلاف افواہ پھیلائی، اور بولے حسین اور ابن زبیر نے یزید کی بیعت نہیں کی ہے، اور دونوں مکہ چلے گئے ہیں، تو کوفہ والوں نے حضرت حسینؓ کو خط لکھا، اس وقت نعمان بن

بشیرؓ وہاں کے امیر تھے"۔ کوفہ ہی میں جب حضرت معاویہ کے انتقال کی خبر آئی تو سلیمان بن صرد کے مکان میں ان کی میٹنگ ہوئی اور حضرت معاویہ کے انتقال پر انہوں نے اللہ کا شکر بھی ادا کیا۔ فذکرنا هلاك معاوية فحمدنا الله عليه۔

(تاریخ طبری ج۵ص۳۵۲/الکامل ج۳ص۳۸۵)

ابن کثیر فرماتے ہیں: ويذكرون فى كتبهم انهم فرحوا بموت معاوية وينالون منه ويتكلمون فى دولته وانهم لما يبايعوا احدا الى الآن وانهم ينتظرون قدومك اليهم ليقدموك عليهم ۔ (البدایۃ ج۸ص۲۵۲)

اپنے خطوط میں وہ لکھتے تھے کہ انھیں حضرت معاویہ کی موت سے خوشی ہوئی ہے، ان کا عیب بیان کرتے اور وہ ان کی حکومت کے بارے میں گفتگو کرتے ہیں، انھوں نے ابھی تک کسی کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی ہے، اور وہ آپ کی آمد کے منتظر ہیں کہ آپ کو اپنا قائد بنالیں"۔ اس مراسلت کے ذمہ دار کون لوگ تھے اس کو بھی دیکھ لیجئے، ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں، وقد كثر ورود الكتب عليه من بلاد العراق يدعونه اليهم وذالك حين بلغهم موت معاوية وولاية يزيد ومصيرا لحسين الى مكة فراراً من بيعة يزيد فكان اول من قدم عليه عبد الله بن سبع الهمدانى وعبد الله بن وال ، معهما كتاب فى السلام والتهنئة بموت معاوية فقد ما على الحسين لعشر مضين من رمضان من هذه السنة ثم بعثوا بعدهما نفراً منهم قيس بن مسهر الصدائى وعبد الرحمن بن عبد الله بن الكوالارحبى وعمارة بن عبد الله السلولى ، معهم نحو من مأة وخمسين كتاباً الى الحسين ، ثم بعثوا هانى بن هانى السبيعى وسعيد بن عبد الله الحنفى ، ومعهما كتاب فيه الاستعجال فى السير اليهم وكتب

اليه شبث بن ربعى ، وحجار بن ابجر ويزيد بن الحارث بن رويم وعمرو بن الحجاج الزبيدى ومحمد بن عمر بن يحيى اليتيمى اما بعد فقد اخضرت الجنان واينعت الثمار ولطمت الجمام فاذا شئت فاقدم علىٰ جندلك مجندة والسلام ۔ (البدایۃ ج۸ص۱۵۱/طبری ج۵ص۳۵۳)

کوفہ سے حضرت حسین کے پاس بہت سے خطوط آئے، جن میں وہ حضرت حسین کو اپنے پاس بلانے کی بات لکھتے تھے، یہ اس وقت ہوا، جب انھیں حضرت معاویہ کی موت، یزید کی تخت نشینی اور حضرت حسین کے یزید کی بیعت سے بھاگ کر مکہ آنے کی خبر ملی، پہلے شخص عبداللہ بن سبع ہمدانی اور عبداللہ بن وال تھے جو حضرت حسین کے پاس آئے ان کے پاس خط میں حضرت حسین کو سلام اور حضرت معاویہ کی وفات کی مبارکبادی تھی، یہ لوگ اسی سال دس رمضان کو حسینؓ کی خدمت میں آئے، پھر کوفہ والوں نے ایک جماعت بھیجی جس میں قیس بن مسہر صدائی، عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن الکوارجی، عمارۃ بن عبداللہ سلولی تھے، ان کے ساتھ حضرت حسین کے نام ڈیڑھ سو خطوط تھے، پھر انھوں نے ہانی بن ہانی سبیعی، سعید بن عبداللہ حنفی کو بھیجا ان کیساتھ کے خطوط میں حضرت حسین کی جلد تشریف آوری کا مضمون تھا، اور شبث ابن ربعی حجار ابن ابجر، یزید بن الحارث بن رویم، عمر بن الحجاج زبیدی، محمد بن عمر بن یحییٰ تمیمی نے بھی اس طرح کا خط لکھا! امابعد! باغ سرسبز ہو چکا ہے پھل پک چکے ہیں، موجیں پرجوش ہیں، آپ چاہیں تو تشریف لے آئیں، فوج تیار ملے گی۔ والسلام

حضرت عبداللہ ابن زبیر نے بھی اس موقع پر کہا کہ اگر آپ کی طرح میرے طرفدار ہوتے تو میں ان کے پاس چلا جاتا، جب ابن زبیر اٹھ کر چلے گئے تو حضرت حسین نے حلقہ نشینوں سے فرمایا، اس شخص کو پوری دنیا میں اس سے زیادہ کچھ اور محبوب

نہیں کہ میں حجاز سے نکل جاؤں، اوراس کو معلوم ہے کہ میرے رہتے، لوگ اسکی طرف رخ نہیں کریں گے، تو یہ چاہتا ہے کہ میں نکل جاؤں کہ اس کو میدان خالی مل جائے ۔

ابن اثیر کے الفاظ ہیں: فقام ابن الزبیر فخرج من عنده فقال الحسین ان هذا لیس شیء من الدینا احب الیه من ان اخرج من الحجاز وقدعلم ان الناس لا یعدلونه بی فود انی خرجت حتیٰ یخلو له۔(الکامل ج۳ص۴۰۰/البدایہ ج۸ص۱۶۰)

سارے خطوط حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے پاس جمع ہو گئے تو آپ نے جوابی خط لکھوایا کہ آپ لوگوں نے جو بتایا میں سمجھ گیا، اور میں نے آپ کے پاس اپنے چچا کے صاحبزادے اپنے بھائی اور اہل بیت کے اپنے معتمد علیہ مسلم بن عقیل کو بھیجا ہے، اوران سے کہا ہے، مجھے آپ کا حال اور آپ کی رائے بتائیں، اگر انھوں نے مجھے لکھا کہ آپ کے اہل الرائے خط میں لکھے مضمون کے مطابق اس بات پر متفق ہو چکے ہیں، تو میں جلد ہی آپ کے پاس آؤں گا انشاء اللہ، بخدا امام تو عامل بالکتاب، انصاف قائم رکھنے والا، دین حق پر چلنے والا ہی ہونا چاہئے والسلام۔

(الکامل ج۳ص۳۸۶)

حضرت حسین رضی اللہ عنہ، نے مسلم بن عقیل کو تفتیش احوال کے لئے کوفہ روانہ فرمادیا تھا اور روایتوں سے پتہ چلتا ہے، کہ سبائی شاطروں نے اس سے پیشتر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ، کے دور میں بھی حضرت حسین رضی اللہ عنہ، کو حضرت معاویہ کے خلاف کھڑا کرنے کی کوشش کی تھی، جس میں وہ کامیاب نہ ہو سکے تھے، بلکہ حضرت حسین ہی نہیں انہوں نے حضرت محمد بن الحنفیہ کے پاس بھی اس باب میں سلسلہ جنبانی کی تھی، اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ، نے حضرت حسین کو اس باب میں خط بھی لکھا تھا۔

علامہ ذہبی لکھتے ہیں: لما اخذ البیعة معاویة لابنه یزید کان الحسین ممن لم

یبایع ، وکان اهل الکوفة یکتبون الی الحسین یدعونه الی الخروج الیهم فی زمن معاویة وهو یابی فقدم منهم قوم الی محمد ابن الحنفیة وطلبوا الیه ان یخرج معهم فابیٰ وجاء الحسین فاخبره بما عرضوا علیه وقال ان القوم انما یریدون ان یاکلونا ویشیطوا دماء نا فاقام الحسین علی ماهو علیه مهموماً یجمع الاقامةمرة ویرید ان یسیر الیهم مرة۔ (تاریخ الاسلام ج۵ص۵)

جب حضرت معاویہ نے اپنے صاحبزادے کے لئے ولیعہدی کی بیعت لی، تو حضرت حسینؓ بیعت نہ کرنے والوں میں سے تھے، اور کوفہ والے حضرت حسینؓ کو حضرت معاویہؓ کے زمانے میں ہی اپنے پاس آنے کے لئے لکھتے تھے، اور آپ انکار فرماتے تھے، ان میں سے ایک جماعت حضرت محمد ابن الحنفیہ کے پاس آئی اوران سے حضرت معاویہؓ کیخلاف خروج کا مطالبہ کیا، تو آپ نے انکار فرمایا اور حضرت حسینؓ کے پاس آئے اور انھیں پیش آمدہ معاملے کی خبر دی، اور بولے یہ قوم چاہتی ہے کہ ہمیں کھا جائے اور ہمارا خون بہائے، حضرت حسین اس بات پر غمگین رہے کبھی رکنے کا ارادہ فرماتے، کبھی سوچتے انکے پاس چلے جائیں''۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ، نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ، کو اس طرف متوجہ بھی فرمایا تھا: فکتب معاویة الی الحسین ان من اعطی الله تعالی صفقة یمینه وعهده لجدیر بالوفاء وقد انبئت ان قوماً من اهل الکوفة قد دعوك الی الشقاق واهل الحجاز من قد جربت ، وقد افسدوا علی ابیك واخیك فاتق الله واذکر المیثاق فانك متی تکدنی اکدك۔ (تاریخ الاسلام ج۵ص۶)

''حضرت معاویہ کو جب کوفیوں کی طرف سے حضرت حسین کو راغب کرنے کی خبر ملی تو آپ نے حضرت حسین کو لکھا، کہ اللہ تعالی کو جس نے عہد و پیمان دیا ہے، وہ اسے پورا

کرنے کے زیادہ لائق ہے، اور مجھے خبر ملی ہے کہ کوفہ والوں کی ایک قوم نے آپ کو عہد شکنی کی دعوت دی ہے، اور حجاز والوں کا مجھے تجربہ ہے کہ انہوں نے آپ کے والد اور بھائی کا معاملہ بگاڑا، تو آپ اللہ سے ڈریئے اور عہد کا خیال فرمائیے، آپ میرے قریب ہونگے تو مجھے بھی اپنے قریب پائینگے''۔

کوفی سبائیوں کی ریشہ دوانی کا تجربہ تقریباً سارے لوگوں کو تھا، چنانچہ حضرت معاویہؓ نے وفات کے وقت وصیت نامے میں یزید کو حضرت حسین رضی اللہ عنہ، کے ساتھ صلہ رحمی اور نرمی کا برتاؤ رکھنے کی خصوصی تاکید کی تھی ولما احتضر معاویة ارسل الی یزید فاوصاه وقال انظر حسین بن فاطمة فانه احب الناس الی الناس فصل رحمه وارفق به فان بك شئ فانی ارجوا ان یکفیکه الله بمن قتل اباه وخذل اخاه۔ (تاریخ الاسلام ج۵ص۷)

''حضرت معاویہ کا آخری وقت آیا تو انھوں نے یزید کے پاس وصیت نامہ بھیجا اور کہا حضرت فاطمہ کے صاحبزادے حضرت حسین کا خیال رکھنا کیونکہ وہ لوگوں میں سب سے محبوب شخص ہیں، تو ان کے ساتھ صلہ رحمی کرنا، اور نرمی کا معاملہ رکھنا، اگر تمہیں کچھ ہو بھی، تو مجھے امید ہے کہ اللہ ان کے لئے انھیں لوگوں کو تمہارے لئے کافی بنادے گا، جنہوں نے ان کے والد کو قتل کیا اور ان کے بھائی کو تنہا چھوڑ دیا''۔ حضرت مسلم بن عقیل کوفہ پہونچے تو شاطروں نے بڑی گرمجوشی سے ان کا استقبال کیا، انھیں مسلم بن عوسجہ اسدی یا مختار بن ابی عبید ثقفی کے گھر ٹھرایا، پھر ان کے ہاتھ پر حضرت حسین رضی اللہ عنہ، کے لئے بیعت کرنے لگے، اور قسم کھائی کہ وہ ہر حال میں حضرت حسین کی جان مال سے مدد کریں گے، پہلے بارہ ہزار لوگوں نے بیعت کی، پھر یہ تعداد اٹھارہ ہزار ہوگئی، مسلم بن عقیل نے یہ دیکھ کر حضرت حسین رضی اللہ عنہ، کو خط لکھا، کہ آپ

تشریف لے آئیں، بیعت کی تمہید مکمل ہوگئی ہے، علامہ ابن کثیر فرماتے ہیں فلما دخل الکوفة نزل علی رجل یقال له مسلم بن عوسجة الاسدی، وقیل نزل دارالمختار بن ابی عبید الثقفی فالله اعلم فتسامع اهل الکوفة بقدومه فجاؤا الیه فبایعوه علیٰ امرة الحسین، وحلفوا له لینصرنه بانفسهم واموالهم، فاجتمع علی بیعته من اهلها اثنا عشر الفاً ثم تکاثروا حتی بلغوا ثمانیة عشر الفاًفکتب مسلم الی الحسین لیقدم علیها فقد تمهدت له البیعة والامور فتجهز الحسین من مکةقاصد الکوفة، (البدایۃ ج۸ص۱۵۲)

مسلم بن عقیل کا جواب حضرت حسین کے پاس آیا تو انھوں نے کوفہ جانے کا پختہ فیصلہ کرلیا اور اس کی تیاری کرکے آٹھ ذی الحجہ کو کوفہ کے لئے نکل گئے۔

حضرت سیدنا حسینؓ کو صحابۂ کرام کی نصیحت

حضرت حسینؓ جب کوفہ جارہے تھے ''تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ، نے انھیں نصیحت فرمائی کہ آپ مت جائیے کیونکہ اللہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا اور آخرت کے معاملے میں اختیار دیا تھا تو آپ نے آخرت کو پسند فرمایا، آپ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے ٹکڑے ہیں دنیا آپ کو بھی نہیں ملے گی، حضرت حسین ان سے لپٹ گئے، اور رو دیئے اور انھیں رخصت کر دیا، ، حضرت ابن عمرؓ فرمایا کرتے تھے، میری زندگی کی قسم اگر یہ اپنے والد اور بھائی کا حال دیکھتے، اور لوگوں کے انہیں چھوڑ دینے اور فتنہ کا حال محسوس فرماتے، تو زندگی بھر اس طرح کی تحریکوں میں شمولیت مناسب نہ سمجھتے''۔ (تاریخ الاسلام ج۵ص۸)

''حضرت ابن عباسؓ نے پوچھا! جگر گوشۂ فاطمہ! کہاں کا ارادہ ہے؟ فرمایا! عراق اور میرے طرفدار، حضرت ابن عباسؓ بولے، اس صورت میں آپ کا جانا مجھے پسند نہیں

ہے، آپ ایک ایسی قوم کی طرف جا رہے ہیں، جنہوں نے آپ کے والد کو قتل کیا، اور آپ کے بھائی کو طعنہ دیا، حتی کہ انھیں ناراض اور رنجیدہ کر دیا، میں آپ کو خدا کے واسطے کہتا ہوں کہ آپ خود کو دھوکہ نہ دیں''۔ (تاریخ الاسلام ج۵ص۸)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ، بھی نصیحت کے لئے حضرت حسینؓ کے پاس تشریف لائے۔

علامہ ذہبی لکھتے ہیں: فجاء ہ ابو سعید الخدری فقال : یا ابا عبد الله انی لك ناصح و مشفق وقد بلغنی ان قوماً من شیعتك کا تبوك فلا تخرج فانی سمعت اباك بالکوفة یقول والله انی قد مللتهم وابغضونی وملونی وما بلوت منهم وفاءً ومن فازبهم فازبا لسهم الاخیب والله مالهم ثبات ولاعزم ولا صبر علی السیف۔ (تاریخ الاسلام ج۵ص۶)

''حضرت ابوسعید خدریؓ انکے پاس آئے فرمایا! اے ابوعبداللہ میں آپ سے محبت کرنے والا اور آپکا خیر خواہ ہوں، مجھے خبر ملی ہے کہ آپکے شیعہ آپ سے خط و کتابت کر رہے ہیں، آپ مت جایئے! کیونکہ میں نے آپ کے والد محترم کو کوفہ میں فرماتے ہوئے سنا، خدا کی قسم انھوں نے مجھے دق کر کے رکھ دیا اور مجھے مبغوض بنا دیا، اور مجھے رنجیدہ کر دیا میں نے ان سے وفاداری نہیں دیکھی، جو انھیں لے کر کامیاب ہوا وہ خسارے والے حصے کے ساتھ کامیاب ہوا، خدا کی قسم نہ ان کے پاس پائیداری ہے نہ پختگی، نہ تلوار کے مقابلے کی برداشت''۔

علامہ ذہبی لکھتے ہیں: ولم یقبل الحسین عذراً وصمم علی المسیر الی العراق فقال له ابن عباس والله لاظنك ستقتل غداً بین نسائك وبناتك کما قتل عثمان وانی لاخاف ان تکون الذی یقادبه عثمان فانالله وانا الیه راجعون

فقال یا ابا العباس انك شیخ قد کبرت فبکیٰ بن عباس وقال اقررت عین ابن الزبیر ولما رأی ابن عباس عبد الله بن الزبیر قال له قداتیٰ ما احببت هذا الحسین یخرج ویترکك والحجاز۔ (تاریخ الاسلام ج۵ص۹)

''حضرت حسین نے کسی کی نہیں سنی اور عراق جانے کا اٹل فیصلہ فرما لیا، تو ان سے ابن عباس نے فرمایا، خدا کی قسم میں سمجھتا ہوں کہ آپ کل اپنی عورتوں بیٹیوں کے سامنے قتل کر دیئے جائیں گے، اور مجھے ڈر ہے کہ آپ کے ساتھ بھی حضرت عثمان جیسا معاملہ ہوگا انا للہ وانا الیہ راجعون۔ حضرت حسینؓ نے فرمایا! ابوالعباس آپ کی عمر زیادہ ہوگئی ہے، حضرت ابن عباس رو پڑے، اور فرمایا آپ نے ابن زبیر کی آنکھیں ٹھنڈی کر دیں، اور جب ابن عباس رضی اللہ عنہ، نے عبداللہ ابن زبیر کو دیکھا، تو فرمایا تم جو چاہتے تھے انھوں نے وہی کیا، یہ حسین جا رہے ہیں اور تمہیں اور حجاز کو چھوڑ کر جا رہے ہیں''۔

''عبداللہ بن مطیع نے بھی کہا! آپ پر میرے ماں باپ قربان! ہمیں خدمت کا موقع دیجئے، اور عراق مت جایئے! خدا کی قسم اس قوم نے اگر آپ کو شہید کر ڈالا تو ہم غلام اور محکوم بنا دئے جائیں گے''۔ (تاریخ الاسلام ج۵ص۷)

حضرت عبداللہ بن جعفر نے بھی انھیں خط لکھ کر کوفہ والوں سے بچتے رہنے کا مشورہ دیا تھا، اور انھیں اللہ کی قسم دے کر فرمایا تھا کہ آپ وہاں نہ جائیں۔

(تاریخ الاسلام ج۵ص۹)

وقد کتبت الیه عمرة بنت عبد الرحمٰن تعظم علیه ما یرید ان یصنع وتامره بلزوم الجماعة وتقول اشهد لحدثتنی عائشة انها سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول " یقتل حسین بارض بابل''۔ (تاریخ الاسلام ج۵ص۹)

عمرۃ بنت عبدالرحمٰن نے حضرت حسین کو لکھا کہ آپ بہت بڑا قدم اٹھانے جارہے ہیں، وہ انھیں جماعت کے ساتھ رہنے کی تاکید کررہی تھیں اور کہہ رہی تھیں کہ میں گواہی دیتی ہوں کہ مجھ سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سنائی، آپؐ فرمارہے تھے کہ حسین سرزمین عراق میں مقتول ہونگے''۔

(تاریخ الاسلام ج۵ص۹)

حضرت سعید ابن مسیّب نے فرمایا کہ حسین کوفہ نہ جاتے تو ان کے لئے بہتر ہوتا''۔

(تاریخ الاسلام ج۵ص۹)

دراصل یہ سبائی گروہ جو حضرت سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ، کے زمانے سے اسلامی سلطنت کے انتشار کے لئے سرگرم تھا، کبھی زیرزمین رہ کر کبھی سامنے آکر، اسے اہم شخصیتوں کو صرف استعمال کرنے سے مطلب تھا، چنانچہ آپ دیکھ رہے ہیں کہ اس نے حضرت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ، پر حضرت معاویہؓ کے زمانے سے نگاہیں جمارکھی تھیں جب کہ اسے سیدنا حسین کی عظمت اور ان کے احترام سے بھی کوئی لینا دینا نہیں تھا، اسی جماعت نے شہادت سیدنا عثمان غنی، اور صفین میں اہم رول ادا کیا، پھر اسی نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ، کو بھی چین سے رہنے نہیں دیا، اسی نے جب دیکھا کہ حضرت سیدنا حسنؓ ان کے مطلب کے نہیں نکلے، تو انھیں مطعون کرنا شروع کردیا، پھر اسی فرقے نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ، پر حضرت معاویہ کے زمانے میں ڈورے ڈالے، حضرت حسین نے انکار فرمایا، تو حضرت حسن کے وصال کے بعد ایک بار پھر حضرت حسین کو ورغلانا چاہا، بلکہ وفد لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور آپ کو حضرت معاویہؓ کی بیعت توڑنے کے لئے آمادہ کرنے کی کوشش کی، اس وفد میں مسیّب بن نجبہ فزاری کے ساتھ چند اور لوگ بھی تھے۔ (تاریخ الاسلام ج۵ص۶)

اسی کے ساتھ ساتھ انھوں نے محمد بن الحنفیہ پر بھی ڈورے ڈالے، تو انھوں نے حضرت حسین کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کیا، کہ یہ لوگ ہمیں کھا جانا اور ہمارا خون بہانا چاہتے ہیں، اخیر میں پھر انہوں نے حضرت حسین کو یزید کی برائیاں کرکر کے اسلام کا واسطہ دے کر آمادہ کرہی لیا، میں قارئین کرام سے گذارش کرونگا کہ خط لکھ کر بلانے والے جن لوگوں کے نام گذشتہ اوراق میں بحوالۂ تاریخ منقول ہیں، ایک بار پھر پڑھ کر انھیں ذہن نشین کرلیں، آپ دیکھیں گے کہ اپنے پلان کو فیل ہوتا دیکھ کر کینچلی بدلنے والے یہی بد باطن سبائی حضرت حسین کے قاتلوں کی صف اول میں موجود ہیں، اور حضرت حسین جب نام بنام انھیں پکار کر فرمارہے ہیں، کہ مجھے ڈھیروں خطوط لکھ کر بلانے والے تمہیں تو ہو، تو یہ بد باطن کور بخت شقی ازلی، صاف انکار کرجاتے ہیں، اور جب شہادت حسین کا دل خراش حادثہ رونما ہوجاتا ہے، تو انھیں کے جھوٹے جعل ساز اخباری راوی انتہائی پرفریب طریقے سے روایتیں گھڑ گھڑ کر اپنا یہ جرم یزید کے سر ڈال دیتے ہیں۔ یہاں پر ایک مسئلہ قابل غور یہ ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ، شعبان کے اوائل میں مکہ تشریف لائے، اور ذی الحجہ کی آٹھ یا بروایت ذہبیؒ دس تاریخ تک مکہ میں ان کا قیام رہا، اس پورے چارسوا چار ماہ میں یزید یا اس کے عامل مکہ، عمرو بن سعید کی طرف سے حضرت حسین سے چھیڑ چھاڑ یا انھیں بیعت پر مجبور کرنے کی کوئی روایت تاریخ کے دامن میں نہیں ہے، کوفہ والوں کا ان کے پاس آنا جانا رہتا ہے پھر بھی ان سے کوئی تعرض نہیں کیا جاتا، اگر یزید کو ان سے پرخاش تھی تو وہ ایک عملہ متعین کرسکتا تھا کہ جیسے ہی حضرت حسین مکہ سے نکلیں، انھیں راستے ہی میں گرفتار کرلیا جائے، لیکن ایسا کوئی قدم حکومت کی طرف سے نہیں اٹھایا جاتا، سیدھے سیدھے قتل حسین کا جرم یزید کے کاندھوں پر ڈالنے والے ہمارے بزرگ، کیا سارے

قرائن سے چشم پوشی فرمائے ہوئے ہیں؟

حضرت مسلم ابن عقیل کے کوفہ پہونچنے پر حضرت نعمان ابن بشیرؓ کا طرز عمل

"مسلم بن عقیل کوفہ پہونچے اور بیعت شروع ہوگئی تو خبر پھیل گئی، حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ، کوفہ کے امیر تھے، انھوں نے لوگوں کو اختلاف اور فتنہ سے منع کیا، اور اطاعت وسنت کا حکم فرمایا، اور فرمایا جو مجھ سے لڑائی نہیں کرے گا، میں ان سے نہیں لڑوں گا، لیکن خدا کی قسم اگر تم امام سے الگ ہو جاؤ گے اور بیعت توڑ دو گے، تو جب تک میرے ہاتھ میں تلوار ہے میں تم سے لڑتا رہوں گا، عبداللہ بن مسلم بن شعبہ حضرمی نے کہا یہ معاملہ زبردستی اور طاقت کے بغیر حل نہیں ہوگا، اور آپ اے امیر! کمزوروں والا راستہ اختیار کر رہے ہیں، اسی شخص نے یزید کو واقعہ کی خبر بھیج دی، عمارہ بن عقبہ اور عمرو بن سعد بن وقاص نے بھی یزید کو اس کی اطلاع بھیج دی تھی، یزید نے حضرت نعمان کو معزول کر کے ان کی جگہ پر عبیداللہ بن زیاد کو کوفہ کی ولایت سونپ دی"۔

(البدایہ ج ۸ ص ۱۵۲)

یہ بھی بڑی ستم ظریفی ہے کہ یزید عبیداللہ ابن زیاد سے کچھ زیادہ خوش نہیں تھا، اور اسے بصرہ کی ولایت سے بھی معزول کرنا چاہ رہا تھا، لیکن مشیت ایزدی دیکھئے! اس معاملے کو حل کرنے کے لئے اسے کوفہ کی ولایت بھی سونپنی پڑی، علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں۔

وکان یزید یبغض عبید اللہ بن زیاد وکان یرید ان یعزلہ عن البصرۃ فولاہ البصرۃ والکوفۃ معاً لما یریدہ اللہ بہ وبغیرہ۔ (البدایہ ج ۱۵۲۸)

مسلم بن عقیل کا فرمان کہ کوفیوں نے ہمیں دھوکہ دیا

ابن زیاد نے وہاں پہونچ کر سختی دکھائی تو سارے لوگوں نے مسلم بن عقیل کا ساتھ چھوڑ دیا، انہوں نے کہا انا مسلم بن عقیل کذبنی ھؤلاء القوم وغرونی۔

(البدایہ ج ۸ ص ۱۵۵)

میں مسلم بن عقیل ہوں مجھ سے اس قوم نے جھوٹ کہا اور مجھے دھوکہ دیا، ابن زیاد نے تلاش کرا کر ان کو پکڑا اور ان سے بولا میں تجھے قتل کرنے والا ہوں، مسلم بولے ٹھیک ہے، لیکن ذرا چھوڑ دیئے مجھے قوم کے کچھ لوگوں کو وصیت کرنی ہے، ابن زیاد نے کہا کر لو! مسلم نے عمر بن سعد کو دیکھا تو ان سے بولے، میرے تمہارے درمیان رشتہ داری ہے اور مجھے تم سے کچھ کام ہے، کنارے چلو، اس نے کہا ابن زیاد کی اجازت ہوگی تب ہی جاؤں گا، اس نے اجازت دیدی تو مسلم نے اسے کنارے لیجا کر کہا، مجھ پر کوفہ میں کسی کا سات سو درہم قرض ہے تم اسے میری طرف سے ادا کر دینا، اور حضرت حسین کے پاس سارے احوال بھیج دینا، کیونکہ میں نے انھیں لکھ دیا ہے کہ لوگ ان کے ساتھ ہیں، اور میں سمجھتا ہوں وہ آتے ہی ہونگے، عمر بن سعد نے زیاد کو اس کی اطلاع دی تو اس نے اس کی اجازت بھی دیدی، پھر مسلم بن عقیل شہید کر دیئے گئے، شہادت سے پہلے انھوں نے تکبیر تہلیل استغفار پڑھی، اور کہا اے اللہ ہمارے اور اس قوم کے درمیان فیصلہ فرما! جنھوں نے ہمیں دھوکہ دیا اور رسوا کیا۔

(ساری تفصیل البدایہ ج ۸ ص ۱۵۷ کی ہے)

عمر بن سعد نے حسب وصیت حضرت حسین کے پاس سارے حالات کے علم کے لئے اپنا آدمی بھیج دیا، حضرت حسین راستے میں تھے، جب یہ آدمی ان کے پاس پہونچا، وہ شخص حضرت حسین سے بولا۔ ان ابن عقیل بعثنی الیك وھو فی ایدی القوم

اسیر لایدری ایصبح ام یمسی حتی یقتل وھو یقول لك ارجع باھلك ولا یغرنك اھل الکوفة فانھم اصحاب ابیك الذی کان یتمنی فراقھم بالموت او القتل وان اھل الکوفةقد کذبوك وکذ بونی ولیس بکاذب رائ ۔

(البدایہ ج۸ص۱۵۹)

مجھے ابن عقیل نے آپ کے پاس بھیجا، وہ لوگوں کے ہاتھوں میں قید ہیں، کہہ نہیں سکتے کہ صبح قتل کر دیئے جائیں کہ شام کو، وہ آپ سے کہہ رہے تھے، کہ آپ گھر والوں کے ساتھ لوٹ جایئے! اور اور کوفہ والے آپ کو دھوکہ نہ دیں کیونکہ وہ آپ کے والد کے ایسے ساتھی ہیں کہ وہ موت یا قتل کے ساتھ بھی ان سے علیٰحدگی چاہتے تھے، کوفہ والوں نے آپ سے بھی جھوٹ کہا مجھ سے بھی اور میری یہ رائے غلط نہیں ہے''۔

حضرت مسلم بن عقیل کی شہادت کی خبر راستے میں ملی تو حضرت حسین کے صاحبزادے علی اکبر نے کہایا ابہ ارجع فانھم اھل العراق وغدر ھم وقلة وفائھم ولا لك بشیئ ''۔ابا جان لوٹ چلئے! کیونکہ یہ عراق والے ہیں، اوران کی غداری اور بیوفائی سے آپ کو کچھ حاصل نہیں ہوگا''۔لیکن بنوعقیل نے کہا! یہ لوٹنے کا وقت نہیں ہے اور حضرت حسین کو آگے بڑھنے پر مجبور کر دیا۔ (تاریخ الاسلام ج۵ص۱۱)

حضرت حسینؓ کا فرمان کہ کوفہ والے ہی میرے قاتل ہیں

حضرت حسین نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا، ہمارے ساتھ جو درپیش ہے تم دیکھ رہے ہو، مجھے لگتا ہے یہ قوم ہمیں رسوا کرے گی، اس لئے جسے لوٹنا ہے لوٹ جائے، تو ایک جماعت واپس ہوگئی، یزید رشک کہتے ہیں، مجھ سے حضرت حسین رضی اللہ عنہ، سے ملاقات کرنے والے ایک شخص نے کہا کہ میں نے حضرت حسین کے لئے جنگل میں خیمہ لگا ہوا دیکھا تو میں ان کے پاس آیا، میں نے دیکھا ایک بزرگ قرآن کی

تلاوت فرمارہے ہیں، ان کے رخساروں پر آنسو بہہ رہے تھے، میں نے ان سے کہا: نواسۂ رسول! آپ پر میرے ماں باپ قربان! اس جنگل میں جہاں کوئی نہیں، آپ کیسے تشریف لائے؟ فرمایا: یہ کوفہ والوں کے خطوط میرے نام ہیں، اور میں انھیں اپنا قاتل ہی سمجھتا ہوں، وہ ایسا کریں گے تو اللہ کی کسی حرمت کو پامال کئے بغیر نہیں چھوڑیں گے، تو اللہ بھی ان پر ایسے شخص کو مسلط کر دے گا، جو انھیں گندے ناپاک کپڑے سے بھی زیادہ ذلیل کر کے رکھ دے گا''۔ (تاریخ الاسلام ج۵ص۱۱/۱۲)

طبری کی روایت میں ہے۔حضرت حسین رضی اللہ عنہ، کے پاس مسلم ابن عقیل کی شہادت کی خبر ثعلبیہ نامی جگہ پر آئی، ان سے کچھ ساتھیوں نے کہا ہم آپ کو خدا کی قسم دے کر کہتے ہیں اس جگہ سے ہی واپس لوٹ چلئے! کیونکہ کوفہ میں نہ کوئی آپ کا مددگار ہے نہ طرفدار، بلکہ ہمیں ڈر ہے کہ وہ لوگ آپ کے ساتھ کچھ کر نہ ڈالیں، بنوعقیل اچھل پڑے اور بولے خدا کی قسم ہم اس وقت تک علیٰحدہ نہ ہونگے، جب تک بدلہ نہ لے لیا جائے یا ہم بھی وہی مزہ چکھ لیں جو مسلم نے چکھا ہے، حضرت حسین نے فرمایا ان کے بعد جینے میں کوئی مزہ نہیں، کچھ ساتھی بولے خدا کی قسم آپ مسلم بن عقیل کی طرح نہیں ہیں آپ کوفہ پہونچیں گے تو لوگ تیزی سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوجائیں گے۔ (الکامل ج۳ص۴۰۳)

اس موقعہ پر حضرت حسین نے فرمایا تھا، یقیناً ہمیں ہمارے شیعہ نے دھوکہ دیا ہے اب جسے لوٹنا ہے لوٹ جائے''۔

آگے بڑھے تو حر بن یزید تمیمی سے ملاقات ہوگئی، جو ایک ہزار سپاہیوں کیساتھ حضرت حسین کے مقابلہ کے لئے حصین بن نمیر کے حکم پر قادسیہ سے آیا تھا، حضرت حسین نے فرمایا کہ میں تمہارے خطوط کی وجہ سے ہی یہاں آیا ہوں، کہ ہمارا کوئی امام نہیں ہے

آپ آ جایئے !تم اطمینان دلاؤ تو میں آگے بڑھوں اور اگر تمہیں میرا آنا پسند نہ ہو تو میں یہیں سے واپس ہو جاؤں، حر نے کہا جن خطوط اور رسائل کا آپ ذکر کر رہے ہیں خدا کی قسم ہمیں ان کے بارے میں کوئی علم نہیں ہے، حضرت حسین نے پوچھا تم کیا چاہتے ہو؟ حر نے کہا میں چاہتا ہوں کہ آپ کو ابن زیاد کے پاس لے چلوں، حسین نے فرمایا تب میں تمہارے ساتھ نہیں جاؤں گا، حر نے کہا، بخدا میں بھی آپ کو نہیں چھوڑونگا یہ گفتگو تین بار ہوئی تب حر نے کہا مجھے آپ سے لڑنے کا حکم نہیں ملا ہے، مجھ سے کہا گیا ہے کہ میں آپ سے تب تک الگ نہ رہوں جبتک میں آپ کو لے کر کوفہ نہ آ جاؤں، آپ ایک کام کیجئے ایسا راستہ اختیار کیجئے، جس میں نہ آپ کوفہ جائیں نہ مدینہ واپس ہوں، میں ابن زیاد کو خط لکھتا ہوں آپ یزید یا ابن زیاد کو لکھیں، ہوسکتا ہے اللہ کوئی ایسی سبیل پیدا کر دے جس میں مجھے عافیت ملے کہ آپ کے بارے میں مجھے کسی آزمائش میں نہ پڑنا پڑے''۔ (الکامل ج۳ص۴۰۸)

حضرت حسینؓ کی تجویز کہ مجھے امیر المؤمنین یزید کے پاس بھیج دو، میں بیعت کرلونگا

ابن کثیر حصین عن ہلال بن یساف کے حوالے سے لکھتے ہیں، کہ ابن زیاد نے حکم دیا کہ واقصہ سے لے کر شام اور بصرہ کا راستہ اس طرح بند کر دیا جائے، کہ نہ کوئی آ سکے نہ جا سکے، حضرت حسین کو کچھ پتہ نہ تھا، وہ دیہاتیوں سے لوگوں کے بارے میں پوچھتے تھے تو وہ جواب دیتے تھے بخدا! ہم کچھ نہیں جانتے لیکن آپ نہ وہاں داخل ہو سکتے ہیں نہ نکل سکتے ہیں، حضرت حسین یہ سن کر یزید بن معاویہ کی طرف جانے لگے، تو کربلا میں لشکر سے آپکی ملاقات ہوگئی، ابن زیاد نے عمرو بن سعد شمر بن ذی الجوشن، اور حصین بن نمیر کو ان کے پاس بھیجا تھا آپ انھیں اللہ اور اسلام کا واسطہ دے کر فرمانے

لگے کہ وہ لوگ انھیں امیر المؤمنین یزید کے پاس بھیج دیں، تا کہ وہ اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دیدیں، وہ لوگ بولے نہیں! بس آپ ابن زیاد کے حکم پر آ جایئے''۔

(البدایہ ج۸ص۱۷۰)

ابن اثیر کی روایت ہے کہ آپ نے عمر بن سعد سے کہا، اخرج معی الی یزید بن معاویة ،میرے ساتھ یزید بن معاویہ کے پاس چلو۔ایک روایت کے مطابق فرمایا میری تین باتوں میں سے ایک بات مان لو، یا تو میں جہاں سے آیا ہوں، وہیں لوٹ جاؤں، یا اپنا ہاتھ یزید بن معاویہ کے ہاتھ میں دیدوں، یا مجھے کسی سرحدی علاقے میں بھیج دو جہاں اسلامی فوج کی دشمنوں سے جنگ ہو رہی ہے''۔(الکامل ج۳ص۴۱۳)

طبری میں ابومخنف کی روایت کے الفاظ ہیں واما ان اضع یدی فی ید یزید بن معاویة فیریٰ فیما بینی و بینه رایه ۔''یا میں یزید بن معاویہ کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دیدوں وہ میرے اور اپنے معاملے میں جو مناسب فیصلہ کرے''

(طبری ج۵ص۴۱۳/ ۳۸۹)

طبری ہی کی روایت میں (بروایت حصین عن ہلال بن یساف) یہ بھی ہے کہ آپ یزید سے ملاقات کے لئے شام کے راستے پر ہو لئے تھے، (ج۵ص۳۹۲) الفاظ یہ ہیں کہ:

فانطلق یسیر نحو طریق الشام نحو یزید فلقیته الخیول بکر بلاء فنزل ینا شدهم الله والاسلام قال: وکان بعث الیه عمر بن سعد وشمر بن ذی الجوشن وحصین بن نمیر فناشدهم الحسین الله والاسلام ان یسیروه الیٰ امیر المؤمنین فیضع یده فی یده فقالوا لا ،پھر آپ سے ابن زیاد کا بھیجا ہوا قافلہ ملا جس میں عمر بن سعد، شمر بن ذی الجوشن اور حصین بن نمیر تھے، آپ نے اللہ کی قسم دے کر فرمایا کہ انھیں امیر المؤمنین کے پاس بھیج دیں، تا کہ آپ اس کے ہاتھ پر

بیعت فرمالیں۔ (ج۵ص۳۹۲)

تاریخ الاسلام کے الفاظ بروایت خالد حذاء عن الجریری عن عبداللہ وغیرہ) یہ ہیں قال: فدعونی ارجع قالوا: لا ۔ قال فدعونی آتی امیر المؤمنین یزید ،فرمایا مجھے چھوڑ و میں لوٹ جاتا ہوں انھوں نے کہا نہیں ،فرمایا تو مجھے چھوڑ و میں امیر المؤمنین یزید کے پاس چلا جاتا ہوں، وہ بولے نہیں''۔ (ج۵ص۱۲)

یہاں پر قابل غور بات یہ ہے کہ اگر حضرت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ، یزید کو اپنا دشمن سمجھتے تھے تو وہ یزید کے پاس جانے کی بات کیوں کر رہے تھے؟ اور انھوں نے اگر واقعۃً یزید کو فاسق اور کتاب کے احکام کو بدلنے والا، وغیرہ وغیرہ سمجھا تھا تو وہ اس موقع پر یزید کو امیر المؤمنین کیوں فرما رہے تھے؟ اور اس کے ہاتھ پر بیعت کی پیشکش کیوں کر رہے تھے؟ ہم ہرگز نہیں مان سکتے کہ حضرت حسین جیسے صاحب عزیمت جو اپنوں کی ہزار فہمائش اور تنبیہ کے باجود اپنے آہنی اردوں پر قائم رہے، اور ان کے قدموں میں خطرات کی بات سن کر بھی کوئی تزلزل نہیں آیا، وہ جان کے خوف سے اس قدر جھک جائینگے، کہ یزید کو امیر المؤمنین بھی فرمانے لگیں گے اور اس کے ہاتھوں میں اپنا ہاتھ دینے کی تجویز بھی پیش کرنے لگیں گے؟ ہماری عقیدت اسے ہرگز قبول نہیں کر سکتی بلکہ واقعہ یہ نکلتا ہے کہ شیعان علی کے پس پردہ سبائیوں نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ، کو فسق یزید کی مصنوعی کہانی لگاتار اور بڑھا چڑھا کر سنائی، پھر انہیں یزید کی بیعت نہ کرنے کے ساتھ اپنی بھرپور اطاعت کا یقین دلایا، حضرت حسین رضی اللہ عنہ، اپنے اجتہاد کی رو سے نکل کھڑے ہوئے، راستے میں مسلم ابن عقیل کی شہادت کی خبر سنی تو انھیں سبائیوں کی اصلیت کا اندازہ ہو گیا، اور ان کا یقین متزلزل ہو گیا، لہذا آپ واپسی یا یزید کے پاس جانے کی بات کرنے لگے، اور کربلا آ کر ان کے یقین میں

مزید پختگی آ گئی، حضرت محدث کبیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔''سیدنا حضرت حسین باغی نہیں تھے نہ ہمارے علم واعتقاد میں ان کا خروج معصیت تھا، بلکہ وہ اپنے اجتہاد کی رو سے اپنے کو حقدار خلافت سمجھتے تھے، اس لئے انھوں نے یزید کی بیعت نہیں کی، اور موقع کا انتظار کرتے رہے کہ صحیح خلافت قائم ہونے کے امکانات پیدا ہو جائیں اس وقت اپنے لئے بیعت لیں، چنانچہ جب کوفیوں نے اپنے قاصدوں کی زبانی اور لاتعداد خطوط سے آپ کو مطمئن کر دیا، کہ ہم نے یزید کی بیعت کی نہیں ہے، اور ہم آپ کے انتظار میں ہیں اس کے بعد مسلم بن عقیل نے بھی کوفہ جا کر اور حالات کا جائزہ لے کر آپ کو اطمینان دلا دیا، تب آپ کوفہ کے لئے روانہ ہوئے، مگر راستہ ہی میں آپ کو مسلم کی شہادت اور کوفیوں کی غداری کا علم ہو گیا تو آپ نے پہلا ارادہ فسخ کر دیا''۔

(تبصرہ بر شہید کربلا و یزید ص۱۰۸)

سیدنا حضرت حسین کی اس تجویز کو عمر بن سعد نے عبید اللہ بن زیاد کے پاس لکھ کر بھیجا، بروایت ابی مخنف ہی طبری لکھتے ہیں، فکتب عمر بن سعد الیٰ عبید الله بن زیاد اما بعد! فان الله قد اطفاء النائرة وجمع الكلمة واصلح امر الامة ، هذا حسين قد اعطانی ان یرجع الی المكان الذی منه اتیٰ او ان نسیره الیٰ ایِّ ثغر من ثغور المسلمین شئنا ، فیكون رجلاً من المسلمین له مالهم وعلیه ما علیهم اوان یاتی یزید امیر المؤمنین فیضع یده فی یده فلما قرأ عبید الله الكتاب قال : هذا كتاب رجل ناصح لامیره مشفق علیٰ قومه نعم قد قبلت ، فقام الیه شمر بن ذی الجوشن ، فقال اتقبل هذا منه وقد نزل بارضك الی جنبك والله لئن رحل من بلدك ولم یضع یده فی یدك لیكونن او لیٰ بالقوة والعزة ولتكونن او لی بالضعف والعجز فلا تعطه هذه المنزلة فانها من الوهن۔

(طبری ج۵ص۴۱۴) تاریخ الاسلام ج۵ص۱۴/العقد الفرید ج۵ص۱۲۸)

عمر بن سعد نے عبید اللہ بن زیاد کو لکھا! امابعد، اللہ نے آگ ٹھنڈی کردی کلمہ متحد کردیا امت کا معاملہ ٹھیک کردیا، حسین نے مجھے تجویز دی ہے کہ وہ جہاں سے آئے ہیں وہیں لوٹ جائیں ہم انھیں جہاں چاہیں کسی اسلامی سرحد پر بھیج دیں جہاں وہ مسلمانوں کے ایک فرد بن کر لڑیں، جو سب کے ساتھ ہو، ان کے ساتھ بھی ہو، یا وہ امیر المؤمنین یزید کے پاس جا کر ان کے ہاتھوں میں اپنا ہاتھ دیدیں، ابن زیاد نے پڑھا تو بولا یہ اس شخص کا خط ہے جو اپنے امیر کا خیر خواہ اپنی قوم سے محبت کرنے والا ہے، ہاں مجھے منظور ہے، شمر بن ذی الجوشن کھڑا ہوا بولا! کیا آپ ان کی یہ تجویز قبول کرلیں گے؟ وہ آپ کے پاس آپ کی زمین میں آئے ہیں، خدا کی قسم وہ آپ کے شہر سے چلے گئے اور آپ کے ہاتھ میں انھوں نے اپنا ہاتھ نہیں دیا تو ان کی قوت وعزت اور بڑھ جائیگی، اور آپ کی کمزوری اور ناتوانی میں اضافہ ہو جائے گا، ان کو یہ مقام مت دیجئے، یہ کم ہمتی ہے''۔ (طبری ج۵ص۴۱۴)

عمر بن سعد کو جب یہ بات معلوم ہوئی تو اس نے شمر بن ذی الجوشن سے کہا'' خدا کی قسم میرا خیال ہے کہ ابن زیاد کے پاس حضرت حسین کی تینوں تجویزیں جو میں نے بھیجی تھیں، تم نے ہی ابن زیاد کو ان پر عمل کرنے سے روکا ہے''۔

(البدایہ ج۸ص۱۷۵/تاریخ الاسلام ج۵ص۱۹۳/۱۹۴)

شمر بن ذی الجوشن نے حضرت حسین کے سامنے صرف ایک تجویز رکھی کہ آپ ابن زیاد کے حکم پر آجائیں اور ہتھیار ڈالدیں، حضرت حسین نے فرمایا: انا انزل علی حکم ابن مرجانة لا، والله لا افعل ذالك ابدا''۔(العقد الفرید ج۵ص۱۲۸) میں ابن مرجانہ کے حکم پر اتر جاؤں نہیں خدا کی قسم میں ایسا ہرگز نہیں کرونگا''۔ آخر کار

انھیں فوج نے گھیر لیا، حضرت حسین رضی اللہ عنہ، نے وہاں ایک تقریر فرمائی، جسکا انھوں نے کوئی جواب نہیں دیا، آپ نے آواز دی! اے شبث ابن ربعی! اے حجار ابن ابجر، اے قیس ابن اشعث، اے زید بن حارث! کیا تم لوگوں نے مجھے یہاں آنے کیلئے خطوط نہیں لکھے تھے، وہ بولے ہم نے ایسا نہیں کیا، آپ نے فرمایا کیوں نہیں، خدا کی قسم تم نے ہی ایسا کیا تھا، پھر فرمایا! لوگو تمہیں میرا آنا پسند نہیں ہے تو مجھے چھوڑو، میں اللہ کی اس زمین میں کہیں بھی چلا جاؤنگا، قیس ابن اشعث نے ان سے کہا، پہلے آپ اپنے چچازاد یعنی ابن زیاد کے حکم پر آئیے! کیونکہ جو آپ چاہتے ہیں وہ نہیں ہوگا''۔

(الکامل ج۳ص۴۱۹)

البدایہ کی عبارت ہے، قیس نے کہا: الاتنزل علیٰ حکم بنی عمك فانهم لن یؤذوك ولا تریٰ منهم الاما تحب''۔ (ج۸ص۱۷۹)

''آپ اپنے چچازاد کے حکم پر کیوں نہیں آجاتے؟ وہ ہرگز آپ کو تکلیف نہیں دیں گے اور آپ جو چاہتے ہیں ان سے وہی سلوک دیکھیں گے''۔

حضرت حسینؓ کو کس نے شہید کیا

شمر بن ذی الجوشن نے اپنے لوگوں کو حملے کے لئے آگے بڑھایا، جس میں ابوالجنوب عبدالرحمٰن جعفی، قشعم بن نذیر جعفی، صالح بن وہب یزنی، سنان بن انس نخعی، خولی بن یزید اصبحی تھے، شمر ان سب کو حملے کیلئے للکارنے لگا، لوگ چاہتے تو انھیں شہید کردیتے، لیکن کوئی آگے آنا نہیں چاہتا تھا، سب دوسرے کو آگے کرنا چاہتے تھے، شمر چلایا! تمہارا ناس ہو کس بات کا انتظار کررہے ہو؟ انھیں قتل کردو، اسی وقت سنان بن انس نخعی نے حضرت حسین پر نیزہ چلادیا، آپ گر پڑے، اس نے خولی بن یزید اصبحی سے کہا ان کا سر کاٹ لو، اس نے کاٹنا چاہا مگر اس کے ہاتھ کانپنے لگے، سنان نے اس کو برا بھلا کہا

اور گھوڑے سے اتر کر آپ کا سر قلم کر کے خولی کے ہاتھ میں دے دیا''۔ فانا للہ وانا الیہ راجعون۔ (الکامل ج۳ص۱۳۲)

علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں'' شمر کی للکار کے بعد لوگ ہر طرف سے ان پر ٹوٹ پڑے، زرعہ ابن شریک تمیمی نے بائیں کندھے پر حملہ کیا، پھر سنان نے برچھا مارا، آپ گر پڑے تو اس نے اتر کر سر قلم کیا اور خولی کو دے دیا، ایک قول یہ ہے کہ خود شمر نے آپ کو قتل کیا، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ عمر بن سعد نے شہید کیا، لیکن اس میں کوئی جان نہیں ہے، جس ٹکڑی نے حضرت حسین کو شہید کیا، عمر بس اس کا سربراہ تھا، پہلی بات زیادہ مشہور ہے''۔ (البدایہ ج۸ص۱۸۷/۱۸۸)

شہادت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کا یہ جانکاہ اور دلخراش حادثہ تاریخ کی مختلف کتابوں کے حوالے سے قارئین کے سامنے ہے، اس میں یہ تو دکھائی دیتا ہے کہ حضرت حسین کو بلاوے کی دعوت سے لے کر ان کی شہادت تک کے حالات پیدا کرنے والے شاطر لوگ ہیں، جنہوں نے اپنے ناپاک عزائم کی تکمیل کے لئے حضرت حسین کو اصرار کر کے بلایا، صورت حال مخالف ہوگئی تو یہی مقابل فوج میں شامل ہوگئے، حضرت حسین رضی اللہ عنہ، نے انھیں نام بنام مخاطب کر کے ان سے اپنے بلاوے کی بات کہی تو یہ صاف مکر گئے، اور جب حضرت حسین شہید ہوگئے، تو انھیں شاطروں نے الزام یزید کے سر ڈال دیا، ہم دیکھیں تو اردو محاورے کے لحاظ سے انکا کردار ''بی جمالو'' سے ملتا جلتا ہے، بعد میں حرہ کی بحث میں ہم آپ کو دکھائیں گے کہ وہاں بھی پس پردہ اسی گروپ کی فتنہ سازی کا عمل دخل ہے، اب آیئے، ذرا دیکھیں کہ ہمارے علامہ محترم مولانا طاہر حسین صاحب اپنی کتاب میں کیا فرماتے ہیں؟ ہمیں امید ہے کہ اسی بحث در بحث میں حضرت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ، کے سر مبارک، اس کے ساتھ یزید کے

سلوک، قتل حسین میں یزید کی مرضی وغیرہ کا بیان بھی آجائے گا، اور سچائی یہ ہے کہ ہم تو صرف ظاہر بیں اور اسی کے پابند ہیں، حقیقت کا علم تو اللہ ہی کے پاس ہے۔

بوقت موت یزید کا آخری کلام

حضرت محدث کبیر رحمۃ اللہ علیہ نے ابن کثیر کے حوالے سے یزید کا موت سے پہلے آخری کلام نقل فرمایا تھا، کہ'' اے اللہ میں نے جسے نہ پسند کیا نہ چاہا اس کے متعلق میری گرفت نہ فرما! اور میرے اور عبید اللہ بن زیاد کے درمیان فیصلہ فرما''۔ اس پر مولانا طاہر صاحب لکھتے ہیں'' جواباً عرض ہے کہ حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی نے، یزید کی موت کے وقت کا جملہ جو نقل فرمایا ہے، کیا اس واقعہ کے لئے کوئی قابل اعتماد سند ذکر کی ہے، یا صرف ابن کثیر کی نقل اور تاریخی بے ثبوت ایک روایت کو دلیل بنا دیا ہے، اگر کوئی قابل اعتماد سند ہے تو پیش فرما کر اسکے راویوں کی حیثیت واضح فرمادیں''۔ (کردار یزید ص۵۷/۵۸)

مینڈکی کو بھی زکام ہوتا ہے، یہ ہم مولانا ہی کے معاملے میں دیکھ رہے ہیں، صرف روایتوں کو بنیاد بنا کر (وہ بھی ابومخنف، واقدی جیسے راویوں والی) پوری کتاب میں یزید کی تفسیق کا جھنڈا بلند کرتے ہوئے انھیں اپنا یہ اصول یاد نہیں آیا، اور صفائی کے سلسلے میں اسی کتاب سے ایک روایت پیش کر دی گئی تو پارہ آسمان پر پہونچ گیا،؟ جب کہ مولانا گیاوی الزام لگانے والوں میں ہیں، اور الزام لگانے کے لئے قوی اور مستند روایت درکار ہوتی ہے، اور حضرت محدث اعظمی دفاع کرنے والوں میں، اور دفاع کے لئے محض پیش کردہ دلیل کو کمزور اور مشتبہ ثابت کرنا کافی ہوتا ہے، مولانا اگر واقعتاً انصاف پسند، اور اس کے حامی ہوتے تو انھیں یزید کو زانی اور قاتل وغیرہ ثابت کرنے کے لئے صحیح متصل، غیر مخدوش روایتیں پیش کرنی تھیں، جو وہ کر نہیں سکے، اور

نہ کبھی کر سکتے ہیں، کیونکہ یزید پر الزام ثابت کرنیوالی کوئی بھی غیر مخدوش وغیر مقدوح روایت تاریخ کے خزانے میں موجود ہی نہیں ہے، خود مولانا فرماتے ہیں'' تاریخوں میں جہاں ایسی روایتیں پائی جاتی ہیں جو یزید کو قتل حسین سے بری کرتی ہیں، وہاں تاریخوں میں ایسی شہادتیں بھی موجود ہیں جو اس کو ہی اصل مجرم اور قصوروار ٹھہراتی ہیں، اور بڑے بڑے محقق اکابر علماء نے اسی کو اختیار کیا ہے، گذشتہ اوراق میں امام ذہبی اور علامہ ابن حجر عسقلانی سے صراحت گذر چکی ہے، اور ان کی عبارتیں بھی نقل کی جا چکی ہیں۔ افتتح دولته بمقتل الحسين الشهيد (سیر اعلام النبلاء) قتل الحسین واخوانہ وآلہ۔ (تاریخ الاسلام)

اس جگہ حافظ ابن حجر عسقلانی کا فیصلہ سنئے! وكان منهمكاً في لذاته ومقته اهل الفضل بسبب قتله الحسين ثم بسبب وقعة الحرة۔

(تعجیل المنفعۃ ۸۵۳ تحقیق محمد عوامہ)

''وہ اپنی لذتوں میں غرق رہتا تھا، اہل کمال نے اس کو پسند نہیں کیا ہے حضرت حسین کے اس کے قتل کرنے کی وجہ سے، پھر اس کے بعد واقعۂ حرہ کی وجہ سے بھی''۔ اور محقق ابن کثیر بھی لکھتے ہیں، وقد تقدم انه قتل الحسين واصحابه على يدى عبيد الله بن زياد۔ (البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۳۱۳)

اور پہلے گذر چکا کہ یزید ہی نے حضرت حسین اور ان کے ساتھیوں کو عبید اللہ بن زیاد کے ہاتھوں قتل کیا ہے، یہ تصریحات سب کی سب علمائے شریعت کی ہیں جو یزید کو قتل حسین سے بری ماننے سے روکنے کے لئے کافی ہیں۔ (کردار یزید ص ۵۹/۶۰)

میں عرض کرتا ہوں، کہ اگر عدالت میں منصف کے سامنے ملزم کو بری کرنے والی

شہادت پیش کی جائے اور الزام عائد کرنیوالی بھی، اور الزام عائد کرنے والی شہادتوں میں کافی جھول موجود ہو، تو منصف ملزم کو بری کرے گا کہ نہیں؟ اور جب بری کردے گا تو ملزم کو مجرم کہنا تو درکنار ملزم کہنا بھی درست نہ ہوگا۔ مولانا نے علامہ ذہبی، ابن جریر، اور ابن کثیر کے جو اقوال نقل فرمائے ہیں، تو ان سے انھیں کے الفاظ میں سوال ہے کہ انھوں نے کیا اس واقعہ کے لئے کوئی قابل اعتماد سند ذکر کی ہے؟ اگر کوئی قابل اعتماد سند ہے تو پیش فرما کر اس سند کے راویوں کی حیثیت واضح فرمادیں''۔

(کردار یزید ص ۵۷)

یقین مانیں! ہمیں قبول کرنے میں ادنی سا بھی کوئی تامل ہرگز نہ ہوگا، اور اگر نہیں کر سکتے تو ان کے پیش کردہ سبائی راویوں کی روایتوں پر ہم اپنے عقیدے کی عمارت ہرگز کھڑی نہیں کر سکتے، یہ طرز عمل انھیں کو مبارک ہو

مولانا طاہر صاحب کی بے انصافی

اور مولانا کا یہ کہنا کہ حضرت اعظمی علیہ الرحمہ نے ''صرف ابن کثیر کی نقل اور تاریخی بے ثبوت ایک روایت کو دلیل بنادیا ہے''۔ (کردار یزید ص ۵۷)

مولانا کی بے انصافی کا ترجمان ہے، کیونکہ جو روایت مولانا کی من پسند ہو چاہے جلے بھنے رافضی سبائی کی ہو مولانا انھیں سینے سے لگانے کے لئے اپنے بازو کشادہ رکھیں؟ اور ہم غیر سبائی راوی کی کوئی روایت پیش کریں تو مولانا سندی حیثیت کے مطالبے کے لئے ڈھول بجانے لگیں؟ یہ کھلی ہوئی بے انصافی نہیں ہے تو اور کیا ہے؟ حضرت اعظمی رحمۃ اللہ علیہ نے بوقت موت یزید کی دعاء والی جو روایت پیش کی ہے اس کی سند میں صرف اتنا لکھا ہے قال عبد الرحمن بن ابی مدعور، حدثنی بعض اهل العلم۔ میں بھی مانتا ہوں کہ صرف اتنا لکھنے سے سند ثابت نہیں ہوتی، لیکن جہاں مولانا

بے سروپا روایتوں کو یزید کے خلاف دھڑا دھڑ قبول کئے جا رہے ہیں، وہاں ہمیں اتنی تو اجازت ملنی چاہئے، کہ ان واہیات روایتوں کے مقابلے میں کم ضعیف سند کی کوئی روایت پیش کرسکیں، پھر یہ بھی دیکھنا ہے کہ الزام لگانے والے راوی جعلساز بھی ہیں، وہ تو یزید کو بدنام کرنے کے لئے کوئی بھی جعلی روایت بنا کر لا سکتے ہیں، یا کوئی روایت ان سے ہو کر منظر عام پر آئے تو وہ اس میں کمی بیشی کر کے اپنا مطلب پورا کر سکتے ہیں، یزید کی برأت پیش کرنے والی روایتوں کے راوی ایسا کیوں کریں گے؟ وہ تو بس جو روایت ان تک پہونچی ہے، اسے بکمالہ وبتمامہ دوسروں تک پہونچانے کا کام کرتے ہیں اس عمل سے ایسے راویوں کا کوئی من پسند عقیدہ متعلق نہیں ہوتا، جب کہ سبائی راوی اپنے عقیدے کی اشاعت کے لئے اصل روایت کے ساتھ کسی بھی قسم کی چھیڑ چھاڑ کو اپنا جماعتی اور مذہبی فریضہ سمجھتے ہیں، مولانا گیاوی صاحب نے امام ذہبی کی عبارت پیش کی ہے کہ افتتح دولته بمقتل الحسين الشهيد اپنی حکومت کا آغاز حضرت حسین کے قتل سے کیا''۔

تو عرض ہے، کہ دنیا جانتی ہے کہ یزید مسند امارت پر رجب میں بیٹھا ہے، حضرت حسین رضی اللہ عنہ، اوائل شعبان میں مکہ تشریف لے آئے ہیں، پھر ۸/ یا ۱۰ ذی الحجہ کو مکہ سے کوفی سبائیوں کے بلاوے پر نکلے ہیں، چار ماہ تک حضرت حسین مکہ میں رہے علامہ ذہبی ہوں یا کوئی اور، کہیں سے بھی کوئی روایت پیش تو کریں کہ اس وقفے میں یزید نے یا اس کے عامل مکہ سعید بن عمرو نے حضرت حسین سے کوئی تعرض کیا ہو، پھر حضرت حسین کو سبائیوں نے باصرار تام بلایا، پھر ان کے ساتھ نہ صرف غداری کی بلکہ ان کے قاتلوں کی صف اول میں کھڑے بھی رہے، نام بنام حضرت حسین نے انھیں پکار کر یاد دلایا کہ شبث ابن ربعی! حجار ابن ابجر! قیس بن اشعث! تم نے ہی تو مجھے

یہاں اصرار سے بلایا تھا، اب یہ کیا کر رہے ہو؟ یزید وہاں سے پندرہ دنوں کے فاصلے پر شام میں ہے، کوئی حکم بھیجنا بھی چاہے تو اسے یہاں آنے میں کافی وقت لگ جائے گا، ان تمام قرائن کو بالکل نظر انداز کر کے علامہ ذہبی کا یہ کہنا کیسے درست مان لیا جائے کہ یزید نے اپنی حکومت کا افتتاح حضرت حسین کے قتل سے کیا؟ ہاں اندھیر نگری کا قانون نافذ کر دیا جائے تو اور بات ہے، مولانا طاہر گیاوی صاحب نے ابن کثیر کے حوالے سے یزید پر قتل سیدنا حسین وآل حسین کا الزام رکھا ہے تو شاید انہیں ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کی یہ بات یاد نہیں رہی کہ ''وليس كل ذالك الجيش راضياً بماوقع من قتله، بل ولا يزيد بن معاوية رضى بذالك والله اعلم، ولا كرهه والذى يكاد يغلب على الظن ان يزيد لو قدر عليه قبل ان يقتل لعفاعنه كما اوصاه بذالك ابوه وكما صرح هو به مخبراً عن نفسه بذالك "۔ (البدایہ ج۸ص۲۰۲)

پورا لشکر حضرت حسین کے قتل سے راضی نہیں تھا، خود یزید بن معاویہ نے اس کو پسند نہیں کیا واللہ اعلم، اس نے اسے مکروہ بھی نہیں سمجھا، اور جو بات گمان پر غالب آتی ہے وہ یہ ہے کہ اگر حضرت حسین کے قتل سے پہلے یزید کا بس چلتا تو وہ انھیں معاف کر دیتا، جیسا کہ اس کے والد محترم نے اسے وصیت فرمائی تھی اور جیسا کہ اس نے خود کھول کر اپنے بارے میں یہ بات کہی''۔

اسی سے دو سطر پہلے علامہ ابن کثیر نے یہ بھی لکھا ہے کہ اكثر الائمة قديماً وحديثاً كاره ماوقع من قتله وقتل اصحابه سوى شرذمة قليلة من اهل الكوفة قبحهم الله واكثرهم كانوا قد كاتبوه ليتوصلوا به الىٰ اغراضهم ومفاسدهم الفاسدة۔ (ابن کثیر ج۸ص۲۰۲)

جدید وقدیم اکثر ائمہ اس واقعۂ قتل کو ناپسند سمجھتے ہیں، بس تھوڑی سی اہل کوفہ کی ٹکڑی

ہے اللہ ان کا برا کرے وہی اس سے خوش ہے، حالانکہ انہیں کے اکثر لوگوں نے حضرت حسین کو خطوط لکھے، تاکہ حضرت حسین کے ذریعے وہ لوگ اپنے اغراض اور فاسد مقاصد تک پہونچ سکیں''۔ یہی علامہ ابن کثیر قتل حسین کے الزام سے یزید کی صفائی پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں، ولما خرج اهل المدينة عن طاعته وخلعوه وولوا ابن مطيع وابن حنظلة لم يذكروا عنه وهم اشد الناس عداوة له الاما ذكروه من شرب الخمر وايتانه بعض القا ذورات''۔

(ابن کثیر ج۸ص۲۳۲)

اہل مدینہ نے جب یزید کی بیعت توڑی، اور اس کی اطاعت چھوڑی اور ابن مطیع اور ابن حنظلہ کو اپنا امیر بنایا، تب بھی انھوں نے یزید کے تعلق سے قتل حسین کا ذکر نہیں کیا جب کہ یہ لوگ اس کے سب سے زیادہ بڑے مخالف تھے، ہاں انھوں نے یزید کی شراب نوشی اور کچھ دوسرے معائب ذکر کیا تھا''۔

علامہ ابن کثیر علیہ الرحمہ کا اعتراف

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پھر علامہ ابن کثیر نے خود یزید پر قتل حسین کا الزام کیوں لگایا تو اس کی وجہ دوسری ہے، خود ابن کثیرؒ کی زبان سے سن لیجئے!

'' وللشيعة والرافضة فى صفة مصرع الحسين كذب كثير واخبار باطلة وفيما ذكرنا كفاية وفى بعض ما اورد ناه نظر، ولولا ان ابن جرير وغيره من الحفاظ والائمة ذكروه ما سقته واكثره من رواية ابى مخنف لوط بن يحيىٰ وقد كان شيعيًا وهو ضعيف الحديث عند الائمة ولكنه اخبارى حافظ، عنده من هذه الاشياء ماليس عند غيره ولهذا يترامىٰ عليه كثير من المصنفين فى هذا الشان ممن بعده والله اعلم۔ (البدایہ ج۸ص۲۰۲)

شہادت حضرت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ، کے بیان میں شیعوں اور رافضیوں کے پاس بہت جھوٹ اور باطل خبریں ہیں، ہم نے جو بیان کیا اس میں کفایت ہے، اور جو روایتیں ہم نے نقل کیں ان میں سے بھی بعض میں نظر ہے، اور اس کی اکثر روایات ابومخنف لوط بن یحیٰی کے حوالے سے ہیں، جو شیعہ تھا اور ائمہ کے نزدیک ضعیف ہے، لیکن یہ اخباری حافظ ہے، اور اس کے پاس ایسی روایتیں ہیں جو دوسروں کے پاس نہیں ہیں، اسی لئے بعد کے بہت سے مصنفین اس باب میں اس کی روایتیں لینے پر مجبور ہوئے ہیں''۔

علامہ ابن کثیر نے علت بیان فرمادی کہ میرا خیال انہیں روایات کی بنا پر قائم ہے، جو ابومخنف جیسے راویوں سے مروی ہیں، اور میں یہاں پھر ایک بات کی وضاحت ضروری سمجھتا ہوں کہ حافظ ابن حجر ہوں یا امام ذہبی وعلامہ ابن کثیر، ان بزرگوں کی یہ رائیں ابومخنف وغیرہ جیسے سبائی راویوں کی خبروں سے ہی بنی ہیں کیونکہ یہ بزرگ، نویں اور آٹھویں صدی ہجری کے بزرگ ہیں، ان میں اور واقعہ کے حدوث میں سات آٹھ سو سال کا فاصلہ ہے، اس لئے جب تک یہ بزرگ اپنی رایوں کے اثبات کے لئے کوئی غیر مخدوش صحیح روایت پیش نہیں کرتے، تب تک ان کی رایوں پر بھی سوالیہ نشان علی حالہ قائم رہے گا، اور اگر ہمیں ابومخنف وغیرہ کی کوئی روایت اس کے خلاف مل جائے تو وہ برأت یزید کے حق میں ٹھوس گواہی مانی جائے گی، کیونکہ قاعدہ ہے کہ

ع مدعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری

محترم مولانا گیاوی صاحب لکھتے ہیں، علامہ ابن اثیر علیہ الرحمہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ، کا ایک خط یزید کے خط کے جواب میں نقل فرمایا ہے، اس کو پڑھئے! یزید کا خط اور حضرت عبداللہ بن عباس کا جوابی خط نقل کرنے میں طوالت ہوگی، اس

جگہ میں صرف حضرت عبداللہ بن عباس کے خط سے خاص خاص الفاظ نقل کرنے پر اکتفا کرتا ہوں، جس کو دونوں خط دیکھنے کا شوق ہو وہ ابن اثیر کی تاریخ کامل کی طرف رجوع فرمائیں۔(میں صرف مولانا کا ترجمہ نقل کرتا ہوں، عطا)

''کس منہ سے تو یہ بات کر رہا ہے جب کہ تو نے ہی حضرت حسینؓ کو شہید کیا، اور عبدالمطلب کے نوجوانوں کو بھی قتل کیا جو، ہدایت کے چراغ اور رہنماؤں کے ستارے تھے، ان کو تیرے گھوڑوں نے تیرے حکم سے روند کر چھوڑا ایک زمین میں، حالانکہ وہ خون سے لت پت چٹیل میدان میں برہنہ حالت میں اور شدت پیاس سے مقتول پڑے تھے، ان کو کفن بھی نصیب نہ تھا''۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ، کا یہ خط صرف تاریخی سند سے مروی نہ ہوتا تو پورے وثوق کے ساتھ کہہ سکتے تھے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ، کا قتل یزید نے کرایا تھا، کیونکہ قد قتلت حسیناً وفتیان عبد المطلب اور بامرك فی صعید واحد کے الفاظ جو عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول الفاظ، بالکل قتل کی نسبت اور حکم دینے کو صاف صاف یزید کو مجرم بنانے کا تقاضا کرتی ہیں، (بلاشبہ اردو بہت شاندار ہے۔عطا) اور اس خط کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ، سے منسوب وثابت نہ ماننے کی کوئی معقول وجہ بھی نہیں ہے، سوا اس کے کہ کہہ دیا جائے کہ یہ ایک تاریخی روایت ہے، جس کی نہ کوئی قابل اعتماد سند ہے، نہ اس سند کے رجال کا کوئی حال معلوم ہے''۔ (کردار یزید ص ۶۱/۶۲)

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کے خط کی حقیقت

میں عرض کرتا ہوں کہ جب مولانا خود اس روایت کو غیر مستند قرار دے رہے ہیں، تو پھر

انھوں نے اپنی کتاب میں اس کو جگہ کیوں دی؟ کیا یہ سوچ کر کہ سکہ کھوٹا سہی ہاتھ پر رکھ تو دو صاحب معاملہ کی توجہ اس طرف نہ گئی اور بے دھیانی میں اس نے قبول کر لیا تو اپنا کام چل جائے گا؟

مولانا نے خود اپنی کتاب کے ص ۶۱ کے حاشیے پر لکھا ہے ''یزید اور ابن عباس کے دونوں خطوط مجمع الزوائد ج ۷ ص ۲۵۰/۲۵۱ پر بحوالہ طبرانی منقول ہیں، علامہ نورالدین ہیثمی فرماتے ہیں، رواہ الطبرانی وفیہ جماعۃ لم اعرفہم (مجمع الزوائد ج ۷ ص ۲۵۲/ الطبرانی المعجم الکبیر ج ۱۰/ص ۲۴۱/تا ۲۴۳)'' (حاشیہ بر کردار یزید ص ۶۱)

مولانا نے علامہ ہیثمی کی عبارت کا ترجمہ کسی مصلحت سے چھوڑ دیا ہے، ترجمہ یہ ہے ''اس روایت کو طبرانی نے مروی کیا ہے اور اس کی سند میں ایک ایسی جماعت ہے، جس کو میں نہیں جانتا'' میں کہتا ہوں سبائی شاطروں کا یہی تو وطیرہ ہے کہ وہ اپنی بات کہنے کے لئے بزرگوں کا نام استعمال کرتے ہیں، جب یہ روایت گمنام راویوں کی پوری جماعت کے گلیارے سے ہو کر سامنے آ رہی ہے تو اسے حجت بنانا تو بہت دور رہا، اس پر اعتماد کرنا بھی مشکل ہے، پانی چاہے زمزم کا ہو اگر کسی ایسے پائپ سے ہو کر آ رہا ہے جس میں گندگی پڑی ہے، تو کون کمبخت اسے منہ لگانے کا روادار ہوگا؟ ہاں! ہمارے علامہ کی بات الگ ہے، ان کا اصول مناظرہ انہیں بتاتا ہے، کہ واسطہ خواہ کتنا ہی سڑا گلا کیوں نہ ہو بس بات اپنے مطلب کی ہونی چاہیئے، نہ صرف اسے قبول کر لو! بلکہ اس دلدلی زمین پر مفروضوں کی عمارت کھڑی کرنے میں لگ جاؤ! ورنہ جو روایت خود بقول مولانا ثابت ہی نہیں ہے، اس کی بنیاد پر مولانا کو یہ کہنے کا حق کیسے حاصل ہو گیا؟ کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا قتل یزید نے کرایا تھا''۔ (کردار یزید ص ۶۱)

میرے پاس طبرانی کا جونسخہ ہے اس میں یہ روایت ۱۰۵۹۰/ کے تحت ج ۱۰ص ۲۹۶ سے ۲۹۹ کے آغاز تک گئی ہے اسی میں علامہ ہیثمی کا یہ قول ص ۲۹۶ کے حاشیے پر ہے کہ ''اس میں ایک ایسی جماعت ہے جس کو میں نہیں جانتا''۔

ابتدائی سند کا بیان یوں ہے: حدثنا احمد بن حمدان بن موسی الخال التستری ، ثنا علی بن حرب الجند یسابوری ، ثنا اسحاق بن ابراھیم بن داحة ثنا ابو خداش عبد الرحمن بن طلحةبن یزید بن عمر و بن الاھتم التمیمی ثنا ابان الولید قال:

مجمع الزوائد میں یہ روایت ابان الولید کے واسطے سے ہے جو میرے پاس موجود نسخہ کے ج ۱۵/ص ۲۱۲ پر ختم ہوئی ہے اس میں علامہ ہیثمی فرماتے ہیں وفیہ جماعة لم اعرفھم اور مجمع الزوائد کے محققین اس کے حاشیے پر طبرانی کی روایت کے روایوں کا نام لکھ کر کہتے ہیں، وھذا سناد مسلسل بالمجاھیل ، یہ سند مسلسل گمنام اور مجہول راویوں پر مشتمل ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۱۵ص ۲۱۲)

مولانا طاہر صاحب کی زبردستی اور اس کا جواب

اب عرض ہے کہ مولانا کی دلیل دیکھئے! مولانا کہتے ہیں کہ ''تاریخی شہادت تو بالکل صاف اور اسی کے اصل مجرم ہونے کی بھی موجود ہے''۔ (کردار یزید ص ۶۰)

قارئین کرام ہی انصاف فرمائیں! کیا مولانا کی اس پیش کردہ روایت سے واقعی یزید کے اصل مجرم ہونے کا پتہ چل رہا ہے؟ یا مولانا آسمان میں ہل چلانے کی سعی بلیغ فرمارہے ہیں؟ اب ہمیں بھی کہنے کا موقع دیجئے کہ ؎

گر ہمیں شاہد و ہمیں قاضی روئے انصاف کس نخواہد دید (از عطا)

ذرا آگے مولانا کی شاندار دلیل بھی ملاحظہ فرمائیے! لکھتے ہیں:

''میں تو صرف اتنا کہنا چاہتا ہوں کے (کہ، عطا) یزید کو بری کرنے والے اس کے حمایتی جو یزید کو بالکل کلین چٹ دے رہے ہیں ان کے پاس کوئی معتبر سند اور صحیح روایت ہے؟ تو وہ بھی تو سامنے لائیں تاکہ سب پر غور کیا جائے یا صرف ان کے ہاتھ میں اس سے بھی زیادہ کمزور اور غیر معتمد صرف تاریخی روایت یا صرف چند علماء کے اقوال ہیں جن کو محقق محقق کہہ کر صرف رعب جمارہے ہیں اور حقیقت میں اس قول میں کوئی دم نہیں''۔ (کردار یزید ص ۶۲)

اب اس الٹی کھوپڑی والے علامہ کو کون سمجھائے، کہ وہ جاہلوں کی سی گفتگو نہ کریں، الزام لگانے وہ بیٹھے ہیں، اور دفاع کی صحیح دلیل ہم ان کے آگے رکھیں؟ جب صحیح دلیلوں سے ان کی جیب خالی تھی، تو جھوٹ موٹ پانچواں سوار بننے میدان میں کیوں کود پڑے؟ کوئی انھیں سمجھائے کہ ہٹ دھرمی کا نام دلیل نہیں ہوتا، ایک بھی صحیح روایت یزید کی تفسیق میں انھوں نے اب تک پیش نہیں کی ہے؟ نہ ان سے قیامت تک یہ کام ہو پائے گا اور مولانا ہمیں رعب جمانے کا کا الزام دے رہے ہیں، اب تک علامہ ذہبی، ابن حجر ابن کثیر کے نام سے کون رعب جمارہا تھا،؟ اپنی باری آئی تو آئیں بائیں شائیں کرنے لگے؟ ہم پھر صاف صاف کہتے ہیں یہ کام مولانا اور ان کے ہمنواؤں کا ہے کہ وہ یزید کے جرم کا صحیح اور قطعی ثبوت پیش کریں، امت پر یہ انکا احسان ہوگا کہ خواہ مخواہ ایک بے فائدہ قضیے سے امت کو نجات مل جائے گی، اور ہمیں بھی سر تسلیم خم کرنے میں کوئی حجاب قطعی نہ ہوگا، لیکن اگر وہ اپنے دعوے کو ہی وحیٔ الٰہی کا درجہ دینے پر مُصر ہیں تو ہم عرض کریں گے، کہ یہ طرز انھی کو مبارک ہو ہم بے وجہ کسی پر

الزام عائد کرنے میں ان کی تو کیا کسی کی بھی موافقت ہرگز نہیں کر سکتے۔

محترم مولانا طاہر صاحب نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ، کے نام سے تصنیف کردہ جعلی خط سے یہ دکھانا چاہا تھا، کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ، یزید کو سیدنا حسین رضی اللہ عنہ، کا قاتل سمجھتے تھے، جب کہ یہ حقیقت کے برعکس ہے، کیونکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ، نے مکہ سے چلتے وقت کوفیوں کی غداری کا حوالہ دے کر انھیں روکنے کی حتی المقدور کوشش فرمائی تھی، انھوں نے یہ بھی کہا تھا کہ آپ حضرت سیدنا عثمان کی طرح بیوی بچوں کے سامنے شہید کر دیئے جائیں گے، پھر انھوں نے یہ بھی فرمایا تھا کہ ابن زبیر! لو! حسین تمہیں اور حجاز کو چھوڑ کر جا رہے ہیں۔ ممکن نہیں ہے کہ حضرت ابن عباس سارے حالات کو دیکھتے ہوئے یزید کو قاتل حسین مان لیں۔ اور روایت کی سند میں مجہول راویوں کی پوری جماعت بھی پڑی ہوئی ہے، مگر کیا کریں؟ ہمارے علامہ کو ایسی ہی روایتیں پسند آتی ہیں، وللناس فیما یعشقون مذاهب،

حضرت ابن عباسؓ کا بیان کہ یزید نیک ہے

لیکن ہم دکھاتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ، نے یزید کی تعریف فرمائی ہے، اور اسے صالح قرار دیا ہے۔ (انساب الاشراف میں ہے: المدائنی عن عبد الرحمن بن معاویة قال : عامر بن مسعود الجحمی (آگے ترجمہ پیش ہے) ہم مکہ میں تھے کہ حضرت معاویہ کے انتقال کی خبر دینے والا ہمارے پاس سے گذرا، ہم ابن عباسؓ کے پاس گئے، وہ مکہ میں تھے، آپ کے پاس ایک جماعت تھی، دسترخوان لگا تھا کھانا نہیں آیا تھا، ہم نے ان سے کہا: ابن عباس! معاویہ کے انتقال کی خبر آئی ہے، ابن عباسؓ بہت دیر تک خاموش رہے، پھر فرمایا اے اللہ معاویہ کے لئے کشادگی فرما! خدا کی قسم ان جیسا نہ پہلے کوئی تھا نہ ان کے بعد آئے گا، اور ان کا لڑکا یزید انکے گھر

والوں میں سے نیک لوگوں میں ہے، تم اپنی مجلسوں میں رہو اور اپنی اطاعت اور بیعت اسے دو، اے لڑکے کھانا لاؤ، کہتے ہیں اسی وقت خالد بن العاص کا قاصد آیا، وہ مکہ میں انھیں بیعت کے لئے بلا رہے تھے، فرمایا ابھی اپنا تقاضہ پورا کر لو میں شام کو آؤنگا قاصد لوٹ گیا، پھر آ کر بولا آپکی حاضری ضروری ہے، آپ تشریف لے گئے، اور یزید کے لئے بیعت کر لی۔ (انساب الاشراف ج۵ص۲۰۲/۳۰۳)

محترم مولانا سید طاہر حسین صاحب لکھتے ہیں:

محقق ابن کثیر نے یزید کا قتل حسین سے بالکل بری ہونا تسلیم نہیں کیا ہے اور دونوں قسم کی روایتوں کو ذکر کیا ہے وہ بھی لکھتے ہیں:

ان یزید فرح بقتل الحسین اول ما بلغه ، ثم ندم علیٰ ذالك ۔

(البدایہ والنہایہ ج۸ص۳۲۷)

بیشک یزید خوش ہوا جب حضرت حسین کے قتل کی پہلی خبر پہونچی، اس کے بعد اس بات پر نادم ہوا۔ بلکہ جس روایت میں یزید کے عبداللہ بن زیاد سے ناخوش ہونے اور اس پر لعنت بھیجنے کا ذکر ہے خاص اس روایت میں یہ الفاظ موجود ہیں۔

بل ابیٰ علیه وقتله فبغضنی بقتله الی المسلمین وزرع لی فی قلوبهم العداوة فابغضنی البرو الفاجر بما استعظم الناس من قتلی حسیناً ، ما لی ولا بن مرجانة لعنه الله وغضب علیه ۔

البدایہ والنہایہ ج۸ص۲۳۷)

بلکہ عبیداللہ بن زیاد نے حضرت حسین کی درخواست سے انکار کر دیا، اور قتل کر ڈالا، ان کے قتل کے وجہ سے تمام مسلمانوں میں مجھ کو مبغوض بنایا

اور مسلمانوں کے دلوں میں میری عداوت کا بیج ڈال دیا، ہر نیک و بد نے مجھے مبغوض بنایا، اور میرے حضرت حسین کے قتل کرنے کو لوگوں نے بہت بڑی بات بنایا، اس لئے ابن مرجانہ یعنی عبید اللہ بن زیاد سے میرا کیا تعلق اللہ اس پر لعنت کرے''۔۔۔''یہ یزید کا اپنا بیان ہے جس میں من قتلی حسیناً موجود ہے، اگر چہ اسی عبارت میں قتل کی نسبت اس سے پہلے عبد اللہ (عبید اللہ، عطا) ابن زیاد کی طرف بھی کی ہے، بعد میں اس کی نسبت اپنی طرف بھی کرنی پڑی ہے، کیونکہ یہی لوگ مانتے جانتے تھے، اس بات کو بہت بڑی بات سے تصور کرتے تھے، کام نکل جانے اور قصہ تمام ہو جانے پر اب ہر ایک دوسرے پر الزام رکھتا اور لعنت اور ملامت کرتا تھا''۔ (کردار یزید ص ۶۲/۶۳)

مولانا طاہر صاحب کا غلط ترجمہ

عرض ہے کہ یہ ایک ہی روایت ہے جسے مولانا نے دو ٹکڑوں میں نقل کر کے اس سے مناظرانہ استنباط فرمایا ہے، پہلی بات تو یہ ہے کہ میرے خیال سے پہلے ٹکڑے کا ترجمہ مولانا نے درست نہیں کیا، انھوں نے لکھا ہے ''قتل کی پہلی خبر پہونچی'' حالانکہ صحیح ترجمہ یہ ہونا چاہئے کہ قتل کی خبر پہونچی تو یزید پہلے تو خوش ہوا پھر نادم ہوا۔ دوسری بات یہ ہے کہ جس روایت میں خوش ہونے کی بات ہے اس کو مؤرخین نے ''قیل'' سے بیان کیا ہے یعنی خوش ہونے کی بھی روایت ہے لیکن کمزور ہے اور مؤرخین کا کام چونکہ ہر طرح کی روایتوں کو جمع کر دینا ہے، خواہ ابو مخنف، غلابی واقدی یا کسی کی بھی ہو،، اس لئے انھوں نے اس روایت کو بھی اپنی کتاب میں درج کر دیا، اب یہ استدلال کرنے والے پر موقوف ہے کہ وہ استدلال کے لئے کس طرح کی روایت کا انتخاب کرتا ہے

اور میں کہتا ہوں، کہ مکھی پورے جسم کے صرف زخم والے حصے کو پسند کرتی ہے، جسم کا صحت مند حصہ اسے پسند نہیں آتا، مولانا غیر جانبدارانہ تحقیق کا دعویٰ بھی کر رہے ہیں، اور صرف سڑی گلی، روایتوں کو اپنا مستدل بھی بنا رہے ہیں، تو اس سے ان کے جذب دروں کا اندازہ کیا جا سکتا ہے، تیسری بات یہ ہے کہ دوسرے ٹکڑے میں مولانا کو ''قتلی حسینا'' کا لفظ مل گیا تو مولانا کی باچھیں کھل گئیں کہ لیجئے! اب تو یزید نے اپنے ''جرم عظیم'' کا اعتراف بھی کر لیا، لیکن میں عرض کرتا ہوں کہ

سخن شناس نۂ دلبرا خطا اینجاست

مولانا کو چاہئے کہ پہلے سخن فہمی کی استعداد پیدا کر لیں، پھر نتیجہ نکالنے کی زحمت فرمائیں ''قتلی حسینا'' کی عبارت بالفرض درست ہو تو اس عبارت میں یزید نے لوگوں کا خیال بیان کیا ہے کہ لوگ مجھے یزید کا قاتل مان بیٹھے،، نہ کہ اپنے قتل حسین کا اعتراف کیا ہے، چنانچہ الکامل ج ۳ ص ۴۴۰ میں ابن اثیر نے اس روایت کو ''قیل'' سے بیان کر کے ''بما استعظموہ من قتل الحسین'' کا لفظ استعمال کیا ہے، یعنی اس روایت کے مطابق راوی کہتا ہے کہ لوگوں نے قتل حسین کو بہت بڑی بات بنا دیا، یہاں پر دیکھ لیا جائے کہ قتل حسین کی نسبت مطلق رکھی گئی ہے اور اس سے قبل کے ٹکڑے میں ''بقتلہ'' کا لفظ اشارہ کر رہا ہے کہ اگر یہ روایت درست بھی ہو تو اس میں قتل کی نسبت ابن زیاد کی طرف کی گئی ہے، نہ کہ یزید کی طرف، اب مولانا جو مناظرانہ استنباط فرما رہے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ مولانا زمین حاصل کرنے سے قبل ہی اس پر مکان تعمیر کرنے کے عادی ہو چکے ہیں، چاہے تعمیر مکمل ہونے کے بعد مالک زمین، اس کو زمین کے برابر کر کے ہر جانے کا دعویٰ ہی کیوں نہ کر دے؟

محترم مولانا سید طاہر حسین صاحب گیاوی لکھتے ہیں:

''خود عبید اللہ بن زیاد بھی بقول ابن کثیر علیہ الرحمہ یزید کو فاسق ہی کہتا اور سمجھتا تھا، مولانا حبیب الرحمٰن بھلے ہی یزید کو فاسق کہنے میں شک اور تردد کا اظہار کرتے ہوں، لیکن عبید اللہ بن زیاد کو اس میں کوئی تذبذب یا تردد بالکل نہ تھا، ابن کثیر تنہا نہیں، بلکہ علامہ ابن اثیر علیہ الرحمہ بھی نقل فرماتے ہیں، وقد کان یزید کتب الی عبید الله بن زیاد ان یسیر الیٰ ابن الزبیر فحصره بمکةفابیٰ علیه وقال والله لا اجمعهما للفاسق ابداً ، اقتل ابن بنت رسو ل الله صلی الله علیه وسلم واغزو البیت الحرام ؟ وقد کانت امه مر جانة قالت له حین قتل الحسین ویحك ما ذا صنعت وما ذا رکبت وعنفته تعنیفاً شدیداً ۔ (البدایہ والنہایہ ج۸ص۳۰۹)

''یزید ابن معاویہ نے عبید اللہ بن زیاد کو لکھا تھا کہ وہ عبد اللہ بن زبیر کی طرف نکلے، مکہ میں ان کا محاصرہ کرے، لیکن اس نے یزید کا انکار کیا اور کہا، خدا کی قسم میں دونوں بات اس فاسق کے لئے جمع نہیں کرونگا، نبی کے نواسے کو قتل بھی کروں، اور بیت اللہ پر فوج کشی بھی کروں؟ عبید اللہ بن زیاد کی ماں مرجانہ نے کہا، جس وقت حضرت حسین کو اس نے شہید کیا تھا تیرا ناس ہو! یہ تو نے کیا کیا، اور کیسا کام کر ڈالا، اور ماں نے بہت سخت سست اس کو کہا تھا'' حافظ ابن کثیر علیہ الرحمہ کی منقولہ بالا روایت سے صرف عبید اللہ بن زیاد کا یزید کو فاسق کہنا یا سمجھنا نہیں ثابت ہوا بلکہ اس کے الفاظ لا اجمعهما للفاسق ابداً اقتل ابن بنت رسول الله صلی الله علیه وسلم واغزو البیت الحرام سے صاف صاف یہ بھی

ثابت ہوا کہ اس نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا قتل بھی یزید کی مرضی اور حکم سے کیا تھا، ورنہ فاسق کے لئے دونوں باتوں کے جمع کرنے کے کوئی معنی ہی نہ ہونگے''۔

(کردار یزید ص۶۳/۶۴)

ابن زیاد کے یزید کو فاسق کہنے کی روایت

میں نے عرض کیا تھا کہ مولانا کو جہاں اپنے مطلب کی زمین دکھائی دیتی ہے بس تعمیر شروع کر دیتے ہیں، یہ بھی نہیں دیکھتے کہ زمین ان کی ہے بھی یا نہیں؟ اسی روایت کو دیکھ لیجئے! روایت ابھی محتاج ثبوت ہے، اور جناب اس سے صاف صاف ثابت کرنے میں لگ گئے کہ ابن زیاد نے حضرت حسین کا قتل بھی یزید کی مرضی اور حکم سے کیا تھا، لوگ کہتے ہیں گرم گرم کھانے سے منہ جل جاتا ہے، اور یہی مولانا کے ساتھ ہوا ہے، مولانا نے جو عبارت البدایہ سے پیش کی ہے اور اس کے لئے الکامل کا بھی حوالہ دیا ہے تو ہم نے الکامل دیکھی وہاں ج۳ص۴۴۰ پر یہ مضمون تو ہے لیکن پورا مضمون نہیں ہے، البتہ طبری ج۵ص۴۸۳/۴۸۴ میں ابن جریر نے حدثنا ابن حمید قال حدثنا جریر عن مغیرہ سے یہ روایت نقل کی ہے، تو اس کی سند میں اصل راوی مغیرہ ابن مقسم الضبی ہیں، لیکن ان کی وفات ۱۳۶ھ میں ہوئی ہے، اور واقعہ ۶۳ھ کا ہے انھوں نے تو اس دور کو پایا نہیں کہ وہ اس کے متعلق کچھ بیان کر سکیں؟ اگر انھوں نے یہ بات کسی سے سنی ہے تو کس سے سنی اس کا نام انھوں نے بیان نہیں کیا، تو روایت کی سند میں انقطاع کی وجہ سے یہ روایت قابل حجت نہیں رہتی، اور علامہ طبری نے یہ روایت اپنے استاد ابن حمید سے لی ہے جس کو وہ سند میں بیان کر رہے ہیں، اور ابن حمید بہت بڑا کذاب راوی ہے۔ (التاریخ الکبیر ج۱ص۶۹)

امام بخاری فرماتے ہیں ''فیہ نظر'' اس میں نظر ہے، امام ابوحاتم فرماتے ہیں کذاب بڑا جھوٹا شخص ہے۔ (الضعفاء لابی زرعۃ الرازی ج۲ص۷۳۹)

علامہ ذہبی فرماتے ہیں ''متہم'' اس پر جعلی حدیث بنانے کا الزام ہے۔

(تلخیص کتاب الموضوعات للذہبی ص۳۵۰)

علامہ سیوطی فرماتے ہیں ''کذاب'' بہت بڑا جھوٹا ہے۔

(اللالی المصنوعہ فی الاحادیث الموضوعۃ ج۱ص۱۲)

علامہ ابن کثیر فرماتے ہیں ''وہو شیعی'' یہ شیعہ ہے۔ (البدایہ ج۱۱ص۵۵۷)

اب جس روایت کا یہ حال ہو کہ اس کا ابتدائی سرا جھوٹ متہم شیعہ راوی سے شروع ہوتا ہو، اور آخری سرے میں انقطاع پایا جائے، اہل علم سمجھ سکتے ہیں کہ وہ روایت کس درجہ قابل احتجاج ہوگی؟ لیکن ہمارے علامہ کو بس روایت میں اپنے مطلب کی بات ملنی چاہئے باقی رہا روایت کا بیمار ہونا، تو اس کے لئے مولانا کا شفاخانہ حاضر ہے،، مولانا اس بیمار روایت کو اپنے شفاخانے سے صحت کی سند عطا فرمادیں گے، اور یوں نا قابل احتجاج روایت بھی ان کے لئے قابل احتجاج ہو جائے گی، مولانا نے فرمایا ہے، ''ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ تنہا نہیں بلکہ علامہ ابن اثیر علیہ الرحمہ بھی نقل فرماتے ہیں''۔

ابھی گذشتہ صفحے میں مولانا فرما چکے ہیں:

''یا صرف ان کے ہاتھ میں بھی اس سے زیادہ کمزور غیر معتمد صرف تاریخی روایت یا صرف چند علماء کے اقوال ہیں جن کو محقق محقق کہہ کر صرف رعب جمارہے ہیں، اور درحقیقت اس قول میں کوئی دم نہیں''۔

(کردار یزید ص۶۲)

میں کہتا ہوں! مولانا سے پوچھا جائے کہ انھیں اپنی ہی کہی ہوئی بات یاد نہیں رہتی؟ جو

اگلے ہی صفحے میں ابن کثیر اور ابن اثیر کا نام لے کر رعب جمانے لگتے ہیں، بات مستند ہونے کی ہے، تو کوئی بھی کہے، مستند ہوگی ورنہ کیا علامہ ذہبی، ابن کثیر، ابن اثیر، ابن جریر، علامہ بلاذری اور ابن جریر کی کتابوں میں ابومخنف، ابن زکریا، ہشام، واقدی عوانہ بن الحکم سے مروی روایتیں نہیں ہیں؟ اور ہیں تو کیا انہیں صرف اس لئے قبول کرلیا جائے گا؟ اگر ہاں! تو پھر ان بزرگوں نے ان راویوں کے متعلق سخت کلمات کیوں استعمال فرمائے؟ خود علامہ ابن کثیر نے بھی یہ کیوں فرمایا کہ ہماری نقل کردہ بہت سی روایتوں میں ''نظر'' ہے؟

سر مبارک شام لے جایا گیا یا نہیں؟

محترم مولانا سید طاہر حسین صاحب، لکھتے ہیں، ''سر مبارک شام لے جایا گیا یا نہیں'' اسی نام سے مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب تبصرہ بر شہید کربلا و یزید کے ص۷۱ پر ایک عنوان قائم فرمایا ہے اور اس کے تحت رقم طراز ہیں ''نیز علماء کا اس میں بھی اختلاف ہے کہ شہید کربلا کا سر مبارک شام لے جایا گیا یا نہیں چنانچہ اس کو مہتمم صاحب (حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب) نے بھی تسلیم کیا ہے مگر اسکے بعد جو بات انھوں نے لکھی ہے وہ انکے علم وفضل کے بالکل منافی ہے، یعنی ابن کثیر نے لے جانے کو ترجیح دی ہے۔ دیکھو! ۲۰۴/۸ حالانکہ یہ ابن کثیر پر صریح افترا ہے، ابن کثیر نے اس کو اشہر (مشہور تر) ضرور کہا ہے اور اگر ۱۹۲/۸ کی عبارت میں تحریف نہیں ہوئی تو اظہر بھی کہا ہے، لیکن ہر چند کہ زیادہ مشہور اور زیادہ ظاہر ان کے نزدیک یہی ہے پھر بھی یہ صحیح نہیں ہے، بلکہ ان کے نزدیک صحیح یہ ہے کہ سر مبارک شام نہیں لے جایا گیا، چنانچہ وہ خود صراحۃً لکھتے ہیں والصحیح انہ لم یبعث براس الحسین الی الشام، یعنی صحیح یہ ہے کہ حضرت حسین کا سر شام نہیں بھیجا

گیا، اوراس بات کوحافظ ابن تیمیہ نے بھی لکھا ہے، اوراس کے خلاف کو باطل قرار دیا ہے جیسا کہ ابھی گذرا''۔ (تبصرہ برشہید کربلا ویزید ص ۷۱/۷۲)

اب مولانا لکھتے ہیں: ''جس بات کومولانا حبیب الرحمٰن اعظمی اور حافظ ابن تیمیہ نے صحیح قرار دیا ہے وہ خود باطل اور غلط ہے، صحیح اور ثابت شدہ حقیقت یہ ہے کہ سر مبارک شام بھیجا گیا تھا، ابن کثیر اور ابن حجر عسقلانی دونوں اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہیں، علامہ ابن تیمیہ منہاج السنۃ ج ۴ ص ۱۷۹ میں لکھتے ہیں،'' وراس الحسین حمل الی قدام بن زیاد وھو الذی ضربه بالقضیب علی ثنایاه وھو الذی ثبت فی الصحیح ، واماحمله الیٰ یزید بن معاویة فباطل واسناده منقطع۔

(تبصرہ برشہید کربلا ویزید ص ۷۱)

یعنی حضرت حسین کا سر ابن زیاد کے پاس لے جایا گیا تھا، اوراسی نے آپ کے دانتوں کو (کے۔عطا) ساتھ چھڑی سے گستاخی کی، یہی بات صحیح بخاری سے ثابت ہے اور یزید کے پاس سر مبارک لے جانے کی روایت باطل ہے اوراس کی اسناد منقطع ہے۔ مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی کا چونکہ مطلب نکلتا تھا،، اس لئے وہ بھی خاموشی سے چپی سادھ کر رہ گئے، وہ بھی نہ سند کا مطالبہ کر سکے اور نہ انقطاع کو بتا سکے کہ کن راویوں میں انقطاع ہے، منہاج السنۃ میں بھی اس مقام پر نہ کوئی روایت ہے، نہ اس کی سند کا کوئی ذکر ہے''۔ (کردار یزید ص ۱۴۱/۱۴۲)

ڈھٹائی کی حد ہے کہ مولانا گیاوی فرمارہے ہیں، کہ حضرت محدث اعظمی چپی سادھ کر رہ گئے''۔ میں کہتا ہوں کہ حضرت محدث اعظمی نور اللہ مرقدہ نے ابن تیمیہ کی عبارت پیش فرمائی تھی کہ ابن تیمیہ علیہ الرحمہ یزید کے پاس سر لے جانیوالی روایت کو منقطع

فرمارہے ہیں، اب اگر مولانا طاہر صاحب کے پاس اس کے خلاف سر لے جانے کی متصل روایت ہے تو انہیں اس روایت کو پیش کر کے اس کے رجال کی توثیق دکھانی چاہئے تھی، کہ دیکھئے یہ صحیح روایت ہے اوراس میں سر مبارک لیجائے جانے کا ذکر ہے، اس طرح علامہ ابن تیمیہ کی بات خود غیر معتبر ثابت ہو جاتی، لیکن مولانا اوران کے ہمنواؤں میں اتنا دم تو ہے نہیں کہ وہ ایسی کوئی روایت پیش کر کے اس کی صحت ثابت کر سکیں، اب الٹی گنگا بہانے پر تلے ہوئے ہیں۔

میں محترم مولانا سے عرض کرتا ہوں کہ وہ ایسی ایک بھی روایت پیش کر کے دکھائیں! ہم انشاء اللہ ثابت کر دیں گے کہ اس میں یا تو انقطاع ہے یا کوئی نہ کوئی شیعہ یا کذاب راوی اس میں ضرور پڑا ہوا ہے، یزید کے دربار میں سر لیجانے کا اثبات مولانا کے ذمہ ہے اور مولانا کہہ رہے ہیں کہ ابن تیمیہ اس کی سند ذکر فرمائیں، یہ انصاف کی دنیا کا کون سا قانون ہے؟ حضرت محدث اعظمی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک چونکہ امام ابن تیمیہ کا دعوی درست ہے اسی لئے حضرت نے اس کو دلیل کے طور پر ذکر فرمایا ہے اور ہم ایک بار پھر عرض کرتے ہیں، کہ یزید کے دربار میں سر مبارک لے جائے جانے کی متصل روایت پیش کی جائے، ہم انشاء اللہ اس کا انقطاع دکھائیں گے، یا پھر یہ دکھائیں گے کہ اس میں کون سا راوی شیعہ یا کذاب اور غیر معتبر ہے، علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے بھی روایتیں تھیں، اور بحیثیت مؤرخ انہیں ان روایتوں کو اپنی کتابوں میں درج بھی کرنا تھا، لیکن ان روایتوں کا انقطاع یا عدم استناد ان کے سامنے تھا، اسلئے انھیں روایتوں کو ذکر کرنے کے بعد فرمایا، کہ میرے نزدیک صحیح اور درست نظریہ یہ ہے کہ حضرت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کا سر مبارک شام نہیں بھیجا گیا تھا۔

علامہ ابن تیمیہ کے نزدیک بھی اس سلسلے کی روایات تھیں، لیکن چونکہ ان کے نزدیک

ان میں انقطاع تھا، اس لئے انھوں نے بھی منہاج السنۃ میں سر مبارک لے جائے جانے کی روایتوں کو منقطع قرار دے کر انھیں باطل کہا، اور اس کے مقابلے میں سر مبارک نہ لے جائے جانے کی روایت کی تصحیح اور توثیق فرمائی، اب مولانا کا بلا دلیل امام ابن تیمیہ اور محدث اعظمی علیہما الرحمۃ کے قول کو باطل کہنا مولانا کی زبردستی اور جرأت بیجا کے سوا کچھ نہیں ہے۔

محترم مولانا سید طاہر صاحب لکھتے ہیں۔ ''البتہ ابن کثیر علیہ الرحمہ نے جہاں لکھا ہے والصحیح انه لم یبعث براس الحسین الی الشام کماسیاتی۔ (ج۸ص۲۳۷)

اس کے پہلے ایک روایت نقل کی ہے جس میں سر مبارک کو شام بھیجنے کا تذکرہ ہے، اور وہ روایت آخر سند میں منقطع ہے، وہ روایت نقل کرنے سے پہلے ہم آپ سے گزارش کرتے ہیں کہ اس کتاب میں مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی کا کمال آپ ذہن نشین کرلیں، مولانا موصوف نے ابن کثیر سے والصحیح انه لم یبعث براس الحسین الی الشام تک کی عبارت نقل کردی ہے، اور آگے جو کماسیاتی کا جملہ تھا اس کو نقل نہیں فرمایا، بلکہ اس کو چھوڑ دیا، جس کی مصلحت بہتر وہی جانتے ہونگے، میرے خیال میں تو اس لئے چھوڑ دیا کہ یہ معلوم نہ ہو کہ ابھی اس مسئلہ پر مزید گفتگو آگے آرہی ہے، اسی صحیح پر گفتگو ختم نہیں ہوگئی، سر مبارک شام تک پہونچانے کے لئے ایسی ایک منقطع الاسناد روایت نہیں ہے، بلکہ اور دوسری متصل الاسناد روایتیں اور دیگر بہت سے آثار ہیں چنانچہ وہ آگے ذکر کردیئے گئے''۔ اس لئے ابن تیمیہ کا دعویٰ انقطاع غلط ہے اور

انکے انکار کردینے سے کوئی حقیقت معدوم نہیں ہوجائے گی۔

(کردار یزید ص۱۴۲/۱۴۳)

علامہ ابن کثیرؒ کا قول اور علامہ طاہر صاحب کی ڈھٹائی

لگتا ہے آج کل خود کو مناظر کہلانے کے لئے ڈھٹائی کے فن کی مہارت ضروری ہے، اور مولانا اس فن میں بالکل طاق ہوچکے ہیں۔ ورنہ یہ بتایا جائیکہ کوئی شخص اگر یہ دعویٰ کرے کہ میرے نزدیک درست بات یہ ہے، اور پھر کہے کہ اس کا ذکر آئندہ آئے گا، تو آئندہ میں وہ اپنے گذشتہ بیان کی تائید کرے گا یا تردید؟ اگر آئندہ مضمون میں گذشتہ بیان کی تردید کرے تو اس سے بڑا عقلمند اور کون ہوگا؟ کہ ایک دعویٰ کرے اور اسی دعوے کی تردید میں آئندہ روایتیں لانے لگے؟ اگر ایسی ہی بات تھی تو اس نے دعویٰ ہی کیوں کیا تھا؟ اس کا دعویٰ تو اسی صورت میں قائم رہ سکتا ہے جب آئندہ بھی وہ اپنے ہی دعویٰ کی تائید میں مضمون لائے، یا کم از کم اس کی مراد یہ ہو کہ دوسری روایتیں بھی ہیں، لیکن میرے نزدیک وہ معیار صحت سے گری ہوئی ہیں، لہذا میرا دعویٰ علی حالہ قائم ہے، اب اگر اسی بنا پر حضرت محدث اعظمی علیہ الرحمہ نے کماسیاتی والے مضمون کو نقل نہیں فرمایا، تو مولانا طاہر صاحب کے نزدیک یہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا کمال ہوگیا؟ اور متصل الاسناد روایتوں کا مولانا نے جو دعویٰ فرمایا ہے، وہ ان کی مناظرانہ فنکاری ہے، جہاں وہ متصل الاسناد روایت لائیں گے ہم اس کا بھی جائزہ لینگے، اب تک مولانا نے اپنی کتاب میں دعویٰ ہی دعویٰ کیا ہے، ایک بھی صحیح متصل الاسناد روایت پیش نہیں کی ہے، اور ہمیں پورا یقین ہے کہ آئندہ بھی وہ یہی کریں گے۔ کیونکہ ان کے دامن میں اس کے علاوہ کچھ ہے ہی نہیں، مولانا نے علامہ ابن تیمیہ کے دعویٰ انقطاع کے غلط ہونے کا بھی دعویٰ کیا ہے، ہم ان کی بات اس

وقت درست مانتے جب وہ صحیح متصل روایت پیش کرتے ،لیکن انھوں نے ایسا نہیں کیا ہے۔اور جب تک وہ ایسا نہ کردیں، دعویٰ بھی سر اٹھائے کھڑا رہے گا۔

محترم مولانا سید طاہر حسین صاحب لکھتے ہیں۔ چنانچہ ابن کثیر علیہ الرحمہ فرماتے ہیں،

واما راس الحسین رضی الله عنه فالمشهور عند اهل التاریخ واهل السیر انه بعث به ابن زیاد الیٰ یزید بن معاویةومن الناس من انکر ذالك وعندی الاول اشهروالله اعلم ۔

(البدایہ والنہایہ ج۸ص۲۸۵)

''بہر حال حضرت حسین رضی اللہ عنہ، کا سر،تو مشہور بات اہل تاریخ اور اہل سیر کے نزدیک یہ ہے کہ اس کو عبید اللہ بن زیاد نے یزید کے پاس بھیج دیا تھا اور لوگوں میں بعض ایسے بھی ہیں جنہوں نے اس کا انکار کیا ہے،اور میرے نزدیک حق یہ ہے کہ پہلی بات زیادہ مشہور ہے پس اللہ زیادہ بہتر جانتا ہے''۔مولانا لکھتے ہیں،''عندی'' سے اپنی تحقیق ابن کثیر نے بتادی کہ میرا خیال یہ ہے اگر کسی نے انکار کیا ہے تو وہ انکار کرتا رہے، مجھے اس سے اتفاق نہیں ،اور یہ انکار کرنے والے ابن تیمیہ ہی ہیں ،اور ابن کثیر نے اپنے خیال کی بنیاد اور دلیل پہلے ہی بتادی ہے،فرماتے ہیں، وقد اختلف العلماء بعد ها فی راس الحسین ، هل سیره ابن زیاد الی الشام ام لا ، علی قولین : الاظهر منهما انه سیره الیه وقد ورد فی ذالك آثار کثیرةفالله اعلم ۔ (البدایہ والنہایہ ج۸ص۲۷۱)

اس کے بعد حضرت کے سر کے بارے میں علماء مختلف الخیال ہیں کہ اس کو عبید اللہ بن زیاد نے یزید کے پاس شام بھیجا یا نہیں دونوں قول ہیں، اس

میں زیادہ ظاہر یہ ہے کہ عبید اللہ بن زیاد نے سر کو شام بھیج دیا، اس سلسلے میں بہت سے آثار وارد ہوئے ہیں اظہر اور اشہر ہونے کی وجہ اور دلیل ابن کثیر علیہ الرحمہ نے بتائی، کہ اس سلسلے میں بہت سے آثار وارد ہوئے ہیں (جن کا انکار درست نہیں)''۔ (کردار یزید ص۱۴۳/۱۴۴)

اپنے خیال کو دوسروں کے سر ڈال کر ان کے اقوال کا وہ مطلب دوسروں کے سامنے پیش کرنا، جو صاحب قول کے حاشیۂ خیال میں بھی نہیں! مولانا کا وہ خصوصی فن ہے جس میں وہ ید طولیٰ رکھتے ہیں، یہ ہم بعد میں قارئین کے سامنے رکھیں گے، پہلے مولانا کی خصوصی فنکاری ملاحظہ فرمائیے اور داد دیجئے ،! پہلی روایت کے ترجمے میں ''حق یہ ہے کہ'' مولانا کے اپنے نظریئے کا ترجمان ہے، ابن کثیر کے خیال کا نہیں ہے، مولانا ہی دکھادیں کہ ''حق یہ ہے کہ'' کس لفظ کا ترجمہ ہے؟ دوسرے قول کے ترجمے میں تو نہیں، مطلب میں بین القوسین لکھا ''جن کا انکار درست نہیں'' میں عرض کرتا ہوں کہ علامہ ابن کثیر کی وہ مراد ہرگز نہیں ہے جو مولانا خواہ مخواہ کھینچ تان کر بتانے کی کوشش کررہے ہیں، بلکہ علامہ کی رائے وہ ہے جو انھوں نے پہلے صاف لفظوں میں ظاہر فرمادی ہے، کہ صحیح یہ ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا سر مبارک شام نہیں بھیجا گیا، اور مولانا نے جو لکھا ہے بلکہ ابن کثیر کے سر زبردستی ڈالا ہے، کہ ''میرا خیال یہ ہے'' اگر کسی نے انکار کیا ہے تو وہ انکار کرتا رہے مجھے اس سے اتفاق نہیں ہے یہ مولانا گیاوی صاحب کا خیال ہے، ابن کثیر کا نہیں ، ورنہ دنیا جانتی ہے اور مولانا تو ضرور جانتے ہونگے کہ ابن کثیرؒ نے انکار کا لفظ استعمال فرمایا ہے، اور انکار کا مقابلہ اقرار یا اثبات سے ہوتا ہے، مشہور ہونے سے نہیں ہوتا، اگر ابن کثیر یہ فرماتے کہ والاول عندی اثبت تب کہا جاسکتا تھا کہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے انکار کے مقابلے میں اثبات کو

ترجیح دی ہے، جب کہ ابن کثیر صرف اتنا فرمانا چاہتے ہیں، کہ اس باب میں علماء دونوں طرف گئے ہیں، بعض علماء اثبات کے قائل ہیں، بعض نے انکار فرمایا ہے زیادہ مشہور یہی ہے کہ یزید کے پاس حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا سر مبارک لایا گیا تھا، دوسری روایت میں علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے یہی مضمون بیان فرمایا ہے، اس میں اشہر کی بجائے وہ اظہر کا لفظ لائے ہیں، یعنی تاریخی روایتوں سے یہی ظاہر ہوتا ہے اور اس میں بہت سارے آثار وارد ہوئے ہیں، پھر یہ بھی دیکھیں کہ ابن کثیر نے اشہر اور اظہر لکھنے کے بعد دونوں جگہ واللہ اعلم فرمایا ہے، جب کہ والصحیح انہ لم یبعث براس الحسین الی الشام کے بعد واللہ اعلم نہیں کہا ہے، کیونکہ یہاں پر وہ صرف اپنا نظریہ بتا رہے ہیں اور مولانا طاہر صاحب کی روایت کردہ قول میں وہ اختلاف اقوال کا ذکر کر رہے ہیں، اب اس سے سر مبارک بھیجے جانے والی روایت کو ترجیح دینا تو بس مولانا ہی کا حصہ ہے، ہم تینوں روایتیں ایک ساتھ کر دیتے ہیں، قارئین کرام خود فیصلہ فرمالیں ابن کثیرؒ کیا کہنا چاہ رہے ہیں؟

(۱) اہل تاریخ وسیر کے نزدیک مشہور یہ ہے کہ ابن زیاد نے حضرت حسین کا سر مبارک یزید بن معاویہ کے پاس بھیج دیا تھا، کچھ لوگوں نے اس کا انکار کیا ہے، میرے نزدیک پہلی بات زیادہ مشہور ہے۔

(۲) اس کے بعد حضرت حسین کے سر مبارک کے متعلق علماء کا اختلاف ہے کہ ابن زیاد نے اس کو یزید کے پاس شام بھیجا کہ نہیں؟ دونوں اقوال میں زیادہ ظاہر یہ ہے کہ اس نے بھیج دیا تھا، اس بارے میں بہت سارے آثار وارد ہوئے ہیں۔

(۳) صحیح قول یہ ہے کہ اس نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا سر مبارک شام نہیں بھیجا اب قارئین خود فیصلہ فرمالیں کہ ابن کثیر کا اپنا نظریہ اس باب میں کیا ہے؟ محترم مولانا

سید طاہر حسین صاحب فرماتے ہیں:

''اور حافظ حجر عسقلانی علیہ الرحمہ اصابہ ج اول ص ۳۳۳ پر لکھتے ہیں، واتی براسه الی عبید الله فارسله ومن بقی من اهل المدینة الیٰ یزید۔ حضرت حسین کے سر کو عبید اللہ بن زیاد کے پاس لایا گیا تو اس نے حضرت حسینؓ کے سر مبارک اور اہل بیت کے باقی افراد کو یزید کے پاس بھیج دیا۔ (کردار یزید ص ۱۴۴)

جی چاہتا ہے کہ جواب میں مولانا کو انھیں کا ٹیپ سنوا دیا جائے؟

''عرض ہے کہ اس روایت کو حافظ ابن حجر نے کہاں سے نقل کیا؟ کسی کتاب کا حوالہ دیا نہیں کہ اس کی سند دیکھی جا سکے کہ کیسی ہے؟ ابن حجر محمد ابراہیم بن ابی عبلہ کے آٹھ سو سال بعد کے ہیں سند نقل نہیں، نہ کتاب کا حوالہ دیا، پھر اس پر مسئلہ کی بنیاد کیوں کر رکھی جا سکتی ہے''۔

(کردار یزید ص ۱۳۵)

حضرت محدث اعظمی علیہ الرحمہ نے حافظ ابن حجر کے حوالے سے محمد ابراہیم بن ابی عبلہ کا قول پیش فرمایا، تو مولانا نے تان اڑائی تھی، اپنی باری میں یہی قانون انھیں کیوں یاد نہیں رہا؟ معلوم ہوا کہ مولانا کے یہاں دوسروں کی بات سننے اور اپنی بات سنانے کے پیمانے الگ الگ ہیں، پھر مولانا ذرا یہ تو بتائیں کہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ، ابراہیم بن ابی عبلہ کے زمانے میں نہیں تھے تو ان سے بھی قبل یزید کے زمانے میں کیسے پیدا ہو گئے؟

ریّا کون تھی؟

محترم مولانا سید طاہر حسین صاحب گیاوی مدظلہ فرماتے ہیں:

''اور حافظ ابن حجر نے علامہ ابن تیمیہ کا نام لئے بغیر رد کرتے ہوئے پوری سند کے ساتھ متصل الاسناد روایت بھی نقل کی ہے وہ لکھتے ہیں،

وقال احمد بن محمد بن یحییٰ بن حمزة الحضرمی القاضی اخبرنی ابی عن ابیه اخبرنی ابی حمزة بن یزید قال رائیت عاقلة من اعقل النساء یقال لها ریّا الخ۔ مولانا ترجمہ فرماتے ہیں۔

''کہا قاضی احمد بن محمد بن یحییٰ بن حمزہ حضرمی نے کہ مجھے خبر دی میرے والد نے وہ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں، کہ مجھ کو خبر دی میرے والد حمزہ بن یزید نے وہ کہتے ہیں: میں نے ایک عقلمند عورت کو دیکھا جس کو ریّا کہا جاتا تھا، وہ یزید بن معاویہ کو گود کھلانے والی تھی، سو (۱۰۰) سال کی عمر کو پہونچی ہوئی تھی، وہ کہتی ہے: ایک آدمی یزید کے پاس آیا اور کہا امیر المؤمنین خوش ہو جائیے، کہ اللہ نے آپ کو حضرت حسین پر قابو دیا، وہ قتل کئے گئے اور ان کا سر آپ کے پاس لایا گیا، وہ سر ایک طشت میں رکھا گیا، یزید نے غلام کو حکم دیا، سر کو کھولا گیا، جب یزید نے اس کو دیکھا تو اپنا چہرہ چھپالیا، گویا اس کو سر سے بدبو ملی''۔

(تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۵۳۴ ترجمہ حسین بن علیؓ)

مولانا مزید لکھتے ہیں: اس روایت کا تذکرہ بحوالہ ابن عساکر ابن کثیر علیہ الرحمہ نے بھی البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۲۸۶ پر مختصراً لکھ دیا ہے، یہ روایت متصل الاسناد بھی ہے اور دیگر آثار کے علاوہ بقول ابن تیمیہ منقطع

روایات بھی اس کی تائید کرتی ہیں پھر اس کو تسلیم نہ کرنے کی معقول وجہ نہیں ہے۔ حافظ ذہبی علیہ الرحمہ سیر اعلام النبلاء ج ۳ ص ۴۹۰ پر مذکورہ بالا روایت کی سند کے بارے میں لکھتے ہیں: وذکر باقی الحکایة وهی قویة الاسناد''۔ (کردار یزید ص ۱۴۴/۱۴۵)

بقول علامہ طاہر حسین صاحب حافظ ابن حجرؒ جس روایت کو علامہ ابن تیمیہ کی تردید میں لائے ہیں اس کا حال ذرا دیکھ لیجئے! یہی قصہ سیر اعلام النبلاء ج ۳ ص ۳۱۹ پر بھی ہے، اس میں یہ قصہ ریّا نام کی یزید کو سوسالہ گود کھلانے والی عقلمند عورت کی زبانی مروی ہے، اب حافظ ابن حجر ہوں یا علامہ ذہبی، کسی نے کچھ بتایا تو نہیں کہ عورت کون تھی؟ معتبر تھی یا غیر معتبر؟، معتبر تھی تو اس کے حافظے کا کیا حال تھا؟ جب عطاء ابن سائب جیسے راوی کا یہ حال ہے کہ حافظے کی خرابی کے بعد ان کی روایت کا کوئی اعتبار نہیں رہ جاتا تو ریّا تو سوسال کی عمر کو پہونچی ہوئی تھی، اگر وہ معتبر بھی تھی تو اس کے حافظے کی کچھ خبر نہیں، تو اولاً تو اس کی بنیاد ہی مجہول راویہ پر ہے، دوسرے یہ روایت محمد بن یحییٰ بن حمزہ سے مروی ہے جس سے اس کے بیٹے احمد بن محمد نے مروی کیا ہے اس کے متعلق ابن حبان فرماتے ہیں کہ محمد بن یحییٰ بذات خود تو ثقہ ہے لیکن اس کے بیٹے اس سے روایت کریں تو اس سے دور رہنا چاہئے، کیونکہ یہ اس کے نام سے کچھ بھی بیان کر دیتے ہیں، ابن حبان کے الفاظ ہیں یتقی حدیثه ماروی عنه احمد بن محمد بن یحییٰ بن حمزه واخوه عبید فانهما کانا ید خلان علیه کل شئ''۔

(کتاب الثقات لابن حبان ج ۹ ص ۷۴ مطبوعہ حیدرآباد)

اب غور سے دیکھئے! یہ روایت بھی محمد ابن یحییٰ سے ان کے لڑکے احمد بن محمد بن یحییٰ ابن حمزہ ہی نے بیان کی ہے، تو جب روایت میں اتنی علتیں موجود ہیں تو ہم صرف علامہ

ذہبی کے قوی الاسناد کہدینے سے اس کو قوی الاسناد مان لیں گے؟ اس طرح کی روایتیں اگر ہم کسی معاملے میں لاتے تو مولانا کی طرف سے عرصۂ حشر بپا ہو چکا ہوتا، لیکن مناظر اسلام اس روایت سے استدلال فرمارہے ہیں، تو روایت جیسی بھی ہو قابل احتجاج تو ہو ہی جائے گی؟

مولانا طاہر حسین صاحب لکھتے ہیں، اور حافظ ذہبی نے مزید لکھا ہے، و کثیر بن همام حدثنا جعفر بن برقان ان یزید بن زیاد قال : لما اتی یزید براس الحسین جعل ینکت سنه الخ ۔کثیر ابن ہمام کہتے ہیں، ہم سے جعفر بن برقان نے بیان کیا کہ یزید ابن ابی زیاد نے کہا، جب یزید کے پاس حضرت حسین کا سر لایا گیا تو وہ آپ کے دندان مبارک کو کریدنے لگا الخ ۔پھر مولانا فرماتے ہیں، اس روایت کے تمام راوی مسلم شریف کے راویوں میں ہیں۔ (کردار یزید ص ۱۴۵)

لیکن پہلی غلطی انھوں نے یہ کی ہے کہ کثیر ابن ہمام سے روایت شروع کی ہے جب کہ علامہ ذہبی نے یہ روایت کثیر ابن ہشام سے شروع کی ہے اور کثیر ابن ہشام تو ۲۰۷ھ یا ۲۰۸ھ میں دنیا سے رخصت ہوئے ہیں، علامہ ذہبی آٹھویں صدی ہجری کے ہیں، درمیان کے راوی کہاں گئے؟ اور اگر علامہ ذہبی نے اگر یہ روایت کسی کتاب سے لی تھی تو اس کا حوالہ تو موجود نہیں ہے؟ پھر اس کے راوی یزید ابن زیاد کو دیکھئے، تو علامہ ذہبی خود میزان الاعتدال میں لکھتے ہیں یزید بن ابی زیاد (م مقرونا، عو) اس کا مطلب ہے کہ امام مسلم نے صرف یزید ابن زیاد کی روایت قبول نہیں کی ہے بلکہ اس کو دوسرے راوی کے ساتھ ملا کر اس کی روایت قبول فرمائی ہے پھر علامہ ذہبی فرماتے ہیں، الکوفی احد علماء الکوفة المشاهیر علی سوء حفظه کوفہ کے جو علماء حافظے کی خرابی میں مشہور ہیں، یزید ان میں سے ایک ہے، یحییٰ بن معین فرماتے ہیں: لیس

بالقوی وقال ایضاً لا یحتج به، یہ مضبوط راوی نہیں ہے، اس کی روایت کو دلیل نہ بنایا جائے، وقال علی بن عاصم قال لی شعبة : اذا کتبت عن یزید بن ابی زیاد الا کتب عن احد جب میں یزید بن زیاد کی حدیث لکھنے لگوں، تب تو کسی بھی ایرے غیرے کی حدیث لکھنے لگوں گا۔ امام احمد نے فرمایا اس کی حدیث لکھنے کے لائق نہیں ہے۔ (میزان الاعتدال ج۴ ص ۴۲۳)

راوی ۹۶۹۵، یحییٰ بن معین اور ابو زرعہ فرماتے ہیں: اس کی حدیث کو حجت نہ بنایا جائے ابن مبارک نے فرمایا اس کو پھینک دو۔ (الجرح والتعدیل ج۹ ص ۲۶۵)

ابن فضیل نے کہا یزید ابن ابی زیاد شیعہ کے بڑے اماموں میں سے ہے، ابن عدی نے کہا یہ کوفہ کے شیعہ میں سے تھا۔

(تہذیب الکمال ج ۳۲ ص ۱۳۵ / الکامل فی الضعفاء ج۹ ص ۱۶۳)

اور ہمارے علامہ فرماتے ہیں:

> اس روایت کے تمام راوی مسلم شریف کے راویوں میں ہیں۔ اس لئے اس کو بے کھٹکے قبول کر کے اس پر فسق یزید کے عقیدے کی بنیاد رکھ دو۔ مولانا نے تاریخ دمشق ج ۶۰ / ۳۶۹ / ۳۷۰ کی روایت کا حوالہ دیا ہے، اور فرماتے ہیں کہ اس کو علامہ سیوطی علیہ الرحمہ نے شرح الصدور ص ۲۱۲ پر نقل فرمایا ہے مولانا نے اس کو متصل الاسناد بھی بتایا ہے۔
>
> (کردار یزید ص ۱۴۶)

اور ہم عرض کرتے ہیں، کہ یہ روایت جب سامنے آئے گی تو اس کا بھی وہی حشر نظر آئے گا جو ابتک مولانا کی پیش کردہ تمام متصل الاسناد روایتوں کا ہوا ہے، ہمیں کامل یقین ہے کہ حضرت سیدنا حسین کا قتل ظالم شاطر سبائیوں نے کیا ہے اور ٹھیکرا یزید کے

سر پر پھوڑ دیا ہے، اس لئے یزید سے اس کا تعلق جوڑ نیوالی کوئی متصل الاسناد صحیح روایت تاریخ کے دامن میں موجود ہی نہیں ہے، بے چارے مولانا لائیں بھی تو کہاں سے لائیں اس کے برخلاف جو صحیح روایتیں ہیں وہ صاف اشارہ کرتی ہیں کہ یزید کا دامن اس کی طرف منسوب کردہ عیوب سے پاک ہے۔

مرغے کی ایک ٹانگ

آخری روایت مولانا نے البدایہ کے حوالے سے نقل کی ہے، جس میں یزید کی طرف سے ابن زیاد کے نام خط کا ذکر ہے، اور اس میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے قتل کا اشارہ، پھر ابن زیاد کے حضرت حسین کو شہید کر کے ان کے سر مبارک کو یزید کے پاس بھیجنے کا تذکرہ ہے، لیکن چونکہ مولانا نے خود ہی اس روایت کے منقطع ہونے کو تسلیم کر لیا ہے اس لئے ہمیں اس سے بحث کی کوئی ضرورت بھی نہیں ہے، لیکن پھر وہی مرغے کی ایک ٹانگ، فرماتے ہیں:

> ''اس باب کی صحیح روایتیں اور مؤرخین کی تحقیقات پیچھے نقل کی جا چکی ہیں، اس لئے مولانا اعظمی کا اس مسئلہ میں البدایہ والنہایہ کی ایک مجمل عبارت سے اپنے مدعا کو ثابت کرنے کی کوشش کرنا اور الٹا حضرت مہتمم صاحب پر بے تحقیقی کا الزام دینا علم و تحقیق کو منہ چڑانا ہے''۔
>
> (کردار یزید ص ۱۴۶)

میں کہتا ہوں رسی جل گئی پر بل نہیں گیا، غلط موقف کی بنیاد ہی کمزور دلیلوں پر ہوتی ہے اور مولانا کے پاس کمزور دلیلوں کے سوا کچھ ہے ہی نہیں، اور مولانا جو یہ فرما رہے ہیں کہ اس باب کی صحیح روایتیں پیچھے نقل کی جا چکی ہیں، تو مولانا کو ذہن نشین کر لینا چاہئے کہ یہ کوئی زبانی مناظرے کا میدان نہیں، کہ جو جی چاہا بول کر نکل گئے؟ مولانا کی

کتاب اب بھی موجود ہے، ایک روایت بھی پوری کتاب سے چھان کر پیش کر دی جائے جو صحت کے معیار پر پوری اترتی ہو؟ اور معیار بھی ہمارا نہیں انھیں بزرگوں کا قائم فرمودہ ہے جن کی تحریریں مولانا نے بڑے طمطراق سے ادعائی رنگ میں پیش کی ہیں، ہم بس اتنا کریں گے کہ اسی روایت کو نقد کے ساتھ علامہ ذہبی، حافظ ابن کثیر اور حافظ ابن حجر علیہ الرحمۃ کی عدالت میں پیش کر کے انھیں سے انصاف کی درخواست کریں گے کہ وہ روایات ان کی بارگاہ میں سند قبول حاصل کرتی ہیں یا نہیں؟

تصویر کا دوسرا رخ

شہادت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ، کی بحث مولانا کی کتاب میں پوری ہو چکی ہے، ہم چاہیں گے تصویر کا دوسرا رخ بھی سامنے آ جائے، جو مذکورہ واقعات کے ذیل میں کسی قدر آ بھی چکا ہے۔

یہاں پر سب سے پہلے یہ دیکھنا ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ، کے متعلق یزید کا نظریہ کیا ہے؟ تو تاریخ یہ بتاتی ہے کہ حضرت سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ، نے اپنی بصیرت سے معلوم کر لیا تھا، کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ، کو اہل کوفہ چاہتے ہیں، لیکن ان کی چاہت میں خود غرضی شامل ہے، اور یہ انتہائی با اثر لوگوں کی جماعت ہے، لیکن انھوں نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ، کے بارے میں بھی وصیت فرما دی تھی کہ'' انظر حسین بن فاطمة فانه احب الناس الی الناس ، فصل رحمه وارفق به فان بك منه شئ فانی ارجوا ان یکفیکه الله بمن قتل اباه و خذل اخاه''۔

(تاریخ الاسلام ج ۵ ص ۵)

حسین ابن فاطمہ کا خیال رکھنا! کیونکہ وہ لوگوں کی سب سے پسندیدہ شخصیت ہیں ان کے ساتھ نرمی اور صلہ رحمی کرنا، اگر تمہارے دل میں ان کی طرف سے کچھ ہو بھی، تو مجھے

امید ہے کہ اللہ انھیں لوگوں کو ان کے لئے کافی کردے گا جنھوں نے ان کے والد کو قتل کردیا اور ان کے بھائی کو بے یار و مددگار چھوڑ دیا''۔ (تاریخ الاسلام ج ۵ ص ۵)

حضرت حسین رضی اللہ عنہ، نے اس موقعہ پر جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ، کی حیات ہی میں کوفہ والے انھیں اکسانے کی کوشش کررہے تھے تو انھوں نے فرمایا تھا، ان القوم انما یریدون ان یاکلونا ویشیطوا دماء نا ۔(تاریخ الاسلام ج ۵ ص ۵)

یہ قوم چاہتی ہے کہ ہمیں کھا جائے اور ہمارا خون بہائے''۔

اور ابن کثیر کے بیان کے مطابق: فقال له الحسین ان القوم انما یریدون ان یاکلوا بنا ویستطیلوا بنا ویستنبطوا دماء الناس ودماء نا''۔ (البدایہ ج ۸ ص ۱۶۱)

حضرت حسینؓ نے فرمایا یہ قوم ہمیں اپنے مفاد کے لئے استعمال کرنا چاہتی ہے، ہمارا استعمال کرکے سرکشی پھیلانا اور ہمارا اور لوگوں کا خون بہانا چاہتی ہے''۔

کوفی سبائیوں کی شریر فطرت کا اندازہ حضرت معاویہ کو ہوگیا تھا، اس لئے انھوں نے یزید کو تاکید بھی فرمائی تھی، ان ساله اهل العراق فی کل یوم ان یعزل عنهم عاملاً ویولی علیهم عاملاً فیفعل فعزل واحد احب الیك من ان یسل علیك مائة الف سیف ۔

اگر کوفی تم سے روزانہ ایک عامل کی معزولی اور اس کی جگہ دوسرے کی بحالی کا مطالبہ کریں تو مان لینا! کیونکہ ایک عامل کی معزولی تمہارے لئے اس سے بہتر ہے کہ تمہارے خلاف ایک لاکھ تلواریں میدان میں آجائیں۔ (البدایہ ج ۸ ص ۱۱۵)

خود سیدنا حسین رضی اللہ عنہ، بھی انھیں سبائی کوفیوں کو اپنا قاتل سمجھتے تھے حضرت حسین رضی اللہ عنہ، نے فرمایا، هذه کتب اهل الکوفة الی ولا اراهم الا قاتلی ۔ میرے پاس یہ کوفہ والوں کے خطوط ہیں اور میں انھیں اپنا قاتل ہی سمجھتا ہوں۔

(تاریخ الاسلام ج ۵ ص ۱۲/ البدایۃ ج ۸ ص ۱۶۹)

حضرت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ، نے یہ دعا بھی فرمائی تھی۔ اللهم احکم بیننا وبین قوم دعونا لینصرونا فقتلونا ۔ (البدایۃ ج ۸ ص ۱۹۷)

''اے اللہ میرے اور اس قوم کے درمیان فیصلہ فرما جنھوں نے ہمیں مدد کے لئے بلایا تو ہمارے قتل کے درپے ہوگئے''۔

شیعہ مصنف تک نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ، کا یہ فرمان نقل کیا ہے، ان هؤلاء اخافونی وهذه کتب اهل الکوفة وهم قاتلی ۔(مقتل الحسین للمقرم ص ۱۷۵)

ان لوگوں نے مجھے خوفزدہ کردیا، اور یہ کوفہ والوں کے خطوط ہیں اور وہ میرے قاتل بننا چاہتے ہیں۔ حُر بن یزید نے بھی کوفی غدار حملہ آوروں سے کہا تھا، یا اهل الکوفة لا مکم الهبل ادعوتم الحسین الیکم حتی اذا اتاکم اسلمتموه وزعمتم انکم قاتلوا انفسکم دونه ثم عدوتم الیه لتقتلوه۔ (البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۱۸۰)

کوفہ والو! تمہارا برا ہو تم نے حسین کو اپنے پاس بلایا جب وہ آگئے تو تم نے انھیں چھوڑ دیا، تم نے سوچا ان کے لئے اپنی جان لڑادو گے، پھر تم نے قتل کرنے کے لئے ان پر حملہ کردیا۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ، کے صاحبزادے علی ابن حسین امام زین العابدین بھی اپنے والد اور اہل بیت کا قاتل انھیں کوفی سبائیوں کو سمجھتے تھے، لما دخل علی بن الحسین الکوفة رأی نسائها یبکین ویصرخن فقال هؤلاء یبکین علینا فمن قتلنا ۔ جب علی بن حسین کوفہ میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ کوفہ کی عورتیں رو پیٹ رہی ہیں تو حضرت علی نے فرمایا یہ عورتیں ہم پر رو رہی ہیں تو ہمیں اور کس نے قتل کیا؟

(تاریخ الیعقوبی ج ۱ ص ۲۳۵)

شیعہ مؤرخین کا اعتراف کہ قتل سیدنا حسینؓ میں کوئی شامی شریک نہیں ہے

یہ بھی دیکھ لیجئے کہ شیعہ مؤرخین نے بھی اعتراف کیا ہے، کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا قتل شامی فوجوں نے نہیں کوفیوں نے کیا ہے، مسعودی کا قول ہے و کان جمیع من حضر مقتل الحسین من العساکر و حاربه و تولیٰ قتله من اهل الکوفة ولم یحضرهم شامی۔ (مروج الذہب ج۳ص۷۱)

حضرت حسین رضی اللہ عنہ، کے قتل میں فوج کے جتنے لوگ موجود تھے، جنہوں نے آپ سے جنگ کی اور آپ کے قتل کے ذمہ دار ہوئے، سب کوفہ کے لوگ تھے کوئی شامی ان میں شامل نہ تھا''۔

ملا باقر مجلسی کا قول ہے و تولیٰ قتله من اهل الکوفة خاصة لم یحضرهم شامی، کوفہ والے ہی ان کے قتل کے ذمہ دار تھے، کوئی شامی اس میں شریک نہ تھا۔

(بحار الانوار ج۱۰ص۲۳۱)

شہادت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ، کے بعد آپ کے صاحبزادے حضرت علی بن الحسین اپنا حال بیان فرماتے ہیں، مدائنی نے ابراہیم محمد عن عمرو بن دینار کے حوالے سے محمد ابن علی کا اپنے والد علی بن حسین کا بیان نقل کیا ہے، کہ حضرت حسین جب شہید کر دئے گئے تو ہم کوفہ میں داخل ہوئے تو ہم سے ایک شخص ملا، ہم اس کے گھر میں داخل ہوئے ہم کو لحاف اوڑھا دیا گیا تو میں سو گیا، گلیوں میں گھوڑوں کی آواز سے ہی میری آنکھ کھلی تو ہمیں یزید کے پاس لیجایا گیا، تو اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے، اور ہم نے جو چاہا اس نے ہم کو دیا اور کہا، تمہاری قوم میں جلد ہی کچھ باتیں پیش آئینگی، تم ان میں شامل نہ ہونا، جب مدینہ والوں کیساتھ جو ہونا تھا ہوا، تو یزید نے مسلم بن

عقبہ کے پاس خط لکھا، جس میں میری امان کا ذکر تھا جب مسلم حرہ سے فارغ ہوا تو اس نے مجھے بلا بھیجا میں اس کے پاس آیا، تو میرے لئے، وصیت لکھی ہوئی تھی اس نے خط میری طرف بڑھا دیا، اس میں لکھا تھا، علی ابن حسین کیساتھ خیر خواہی کی وصیت قبول کرو، اگر وہ بھی مدینہ والوں کیساتھ ان کے معاملے میں شریک ہو تو اس کو پناہ دو، اور معاف کر دو اگر وہ انکے ساتھ نہیں ہے تو اس نے ٹھیک کیا اور اچھا کیا۔ (تاریخ الاسلام ج۵ص۲۰/۲۱)

حضرت حسین رضی اللہ عنہ، جب مقام کربلا میں کوفہ آنے سے روک دئے گئے، تو انھوں نے تجویز پیش کی: حصین فحدثنی هلال بن یساف قال فانطلق یسیر نحو طریق الشام نحو یزید ـــ فنا شدهم الحسین الله والاسلام ان یسیروه، الیٰ امیر المؤمنین یزید فیضع یده فی یده قالوا لا الا علی حکم ابن زیاد۔

(تاریخ الطبری ج۵ص۳۹۲)

''ہلال بن یساف کہتے ہیں کہ حضرت حسینؓ یزید سے ملنے شام کے راستے پر جانے لگے، آگے کربلا میں انھیں لشکر مل گیا آپ انھیں خدا کی قسم دے کر فرمانے لگے کہ وہ آپ کو امیر المؤمنین یزید کے پاس بھیج دیں، کہ آپ اس کے ہاتھ پر بیعت کر لیں''۔

تاریخ الاسلام کی روایت میں ہے: فدعونی آتی امیر المؤمنین یزید۔ مجھے چھوڑ دو میں امیر المؤمنین یزید کے پاس چلا جاؤں۔ (تاریخ الاسلام ج۵ص۱۲)

ابن کثیر کی روایت میں ہے: و کان بعث الیه ابن زیاد عمر بن سعد و شمر بن ذی الجوشن و حصین بن نمیر فنا شدهم الله والاسلام ان یسیروه الی امیر المؤمنین یزید فیضع یده فی یده۔ ابن زیاد نے نے عمر بن سعد، شمر بن ذی الجوشن اور حصین بن نمیر کو حضرت حسین کے پاس بھیجا تھا، آپ انھیں اللہ اور اسلام کی قسم دے

کر فرمانے لگے کہ وہ لوگ آپ کو امیر المؤمنین یزید کے پاس بھیج دیں، تو آپ اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دے دیں۔ (البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۱۷۱)

روایتیں قارئین کرام کے سامنے ہیں، خود فیصلہ فرمالیں کہ سیدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہ، کا اصلی قاتل کون ہے؟ اور تاریخ میں موجود کذاب اور متہم راویوں کی روایتوں کی وجہ سے اہل سنت والجماعت کے بزرگوں تک میں کتنی غلط فہمی پھیلی ہوئی ہے؟

مولانا طاہر صاحب کا اعتراف کہ قتل کا حکم دینا یا راضی ہونا یزید سے ثابت نہیں

اخیر میں مولانا طاہر حسین صاحب کا اعتراف بھی دیکھ لیجئے:

''یہ تو ۶۳ھ کے بعد حکم ہوا، اور اس سے پہلے حضرت حسین اور ان کے اہل خانہ کی شہادت ۶۱ھ کا معاملہ اس سے بالکل الگ ہے، اس وقت یزید کی شراب نوشی کا اعلانیہ علم بھی نہ تھا اور نہ ہی قتل کا حکم دینا یا راضی ہونا یزید سے ثابت ہے''۔ (کردار یزید ص ۵۶)

کوئی مولانا سے پوچھے کہ جب ان کے نزدیک بھی اعلانیہ شراب نوشی اور حضرت حسین کے قتل کا حکم دینا یا اس پر راضی ہونا یزید سے ثابت نہیں ہے تو جناب اپنی کتاب میں وقت کیوں ضائع فرما رہے تھے،؟ کیونکہ فسق یزید کی بنیاد ہی ان کے نزدیک تین چیزوں پر ہے، شراب نوشی و بدکاری، قتل سیدنا حسین رضی اللہ عنہ، اور واقعۂ حرہ، دو چیزوں کو مولانا نے مان لیا ہے کہ وہ ثابت نہیں ہیں، انشاء اللہ، واقعۂ حرہ میں روایتوں کے تجزیئے کے بعد قارئین دیکھیں گے انشاء اللہ کہ لوٹ پاٹ، قتل عام، اور عصمت دری کی سبائی کہانیاں الف لیلہ کے فرضی قصوں سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتیں، یہ

تیسری بنیاد بھی جہاں ختم ہوئی، فسق یزید کا بقول مولانا فروعی عقیدہ بھی ہوائی افسانہ بن جائے گا۔

یہاں تک کی بحث میں جب مولانا گیاوی صاحب یزید پر قتل حسین کا الزام ثابت کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے، تو انھوں نے علامہ ابن کثیر وغیرہ کی اس تحریر کو اپنا آخری حربہ بنایا، کہ ٹھیک ہے، یزید نے نہ قتل کا حکم دیا نہ اس سے خوش ہوا، لیکن اس نے نہ قتل حسین کا بدلہ لیا نہ اس موقع پر موجود اپنے عمال کو معزول کیا''۔ ابن کثیر نے فرمایا کہ ''یزید پر یہ عیب لگایا جاتا ہے واللہ اعلم''۔ (البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۲۸۴ / منہاج السنۃ ج ۴ ص ۱۷۹ / منقول از کردار یزید ص ۱۲۶)

یزید نے قاتلین حسین کو سزا کیوں نہ دی

مولانا طاہر صاحب لکھتے ہیں ''اس موقع پر جو سب سے بڑی غلطی مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی علیہ الرحمہ نے کی ہے وہ یہ ہے کہ یزید کی طرف سے صفائی پیش کرنے میں بڑے بڑے علم کے سورماؤں کو بھی انہوں نے پیچھے چھوڑ دیا ہے، لکھتے ہیں۔ ہاں (۱) یہ بالکل صحیح ہے کہ اس نے قاتلین حسین کو کوئی سزا نہیں دی، نہ ان عمال و امراء کو معزول کیا جن سے یہ ناروا حرکت اور شدید ترین شرعی جرم سرزد ہوا، بلکہ زبانی یا تحریری طور پر ان کو ملامت کرنا بھی ثابت نہیں، بیشک یہ سارے الزامات ہیں، لیکن یہ بات بھی دھیان میں رکھنا چاہئے کہ یزید اس وقت تک کوئی فاسق مجاہر نہیں تھا اسی طرح کوئی ولی کوئی ممتاز صالح و متقی کوئی بڑا پاکباز متشرع بھی نہیں تھا، اسی کیساتھ امارت و حکومت کو کسی طرح ہاتھ سے دینے کے لئے تیار نہ تھا، اس لئے اس سے یہ توقع کہ حضرت حسین کے واقعہ کے بعد شریعت و مذہب کے تقاضوں کو پورا کریگا ایک بے محل توقع ہے''۔ (تبصرہ بر شہید کربلا و یزید ص ۴۵)

پھر مولانا لکھتے ہیں:

''عرض ہے کہ یزید آپ کے خیال میں زندگی کے آخری دن تک فاسق مجاہر نہ تھا تو آپ نے یہ کیوں لکھا کہ یزید اس وقت تک فاسق مجاہر نہ تھا، اسی طرح وہ فاسق مجاہر کس وقت ہو گیا تھا یہ بھی آپ بتا دیتے، تا کہ آپ کا عقیدہ یزید کے متعلق معلوم ہو جاتا''۔ (کردار یزید ص ۱۲۶)

میں عرض کرتا ہوں کہ حضرت نے یزید کو فاسق مجاہر تسلیم نہیں فرمایا ہے۔ اگر حضرت یزید کو فاسق مجاہر تسلیم فرماتے تب مولانا کا یہ مطالبہ درست ہو سکتا تھا کہ وہ فاسق مجاہر کب ہوا؟ جب یزید کا فسق ہی حضرت کے نزدیک غیر مسلم ہے تو یہ دعویٰ لفظوں کی بازی گری کے سوا اور کچھ نہیں، مجھے یقین نہیں آتا کہ مولانا اس اردو عبارت کا صحیح مفہوم سمجھنے سے قاصر ہیں؟ یا سمجھ کر بھی ناسمجھی کا اظہار فرما رہے ہیں۔ حالانکہ کوئی بھی اردو داں اس سے سمجھ سکتا ہے کہ حضرت محدث اعظمی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی اس عبارت میں یزید کے فاسق مجاہر ہونے اور اس کے ولی، ممتاز صالح و متقی ہونے، دونوں باتوں کا انکار فرمایا ہے اور اس کے ممتاز صالح و متقی نہ ہونے پر ہی یہ تفریع فرمائی ہے کہ جو شخص ان صفات کا حامل نہ ہو اس سے انتقام کی توقع بے محل توقع ہے، اور ہم سمجھتے ہیں کہ حضرت نے یہ تحریر رعایۃً رقم فرمائی ہے، کیونکہ جب شہادت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ، میں یزید یا اس کے عمال کی شرکت ثابت ہی نہیں ہے، تو پھر عمال کی معزولی چہ معنی دارد؟ ہاں ہم یہ ضرور تسلیم کرتے ہیں کہ اس موقع پر یزید کے جو عمال موجود تھے وہ حضرت سیدنا حسین کی حفاظت میں ضرور ناکام رہے، اور ان کی مجبوری کا پتہ ہمیں انھیں تاریخی روایتوں کی اوٹ سے جھانکتی ہوئی تصویر سے لگتا ہے۔

ابو مخنف جیسا کٹر رافضی اخباری عن الحجاج عن عبداللہ بن عمار کے حوالے سے کہتا ہے

وقد دنا عمر بن سعد من حسين فقالت (زينب ابنة فاطمة اخته) يا عمر بن سعد أيقتل ابو عبد الله وانت تنظر اليه قال فكانى انظر الى دموع عمر وهى تسيل على خديه ولحيته قال وصرف بوجهه عنها ۔

(تاریخ الطبری ج ۵ ص ۴۵۲)

عمر بن سعد حسین کے نزدیک آیا تو زینب نے کہا! اے عمر بن سعد کیا حسین قتل کر دئے جائیں گے اور تم دیکھتے رہو گے؟ عبداللہ کہتے ہیں گویا میں عمر کے آنسوؤں کو ہی دیکھ رہا تھا جو اس کے گالوں اور اس کی ڈاڑھی پر بہہ رہے تھے، عبداللہ نے کہا عمر نے زینب کی طرف سے اپنا چہرہ پھیر لیا''۔

عبیداللہ ابن زیاد نے قاتل حسینؓ کی گردن مروادی

پھر یہ روایت بھی دیکھ لیجئے، ابن عبدربہ لکھتے ہیں، علی بن عبد العزيز قال حدثنى الزبير قال حدثنى محمد بن الحسن ، وقتل وهو ابن ست و خمسين سنةوهو صابغ بالسواد قتله سنان بن ابى انس و اجهز عليه خولة بن يزيد الاصبحى من حمير وحزر اسه واتى به عبيد الله وهو يقول اوقر ركا بى فضة وذهباً ، انا قتلت الملك المحجبا خير عباد الله اماً واباً فقال له عبيد الله بن زياد اذا كان خير الناس اماً واباً و خير عباد الله فلم قتلته فاضربوا عنقه فضرب عنقه ۔ (العقد الفرید ج ۵ ص ۱۲۹/۱۳۰)

''جس وقت حضرت حسین شہید کئے گئے، آپ کی عمر مبارک چھپن سال کی تھی، آپ سیاہی کا خضاب لگائے ہوئے تھے انھیں سنان بن انس نے قتل کیا ان پر قبیلہ حمیر کے خولہ بن یزید اصبحی نے حملہ کیا اور ان کا سر قلم کیا، اور اس کو لیکر عبیداللہ بن زیاد کے پاس آیا اور وہ اشعار پڑھ رہا تھا،، میں اپنا پیالہ سونے چاندی سے بھر لوں گا، میں نے چھپے

بادشاہ کو قتل کر دیا، جو ماں باپ کے لحاظ سے لوگوں میں سب سے بہتر تھے''۔ تو عبید اللہ ابن زیاد نے اس سے کہا جب وہ ماں باپ کے لحاظ سے لوگوں میں سب سے اچھے اور اللہ کے بندوں میں سب سے بہتر تھے تو تو نے انھیں قتل کیوں کیا؟ اس کی گردن ماردو چنانچہ اس کی گردن ماردی گئی''۔

محترم مولانا سید طاہر حسین صاحب گیاوی عنوان قائم کرتے ہیں ''مولانا اعظمی اور بیجا جرأتمندانہ تحریر'' اور پھر لکھتے ہیں مولانا اعظمیؒ نے یہاں پر تو غضب ہی کر دیا کہ جس سوال کا جواب حافظ ابن کثیر اور علامہ ابن تیمیہ نہ دے سکے، آپ نے کتنی آسانی سے حل فرمادیا اور یزید جہاں آ کر بُری طرح پھنس رہا تھا اور ابن کثیر اور ابن تیمیہ جیسے لوگ جہاں آ کر خاموش ہو جاتے تھے وہاں آپ نے یزید کو اس دلدل سے نکال دیا، دیکھئے یہ سوال ابن کثیر اور ابن تیمیہ رحمہما اللہ نے اٹھایا ہے، قتل حسین میں اگر وہ بالکل بے قصور ہے جو قصوروار تھا اس کو اس نے سزا کیوں نہیں دی، نہ عہدے سے ان لوگوں کو ہٹایا، نہ ہی عہدے سے گرایا، نہ کوئی قصاص یا بدلہ لیا، اس سے یزید کی قتل حسین سے برأت مشکل ہے (پھر دونوں بزرگوں کی عبارتیں نقل کرنے کے بعد) لیکن اس نے اس کا حکم نہیں دیا، نہ اس پر رضا ظاہر کی، اور نہ اس کا بدلہ قاتل سے لیا، اس سوال کو ابن تیمیہ اور حافظ ابن کثیر دونوں نے اٹھایا ہے لیکن البدایہ والنہایہ کی تمام جلدوں کو پڑھ جایئے اور منہاج السنۃ کی چاروں جلدوں کا بھی مطالعہ کر جایئے اور اس کا ملخص المنتقی بھی پوری مکمل پڑھ جایئے، اس سوال کا کوئی جواب نہیں ملے گا، کیونکہ جواب سے ان اکابر علماء کے زمانہ تک نقل و تاریخ سے بھی کوئی کمزور سے کمزور نقل نہیں مل سکتی تھی، جواب دیتے تو کہاں سے دیتے؟ اور یہاں یزید کی طرف سے صفائی پیش کرنے والے بڑے سے بڑے علماء سب خاموش نظر آتے ہیں، البتہ مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی

علیہ الرحمۃ نے اس مشکل کو بھی بڑی آسانی سے حل کر دیا ہے، فرماتے ہیں ''پھر اس طرح کے واقعات قتل کو عام واقعات پر قیاس کرنا حقائق سے چشم پوشی ہے، اہل علم جانتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، کا واقعۂ قتل حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے واقعۂ قتل سے کہیں بڑھ کر تھا، اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ، کو اقرار تھا کہ وہ ظلماً شہید کئے گئے، مگر انھوں نے سریر آرائے خلافت ہونے کے بعد نہ قاتلین عثمان کو سزا دی، نہ ان کو اپنی جماعت سے الگ کیا، بلکہ سب سے پہلے جس شخص نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی وہ بلوائیوں کا سرغنہ تھا، اور وہ ہمیشہ آپ کے ساتھ رہا۔

(تبصرہ بر شہید کربلا و یزید ص ۴۵ / کردار یزید ص ۱۲۶ / ۱۲۷)

مولانا طاہر صاحب کی غلط بیانی اور اس کی حقیقت

''اس جگہ مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی نے ایک غلط فہمی تو یہ پھیلانے کی کوشش کی ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، جیسے خلیفۂ مظلوم کے شہید کرنے والے بلوائیوں کے سردار اشتر نے سب سے پہلے حضرت علیؓ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی، حالانکہ یہ بات کہی تو گئی ہے مگر متفق علیہ نہیں، بلکہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ سب سے پہلے حضرت علی رضی اللہ عنہ، کے ہاتھ پر بیعت کرنیوالے حضرت طلحہ ہیں اشتر نہیں ہے''۔

(کردار یزید ص ۱۲۷)

میں عرض کرتا ہوں کہ مغالطہ دینے اور غلط فہمی پیدا کرنے کی قدیم عادت مولانا طاہر گیاوی کی ہے، حضرت محدث اعظمی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ اوچھی حرکت کبھی اور کہیں نہیں فرمائی۔ مولانا طاہر کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر اشتر کے سب سے پہلے بیعت کرنے کا ذکر فرما کر حضرت محدث اعظمی علیہ الرحمہ نے غلط فہمی پھیلانے کی

کوشش کی ہے، اور یہ بات متفق علیہ نہیں ہے۔ جب کہ مولانا گیاوی صاحب نے اس کے مقابلے میں حضرت طلحہ کی بیعت کا ذکر کر کے ہی مغالطہ دینے اور غلط فہمی پھیلانے کی مذموم کوشش کی ہے۔ اور یہ مضمون البدایہ کے اسی صفحات پر ہے جہاں سے مولانا گیاوی اپنی کتاب میں حوالہ دے رہے ہیں، اس لئے ممکن نہیں کہ ان کی نظر اس عبارت پر نہ پڑی ہو، لیجئے! ہم البدایہ کے دونوں مقامات سے پوری عبارت نقل کرتے ہیں۔ قارئین خود اندازہ کرلیں کہ اصل مغالطہ کون دے رہا ہے؟ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ یقال ان اول من بایعه طلحة بیده الیمنیٰ و کانت شلاء من یوم احد فقال بعض القوم والله ان هذا الامر لایتم وذالك یوم السبت التاسع عشر من ذی الحجة سنة خمس وثلاثین ویقال ان طلحة والزبیر انما بایعاه بعد ان طلبهما وسالاه ان یومرهما علی البصرة والکوفة۔

(البدایہ والنہایہ ج ۷ ص ۲۲۶/۲۲۷)

کہا جاتا ہے کہ حضرت علی کے ہاتھ پر داہنے شل ہاتھ سے جو جنگ احد میں شل ہوگیا تھا حضرت طلحہ نے پہلے بیعت کی، تو کچھ لوگوں نے کہا بخدا یہ معاملہ پورا نہیں ہوگا اور یہ واقعہ ۳۵ھ میں انیسویں ذی الحجہ سنیچر کو پیش آیا تھا، اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حضرت طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہما نے حضرت علی کی طرف سے مطالبۂ بیعت کے بعد بیعت کی تھی، اس وقت انھوں نے حضرت علی سے بصرہ اور کوفہ کی امارت طلب کی تھی۔

دوسری روایت دیکھئے:۔ فرجعوا فالحوا علیه واخذ الاشتر بیده فبایعه و بایعه الناس، واهل الکوفة یقولون اول من بایعه الاشتر النخعی وذالك یوم الخمیس الرابع والعشرون من ذی الحجة۔ فلما کان یوم الجمعة وصعد المنبر بایعه من لم یبایعه بالامس وکان اول من بایعه طلحة بیده الشلاء

فقال قائل انا لله وانا الیه راجعون ثم الزبیر۔ (البدایہ ج ۷ ص ۲۲۷)

(جب دوسرے حضرات نے باری باری امارت قبول کرنے سے انکار کر دیا تو) لوگ لوٹے اور حضرت علی سے اصرار کیا اور اشتر نے حضرت علی کا ہاتھ پکڑا تو ان کے ہاتھ پر بیعت کی، اور لوگوں نے بیعت کی، اور کوفہ والے کہتے ہیں کہ ان کے ہاتھ پر سب سے پہلے اشتر نخعی نے بیعت کی، اور وہ ذی الحجہ کی چوبیس تاریخ کا جمعرات کا دن تھا، جب جمعہ کا دن آیا اور آپ منبر پر تشریف لائے تو کل جن لوگوں نے بیعت نہیں کی تھی آج بیعت کر لی اور پہلے حضرت طلحہ نے اپنے شل ہاتھوں سے بیعت کی تو کسی کہنے والے نے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھ دیا، پھر حضرت زبیر نے بیعت کی۔

غور سے دیکھئے! مولانا طاہر حسین صاحب نے روایت کے دوسرے جز سے جمعہ کی بیعت والا ٹکڑا نقل کر دیا ہے، اور اسی سے دوسطر پہلے جمعرات کی بیعت والا ٹکڑا جان بوجھ کر چھوڑ دیا ہے، کیونکہ اگر مولانا اس کو بھی نقل کر دیتے تو انھیں حضرت محدث اعظمی رحمۃ اللہ کی شان میں طعن اور گستاخی کا موقعہ نہیں ملتا، شاید مولانا کی لغت میں دیانت اسی ہیرا پھیری اور قطع و برید کا نام ہے؟ بد دیانتی کی تمام حدیں خود پار کرتے ہیں اور الزام دوسروں پر لگاتے ہیں؟ اور ان کے یار لوگ اسی عمل کو غیر جانبدارانہ تحقیق کا نام دیتے ہیں۔ فالی اللہ المشتکیٰ۔ اب آیئے اصل مضمون کو دیکھتے ہیں! مولانا کہتے ہیں کہ ''ابن کثیر اور ابن تیمیہ جیسے لوگ جہاں آ کر خاموش ہو جاتے تھے وہاں آپ نے یزید کو اس دلدل سے نکال دیا''۔

میں عرض کرتا ہوں کہ مولانا نے دلدلی چشمہ پہن کر واقعات کا مشاہدہ کیا ہے اس لئے انھیں دلدل دکھائی دے رہی ہے، اور مولانا برافروختہ ہیں کہ یزید کنارے کیوں کھڑا ہے اس دلدل میں اترتا کیوں نہیں؟ حضرت محدث اعظمی رحمۃ اللہ علیہ نے استدلال

فرمایا تھا کہ انتقام نہ لینے سے یزید کو مجرم نہیں کہا جا سکتا، کیونکہ شہادت سیدنا عثمان غنیؓ کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ، خلافت پر مسند آرا ہوئے تو آپ نے بھی قاتلین عثمان کو نہ سزا دی، نہ اپنی جماعت سے الگ کیا، اگر مولانا کے نزدیک یہ حقیقت واقعہ نہیں ہے تو انھیں صحیح روایت پیش کرنے سے کسی نے روکا تو نہیں ہے؟ انھوں نے اپنی کتاب میں دوسری صورت حال کی منظر کشی کیوں نہ فرمائی؟ کمرے میں بیٹھ کر تبصرہ کرنا الگ ہے اور جو حالات سے جوجھ رہا ہو اس کی کیفیت اور حالت کا اندازہ لگانا الگ، میں عرض کرتا ہوں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ، نے جب مسند خلافت سنبھالی تو قاتلین سیدنا عثمان کا ٹولہ بھی ان کے ساتھ ہو گیا، ایسا نہیں کہ سیدنا علی انھیں جانتے نہیں تھے، اور ایسا بھی نہیں کہ آپ چشم پوشی سے کام لے رہے تھے، بلکہ یہ شاطر ٹولہ اتنا طاقتور ہو گیا تھا کہ حکومت میں بھی شامل ہو گیا تھا، اور اس کے لوگ اتنی بڑی تعداد میں ہو گئے تھے کہ حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ، نے ہلکی مصیبت اسی میں دیکھی کہ اس باب میں جان بوجھ کر بھی خاموشی اختیار کی جائے، ورنہ مطالبۂ قصاص پر عمل درآمد میں جتنا بڑا نقصان، فساد وقتال کی صورت میں نظر آئے گا اس سے کم درجے کا نقصان بدرجۂ مجبوری خاموشی میں ہے، اس لئے آپ نے اسکو اختیار فرمایا، ٹھیک یہی صورت حال یزید کیساتھ پیش آئی، قاتلین سیدنا حسینؓ کوفہ کے بڑے اثر دار لوگ تھے، وہی لوگ جنہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو تنگ کر کے رکھا تھا، جنہوں نے حضرت حسنؓ کو اپنے مفاد کیلئے استعمال کرنا چاہا تھا، اور جنہوں نے سیدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہ، کو اپنی غرض کی خاطر باصرار اپنے یہاں بلایا تھا، یہ ابن الوقت لوگ تھے، نہ سیدنا علیؓ کے وفادار تھے نہ سیدنا حسنین رضی اللہ عنہما کے، حضرت حسین رضی اللہ عنہ، کے کوفہ روانہ ہوتے وقت حضرت ابوسعید خدری نے انھیں سمجھاتے وقت جو فرمایا تھا اس کے

الفاظ دیکھیں فانی سمعت اباك بالكوفة يقول : والله انی مللتهم وابغضونی وملونی ومابلوت منهم وفاء۔ (تاریخ الاسلام ج۵ص۶)

میں نے آپ کے والد کو کوفہ میں فرماتے سنا ہے ''خدا کی قسم میں ان سے اکتا گیا ہوں انھوں نے مجھے مبغوض رکھا اور مجھے رنجیدہ کر دیا، اور میں نے ان سے کبھی وفاداری نہیں پائی''۔ آیئے ہم اس کی قدرے وضاحت پیش کرتے ہیں، کہ یزید کے دور میں حالات کیا تھے؟ لیکن ذرا پہلے الاصابہ سے یہ ترجمہ پڑھ لیجئے:۔

سليمان بن صرد بن الجون يقال كان اسمه يسار فغيره النبی صلی الله عليه وسلم وقد روىٰ عن النبی صلی الله عليه وسلم وعن علی و ابی الحسن وجبير بن مطعم وروىٰ عنه ابو اسحاق السبيعی ويحيىٰ بن يعمر ، وعبد الله بن يسار وابو الضحىٰ وكان خيراً فاضلاً شهد صفين مع علی وقتل حوشباًمبارزاًثم كان ممن كاتب الحسين ثم تخلف عنه ، ثم قدم هو والمسيب بن نجبة فی آخرين فخرجوا فی الطلب بدمه وهم اربعة آلاف الخ ۔ (الاصابہ ج۳ص۱۴۴)

سلیمان بن صرد بن الجون، کہتے ہیں ان کا نام یسار تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بدل دیا تھا انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت علی، ابوالحسن، اور جبیر بن مطعم سے روایت لی ہے، اور ان سے ابواسحاق سبیعی یحییٰ بن یعمر، عبداللہ بن یسار، اور ابوالضحی نے مروی کیا ہے، یہ نیک شریف آدمی تھے حضرت علی رضی اللہ عنہ، کے ساتھ صفین میں رہے، مبارزت میں حوشب کو قتل کیا، پھر ان لوگوں میں تھے جنہوں نے حضرت حسین کو خط لکھا تھا، پھر اس سے الگ ہو گئے، پھر حضرت حسین رضی اللہ عنہ، کی شہادت کے بعد یہ اور مسیّب بن نجبہ حضرت حسین کے خون کا بدلہ لینے نکلے تھے انکے

ساتھ چار ہزار آدمی تھے۔

اب ان کے ساتھیوں نے جب مطالبۂ قصاص کے لئے ان پر دباؤ ڈالا تو انھوں نے جو فرمایا، وہ طبری کے حوالے سے سنیئے! اگر چہ یہ روایت ابومخنف ہی کے حوالے سے ہے، لیکن مولانا تو اس کو تسلیم کرتے ہیں: رویداً لا تعجلوا ! انی قد نظرت فیما تذکرون رأیت ان قتلة الحسین هم اشراف اهل الکوفة وفرسان العرب وهم المطالبون بدمه ومتی علموا ما تریدون وعلموا انهم المطلوبون کانوا اشدعلیکم ونظرت فیمن تبعنی منکم فعلمت انهم لو خرجوا لم یدرکوا ثارهم ولم یشفوا انفسهم ولم ینکوا فی عدوهم وکانوا لهم جزراً ولکن بثوا دعاتکم فی المصر فادعوا الی امرکم هذا شیعتکم وغیر شیعتکم۔ (تاریخ الطبری ج۵ص۵۵۸/۵۵۹)

''ٹھہرو! جلد بازی مت کرو تم جو کہہ رہے ہو میں نے اس پر غور کیا تو میں نے پایا کہ حضرت حسین کے قاتل کوفہ کے بااثر لوگ اور عرب کے شہسوار ہیں، حضرت حسین کے خون کا مطالبہ انھیں سے ہے، انھیں پتہ چل جائے گا کہ تم کیا چاہتے ہو اور وہ جان لیں گے کہ انھیں کو ڈھونڈھا جارہا ہے تو وہ تم پر سخت ہو جائیں گے، اور تم میں سے جنھوں نے میری پیروی کی ہے، تو میں نے جان لیا کہ یہ لوگ اگر مطالبے کے لئے نکلے، تو بدلہ لینا تو دور، نہ بدلہ لے سکیں گے نہ خود کو بچا سکیں گے، بلکہ اپنی ہی جانیں گنوائیں گے، لیکن تم اپنے داعیوں کو مصر بھیج دو انھیں اپنے معاملے میں شرکت کی دعوت دو، تمہارے طرفدار ہوں، یا نہ ہوں''۔

اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ یزید کے سامنے بھی ٹھیک وہی صورت حال تھی جو سیدنا علی کرم اللہ وجہہ، کو درپیش تھی، یعنی ایک ہدف کو پانے کے لئے خواہ وہ کتنا ہی ضروری

کیوں نہ تھا اس سے کئی گنا زیادہ نقصان کو دعوت دینا، اور میں سمجھتا ہوں کہ کوئی بھی ذمہ داری کا احساس رکھنے والا، حماقت بھرا قدم اٹھانے سے ہر حال میں بچنا چاہے گا، پھر یہاں صورت حال یک گونہ قدرے مختلف بھی ہے، کہ حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ، کے دور میں قصاص کے مطالبین بہت سے ہیں، یہ الگ بات ہے کہ حضرت معاویہؓ کا نام پیش پیش ہے، جب کہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ، کی طرف سے قصاص کے اصل مطالبین اہل بیت کے ذمہ داران خاموش ہیں، قصاص کا کوئی مطالبہ ان کی طرف سے نہیں ہے، نہ حضرت زین العابدین کی طرف سے نہ محمد ابن الحنفیہ کی جانب سے نہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہم کی جہت سے، پھر ہم یہ بھی دیکھتے ہیں، کہ جو مطالبۂ قصاص کے اصل حقدار ہیں۔ وہ بزرگ یزید کے ساتھ ہیں، حتی کہ حرہ میں جب کچھ نیک صفت بزرگ بھی سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ، کی فہمائش کے باوجود پروپیگنڈے کی لہر میں بہہ کر خلع بیعت کا اقدام کر لیتے ہیں، تب بھی خانوادۂ اہل بیت یزید کی بیعت کے دائرے میں ہی رہتا ہے، ان حالات میں یزید کے کاندھوں پر قصاص نہ لینے کو جرم عظیم بنا کر ڈال دینا، میں پوچھتا ہوں انصاف کے کس اصول کی رو سے درست ہو سکتا ہے؟ پھر اسی حقیقت کو اگر حضرت محدث اعظمی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرما دیا تو کون سا عظیم گناہ کر دیا، کہ مولانا کے تلووں میں آگ لگی جارہی ہے؟

حضرت معاویہؓ پر امت کو متحد نہ ہونے دینے کا سنگین الزام اور اس کا جواب

محترم مولانا سید طاہر حسین صاحب گیاوی مدظلہ العالی لکھتے ہیں:

''دوسری بات یہ ہے کہ حضرت علی کا اقتدار متحدہ صورت میں نمودار ہی کب ہوا؟ حضرت معاویہ نے آخر دم تک نہ خلیفہ برحق تسلیم کیا، نہ

طاقت کو متحد ہونے دیا، اس لئے حضرت علی نے کبھی قصاص لینے یا قاتلین عثمان سے بدلہ لینے سے انکار نہ کیا، وہ تو ہمیشہ یہی کہتے رہے کہ اے معاویہ! آپ ہم کو خلیفہ برحق تسلیم کیجئے اور طاقت متحد بنائیے تو ہم قصاص کی کارروائی عمل میں لانے کے لائق ہونگے، ایک طرف آپ ہم سے جنگ کر رہے ہیں ایسی حالت میں ہم دوسروں کو چھیڑ کر مزید بغاوت وانتشار کا شکار ہوجائیں گے۔ (کردار یزید ص ۱۲۸)

ہم عرض کرتے ہیں کہ مولانا کا یہ فرمان کس قدر خطرناک ہے کہ ''حضرت معاویہ نے آخر دم تک نہ خلیفہ برحق تسلیم کیا، نہ طاقت کو متحد ہونے دیا، اس تحریر کو صفحۂ قرطاس پر منتقل کرتے وقت مولانا پر کون سے جراثیم حاوی ہوگئے تھے؟ میں نہیں کہہ سکتا کہ مولانا حب علی کے علم بردار ہیں یا بغض معاویہ کے؟ تاریخ کی کتابیں سامنے ہیں، اس باب میں علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے بیشتر اقوال ابومخنف کے حوالے سے بیان فرمائے ہیں، ان میں سے کسی میں مولانا حضرت علی کرم اللہ وجہہ، کا یہ بیان دکھادیں کہ حضرت معاویہ بیعت کرلیں تو آپ قاتلین سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ پر حد شرعی جاری فرمادیں گے، پھر یہ مطالبہ حضرت معاویہ کی طرف سے ہی نہیں تھا بلکہ ابن کثیر کے بیان کے مطابق صحابہ کی ایک جماعت بھی ان کے ساتھ تھی جس میں حضرت ابودرداء عبادۃ بن الصامت، ابوامامہ، عمرو بن عبسہ جیسے لوگ شامل تھے، یہی مطالبہ حضرت طلحہ، اور حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہما نے بھی حضرت علی کی خدمت میں پیش فرمایا تھا، لیکن چونکہ قاتلوں کی اس شاطر ٹولی نے پروپیگنڈے کے ذریعے ہزاروں بااثر لوگوں کو اپنا ہم خیال بنا رکھا تھا، بلکہ وہ امور سلطنت میں اچھے عہدوں پر فائز بھی ہوگئے تھے، اس لئے یہ کام اتنا آسان بھی نہ رہ گیا تھا، ابن کثیر لکھتے ہیں۔ وطلب منه طلحة ان

یولیه امرة البصرة لیاتیه منها بالجنود لیقوی بهم علیٰ شوکة هؤلاء الخوارج وجهلة الاعراب الذین کانوامعهم فی قتل عثمان رضی الله عنه فقال لهما مهلاً حتی انظر فی هذا الامر۔ (البدایہ ج ۷ ص ۲۲۹)

حضرت طلحہ نے مطالبہ فرمایا کہ بصرہ کی امارت ان کو دیدیں، وہ وہاں سے فوج لاکر ان باغی قاتلین کی قوت کو کمزور کریں گے، حضرت علی نے فرمایا ٹھہرو تاکہ میں اس معاملے پر اچھی طرح غور کرلوں۔ یہ بھی فرمایا تھا کہ ان قاتلین کے حمایتی اور مددگار بڑی تعداد میں ہیں اس لئے یہ کام ابھی ممکن نہیں ہے۔ (البدایہ ج ۷ ص ۲۲۹)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ، کے پاس بیعت کا پیغام حضرت علی رضی اللہ عنہ، نے بھیجا تو انھوں نے مجلس مشاورت طلب فرمائی۔ فطلب معاویة عمرو بن العاص ورؤس اهل الشام فاستشارهم فابوا ان یبایعوا حتی یقتل قتلة عثمان او ان یسلم الیهم قتلة عثمان وان لم یفعل قاتلوه ولم یبایعوه حتی یقتل قتلة عثمان بن عفان رضی الله عنه۔ (البدایہ والنہایہ ج ۷ ص ۲۵۴)

حضرت معاویہ نے عمرو بن العاص اور شام کے سرکردہ لوگوں کو بلاکر ان سے مشورہ طلب کیا، انھوں نے جب تک حضرت عثمان کے قاتل مارے یا انکے حوالے نہیں کردیئے جاتے، بیعت کرنے سے انکار کردیا اور بولے، اگر حضرت علی نے ایسا نہیں کیا تو وہ ان سے لڑینگے، یہاں تک کہ قاتلین سیدنا عثمان قتل نہیں کردیئے جاتے۔

اب مولانا یہ فرمارہے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ، نے طاقت کو متحد نہیں ہونے دیا، تو ہم سمجھ سکتے ہیں کہ مولانا کے دل میں حضرت معاویہ کی طرف سے کتنا غبار جما ہوا ہے۔ یہ سبائی لابی اتنی بااثر ہوگئی تھی کہ جس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ، نے ارادہ فرمالیا کہ مدینہ چھوڑ کر کوفہ چلے جائیں، تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ، نے انہیں

سمجھایا بھی تھا کہ وہ اس معاملے میں ان باغیوں کی بات نہ مانیں، لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ، نے انکار فرمادیا۔

ابن کثیر لکھتے ہیں۔فابیٰ علیه ذالك كله وطاوع امر اولئك الامراء من اولئك الخوارج من اهل الامصار۔ (البدایہ والنہایہ ج ۷ ص ۲۲۹)

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ساری باتیں قبول کرنے سے انکار فرمادیا، اور مختلف شہروں سے باغیوں کے جو سردار اکٹھے ہوئے تھے انھیں سرداروں کی بات مان لی۔

مولانا طاہر حسین صاحب کا طنز

مولانا طاہر حسین گیاوی صاحب لکھتے ہیں:

''اس لئے مولانا اعظمی نے یزید کی صفائی میں وہ کمال دکھایا ہے جو ابن کثیر اور ابن تیمیہ سے بھی نہ ہوا، حالانکہ شیعوں کا جو ردان بزرگوں نے کیا ہے، وہ مولانا اعظمی کے حصے میں نہیں آیا ہے، اس لئے بلاخوف تردید کہتا ہوں کہ مولانا اعظمی میں یزید کی حمایت اور اس کی برأت کا کچھ زیادہ ہی جذبہ پایا جاتا ہے، جو اہل سنت کے موقف سے کسی طرح میل نہیں کھاتا ہے، اور جو جذبۂ صحابہ کو مطعون کئے بغیر درست ہو ہی نہیں سکتا''۔

(کردار یزید ص ۱۲۹)

مولانا طاہر ٹھیک کہہ رہے ہیں، کہ جب تک وہ صحابۂ کرام خصوصاً حضرت معاویہ کو مطعون نہ کردیں، یزید کو موردالزام قرار دے ہی نہیں سکتے، اب انکی ص ۱۲۸ کی تحریر ہی دیکھ لیجئے! قاتلین سیدنا حسین رضی اللہ عنہ، سے انتقام نہ لینے کا الزام تو یزید کی گردن پر اسی وقت آئے گا، جب صورت حال کی مجبوری کو نظر انداز کردیا جائے، اور جب یہ کہا جائے کہ یہی مجبوری قاتلین سیدنا عثمانؓ کے تعلق سے حضرت علی کے ساتھ تھی، تو

مولانا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ، کے ساتھ جذبۂ صحابہ کے غایت احترام کا حق ادا کرتے ہوئے فرمائیں، کہ حضرت معاویہ نے حضرت علی کی طاقت کو متحد نہیں ہونے دیا، اور ہم یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ مولانا سید طاہر حسین نہیں بول رہے ہیں، ان کے اندر کی چھپی ہوئی رافضیت منہ کھول رہی ہے، اور حضرت محدث اعظمی رحمۃ اللہ علیہ نے ایسے کسی کمال کا اظہار نہیں فرمایا ہے، جو کسی حقیقت کو مسخ کردے، یہ کام علامہ طاہر حسین کا ہے انھیں کو مبارک بھی ہو۔ اور کسی بھی مسلمان کو زبردستی کھینچ تان کر بلا دلیل فاسق کہا جائے تو حضرت اعظمی رحمۃ اللہ علیہ کیا، کسی بھی انصاف پسند دیانت ضمیر مسلمان کا فرض بنتا ہے کہ وہ حقائق کو سامنے لائے، اور یہی کام حضرت علیہ الرحمۃ نے کیا ہے جو مولانا سے ہضم نہیں ہو رہا ہے، ومن یضلل الله فماله من هاد۔ یہ تو آپ نے مولانا طاہر صاحب سے سن لیا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ، نے حضرت علی کی طاقت کو متحد نہیں ہونے دیا، خود حضرت علیؓ کیا فرماتے ہیں یہ بھی سن لیجئے۔

سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا، لا تكرهوا امرة معاوية فانكم لو فقد تموه رأيتم الرووس تندر عن كو اهلها۔ معاویہ کی امارت کو ناپسند مت کرو، تم انھیں کھودوگے تو دیکھوگے کہ سر کٹ کٹ کر اس طرح گر رہے ہیں جیسے حنظل اپنے درخت سے گرتا ہے۔ (تاریخ الاسلام ج ۴ ص ۳۱۰)

واقعۂ حرہ منظر پس منظر اور حقیقت

حرہ کا واقعہ یزید کی زندگی کے آخری دور میں پیش آنے والا وہ افسوس ناک واقعہ ہے جس نے یزید کی بدنامی میں کوئی کسر نہیں چھوڑی، مؤرخین ہوں یا شارحین حدیث، مفتیان کرام ہوں یا متصوفین، چند محتاط علماء کو چھوڑ کر اکثر بزرگوں نے اس مقام پر یزید کو اچھی طرح کوسا ہے، لیکن میں مؤدبانہ عرض کرتا ہوں کہ روایات جمع کی گئیں،

رائیں دی گئیں، اقوال نقل کئے گئے، اور تقریباً اکثر بزرگوں نے فرمایا کہ یزید نے تین دنوں تک مدینہ منورہ کو لوٹنے کا حکم دے رکھا تھا، اور مسلم بن عقبہ مری یزیدی فوج کے کمانڈر نے اس کے حکم کی اچھی طرح تعمیل کی، اور اس دوران عورتوں کی جم کر عصمت دری کی گئی، اور معاذ اللہ عصمت دری کی شکار بننے والی کنواریوں کی تعداد ہزار تک پہونچ گئی، اور اتنا ہی نہیں بلکہ ان سے ناجائز اولادیں بھی پیدا ہوئیں۔ اور یہ ساری بدکرداری یزیدی فوج کے لوگوں نے کی، قتل ہونیوالوں کی تعداد تو دس ہزار ہے، جس میں بڑی تعداد حاملین قرآن کی بھی ہے، کوئی بھی مسلمان خواہ کمزور عمل والا کیوں نہ ہو اس کہانی کو سنے گا تو فطری طور سے وہ یزید اور اس کے عمال کی طرف سے متنفر ہوئے بغیر رہ نہیں پائے گا، لیکن سوال یہ ہے کہ یہ واقعہ آج کے بدکردار و بداطوار لوگوں کی دنیا کا تو نہیں ہے، بلکہ یہ واقعہ خیر القرون کا ہے، اور اس دور میں جو تابعین کا دور ہے، کچھ معزز صحابہ بھی باحیات ہیں، کیا مسلمان کہلانے والوں کے دلوں سے تھوڑے ہی دنوں میں اسلام کی اعلیٰ ترین قدریں نکل گئی تھیں؟ کیا مدینہ کی عظمت ان کے قلوب میں بالکل نہیں رہ گئی تھی؟ اگر حقیقتاً ایسا تھا تو کیا وہ دور خیر القرون کہلانے کے قابل تھا؟ میں سمجھتا ہوں کہ اس معاملے میں خاصا تساہل برتا گیا ہے، اور سبائی دشمنوں نے انتہائی شاطرانہ حکمت عملی سے واقعے کو جیسا رنگ دینا چاہا دیا، اور ہم اپنی سادگی سے انھیں جیسا خیال قائم کرنے پر نہ صرف مجبور ہوئے، بلکہ نسل در نسل اپنی کتابوں میں اسے نقل بھی کرتے گئے، نتیجہ ہمارے بدخواہوں کے حسب دلخواہ نکلا، ہم بھی انھیں کی بولی بولتے رہے اور سمجھتے رہے کہ ہم حقیقت نگاری سے کام لے رہے ہیں، ورنہ یہ روایتیں جب ہمارے سامنے آئی تھیں تو جس معیار کے تحت ہم نے صحیح و سقیم حدیث نبوی میں تفریق کی تھی، صحیح حدیثوں کو ضعیف حدیثوں سے ممتاز رکھا تھا،

موضوع احادیث کو پہچان پہچان کر ان کی نشاندہی کر دی تھی، وہی معیار اگر ہم تاریخی روایتوں کے رد و قبول میں باقی رکھتے، روایت و درایت دونوں لحاظ سے روایتوں کو پرکھتے، اور کم از کم اپنی تاریخی کتابوں میں اس مقام پر نشاندہی کر دیتے، کہ اس کے راوی کیسے ہیں؟ یا اس روایت میں کس طرح کی علت پائی جا رہی ہے، پھر درایت کے لحاظ سے بھی اس کی تنقیح و توضیح کرتے، تو آج امت کا ایک بڑا طبقہ اختلافی پلیٹ فارم پر کھڑا ہو کر خم نہ ٹھونک رہا ہوتا۔ علامہ ابن کثیر بڑے محقق ہیں، لیکن واقعۂ حرہ کے تحت حضرت عبداللہ ابن مطیع کی شہادت دکھا رہے ہیں، جب کہ تقریباً تمام مؤرخین نے لکھا ہے کہ وہ عین لڑائی کے وقت بھاگ کر مکہ چلے گئے تھے۔ اب یہ دونوں باتیں تو ممکن نہیں ہو سکتیں، صاف ظاہر ہے کہ روایتوں کے رد و قبول کا کوئی معیار ہی نہ رہا، ابومخنف، واقدی، ابن زکریا غلابی، ہشام ابن سائب کلبی، انتہا درجے کے جھوٹے اور جعلساز راوی ہیں، ستم بالائے ستم یہ کہ حضرت معاویہ اور یزید کے نام سے بھی خار کھانے والے ہیں، پھر تماشا یہ کہ علامہ ابن حجر ہوں کہ علامہ ذہبی، علامہ ابن اثیر ہوں کہ ابن کثیر، ابن خیاط ہوں کہ ابن سعد، کسی کی کتاب ان مجروح و متروک راویوں کی روایتوں سے خالی نہیں ہے، خالی ہونا تو دور رہا، ان کی روایات ہمارے بزرگوں کی کتابوں میں بھری پڑی ہیں، کہا جاتا ہے کہ احادیث میں یہ متروک ہیں، تاریخ میں مقبول ہیں، سوال یہ ہے کہ مقبول کیوں ہیں؟ یہ جھوٹے لوگ جو احادیث نبویہ پر ہاتھ صاف کرنا نہیں چھوڑتے، کیا تاریخ کی دنیا میں آ کر ان کی تطہیر ہو جاتی ہے؟ بلکہ جو لوگ اپنے مذموم مقاصد کے لئے حدیث رسول کی عظمت کا پاس نہیں کرتے، تاریخی دنیا میں آ کر تو انھیں، واقعات کو اپنے مرضی کے مطابق موڑنے کا کھلا میدان ہاتھ آ جائے گا، جس میں یہ ظالم کو مظلوم اور مجبور کو ستم گر بنائے بغیر دم نہیں لیں گے۔ پھر ان

کی روایتوں سے استدلال اور استشہاد کر کے اپنا کوئی بھی عقیدہ کیسے قائم کیا جا سکتا ہے؟ کیا اسلامی کسی بھی عقیدے کی اصلی ہو یا فرعی، بنیاد اتنی ہی کمزور ہوا کرتی ہے؟

محترم مولانا سید طاہر حسین صاحب مدظلہ نے اپنی کتاب کا آغاز ہی حرہ کے واقعے سے کیا ہے ''یزید کی بیعت اور اہل مدینہ'' کا عنوان قائم کر کے اس کے تحت لکھتے ہیں، ''ہم نے اپنی بحث کا آغاز بخاری شریف کی ایک حدیث سے کیا ہے، حالانکہ واقعہ کی ابتداً قاعدے میں اس سے نہیں ہونی چاہئے تھی، مگر چونکہ وہ روایت اس بحث میں نہایت اہمیت کی حامل ہے، اس لئے آغاز اسی سے کر دیا ہے، قارئین کرام سے اس کے لئے معذرت چاہوں گا۔

حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کی تنبیہ

لما خلع اهل المدينة يزيد بن معاوية جمع ابن عمر حشمه وولده فقال انى سمعت النبى صلى الله عليه وسلم يقول ينصب لكل غادر لواء يوم القيامة وانا قد بايعنا هذا الرجل علىٰ بيع الله ورسوله وانى لا اعلم غدراً اعظم من ان يبايع رجل علىٰ بيع الله ورسوله ثم ينصب له القتال وانى لااعلم احداً منكم خلعه ولا بايع فى هذاالامر الا كانت الفيصل بينى وبينه۔

(صحیح البخاری حدیث نمبر ۷۱۱۱ ص ۵۳ ج ۲ باب اذا قال عند قوم شیئا ثم خرج فقال بخلافہ)

جب اہل مدینہ نے یزید بن معاویہ کی بیعت توڑ دی تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنے خاص لوگوں اور اپنے لڑکوں کو جمع فرمایا اور کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے، وہ فرما رہے تھے، ہر غدار کے لئے قیامت کے دن ایک جھنڈا نصب کیا جائے گا اور ہم نے اس شخص یعنی (یزید بن معاویہ) کے لئے اللہ اور رسول کے نام پر بیعت

کی ہے، اور میں اس سے بڑی غداری نہیں جانتا کہ کسی شخص کے ہاتھ پر اللہ اور رسول کے نام پر بیعت کی جائے اور پھر اسی کیخلاف جنگ وقتال بھی کیا جائے، اس لئے میں تم میں سے کسی کے بارے میں نہیں جاننا چاہتا ہوں کہ اس شخص کی بیعت توڑے اور نہ یہ کہ اس معاملہ میں کسی کی بیعت کرے الا یہ کہ یہ بات میرے اور اس شخص کے علیحدگی کی باعث ہوگی''۔ (کردار یزید ص ۱۲)

مزید لکھتے ہیں: ''مذکورہ بالا روایت کے بارے میں ابن حجر عسقلانی کی تحقیق''۔ ''حافظ ابن حجر عسقلانی علیہ الرحمہ اسی حدیث میں لکھتے ہیں،

قلت وكان السبب فيه ما ذكره الطبرى مسنداً ان يزيد بن معاوية كان امر على المدينة ابن عمه عثمان بن محمد بن ابى سفيان فاوفد الى يزيد جماعة من اهل المدينة منهم عبد الله بن غسيل الملائكة حنظلة بن ابى عامر وعبد الله بن ابى عمرو بن حفص المخزومى فى آخرين فاكرمهم واجازهم فرجعوا فاظهروا عيبه ونسبوه الىٰ شرب الخمر وغير ذالك ۔

(فتح الباری ج ۱۳ ص ۸۷ مطبوعہ المکتبۃ الاشرفیۃ دیوبند)

میں ابن حجر کہتا ہوں اس بیعت کو توڑنے کا سبب جو علامہ ابن جریر طبری نے مسنداً ذکر کیا ہے، یہ ہے کہ یزید بن معاویہ نے اپنے چچا زاد بھائی عثمان بن محمد بن ابی سفیان کو مدینہ کا امیر مقرر کیا تھا، اور اس نے اہل مدینہ کی ایک جماعت کو بطور وفد یزید کے پاس بھیجا، جس میں عبداللہ بن حنظلہ اور عبداللہ بن ابی عمرو بن حفص مخزومی اور دوسرے لوگ بھی تھے،

یزید نے انکا اعزاز واکرام کیا، اور انعامات سے نوازا، لیکن جب یہ لوگ لوٹ آئے تو انھوں نے یزید کا عیب بیان کیا، اور اس کو شرابی بتایا اور اس کے علاوہ بھی اس کے عیوب بیان کئے''۔

پھر عنوان قائم کرتے ہیں ''مذکورہ بالا روایت کی مزید تنقیح''۔ (۱) یہ کہ علامہ محمد بن جریر طبری نے جو سند اس روایت کی ذکر کی ہے، اس میں ایک راوی ابومخنف ہے جس کا اصل نام لوط بن یحییٰ ہے اور وہ غیر معتبر راوی ہے، اور اس کے بارے میں ابن عدی فرماتے ہیں ''شیعی محترق'' جلا بھنا شیعہ ہے''۔ (کردار یزید ص ۱۲/۱۳)

عرض ہے کہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کی طبری کے حوالے سے پیش کردہ اس روایت میں شراب نوشی کا ذکر ہے، اس لئے مولانا کسی بھی طرح اس روایت کو معتبر دکھانے کے پیچھے پڑ گئے ہیں اور یہ تفصیل بھی گذر چکی ہے کہ اس وفد میں شامل حضرت عبداللہ ابن مطیع کے ذریعے لگائے ہوئے ایک ایک الزام کا تفصیلی جواب حضرت محمد ابن الحنفیہ برادر سیدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہ، نے دیدیا تھا، اور یہ بھی گذر چکا ہے کہ انھوں نے ابن مطیع سے جو بحث فرمائی تھی اس میں ابن مطیع نے یزید کی شراب نوشی کے دیکھنے کا انکار کیا تھا کہ ہم نے دیکھا نہیں ہے، لیکن ہم کو معلوم ہے، پھر یہ بھی کہ حضرت محمد ابن الحنفیہ نے فرمایا تھا کہ میں اس کے پاس گیا ہوں، اور اس کے پاس ٹھہرا ہوں میں نے اس کو برابر پابند نماز، خیر کا طالب اور اس کا قصد کرنے والا دیکھا ہے، وہ احکام شرع کو پوچھتا رہتا ہے، اور میں نے اس کو سنت کا التزام کرنے والا دیکھا ہے''۔ اب دیکھئے کہ الزام لگانے والے دیکھنے کا انکار کرتے ہیں، اور ان کے مقابل ایک انتہائی معتبر ذمہ دار بتاتے ہیں کہ میں اس کے پاس جا کر ٹھہرا ہوں، میں نے اس کو پابند نماز،

طالب خیر، احکام شرع کا دریافت کرنے والا اور سنت کا التزام کرنے والا پایا ہے۔

مولانا طاہر حسین صاحب لکھتے ہیں کہ ''دونوں کے جانے کے درمیان ایک سال کا وقفہ ہے، ایک سال پہلے کوئی شخص نہ پیتا ہو یا پہلے چھپ چھپا کر پیتا ہو اور ایک سال بعد کھلم کھلا اعلانیہ پینے لگا ہو''۔

قارئین کرام سوچیں اور بتائیں کہ عقل اس بیان کو تسلیم کر سکتی ہے؟ جو شخص ایک سال پہلے پابند نماز طالب خیر اور متبع سنت ہو، ایک سال بعد وہ کھلم کھلا پینے لگے؟ چند دنوں کیلئے اسکے پاس جانے والوں کو اس کی اس حالت کا مکمل علم ہو جائے، اور اس کے آس پاس رہنے والوں کو اس کی بھنک بھی نہ لگ سکے؟ آخر یہ جانے والے کون سا خفیہ کیمرہ اپنے ساتھ لے کر گئے تھے؟ پھر یہ بیان بھی ایسے شخص کی معرفت سامنے آیا ہے جس کو سب نے بڑا جھوٹا قرار دیا ہے، یہ ساری تفصیل پہلے بھی اپنے مقام پر گذر چکی ہے۔

اس حدیث کا پس منظر یہ ہے کہ مدینہ منورہ میں کچھ لوگوں نے یزید کیخلاف لوگوں کو حضرت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ، کی شہادت کے زمانے سے ہی اکسانا اور ورغلانا شروع کر دیا تھا، اور حضرت عبداللہ ابن الزبیر رضی اللہ عنہ، کی تجویز پر جب یزید نے عامل مدینہ ولید ابن عتبہ کو معزول کر کے محمد بن عثمان کو والی بنا دیا، تو محمد بن عثمان کی نرمی اور سادگی سے فائدہ اٹھا کر جو عناصر یزید کے خلاف پروپیگنڈے میں مشغول تھے ان کی سرگرمی اور بڑھ گئی، اس کا اندازہ یزید کی اس گفتگو سے ہوتا ہے جو امام زین العابدین کو رخصت کرتے وقت اس نے کی تھی۔

حضرت علی ابن حسین رضی اللہ عنہ، فرماتے ہیں، فحملنا الی یزید فدمعت عینه حین رآنا و اعطانا ما شئنا وقال : انه سیکون فی قومك امور فلا تدخل

معهم فی شئ فلما کان من اهل المدینة ما کان کتب مع مسلم بن عقبة کتاباً فیه امانی ۔ (تاریخ الاسلام ج۵ص۲۰)

ہمیں یزید کے پاس لے جایا گیا، اس نے ہمیں دیکھا تو اس کی آنکھیں بھر آئیں اور ہم نے جو چاہا اس نے ہمیں دیا اور کہا عنقریب تمہاری قوم میں کچھ باتیں ہونگی تم ان کے ساتھ کسی بات میں شریک مت ہونا جب مدینہ والوں کیساتھ جو ہونا تھا سو ہوا، تو اس نے مسلم بن عقبہ کو ایک خط دیا تھا جس میں مجھے امان دینے کی بات تھی، جس کا مضمون یہ تھا کہ ''علی ابن حسین کے ساتھ بھلائی کی وصیت قبول کرو، اگر وہ ان کے ساتھ ان کے معاملے میں شریک ہوں تو انھیں امان دو، اور انھیں معاف کردو اور اگر وہ ان کے ساتھ نہیں ہیں تو یہ انھوں نے بہت اچھا کیا''۔ (تاریخ الاسلام ج۵ص۲۱)

کہا جاتا ہے کہ جب لوگ وفد سے لوٹے تب انہوں نے یزید کے عیوب بیان کرنے شروع کئے، اور ہم دیکھتے ہیں کہ دونوں محاذوں پر سبائی فرقہ مخفی طریقے سے کام کر رہا تھا، ایک طرف اس نے حضرت حسین کو نشانہ اور مشق ستم بنا کر اسلامی حکومت کے سربراہ کے خلاف نفرت کا ماحول بنایا، دوسری طرف اس نے مدینہ منورہ میں اپنی سرگرمی خفیہ طریقے سے شروع کردی، کیونکہ یزید کے خلاف شہادت سیدنا حسین کی وجہ سے دور دور تک بدگمانی پھیل چکی ہے، مدینے میں اگر ہماری تحریک کامیاب ہوگئی تو مملکت کے دوسرے علاقے کے لوگ بھی یزید سے بالکلیہ متنفر ہوجائیں گے اور ہمیں اپنے مقصد میں کامیابی مل جائے گی، اور اس منظّم پروپیگنڈے کے زیر اثر مدینے کے با اثر حضرات بھی آگئے، اور پھر جو وفد مدینہ گیا تھا اس نے لوٹ کر بے دیکھے الزام تراشوں کی نہ صرف تصدیق کی، بلکہ ان کی سرگرمیوں میں ان کے شریک کار ہوگئے، چنانچہ حضرت عبداللہ بن حنظلہ جب یزید کے پاس وفد میں گئے تھے تو اس نے دیگر

شرکائے وفد کے ساتھ ساتھ انکا بھی بہت اکرام کیا تھا، اور انھیں ایک لاکھ اور ان کے صاحبزادوں کو دس دس ہزار درہم دیئے تھے۔

علامہ ذہبی لکھتے ہیں: قال جویریة بن اسماء سمعت اشیاخنا یقولون وفد الی یزید عبد الله بن الحنظلة بن الغسیل الاوسی المدنی وله صحبة وفد فی ثمانیة بنین له، فاعطاه یزید مائة الف، واعطی لکل ابن عشرة آلاف سوی کسوتهم۔ (تاریخ الاسلام ج۵ص۲۳/۲۴)

جویریہ بن اسماء کہتے ہیں، میں نے مدینہ کے بوڑھے لوگوں کو کہتے سنا کہ یزید کے پاس عبداللہ ابن حنظلہ، صحابی اپنے آٹھ بیٹوں کے ساتھ گئے تھے، یزید نے پوشاک کے سوا ان کو ایک لاکھ اور اور ان کے ہر بیٹے کو دس دس ہزار دیئے۔

ویسے یہ روایت اس لئے جاندار نہیں ہے کہ اس میں جویریہ سے بیان کرنے والے بوڑھوں کا کوئی اتہ پتہ نہیں ہے کہ یہ کون لوگ تھے اور کس معیار کے تھے، پھر بھی اگر اسے تسلیم کرلیا جائے تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یزید نے انھیں انعامات دیئے تھے، آگے کی روایت یوں ہے فلما رجعوا الی المدینة قالوا، ما وراءك قال اتیتکم من عند رجل والله لو لم اجد الا بنی هولاء لجاهدته بهم قالوا انه قد اکرمك واعطاك قال نعم وما قبلت منه الا لا تقویٰ به علیه ثم حض الناس فبایعوه''۔

(تاریخ الاسلام ج۵ص۲۴/تاریخ خلیفہ ص۲۳۷/تاریخ الطبری ج۲ص۴۲۴)

جب یہ لوگ لوٹ کر مدینہ آئے تو لوگ ان سے بولے، آپ کے پیچھے کیا حال ہے؟ انھوں نے کہا میں ایسے شخص کے پاس سے آیا ہوں کہ اگر میرے ان بیٹوں کے سوا دوسرا کوئی میرا ساتھ نہ بھی دے، تو میں انھیں کو لے کر اس سے جہاد کروں گا، لوگ بولے اس نے آپ کا اکرام کیا اور آپ کو انعامات دیئے، انھوں نے فرمایا میں نے

اس کا انعام صرف اس لئے قبول کیا، کہ اس سے میں اس کے خلاف قوت حاصل کروں، پھرانھوں نے لوگوں کو بھڑکایا تو لوگوں نے ان کے ہاتھ پر بیعت کرلی'' بشرط تسلیم اس روایت سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہ ابن حنظلہ کا ذہن یزید کے خلاف ہو چکا تھا، لیکن اس میں بھی ان کی طرف سے یزید کی خامیوں کے مشاہدے کا کوئی بیان نہیں ہے، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ان کا ذہن یزید کے خلاف کہانیاں سنا کر پراگندہ کیا گیا ہو، یہی روایت علامہ ابن حجر علیہ الرحمہ نے مولانا طاہر صاحب کی نقل کردہ مذکورہ حدیث کے ضمن میں فتح الباری ج ۲۵ رص ۱۴۰ میں حدیث نمبر ۷۱۱۱ کے تحت بیان کی ہے، انھیں حضرات کی تحریض کی وجہ سے اہل مدینہ کے بہت سارے حضرات نے بیعت توڑ کر یزید کے خلاف تیاری کر لی تھی، جب کہ جمہور اہل سنت کا مسلک یہ ہے کہ خلیفۂ وقت چاہے فاسق ہو یا جابر، اسکی بیعت توڑنی جائز نہیں ہے، کیونکہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس باب میں بڑی سخت وعیدیں ارشاد فرمائی ہیں۔

اطاعت امراء کے متعلق نبوی ارشادات

انس ابن مالك قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اسمعوا واطيعوا وان استعمل عليكم عبد حبشى كان راسه زبيبة۔

(بخاری ج ۲ ص ۱۰۵۷ رکتاب الاحکام)

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سنو اور مانو! چاہے تم پر پچکے ہوئے سر والا حبشی ہی کیوں نہ امیر بنا دیا جائے''۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ، فرماتے ہیں، قال النبى صلى الله عليه وسلم من رأى من اميره شيئاً فكرهه فليصبر فانه ليس احد يفارق الجماعة شبراً فيموت الا مات ميتة جاهلية۔ (بخاری ج ۲ ص ۱۰۵۷)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اپنے امیر سے کوئی ناپسند حرکت دیکھے تو صبر کرے، کیونکہ کوئی شخص جماعت سے ایک بالشت بھی الگ ہوگا تو وہ جاہلیۃ کی موت مرے گا۔

عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں، السمع والطاعة على المرء المسلم فيما احب وكره مالم يؤمر بمعصية فاذا امر بمعصية فلاسمع ولا طاعة۔ (بخاری ج ۲ ص ۱۰۵۷)

امیر جب تک معصیت کا حکم نہ دے تو ہر مسلمان پر اس کی بات کا سننا اور ماننا ضروری ہے پسند ہو یا ناپسند، اگر معصیت کا حکم دے تو نہ سننا ہے نہ ماننا۔

حضرت عرفجہؓ فرماتے ہیں، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے سنا تمہارے پاس کوئی شخص اس وقت آئے جب ایک شخص پر مسلمانوں کا اجتماع ہو اور وہ تمہاری لاٹھی توڑنا چاہے یا تمہاری جماعت میں پھوٹ ڈالنا چاہے تو اسے قتل کردو۔

(مسلم شریف ج ۲ ص ۱۲۸)

حضرت ام سلمۃ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں، ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال ستكون امراء فتعرفون وتنكرون فمن عرف برئ ومن انكر سلم ولكن من رضى وتابع، قالوا افلا نقاتلهم قال لا ما صلوا۔

(مسلم شریف ج ۲ ص ۱۲۸)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، جلد ہی ایسے امراء ہونگے، جنہیں تم پہچانو گے اور انکار کروگے، جس نے پہچان لیا، چھوٹ گیا، جس نے نہ پہچانا بچ گیا، لیکن جو راضی ہوگیا اور اس کا تابع ہوگیا، لوگوں نے کہا کیا ہم ان سے قتال نہ کریں فرمایا جب تک وہ نماز پڑھیں تب تک نہیں۔ امام نووی علیہ الرحمہ اس کی تشریح فرماتے ہیں،

لا ما صلوا : ففيه معنى ما سبق انه لا يجوز الخروج على الخلفاء بمجرد الظلم او الفسق مالم يغيروا شيئا من قواعد الاسلام ۔

(نووی علی المسلم ج۲ص۱۲۸)

اس کا مطلب یہ ہے کہ صرف خلفاء کے ظلم یا فسق کی جہ سے ان پر خروج جائز نہیں، جب تک وہ قواعد اسلام کا کوئی حصہ بدل نہ دیں۔

حضرت عوف بن مالک کی روایت میں ہے اذا رأيتم من ولاتكم شيئا تكرهونه فاكرهوا عمله ولا تنزعوا يداً من طاعته۔(مسلم شریف ج۲ص۱۲۹)

نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم اپنے والیوں کی ناپسندیدہ حرکت دیکھو تو اس کے عمل کو برا سمجھو! اس کی اطاعت سے ہاتھ مت کھینچو۔

حضرت عرفجہ رضی اللہ عنہ، کی روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ عنقریب ہی ایسے ویسے حالات پیش آئیں گے تو جو شخص اس امت کے معاملے میں پھوٹ ڈالے، جبکہ وہ مجتمع ہوں تو اسے تلوار سے مارو، چاہے وہ جو بھی ہو۔ (مسلم شریف ج۲ص۱۲۹)

فقہائے کرام کی تصریحات

علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، قال ابن بطال فی الحديث حجة فی ترك الخروج على السلطان ولو جار وقد اجمع الفقهاء على وجوب طاعة السطان المتغلب والجهاد معه وان طاعته خير من الخروج عليه لما فی ذالك من حقن الدماء وتسكين الدهماء وحجتهم هذ الخبر وغيره مما يساعده ولم يستثنوا من ذالك الا اذا وقع من السلطان الكفر الصريح فلا تجوز طاعته فی ذالك بل تجب مجاهدته لمن قدر عليها ۔ (فتح الباری ج۲۵ص۱۳)

ابن بطال علیہ الرحمہ نے فرمایا: حدیث میں سلطان کے خلاف بغاوت کی ممانعت ہے، خواہ وہ ظلم کرے، اور فقہاء نے سلطان متغلب کی اطاعت اور اس کے ساتھ جہاد میں شرکت کے وجوب پر اجماع فرمایا ہے اور یہ کہ اسکی اطاعت اس کیخلاف بغاوت سے بہتر ہے، کیونکہ اسی میں خوں ریزی سے حفاظت ہے، اور ان کی دلیل یہ اور اس جیسی دوسری احادیث ہیں انھوں نے اس سے کسی کا استثنا نہیں فرمایا، مگر یہ کہ سلطان وقت سے صریح کفر واقع ہو، تو اس کی اطاعت جائز نہیں رہتی، بلکہ جس کو قدرت ہو اس پر اس کے خلاف جہاد ضروری ہو جاتا ہے۔

امام طحاوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں ولا نرى الخروج على ائمتنا وولاة امورنا وان جاروا ولا ندعوا عليهم ولا ننزع يدا من طاعتهم۔(العقیدۃ الطحاویہ ص۶۸)

ہم اپنے ائمہ اور اپنے والیوں کیخلاف بغاوت جائز نہیں سمجھتے، خواہ وہ زیادتی ہی کیوں نہ کریں، اور اس پر بددعا نہیں کرتے نہ ان کی اطاعت سے ہاتھ کھینچتے ہیں'' مولانا سید طاہر حسین صاحب گیاوی علامہ بدرالدین عینی علیہ الرحمہ کی عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۲۵۹) سے علامہ عینی کا قول نقل کرتے ہیں: وقال الداودی الذی عليه العلماء فی امراء الجور انه ان قدر على خلعه بغير فتنة ولا ظلم وجب والا فالواجب الصبر اختلفوا فی الخروج عليه والصحيح المنع الا ان يكفر فيجب الخروج عليه۔ (کردار یزید ص۹۴)

داؤدی نے کہا کہ ظالم حاکموں کے بارے میں علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ بغیر ظلم اور فتنہ کے اگر اسے معزول کرنے کی قدرت ہو تو معزولی واجب ہے، ورنہ صبر ضروری ہے علماء نے اس کے خلاف بغاوت میں اختلاف کیا ہے، صحیح قول بغاوت نہ کرنا ہے۔

لیکن اگر حاکم کافر ہوجائے تو بغاوت بھی ضروری ہوجاتی ہے۔ دوسرا قول علامہ ابن تیمیہ کے حوالے سے ہی مولانا نے بیان فرمایا ہے، ترجمہ دونوں مقامات پر چھوڑ دیا ہے، علامہ ابن تیمیہ قتال فتنہ وجنگ حرہ پر بحث کے دوران لکھتے ہیں، وکان افاضل المسلمین ینھون عن الخروج والقتال فی الفتنة کما کان عبد الله بن عمر وسعید بن المسیب ، وعلی بن الحسین وغیرھم ینھون عن الخروج علی یزید ولھذا استقر امر اھل السنة علی ترك القتال فی الفتنة ، وصاروا یذکرون ھذا فی عقائدھم ویامرون بالصبر علی جور الائمة وترك قتالھم وان کان قد قال فی الفتنة خلق کثیر من اھل العلم والدین ۔

(منہاج السنۃ ج۲ص۲۴۱ رکردار یزید ص۱۳۰ برحاشیہ)

''مسلمانوں کے بزرگ فتنہ کے زمانے میں بغاوت اور قتال سے روکتے تھے جس طرح عبداللہ بن عمر، سعید بن المسیب ، اور علی ابن حسین وغیرہ یزید کے خلاف بغاوت سے روکتے تھے، اسی لئے فتنہ کے زمانے میں اہل سنت کا معاملہ قتال نہ کرنے پر طے پا گیا ، اور وہ حضرات اس کو اپنے عقائد میں بیان کرتے ہیں، اور ائمہ کی زیادتی پر صبر اور ان سے نہ لڑنے کا حکم دیتے ہیں، یہ بات بہت سے اہل علم ودین سے منقول ہے''۔ اور یہ حدیث تو خود سیدنا عبداللہ ابن زبیر نے یزید کی ولیعہدی کے وقت حضرت معاویہ کو سنائی ہے، اذا کان فی الارض خلیفتان فاقتلوا احدھما ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب زمین میں دو خلیفہ ہوں تو آخری والے کو قتل کردو۔ (کردار یزید ص۹۱/۹۲)

مسلم شریف کی روایت بھی اسی مضمون کی ہے، کہ فاقتلوا الآخر منھما۔

(مسلم شریف ۱۸۵۳ باب اذا بویع لخلیفتین)

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کا تبصرہ

حرہ کے حادثہ میں دو امیر بنائے گئے تھے، قریش کے لئے عبداللہ بن مطیع اور انصار کے لئے عبداللہ بن حنظلہ، تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ، نے جو طائف میں تھے فرمایا تھا، امیران ھلك القوم۔ دو دو امیر؟ قوم برباد ہوگئی۔ (تاریخ الاسلام ص۲۳۷)

میرا خیال ہے کہ اس تحریک کے پیچھے کوئی نہ کوئی جماعت ضرور کام کر رہی تھی، جس کی جھلک قارئین کو آئندہ بھی دکھائی دے گی۔ اور کچھ سادہ لوح بزرگ بھی اس سے متاثر ہوکر انکے ساتھ ہوگئے تھے، ورنہ میں سمجھتا ہوں کہ چند صحابہ اور اکثر تابعین کی جماعت زمانۂ نبوی سے اس قربت کے باوجود دین سے اس قدر بے بہرہ نہیں ہوجاتی، کہ انھیں نبوی فرامین یاد دلانے پر بھی یاد نہ آتے، اور وہ جوش میں ہوش سے اس قدر بیگانے ہوجاتے کہ اس موقعہ کے لئے نبوی ہدایات اور وعیدوں کی بھی پرواہ نہ کرتے، ہم ان بزرگوں سے اس قدر غفلت بلکہ نبوی ارشادات سے اعرض کا تصور بھی نہیں کرسکتے، یہ نہیں کہ انھیں ذہول ہوا تھا، بلکہ حضرت عبداللہ بن عمر، علی بن حسین، سعید بن المسیب اور محمد بن الحنفیہ ان حدیثوں کو پیش کرکر کے خروج میں شامل نہ ہونے کی تلقین فرمارہے تھے، محترم مولانا طاہر حسین صاحب نے بات بنانے کی غرض سے لکھا ہے۔

''یزید کے خلاف خروج وبغاوت کرنے والے بھی صحابۂ کرام کی ایک جماعت تھی جنہوں نے اپنے اجتہاد پر عمل کیا تھا''۔ (کردار یزید ص۹۲)

میں بصد ادب عرض کرونگا کہ اجتہاد کی راہ وہاں نکلتی ہے جہاں کتاب وسنت میں کوئی

صریح حکم نہ ملے، حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ، کی یمن روانگی کے وقت کی حدیث دیکھیں، انھوں نے فرمایا! میں کتاب اللہ سے فیصلہ کرونگا، وہاں واضح حکم نہ ملا تو سنت نبوی سے، وہاں بھی نہ ملا تو اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا۔ جب یہاں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی کھلی ممانعت بلکہ شدید وعید موجود ہے تو فرمان رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو نظر انداز بلکہ اس سے اعراض کر کے اس کی دانستہ مخالفت کو اجتہاد کا نام دینے کا کام تو ہمارے مناظر اسلام ہی فرما سکتے ہیں، اور کسی کا اتنا بڑا کلیجہ نہیں ہوسکتا کہ فرمان نبوی کی صریح مخالفت پر اجتہاد کا پردہ ڈال سکے؟۔ حضرت سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ، کے فعل کو بھی اجتہاد پر محمول کرنا حقیقت سے منہ چرانا ہے، ورنہ سیدنا ابن عمر اجتہاد نہیں کر رہے تھے، فرمان نبوی پر خود بھی سختی سے عمل پیرا تھے گھر والوں اور اپنے لوگوں کو بھی اس کی تلقین فرما رہے تھے، اور بیٹھے ہوئے بھی نہ تھے بلکہ متعلقہ افراد تک بھی اس حکم کی تبلیغ کر رہے تھے،، مسلم شریف کی روایت دیکھئے۔ جاء عبد اللہ بن عمر الیٰ عبد اللہ بن مطیع حین کان من امر الحرۃ ما کان زمن یزید بن معاویۃ فقال اطرحوا لابی عبد الرحمن وسادۃ فقال انی لم آتك لا جلس اتیتك لاحدثك حدیثاً سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من خلع یداً من طاعۃ لقی اللہ یوم القیامۃ لا حجۃ لہ ومن مات ولیس فی عنقہ بیعۃ مات میتۃ جا ھلیۃ ۔ (مسلم شریف ج ۲ ص ۱۲۸)

یزید کے زمانے میں جب حرہ کا واقعہ پیش آیا تو حضرت عبداللہ بن عمر عبداللہ بن مطیع کے پاس آئے، انھوں نے کہا ابوعبدالرحمٰن کے لئے تکیہ لاؤ، فرمایا میں تمہارے پاس بیٹھنے کے لئے نہیں آیا، میں تمہیں ایک حدیث سنانے آیا ہوں، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جس نے امام وقت کی فرمانبرداری سے اپنا ہاتھ باہر کرلیا تو

اللہ سے قیامت کے دن اس حال میں ملے گا، کہ اس کے پاس کوئی حجت نہ ہوگی اور اس حال میں مرا کہ اس کے گلے میں بیعت کا پٹہ نہ ہو تو وہ جاہلیت کی موت مرا''۔

مولانا کا یہ فرمان بھی محل نظر ہے کہ خروج وبغاوت میں صحابۂ کرام کی ایک جماعت شامل تھی، جب کہ ہم دیکھتے ہیں کہ اکابر صحابہ بالکل اس کے خلاف ہیں، حضرت ابن عمر سختی سے اس کے مخالف ہیں حضرت ابن عباس طائف میں ہیں، حضرت عبداللہ بن جعفر یزید کے پاس شام میں ہیں، ہاں وہ لوگ اس میں شامل ہیں جن کی ولادت تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری دور میں ہوئی ہے لیکن انھیں صحبت نصیب نہیں ہے، ایسے حضرات کے بارے میں کہا جاتا ہے لہ رویۃٌ ولیس لہ صحبۃ انہیں رویت نبوی ہے لیکن آپ کی صحبت حاصل نہیں ہوئی ہے، حضرت عبداللہ بن مطیع وغیرہ اسی زمرے میں آتے ہیں۔

واقعۂ حرہ کا آغاز اس طرح ہوا کہ آنے والے وفد نے جب یزید پر الزام تراشی کی تو بہت سے لوگ اس بہکاوے میں آگئے، حضرت محمد ابن الحنفیہ نے اس موقع پر حضرت عبداللہ ابن مطیع سے بحث بھی کی اور الزامات کا ثبوت بھی مانگا تو عبداللہ بن مطیع نے کہا کہ ہم نے دیکھا تو نہیں ہے لیکن یہ الزام ہمارے نزدیک حق ہے، حضرت محمد بن الحنفیہ نے پھر کہا کہ میں اس کے پاس گیا ہوں، ٹھہرا ہوں میں نے اس میں وہ باتیں نہیں دیکھیں، جو تم کہتے ہو، انھوں نے جواب دیا کہ وہ اس وقت آپ کو دکھانے کے لئے بناوٹی طور پر کر رہا تھا، تفصیل گذر چکی ہے، بالآخر وہ لوگ نہیں مانے، اور انہوں نے عبداللہ ابن مطیع کو قریش کا اور عبداللہ بن حنظلہ کو انصار کا امیر چن لیا، اور یزید کی بیعت توڑنے کے لئے کچھ دنوں بعد منبر کے پاس اکٹھے ہوئے، کوئی کہتا میں نے یزید کی بیعت اتار دی جیسے اپنی یہ پگڑی اتار دی، کوئی کہتا میں نے یزید کی بیعت یوں

اتار دی جیسے اپنا یہ جوتا اتار دیا، اس طرح وہاں جوتوں اور پگڑیوں کا ڈھیر لگ گیا، پھر انہوں نے یزید کے عامل عثمان بن محمد اور بنی امیہ کے لوگوں کو مدینہ سے نکالنے کا فیصلہ کرلیا، بنی امیہ کے لوگ مروان بن حکم کے گھر میں جمع ہوگئے تو انھوں نے ان کا محاصرہ کرلیا، اس معاملے سے زین العابدین علی بن حسین، عبداللہ بن عمر، محمد بن الحنفیہ، بنی عبدالمطلب، اہل بیت کے بزرگ بالکل الگ رہے، انھوں نے نہ یزید کی بیعت توڑی نہ توڑنے والوں کا ساتھ دیا، بلکہ دوسرے حضرات کو اس سے باز رکھنے کی ممکن سعی فرمائی، ادھر بنو امیہ نے یزید کو خط لکھا کہ انھیں محصور کر دیا گیا ہے ذلیل رکھا گیا ہے انھیں بھوک پیاس کا سامنا ہے، وہ مدد کے لئے ان کے پاس لوگوں کو بھیجے ورنہ وہ اس طرح ہلاک ہوجائیں گے، یزید نے پہلے حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ، کو مدینہ بھیجا اور ان سے کہا مدینہ میں آپ کی قوم کے لوگ زیادہ ہیں، انھیں اپنا مقصود حاصل کرنے سے کسی نے روکا بھی نہیں ہے، یہ لوگ اگر میرے خلاف کھڑے نہیں ہوں گے تو دوسروں کو بھی ہمت نہیں ہوگی حضرت نعمان اپنی قوم کے لوگوں کے پاس مدینہ تشریف لائے انھیں اطاعت کرنے کی تاکید فرمائی، اور فتنہ سے ڈرایا، ان سے بولے تم میں شامیوں سے مقابلے کی طاقت نہیں ہے، عبداللہ بن مطیع نے ان سے کہا! نعمان اللہ نے ہمارا معاملہ ٹھیک کر دیا ہے تو آپ اسے بگاڑنے اور ہماری جماعت میں پھوٹ ڈالنے کیوں آ گئے؟ حضرت نعمان بن بشیر نے فرمایا: تمہارا کیا؟ جب فوج آ کر تلواروں سے قوم پر حملہ کرے گی، موت کی چکی گھومنے لگے گی تو تم تو اپنے خچر پر سوار ہو کر مکہ بھاگ جاؤ گے، یہ بے چارے غریب یعنی انصار اپنی گلیوں، مسجدوں میں گھروں کے دروازوں پر مارے جائیں گے، لوگوں نے ان کی بات نہ مانی ابن اثیر فرماتے ہیں، جیسا حضرت نعمان نے فرمایا تھا ٹھیک ویسا ہی ہوا، جب یزید نے

باغیوں کے خلاف لشکر کشی کا ارادہ کرلیا تو اس وقت حضرت عبداللہ ابن جعفر رضی اللہ عنہ، یزید کے ہی پاس تھے، انھوں نے یزید سے کہا: اگر لوگ دوبارہ آپ کی فرمانبرداری میں آ جائیں تو ان کی بات مانی جائے گی؟ یزید نے کہا اگر ایسا ہو تو پھر کوئی بات نہیں۔ پھر اس نے مسلم بن عقبہ مزنی کو چار ہزار فوج کے ساتھ باغیوں کے مقابلے کے لئے بھیج دیا، مسلم نے مدینہ آ کر ان لوگوں کو سمجھایا اور کہا امیر المؤمنین یزید بن معاویہ سمجھتے ہیں، کہ تم لوگ اصل ہو اور میں تمہارا خون بہانا پسند نہیں کرتا، میں تمہیں تین دنوں کی مہلت دیتا ہوں، جو سمجھ جائے اور حق کی طرف لوٹ آئے تو ہم اس کا عذر قبول کرلیں گے، اور میں تمہیں چھوڑ کر مکہ چلا جاؤں گا، اور اگر تم نے نہ مانا تو ہم نے معذرت پیش کر دی ہے۔ (طبری، البدایہ وغیرہ)

تین دن گذر گئے، تو مسلم بن عقبہ نے چوتھے دن ان سے کہا تین دن گذر گئے بتاؤ تم لوگ کیا کروگے مصالحت کروگے یا لڑوگے؟ انھوں نے جواب دیا ہم لڑیں گے، مسلم نے کہا دیکھو مصالحت کرلو لڑائی مت کرو! ہم اپنی طاقت ابن زبیر کے خلاف استعمال کریں گے انھوں نے انکار کر دیا اور لڑائی کے لئے تیار ہو گئے، انھوں نے مدینہ کے گرد حفاظتی خندق کھود رکھی تھی، ابتدا میں مسلم کی فوج مغلوب ہو رہی تھی، پھر بنو حارثہ نے شامی فوجوں کو مدینے میں داخل کر دیا، یہ دیکھ کر باغیوں کے حوصلے پست ہوگئے، گھبراہٹ اور بھاگ دوڑ میں مقتولین سے زیادہ خندق میں گر کر مر گئے، پھر چن چن کر بغاوت کرنے والوں کو قتل کیا گیا، یہ پوری کہانی ہے جو تاریخ سے اخذ کی گئی ہے، اس میں اہل مدینہ کو تین دنوں تک لوٹنے اور ایک ہزار محرمات کی عصمت دری کی بات، سبائی راویوں کا مسالہ ہے جو اس واقعے کے ساتھ شامل کیا گیا ہے، مولانا طاہر صاحب کے دلائل کا جواب دیتے وقت اس کی حقیقت بھی سامنے آئے گی، انشاءاللہ،

اب آیئے ذرا دیکھیں ہمارے محترم علامہ کیا تحقیق فرماتے ہیں لکھتے ہیں۔

منقطع روایت سے استدلال

''زبیر ابن بکار کہتے ہیں، میرے چچا نے مجھے بتایا کہ عبداللہ بن مطیع قریش کے مردوں میں بہادر مضبوط اور جواں مرد تھے، جب اہل خروج کی شکست ہوگئی اور عبیداللہ بن طلحہ قتل ہوگئے، تو حضرت عبداللہ ابن مطیع نے بھاگ کر اپنی جان بچائی، وہ ایک عورت کے گھر میں چپکے سے چھپ گئے، کسی کو پتہ نہیں چل سکا، جب مدینہ پر شام والوں نے ہلہ بولا، اوران کے گھروں کو لوٹنا شروع کیا تو ایک شامی شخص عبداللہ ابن مطیع جس عورت کے گھر چھپے تھے اسی میں گھس گیا، وہ عورت اس شخص کو پسند آ گئی، وہ شامی اس عورت پر کود پڑا، عورت اس سے بچنے کی ہر طرح کوشش کرنے لگی، اس شامی مرد نے عورت کو پچھاڑ دیا، عبداللہ بن مطیع نے دیکھا، تو جا کر اس شامی سے عورت کو چھڑایا اور شامی کو قتل کر دیا، اس پر عورت نے کہا میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں آپ کون ہیں، پھر عبداللہ بن مطیع مکہ میں سکونت پذیر ہوگئے۔ (الاصابہ ج ۳ ص ۶۵ / القسم الثانی)

(عربی عبارت میں نے چھوڑ دی ہے، عطا) (کردار یزید ص ۴۶)

سند کو چھوڑ بھی دیں تب بھی اس روایت میں جھول موجود ہے، عبداللہ بن مطیع کو قریش کے مردوں میں بہادر، مضبوط، اور جواں مرد کہا جاتا ہے پھر یہ بھی دکھایا جاتا ہے کہ وہ لڑائی چھوڑ کر جان بچا کر ایک عورت کے گھر میں گھس گئے تھے، پھر شامی مرد کے حملے کے وقت دوبارہ ان کی بہادری لوٹ آتی ہے تو وہ عورت کی آبرو بچا کر اس فوجی شامی کو قتل کر دیتے ہیں، بات کچھ جمتی نظر نہیں آتی، پھر دوسری روایت کے مطابق یہ

حضرات دوسروں سے موت کی بیعت لینے والوں میں سے ہیں، جس پر عبداللہ ابن زید رضی اللہ عنہ، کا بیعت سے انکار بخاری میں ان الفاظ میں ہے، قیل لعبد الله بن زيد يوم الحرة ذالك ابن حنظلة يبايع الناس على الموت فقال لا ابايع عليه احداً بعد رسول الله صلى الله عليه وسلم۔

(بخاری فی الجہاد وفی المغازی باب غزوۃ الحدیبیۃ)

''حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ، سے حرہ کے دن کہا گیا کہ یہ ابن حنظلہ لوگوں سے موت پر بیعت لے رہے ہیں، فرمایا میں اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کے ہاتھ پر بیعت نہیں کرونگا''۔

پھر یہ بھی دیکھنا ہے کہ اس روایت میں مولانا، عبداللہ ابن مطیع کو بھاگ کر جان بچاتے ہوئے اور مکہ میں جا کر مقیم ہوجانے کی خبر دکھا رہے ہیں تو ص ۱۴۸ نمبر پر عبداللہ ابن مطیع کو شہید ہوتے ہوئے کیسے پیش کر رہے ہیں؟ یہ مسئلہ تو ہم لوگ نہیں حل کر سکتے کہ ایک شخص شہید بھی ہو، پھر بھاگ کر مکہ میں مقیم بھی ہوجائے، جادو کی یہ چھڑی تو مولانا ہی کے پاس ہے، وہی ناممکن کو ممکن بنا سکتے ہیں، اس سے پہلے بھی وہ وفات یافتہ بزرگوں سے یزید کے خلاف گواہی دلوا چکے ہیں، مجھے لگتا ہے کہ مولانا نے یہاں علامہ ابن کثیر پر بے سوچے سمجھے اور آگے پیچھے دیکھے بغیر اعتماد کر لیا ہے۔

علامہ ابن کثیرؒ کا تسامح

کیونکہ دراصل یہ تسامح علامہ ابن کثیر سے ہی واقع ہوا ہے ابن خیاط، ابن جریر، ابن اثیر، علامہ بلاذری نے حرہ میں عبداللہ ابن مطیع کے مقتول ہونے کی بات نہیں کہی ہے۔ حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں: وقد قتل من الفريقين خلق من السادات والاعيان منهم عبد الله بن مطيع۔ (البدایہ ج ۸ ص ۲۲۰)

فریقین میں سے بہت سے شرفاء اور ذمہ دار مقتول ہوئے، انھیں میں عبداللہ بن مطیع بھی ہیں''۔

پھر دوسری جگہ لکھتے ہیں۔فبعث ابن مطیع عمر و بن الحجاج فی الفی رجل فبعث الیہ المختار یزید بن انس و سارھو وابن الاشترا مامہ حتی وصل الکوفۃ من باب الکناسۃ وارسل ابن مطیع شمر بن ذی الجوشن الذی قتل الحسین فی الفین آخرین ۔ (البدایہ والنہایہ ج۸ص۲۶۷)

ابن مطیع نے عمرو بن الحجاج کو دو ہزار فوج کے ساتھ بھیجا، تو مختار نے یزید بن انس کو ان کی طرف بھیج دیا، وہ اور ابن اشتر فوج کے آگے چلے یہاں تک کہ وہ باب کناسہ کی طرف سے کوفہ میں داخل ہوگئے، اور ابن مطیع نے شمر بن ذی الجوشن کو جس نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ، کو قتل کیا تھا، دوسرے دو ہزار فوج کا سردار بنا کر بھیجا۔

اس روایت میں نہ صرف عبداللہ بن مطیع کی سرگرمیوں کا ذکر ہے بلکہ اس کا ذکر بھی ہے کہ حضرت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ، کے اصلی قاتل شمر بن ذی الجوشن کو عبداللہ بن مطیع نے دو ہزار فوج کا سپہ سالار بھی بنا رکھا تھا، قارئین کرام بغور دیکھیں! کہ قاتلین سیدنا حسین رضی اللہ عنہ، کو منصب کون دے رہا ہے،؟ اور قتل حسین کا الزام کس کے کاندھے پر ڈالا جا رہا ہے؟۔

اب ہم عرض کرتے ہیں کہ مولانا کی پیش کردہ یہ روایت ہی بکواس ہے، کیونکہ زبیر ابن بکار کے چچا مصعب ابن عبداللہ حرہ کے واقعہ کے ترانوے سال بعد پیدا ہوئے ہیں وہ اس واقعے کی خبر دے ہی نہیں سکتے، اور دیں گے بھی تو دوسروں سے سن کر، اور جن سے انھیں یہ کہانی معلوم ہوئی ہے ان کا کوئی اتہ پتہ نہیں ہے نہ مصعب نے ایسا کچھ بتایا پھر کہانی اس ترتیب اور تفصیل سے بیان کی جا رہی ہے، کہ سننے والے کو لگے کہ یہ

مشاہدہ بیان کیا جا رہا ہے، مولانا ذرا یہی بتا دیں کہ گھر میں تین ہی آدمی ہیں اس میں سے بھی ایک مقتول ہو جاتا ہے، تو اس تفصیل سے بتانے والا تیسرا کون کہاں سے آ گیا؟ اگر خود عورت یا عبداللہ ابن مطیع اپنی حکایت بیان کرتے تو اسکا انداز کچھ اور ہوتا۔ صاف سمجھا جا سکتا ہے کہ یہ کہانی یزید اور اس کی فوج کو بدنام کرنے کے لئے گھڑی گئی ہے، اور اسے منظّم طریقے سے پھیلایا گیا ہے، ممکن ہے کسی سبائی نے حضرت مصعب سے یہ کہانی بیان کی ہو، اور انھوں نے اس واسطے کا ذکر کئے بغیر کہانی کو آگے بڑھا دیا ہو، حضرت مصعب کی وفات کے متعلق علامہ ابن حجر الاصابہ میں لکھتے ہیں، مصعب بن عبد اللہ بن معصب بن ثابت بن عبدا للہ ابن الزبیر ۔ توفی لیومین خلوا من شوال سنۃ ست وثلاثین ومائتین وھو ابن ثمانین سنۃ۔ (تہذیب التہذیب ج۱۰ص۱۶۲/۱۶۳)

''ان کی وفات دو شوال سنہ دوسو چھتیس میں ہوئی وہ اسی سال کے تھے''۔

یزیدی فوج کے کمانڈر صحابی ہیں

یزید کے خلاف وکالت فرمانے والے بزرگ عام طور سے یہ تأثر دیتے ہیں، کہ مدینے میں یزید کی فوج کا مقابلہ صحابہ کی جماعت سے ہوا تھا، اور یزید کی فوج شامیوں کی فوج تھی جس میں کوئی صحابی نہ تھا، جب کہ بجائے خود یہ مغالطہ ہے، کیونکہ اکابر صحابہ میں سے کوئی یزید کی بیعت توڑنے والوں میں شامل نہیں ہے، حضرت ابن عمر اس سے علیحدہ ہیں، حضرت ابن عباس طائف میں ہیں، ہاں چند صغار صحابہ جن کی یا تو پیدائش رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بالکل آخری دور میں ہوئی ہے، یا وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے وقت سات سال کے تھے، دوسروں کے اکسانے پر باغی جماعت میں شامل ہوگئے، بلکہ انھوں نے قیادت بھی سنبھال لی، دوسری طرف یزید کی فوج

کے ذیلی کمانڈروں میں مدائنی کی روایت کے مطابق اہل دمشق پر عبداللہ بن مسعدۃ الفزاری، حمص والوں پر حصین بن نمیر سکونی، اردن والوں پر حبیش بن دلجہ قینی، فلسطین والوں پر روح بن زنباع جذامی اور شریک کنانی قنسرین والوں پر طریف بن حسحاس ہلالی ذمہ دار مقرر ہیں اور سب کا کمانڈر مسلم بن عقبہ مزنی ہے۔

(البدایہ ج۸ص۲۱۸)

اب ان میں سے روح بن زنباع کا ترجمہ دیکھ لیں، ابن عبدالبر فرماتے ہیں، روح بن زنباع الجذامی : ابوزعة قال احمد بن زهير وممن روى عن النبى صلى الله عليه وسلم من جذام روح بن زنباع ، قال ابو عمر : هكذا ذكره احمد بن زهير فيمن روى عن النبى صلى الله عليه وسلم ومارائيت له رواية عن النبى صلى الله عليه وسلم ولاذكر له احمد بن زهير حديثاً وانما يروى ابا زنباعاً قدم على النبى صلى الله عليه وسلم واما روح فلا تصح عندى صحبة وذكره مسلم بن الحجاج فى كتاب الاسماء والكنى فقال ابو زرعة روح بن زنباع الجذامى له صحبة واما ابن ابى حاتم وابوه فلم يذكراه الا فى التابعين ـ وذكره ابو جعفر العقيلى ايضاً فى الصحابة وذكر له رواية عن عبادة بن الصامت وليست روايته عن عبادة تثبت، له صحبة ، وذكر الحسن بن محمد فقال : ابو زرعة روح بن زنباع يقال له صحبة ـ

(الاستیعاب ج۲ص۵۰۲)

روح بن زنباع جذامی: امام ابوزرعہ نے احمد بن زہیر کے حوالے سے فرمایا۔ قبیلۂ جذام کے جن لوگوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے، ان میں سے ایک روح بن زنباع ہیں، ابوعمر نے کہا کہ احمد بن زہیر نے ان لوگوں میں بیان تو کیا

ہے جنہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث بیان کی ہے، لیکن میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی مروی روایت نہیں دیکھی ہے، اور احمد بن زہیر نے ان کی حدیث کا ذکر بھی نہیں کیا ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ابوزنباع حدیث بیان کرتے ہیں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے، میرے نزدیک روح کی صحبت ثابت نہیں ہے۔ امام مسلم بن حجاج نے الاسماء والکنیٰ میں اسکا ذکر کیا ہے، فرمایا روح ابن زنباع جذامی کو صحبت حاصل ہے، ابن ابی حاتم اور انکے والد نے تابعین میں ہی ان کا ذکر کیا ہے، ابوجعفر عقیلی نے بھی ان کا ذکر صحابہ میں کیا ہے، اور عبادہ بن صامت سے ان کی روایت مذکور فرمائی ہے، عبادہ سے ان کی روایت ثابت نہیں ہے لیکن ان کو صحبت حاصل ہے، اور حسن بن محمد نے ان کا ذکر کیا تو کہا ابوزرعہ نے اس کے بارے میں فرمایا، کہا جاتا ہے کہ انھیں صحبت حاصل ہے''۔

یزید کی بھیجی ہوئی فوج بھی آوارہ مزاج اوباشوں پر مشتمل نہیں تھی، اس میں بھی تابعین حضرات تھے اور کمان بھی بعض روایت کے لحاظ سے صحابی اور بعض اعتبار سے تابعی حضرات کے ہاتھوں میں تھی، پھر یہی لوگ جو اس سے قبل معرکوں اور فتوحات میں شریک رہے تھے جس میں مقابلہ بے دینوں سے تھا، تو ان کی اوباشی کا ایک واقعہ بھی منظر عام پر نہیں آیا، یہی لوگ مدینہ منورہ بغاوت کچلنے کیلئے آئے تو انھوں نے بدقماشی کی ساری حدیں پار کردیں، اور ایک ہزار کنواریوں کو حاملہ کردیا؟ کیا ہمارے تقدس مآب بزرگوں کو ایک لمحے کے لئے بھی اس تراشیدہ افسانے پر شک نہیں ہوا؟ کہ ذرا ہم ٹھٹھک کر ٹھہریں اور اصولی اعتبار سے ان روایتوں کی چھان پھٹک کریں، ایسا لگتا ہے کہ یہ بزرگ یزید کی مخالفت میں روایتوں کیلئے سراپا انتظار تھے، اور روایتیں سامنے آتے ہی بلا کسی جھجھک کے انھوں نے سند قبول عطا کردیا، فالی اللہ المشتکیٰ۔

مغیرہ ابن مقسم کی منقطع روایت سے احتجاج

مولانا سید طاہر حسین صاحب گیاوی مدظلہ لکھتے ہیں۔ترجمہ پیش ہے:

ہم کو ابوالحسین بن فضل نے خبر دی، ان کو عبداللہ بن جعفر نے خبر دی، وہ کہتے ہیں ہم سے حدیث یعقوب بن سفیان نے بیان کی ان سے یوسف بن موسیٰ نے حدیث بیان کی، اور اس کو عبداللہ بن جریر نے خبر دی اور وہ مغیرہ ابن مقسم سے روایت کرتے ہیں انھوں نے کہا، مسرف بن عقبہ نے تین دنوں تک مدینہ میں لوٹ کھسوٹ مچائی مزید کہا: واقعۂ حرہ میں ایک ہزار کنواری عورتوں سے بدکاری کی گئی''۔

(دلائل النبوۃ للبیہقی ج۶ ص۴۱۸ رکردار یزید ص۴۸)

مولانا طاہر صاحب فرماتے ہیں (۶) مغیرہ ابن مقسم متوفی ۱۳۶ھ ثقہ ہیں۔

(تہذیب التہذیب ج۵ ص۵۱۶)

مولانا نے دلائل النبوۃ سے اس روایت کی جو سند بیان کی ہے، اس کو پھر دوہرا لیجئے ''ہم کو ابوالحسین بن فضل نے خبر دی، ان کو عبداللہ بن جعفر نے خبر دی، وہ کہتے ہیں ہم سے حدیث یعقوب بن سفیان نے بیان کی، ان سے یوسف بن موسیٰ نے حدیث بیان کی اور ان کو عبداللہ بن جریر نے خبر دی اور وہ مغیرہ ابن مقسم سے روایت کرتے ہیں''۔اور میں عرض کرتا ہوں کہ مغیرہ کو سبائی راوی نے خبر دی اور مغیرہ نے بتایا، کیونکہ مغیرہ ابن مقسم خود واقعۂ حرہ کی خبر دے رہے ہیں جب کہ حرہ کا زمانہ انھوں نے پایا ہی نہیں ہے، لازماً یہ خبر کسی اور نے انھیں دی ہوگی، اور جس نے انھیں یہ خبر دی ہے اس کا نام وہ بتا نہیں رہے ہیں، اس لئے ہم کہتے ہیں کہ وہ خبر دینے والا اتنا غیر معتبر ہوگا کہ مغیرہ اس کا نام لینے سے پرہیز کر گئے، اور واقعہ کو اپنے نام سے بیان کر دیا، اب جب تک واقعہ کے عینی مشاہد تک یہ سند مسلسل نہ ہو جائے، اور سب کے سب ثقہ نہ ہوں تو

اس خبر خاص طور سے اتنی بڑی خبر پر اعتماد کیسے کیا جا سکتا ہے؟ روایت کی دنیا میں سب جانتے ہیں کہ مغیرہ ابن مقسم الضبی تیسرے درجے کے مدلس ہیں، اور اس روایت میں یہ اپنے استاد کا نام بھی نہیں بتا رہے ہیں، اور سب یہ بھی جانتے ہیں کہ مدلس کا عنعنہ مردود ہوتا ہے، جب روایت کی آخری کڑی ہی حد درجہ کمزور ہے تو مولانا کی درمیانی کڑیوں کی توثیق تو بے کار اور بے فائدہ کی دردسری ہے، اس سے راوی کو کوئی تقویت تو ہرگز نہیں پہونچ سکتی، لہذا یہ روایت ہر حال میں باطل اور مردود ہے۔مولانا سید طاہر صاحب فرماتے ہیں''قال المدائنی عن ابی قرۃ قال قال ھشام بن حسان ولدت الف امرأۃ من اھل المدینۃ بعد وقعۃ الحرۃ من غیر زوج۔

(البدایہ والنہایہ ج۸ ص۲۱۱)

''مدائنی قرۃ سے روایات کرتے ہیں اور انھوں نے کہا کہ ان کو ہشام بن حسان نے بتایا کہ مدینہ کی ایک ہزار عورتوں نے واقعۂ حرہ کے بعد بغیر شوہر کے بچہ جنا''۔

ہمارے مولانا اس روایت پر آنکھیں بند کر کے ایمان لے آئے، کہ یزید کی مخالفت میں ہے، اور ہشام بن حسان جیسے ثقہ راوی اس کو بیان کر رہے ہیں، لیکن مولانا نے یہ نہیں بتایا کہ ہشام بن حسان ۱۴۸ھ میں وفات پا رہے ہیں تو ۶۳ھ میں ان کی عمر کیا تھی؟ تو انھوں نے ایک ہزار عورتوں کے حالات کا بچشم خود مشاہدہ کیسے فرما لیا؟ ہم کہتے ہیں کہ انھوں نے بھی سبائیوں کی اڑائی ہوئی افواہ ہی نقل فرمائی ہے، اور حالات کی روشنی میں ہم اس روایت کو بھی جھوٹی کہانیوں کی صف میں رکھنے پر خود کو مجبور پاتے ہیں۔

مولانا سید طاہر حسین صاحب ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل فرماتے ہیں۔وقد کان فی قتال اھل الحرۃ کفایۃ ولکنہ تجاوز الحد با باحۃ المدینۃ ثلاثۃ ایام فوقع بسبب ذالك شر عظیم کما قدمنا۔(البدایۃ والنہایۃ، ج۸ ص۳۲۸)

حرہ والوں سے قتال کرنا ہی کافی تھا، لیکن وہ تین دن کے لئے مدینہ کو حلال کر کے حد سے آگے بڑھ گیا، جس کی وجہ سے بہت بڑا شر پھیلا، جس کی تفصیل ہم پہلے بیان کر چکے ہیں''۔ اور ہم بھی عرض کر چکے ہیں، کہ علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ آٹھویں صدی ہجری کے ہیں، واقعہ اوران کے درمیان سات صدیوں کا طویل فاصلہ ہے، اور انھوں نے بھی اپنے متقدمین کی بیان کردہ روایتوں پر ہی اعتماد کیا ہے، تو اب بات ابن کثیر یا کسی اور بزرگ کی نہیں رہتی خواہ وہ کتنے بڑے بزرگ اور کسی حیثیت کے کیوں نہ ہوں، جب ان کی روایتوں کی وجہ سے کسی پر فسق اور قتل صحابہ کے ساتھ ساتھ بقول علامہ طاہر خاصی تعداد میں صحابیات کو بدکاری کا شکار بھی دکھایا جا رہا ہو تو اب ہم روایتوں کو سرسری انداز سے لے کر انصاف کا خون ہرگز نہیں کر سکتے، بلکہ الزام لگانے والوں کو روایتی اور درایتی لحاظ سے ان روایتوں کو اتنا ٹھوس اور مضبوط دکھانا ہوگا، کہ وہ شہادت کے شرعی معیار پر کھری اتر سکیں، اور یہ معیار بھی ہمارا قائم کردہ نہیں، بلکہ انھیں بزرگوں کا قائم فرمودہ ہے، جن کے اقوال کے سہارے مرعوب کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے، اور پیش کردہ روایت میں اتنا تو ہے ہی کہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فوج کشی کیخلاف نہیں ہیں، ورنہ فی قتال اھل الحرۃ کفایۃ نہیں کہتے، اور ہم کہتے ہیں کہ فوج کشی ہی ہوئی تھی، سبائیوں نے ناکامی پر افسانے تصنیف کر کے اس قدر منظّم طریقے پر پھیلائے کہ کچھ سادہ لوح بزرگ بھی ان سے متأثر ہو کر اپنا بیان دے بیٹھے۔

ایک ہزار عورتوں سے بدکاری کی حقیقت

مولانا سید طاہر حسین صاحب فرماتے ہیں:

''واقعہ حرہ میں شہید ہونیوالے صحابہ اوران کے اہل خانہ بھی بڑی تعداد میں شریک تھے، صرف تابعین ہی نہیں تھے، ظاہر ہے ان بدکاری کا شکار

ہونے والی عورتوں میں خاصی تعداد صحابیات کی بھی رہی ہوگی، زنا کاری کا شکار ہونے والی ان ہزار عورتوں کے بارے میں کون یقین سے کہہ سکتا ہے کہ ایک بھی صحابیہ نہ ہونگی، یہ سب صحابہ کے قتل کرنے والے شامی یزیدی لشکر نے مدینے اوران صحابیوں کے گھروں کو خوب لوٹا قتل کیا، اور ان کی عورتوں کے ساتھ حرام کاری کی، یہ کارروائی تین دن تک ہوتی رہی اور یزید کے حکم سے ہوتی رہی، پھر بھی حامیٔ یزید ہمارے مہربان محقق کے خیال میں یزید فاسق نہیں ہوا''۔ (کردار یزید ص ۴۹/۵۰)

ہمارے مولانا شیخ چلی کی طرح تصوراتی دنیا میں اڑان بھرنے کے عادی معلوم ہوتے ہیں، کہ اصل کا پتہ نہیں اوراس خیالی سرمائے پر یوں ہوگا ووں ہوگا، تعمیر فرمانے لگتے ہیں، میں کہتا ہوں کہ پہلے حتمی اور یقینی شہادت تو پیش فرمادیں پھر جتنی دل چاہے تفریع کرتے رہیں، ہمیں کوئی عذر نہ ہوگا، لیکن حتمی روایت کا پتہ نہیں، اور اقوال نقل کر کے ماضی احتمالی کی گردان فرمانے لگے کہ'' خاصی تعداد صحابیات کی بھی رہی ہوگی'' اور کون کہہ سکتا ہے کہ ایک بھی صحابیہ نہ ہونگی'' مولانا کسی چوپال میں بیٹھ کر گپ بازوں سے گفتگو نہیں فرما رہے ہیں، بلکہ پوری ذمہ داری سے حضرت محدث اعظمی رحمۃ اللہ کی کتاب کا ''تحقیقی محاسبہ'' کر رہے ہیں، کیا ان کا تحقیقی محاسبہ اسی قدر لچر ہوتا ہے؟ مولانا سن لیں! اور کھلے لفظوں میں سن لیں! انھیں دلیل پیش کرنی ہے، اور یہ ان کی ذمہ داری بنتی ہے، اور ایسی دلیل پیش کرنی ہے جسے ہم تو کیا کوئی بھی توڑ نہ سکے، اگر انہوں نے ایسی روایت پیش کر دی، تو بیشک ان کی کتاب تحقیقی کتاب کہلانے کی اوران کا محاسبہ علمی محاسبہ کہلانے کے قابل ہوگا، لیکن ان کا حال یہ ہے کہ دعویٰ تو ہاتھی باندھنے کا ہے اور ہاتھ میں چند کمزور سی ڈوریاں ہیں، مولانا کان کھول کر سنیں! طعنوں

کی برسات کا نام اتمام حجت ہرگز نہیں ہوتا۔ اور افسوس یہ ہے کہ جناب وہی کام کررہے ہیں۔

مولانا لکھتے ہیں:

''میرے علم کے مطابق اس اباحت کا ترجمہ حلال قرار دینا اور جائز بنا دینا غلط نہیں ہے''۔ (کردار یزید ص۵۰)

اباحت مدینہ کی حقیقت

میں عرض کردوں، کہ مولانا کے اس بیان سے مجھے بھی سو فیصد اتفاق ہے، لیکن مولانا کے برآوردہ نتیجے سے ایک فیصد بھی نہیں، اباحت اور احلال دونوں الفاظ ہم معنی ہیں، لیکن حلال کرنے کا مطلب لوٹ مار اور بدکاری کی اجازت بتانا خباثت نفسی اور سراسر بددیانتی ہے، آیئے دیکھئے! حلال کرنے کا مطلب کیا ہوتا ہے؟ بخاری میں ہے

حدثنی عبد الله بن محمد قال حدثنی یحییٰ بن معین حدثنا حجاج قال ابن جریج قال ابن ابی ملیکة و کان بینهما شیء فغدوت علیٰ ابن عباس فقلت اترید ان تقاتل ابن الزبیر فتحل حرم الله فقال معاذ الله ان الله کتب ابن الزبیر و بنی امیة محلین وانی والله لا احله ابدا۔

(بخاری ج۲ ص۶۷۲ باب قولہ ثانی اثنین)

ابن ابی ملیکہ فرماتے ہیں کہ میں سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ، کے پاس گیا اور ان سے کہا، حضرت ابن عباس اور ابن زبیر رضی اللہ عنہما کے درمیان کچھ معاملہ تھا، کیا آپ ابن زبیر سے جنگ کریں گے، تو اللہ کے حرم کو حلال فرمائیں گے؟ فرمایا خدا کی پناہ بیشک اللہ نے ابن زبیر اور بنو امیہ کو ہی حرم کو حلال کرنیوالا لکھ دیا ہے، میں تو خدا کی قسم ہرگز اس کو حلال نہیں کرونگا''۔

اس کے بعد میں مولانا طاہر گیاوی سے انھیں کی زبان اور انھیں کے لفظوں میں پوچھتا ہوں،

''اب قارئین کرام بتائیں گے کہ زنا، غارت گری اور قتل جیسے حرام کاموں کو حلال قرار دینے سے کوئی صرف فاسق ہوتا ہے کہ نہیں میں تو کہتا ہوں کہ اگر کوئی تاویل نہ کی جائے تو تحلیل حرام کے جرم میں آدمی شرعا کافر بھی ہوگا صرف فاسق نہ ہوگا''۔ (کردار یزید ص۵۰)

اگر تحلیل کا وہی مطلب ہے جو مولانا طاہر صاحب نے تھوڑی دیر کے لئے خرد ماغ بن کر سمجھا ہے، اور ہمیں بھی اس کا وہی مطلب سمجھانا چاہ رہے ہیں، تو از راہ کرم بتائیں کہ وہ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ، کی زبان سے حضرت عبداللہ ابن زبیر کو کیا کہلوا رہے ہیں؟ وہ اپنے ہی الفاظ کی روشنی میں فیصلہ کرلیں۔ اور اگر انھوں نے خود حضرت ابن عباس کی تحلیل کا وہ مفہوم نہیں سمجھا ہے جسے وہ ہمیں سمجھا رہے ہیں تو میں پوچھتا ہوں کہ وہ یہ دھوکہ اور مغالطہ دینے پر کیوں تلے ہوئے ہیں؟ جب کہ اباحت اور تحلیل کا مطلب جنگ کی اجازت ہے، چونکہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کو بھی حرم قرار دیا ہے، اور ظالموں نے اپنی بغاوت کا مرکز مدینہ ہی کو بنایا تھا اسلئے یزید نے اپنی فوج کو تاکید کی تھی کہ باغیوں سے نمٹنے کی ساری کارروائی تین دنوں میں پوری کرلی جائے، اور اسی کو اباحت کہا گیا تھا، جسے سبائی مبلغین نے لوٹ مار سے لے کر نہ جانے کہاں کہاں تک پہونچا دیا۔

مولانا گیاوی صاحب کی طنزیہ عبارت

محترم مولانا لکھتے ہیں:

''یہ بات کہ یزید کے حکم سے یہ ساری کارروائیاں ہوئی تھیں، صرف

علامہ ابن تیمیہ اور حافظ ابن کثیر ہی کا بیان نہیں ہے، بلکہ تمام اہل علم مؤرخین محدثین جنہوں نے بھی اس واقعہ کی تفصیل بیان کی، سب کا اس بات پر اجماع اور اتفاق ہے کہ ایسا ہوا تھا اور یزید کے حکم سے ہوا تھا، لیکن یزید کی حمایت میں لکھنے والوں کے نزدیک ان سب کے باوجود یزید فاسق نہیں ہے، اور یزید کے فسق کی کوئی دلیل صحیح نہیں مل پارہی ہے، کسی نے خوب کہا ہے

گر ہمیں مکتب و ہمیں ملا　　کار طفلاں تمام خواہد شد

(کردار یزید ص ۵۱)

عرض ہے کہ پہلے مولانا اپنا اعتراف خود پڑھ لیں، پھر دوسری بات ہم اس کے بعد پیش کرینگے،

''زیادہ سے زیادہ وہی حافظ ابن کثیر علیہ الرحمہ کے بیان میں پناہ لینی پڑے گی کہ مقتول سارے کے سارے صحابہ خود باغی اور خلیفۂ وقت سے بغاوت کرنے کے جرم میں مبتلا تھے، اسلئے ان کے قاتل فاسق نہ ہوئے ٹھیک ہے، یہ تاویل ان کو فسق سے بچانے کیلئے کفایت کرسکتی ہے''۔

(کردار یزید ص ۵۶)

اور مولانا کا یہ دعوی کہ یزید کے حکم سے یہ کارروائیاں ہوئی تھیں جن کی تفصیل علامہ ابن تیمیہ اور حافظ ابن کثیر، بلکہ تمام اہل علم اور محدثین نے بیان کی، اور سب کا اتفاق ہے کہ ایسا ہوا تھا، اور یزید کے حکم سے ایسا ہوا تھا، تو اسکے لئے بھی ہم مولانا کو انھیں کا ٹیپ سنوادیتے ہیں۔ مولانا لکھتے ہیں:

''جواباً عرض ہے کہ حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی نے یزید کی موت

کے وقت کا جملہ جو نقل فرمایا ہے، کیا اس واقعہ کے لئے کوئی قابل اعتماد سند ذکر کی ہے؟ یا صرف ابن کثیر کی نقل اور تاریخی بے ثبوت ایک روایت کو دلیل بنادیا ہے، اگر کوئی قابل اعتماد سند ہے تو پیش فرما کر اس کے راویوں کی حیثیت واضح فرمادیں''۔　　(کردار یزید ص ۵۷)

''صحیح روایت کی موجودگی میں کسی بڑے سے بڑے عالم اور محقق کی قطعاً ضرورت نہیں رہ جاتی کہ ان کا خیال اور موقف معلوم کیا جائے''۔

(کردار یزید ص ۳۸)

''اس سے معلوم ہوا کہ ابن تیمیہ یا امام غزالی یا ملا علی قاری، یا کسی اور عالم اور محقق کی تحریر پیش کردینے سے کوئی حقیقت نہیں بدل جاتی''۔

(کردار یزید ص ۵۹)

اب اپنی ہی تحریروں کی روشنی میں مولانا از روئے انصاف ہمیں بتائیں! کیا انھوں نے اس کے لئے کوئی صحیح روایت پیش کی ہے کہ یہ کارروائی ہوئی تھی اور یزید کے حکم سے ہوئی تھی؟ اور مولانا ایسی کوئی صحیح روایت پیش نہیں کرسکتے تو تمام مؤرخین، محدثین اور اہل علم کا نام لینے سے کیا فائدہ؟ ہم پہلے عرض کرچکے ہیں کہ یہ تمام حضرات صدیوں بعد کے ہیں، یہ بذات خود تو واقعے کا مشاہدہ کرنہیں سکتے، کیونکہ یہ محال اور ناممکن ہے، اور اگر انھوں نے کسی تاریخی روایت پر اعتماد کرکے اپنی کتابوں میں لکھا ہے تو وہ تاریخی روایت سند کے ساتھ سامنے لائی جائے، دنیا کو بھی معلوم ہو کہ یزید کے خلاف موقف رکھنے والوں کے پاس بھی ٹھوس بنیاد ہے، کیونکہ بقول مولانا: ''صحیح روایت کی موجودگی میں کسی بڑے سے بڑے عالم اور محقق کی قطعاً ضرورت نہیں رہ جاتی کہ ان کا خیال اور موقف معلوم کیا جائے'' تو بار بار مولانا جو ہمارے سامنے بھاری بھرکم شخصیات کے

ناموں کا حوالہ پیش کرتے ہیں، تو اس کا صاف مطلب یہ بھی ہے کہ ان کے پاس کوئی صحیح روایت موجود ہی نہیں ہے، اور وہ صرف ناموں کی پتوار کے سہارے اپنی کشتی پار لگانا چاہتے ہیں۔

بخاری کی روایت لم تبق الخ کا مفہوم

مولانا سید طاہر حسین صاحب گیاوی فرماتے ہیں، اسی واقعہ میں تمام بچے کھچے بیعت رضوان والے صحابہ ختم ہو چکے تھے، یہ بات بخاری میں ہی موجود ہے، دیکھئے! ثم وقعت الفتنة الثانية يعنى الحرة فلم تبق من اصحاب الحديبية احدا۔ (بخاری ج۲ص۵۷۳)

''پھر دوسرا فتنہ واقعہ ہوا یعنی واقعہ حرہ ہوا تو اس نے حدیبیہ والے کسی صحابی کو باقی نہ چھوڑا''۔ (کردار یزید ص۵۱)

اگر بخاری کی اس روایت کا یہی مطلب ہے جو مولانا ہمیں بتانا چاہتے ہیں، تو پہلے مولانا کو یہ ثابت کرنا ہوگا کہ بیعت رضوان والے کون کون بزرگ اس وقت موجود تھے اور وہ سب کے سب واقعہ حرہ میں شہید ہو گئے تھے، پھر اسی روایت میں یہ بھی ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، کے واقعہ شہادت کے وقت تمام بدری صحابہ کی شہادت ہوگئی یا ان کا وصال ہو گیا تھا، روایت یوں ہے عن سعيد بن المسيب وقعت الفتنة الاولى يعنى مقتل عثمان فلم تبق من اصحاب بدر احداً ثم وقعت الفتنة الثانية يعنى الحرة فلم تبق من اصحاب الحديبية احداً ۔ (بخاری ۴۰۲۴)

واقعۂ حرہ کے بعد حدیبی صحابہ کی موجودگی

اگر مطلب وہی ہے جو الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے تو واقعۂ حرہ کے بعد کسی بھی حدیبی صحابی کو موجود نہ رہنا چاہئے، جب کہ حقیقت اس کے خلاف دکھائی دیتی ہے، کیونکہ حدیبی

صحابہ میں سے حضرت سیدنا انس ابن مالک رضی اللہ عنہ، بھی ہیں جن کی وفات مشہور قول کے مطابق واقعۂ حرہ کے تیس سال بعد ۹۳ھ میں ہوئی ہے۔

(البدایۃ ج۱ص۲۷۷)

پھر حضرت سیدنا جابرؓ بن عبداللہ انصاری بھی شرکائے حدیبیہ میں سے ہیں، اور ان کی وفات بھی واقعۂ حرہ کے گیارہ یا پندرہ سال بعد ۷۴ یا ۷۷/۷۸ ہجری میں ہوئی ہے۔

(الاستیعاب ج۱ص۲۱۹/الاصابہ ج۱ص۵۴۷)

حضرت سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ، بھی غزوۂ حدیبیہ میں شریک ہیں، اور ان کی وفات مصعب ابن الزبیر کے زمانۂ امارت میں ہوئی ہے۔ (الاصابہ ج۱ص۴۱۲)

حضرت سیدنا سلمہ ابن الاکوع رضی اللہ عنہ، بھی حدیبی صحابی ہیں اور صحیح قول کے مطابق انکا وصال ۷۴ھ میں ہوا ہے، یعنی واقعۂ حرہ کے دس سال بعد۔ اس لئے یہ مطلب تو ہرگز درست نہیں ہوسکتا کہ واقعہ حرہ میں سارے حدیبی صحابہ شہید ہو گئے، جس طرح شہادت سیدنا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ، کے موقع پر سارے بدری صحابہ شہید ہو گئے تھے، اس کا صاف مطلب یہ ہوسکتا ہے کہ جس طرح فتنۂ وقعۃ الدار کے بعد بدری صحابہ کی تعداد تیزی سے کم ہونے لگی، اسی طرح واقعۂ حرہ کے بعد حدیبی صحابہ بھی تیزی سے رخصت ہوتے چلے گئے، اور ان میں سے خال خال ہی کچھ طویل عمر پا سکے، اس کا مطلب یہ کہ، وقعۃ الدار اور واقعۂ حرہ کو ان بزرگ صحابہ کی رحلت کے لئے محض علامت قرار دیا گیا ہے نہ کہ علت۔

محترم مولانا سید طاہر حسین صاحب مدظلہ نے علامہ بدرالدین عینی کے حوالے سے مہاجرین وانصار کے سات سو سر برآوردہ لوگوں کے قتل کا ذکر کیا ہے۔

(عمدۃ القاری ج۱۷ص۱۷۱/کردار یزید ص۵۱))

بحوالہ علامہ ذہبی خلیفہ ابن خیاط کا قول نقل کیا ہے کہ حرہ کے دن تین سو چھ افراد مقتول ہوئے مولانا کا ترجمہ یوں ہے ''بہت سارے لوگوں نے بتایا ہے کہ یزیدی فوج مدینہ میں داخل ہوئی تو لوٹ مار کیا اور فساد مچایا، اور عورتوں کی حرمت کو حلال کر ڈالا'' (مؤرخ خلیفہ بن خیاط کہتے ہیں) قریش وانصار کے واقعہ حرہ میں کل مرد تین سو چھ مصیبت کا شکار ہوئے اس کے بعد خلیفہ ابن خیاط نے ایک ایک کر کے چھ ورق میں نام شمار کرائے ہیں، اور کہا ہے کہ یہ واقعہ اس وقت ہوا جب ماہ ذی الحجہ سے میں (؟) صرف تین دن باقی رہ گئے تھے''۔

(تاریخ الاسلام للذہبی ج۲ص۳۷۴ رکردار یزید ص۵۲)

میں عرض کرتا ہوں کہ اب یہیں دیکھ لیجئے! خلیفہ ابن خیاط کا انتقال ۲۴۰ھ میں ہوا ہے اور واقعہ ۶۳ھ کا ہے، خلیفہ نے سند بیان نہیں کی کہ اس بیان کی تفتیش کی جا سکے بس اعتماد کر کے علامہ ذہبی علیہ الرحمہ نے اس کو تاریخ الاسلام میں ذکر فرما دیا، اور اس میں مسالہ ملا کر علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے عمدۃ القاری میں بیان کر دیا، کیونکہ بحوالہ ابن خیاط علیہ الرحمۃ علامہ ذہبی تک بے سند ہی سہی یہ تعداد تین سو چھ تک محدود رہتی ہے، اور علامہ عینی تک آ کر یہ تعداد سات سو میں تبدیل ہو جاتی ہے، اور سند روایات نہ خلیفہ کے یہاں ہے، نہ علامہ ذہبی کے یہاں نہ علامہ عینی کے یہاں، اب اس بے سند بیان کی حقیقت جب محض اقوال کی رہ گئی ہے اور علامہ طاہر خود اس کے قبول کرنے سے انکار فرما چکے ہیں، تو ان کے لئے محض بے سند اقوال سے استدلال کیسے جائز ہو سکتا ہے؟ لیکن علامہ تو مناظر اسلام ہیں، ان کے مطلب کی بے سند روایتیں بھی ان کے پاس آ کر مستند ہو ہی جاتی ہیں، ممکن ہے یہ روایت بھی مستند ہو گئی ہو۔

حضرت سیدنا ابوسعید خدریؓ کے قتل کے درپے کون؟

بات خلیفہ بن خیاط کی آ گئی ہے تو جی چاہتا ہے کہ تاریخ خلیفہ ہی کی ایک صحیح روایت پیش کر دی جائے، حدثنا وهب بن جرير، قال نا ابو عقيل الدورقى قال سمعت ابا نضرة يحدث قال دخل ابو سعيد الخدرى يوم الحرة غاراً فدخل عليه رجل ثم خرج فقال لرجل من اهل الشام ادلك علىٰ رجل تقتله فلما انتهى الشامى الىٰ باب الغار وقال لابى سعيد وفى عنق ابى سعيد السيف اخرج الى قال: لا ـ وان تدخل على اقتلك فدخل الشامى فوضع ابو سعيد السيف وقال: بوء باثمى واثمك وكن من اصحاب النار وذالك جزاء الظالمين۔ فقال: ابو سعيد الخدرى انت؟ قال نعم، قال: فاستغفرلى، قال غفر الله لك ـ (تاریخ خلیفہ ص۲۳۹)

تاریخ الاسلام ج۳ص۲۲۱ میں ہے قال انت ابو سعيد الخدرىؓ؟ قال نعم۔

الکامل کی روایت میں ہے: فقال من انت قال انا ابو سعيد الخدرى قال صاحب رسول الله صلى الله عليه وسلم؟ قال نعم۔ (الکامل ج۳ص۴۵۹)

''ابونضرہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوسعید خدریؓ حرہ کے دن ایک غار میں داخل ہو گئے، ایک آدمی ان کے پیچھے غار میں داخل ہوا، پھر نکل گیا، تو اس نے شام کے ایک سپاہی سے کہا میں ایک آدمی کا پتہ بتاتا ہوں، تم اسے مار ڈالو، جب شامی غار کے مونھ تک پہونچا، اور حضرت ابوسعید سے بولا، حالانکہ حضرت ابوسعید کی گردن میں تلوار لٹکی تھی، باہر نکلو: فرمایا نہیں، اور اگر تم اندر آؤ گے تو میں تمہیں مار دونگا، شامی اندر چلا گیا تو حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ، نے تلوار رکھدی اور فرمایا اپنا اور میرا گناہ سمیٹ لے اور جہنمی ہو جا! ظالموں کا یہی بدلہ ہے، شامی نے کہا ابوسعید خدری آپ ہیں؟ فرمایا ہاں!

اس نے کہا میرے لئے دعائے مغفرت کیجئے! فرمایا اللہ تیری مغفرت فرمائے''۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ وہ کون تھا؟ کس جماعت کا فرد تھا؟ جو حضرت ابوسعید خدریؓ کے پیچھے غار میں پتہ لگانے گیا تھا؟ اور لوٹ کر اس نے شامی فوجی کو ان کے قتل کی دعوت دی؟ یہ سوال اس لئے بھی اہم ہے کہ اس پر غور کرنے سے پس پردہ محرکین کا اندازہ لگانے کی راہ کھلتی ہے، مدینہ کے حضرات تو ہو نہیں سکتے؟ اور شامی ان کے نام سے نہ صرف واقف ہیں بلکہ ان سے غائبانہ عقیدت ومحبت بھی رکھتے ہیں، ورنہ ایسے موقع پر دعائے مغفرت کی گزارش کا کیا معنی؟ وہ اگر سمجھتے کہ بلاتفریق سارے اہل مدینہ باغی ہیں تو ان کا شمار بھی وہ انہیں میں کرتے، پھر اگر اس نے استغفار کی گذارش کی بھی تھی تو حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ، ان کے لئے دعائے مغفرت کیوں فرماتے؟ انھیں تو کہنا چاہئے کہ ایک طرف تم پردہ نشیں قابل احترام صحابیات کو (بقول مولانا طاہر) اپنی گندی ہوس کا شکار بنا رہے ہو، اور دوسری طرف استغفار کا ناٹک بھی کر رہے ہو؟ لیکن نہیں! حضرت ابوسعید خدریؓ اس کے لئے دعائے مغفرت فرماتے ہیں اس سے دو باتیں تو صاف صاف مولانا طاہر صاحب کے علی الرغم نکل کر سامنے آتی ہیں، ایک یہ کہ اس کے پیچھے کچھ ایسے لوگوں کا ہاتھ تھا جو روپوش رہتے تھے، دوسرے یہ کہ قتل عام اور ہزار پاکدامنوں کی عصمت دری کا افسانہ بھی اپنے منصوبے میں ناکامی کے بعد انھیں روپوش جماعت کے افراد کا تصنیف کیا ہوا ہے۔

ربیبۂ رسول حضرت زینب کا دونوں بیٹیوں کی شہادت پر تأثر

ایک روایت اور دیکھ لیجئے! زینب بنت ابی سلمہ رضی اللہ عنہا جو مدینے کی خواتین میں اپنے دور کی سب سے بڑی عالمہ اور فقیہہ تھیں، ان کے دو لڑکے اس میں مارے گئے، ایک نے باغیوں کا ساتھ دیا تھا، دوسرے نے خود کو الگ رکھا تھا، دونوں کی لاش ان

کے پاس لائی گئی، حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ واقعہ کے راوی ہیں، سند اس طرح ہے۔ حدثنا وهب قال: حدثني ابي قال: نا الحسن قال: اصيب ابنا زينب يوم الحرة فحملا اليها فقالت انا لله وانا اليه راجعون ما اعظم المصيبة على فيهما، ولهي في هذا اعظم علي منها في هذا، اماهذا فبسط يده فقاتل حتى قتل فانا اخاف عليه واما هذا فكف يده حتى قتل فانا ارجوله۔

(تاریخ خلیفہ ص ۲۳۹)

''زینب کے دو بیٹے حرہ کے دن قتل ہو گئے، دونوں کو ان کے پاس لایا گیا، انھوں نے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھی اور کہا ان دونوں کے تعلق سے مجھ پر کتنی بڑی مصیبت آپڑی، اور اس لڑکے کے متعلق تو یہ مصیبت دوسرے سے زیادہ بڑی ہے، اس نے اپنا ہاتھ بڑھایا، لڑا یہاں تک کہ قتل کر دیا گیا تو مجھے اس کے متعلق اندیشہ ہے، اور اسنے اپنا ہاتھ روک رکھا یہاں تک مقتول ہو گیا، تو میں اس کے متعلق امیدوار ہوں''۔ میں عرض کرتا ہوں کہ اگر اس وقت لوٹ اور عصمت دری کی کوئی بات سامنے آئی ہوتی تو حضرت زینب اپنے لڑکے کے متعلق سوئے خاتمہ کا اندیشہ کیوں کرتیں؟ من قتل دون ماله وعرضه فهو شهيد سے استدلال کیوں نہ فرماتیں؟ اندازہ ہوتا ہے کہ اس طرح کے افسانے فرصت میں تراش کر بڑی ترتیب اور نظم سے پھیلائے گئے ہیں۔

جس روایت کا ترجمہ مولانا نے پیش کیا تھا، ذرا اس میں مولانا کے ہاتھ کی صفائی بھی دیکھ لیجئے! مولانا نے عبارت قالوا ودخلوا الخ سے نقل کی ہے جب کہ تاریخ الاسلام للذہبی میں ہے عن بعضهم قالوا! جس کا سیدھا ترجمہ یہ ہے کہ کچھ لوگوں نے کہا'' اب مولانا جانتے تھے کہ عن بعضهم بھی نقل کر دیا گیا تو یہ بیان ہی کمزور ہو جائے گا، تو پہلی کارروائی انھوں نے یہ کی کہ عن بعضهم کو ہضم فرما گئے، اور اپنے ترجمے میں لکھا

کہ بہت سارے لوگوں نے بتایا ہے'' اب'' عن بعضهم قالوا '' اور مولانا کا ترجمہ کہ'' بہت سارے لوگوں نے بتایا ہے'' یہ دونوں کسی معمولی عربی داں کے آگے پیش کر دیجئے ! مولانا کی دیانت برسرراہ برہنہ نظر آئے گی۔ کمبخت سبائیوں نے تو روایت ہی تصنیف کی تھی ہمارے مولانا تو جوڑ توڑ میں ان سے بھی آگے نکلنے کی مشق فرمارہے ہیں۔

محترم مولانا سید طاہر حسین صاحب نے لکھا ہے، محدث بیہقی نام بتاتے ہوئے لکھتے ہیں: قتل یوم الحرة عبد الله بن زيد المازنی ، ومعقل بن سنان الاشجعی ، وقتل معاذ بن الحارث القاری ، وقتل عبد الله بن حنظلة بن ابی عامر''۔

(دلائل النبوۃ للبیہقی ج۶ ص۴۱۸)

یوم حرہ میں عبداللہ بن زید المازنی قتل کئے گئے، اور معقل بن سنان اشجعی اور معاذ بن الحارث القاری قتل کئے گئے، اور عبداللہ بن حنظلہ بن ابی عامر قتل کئے گئے یہ چار کے چار صحابی تھے، سب کے سب یزید کی بیعت توڑ چکے تھے، لڑائی میں شریک ہوئے، اور یزیدی فوج کے ہاتھوں شہید ہوئے، ان کا ذکر بخاری ج اول ص۴۱۵ اور جلد ثانی ۵۹۹ پر موجود ہے۔

(کردار یزید ص۵۲)

دلائل النبوۃ کی منقطع روایت سے استدلال اور اس کا جواب

عرض ہے کہ مولانا نے یہ روایت دلائل النبوۃ کے حوالے سے پیش کی ہے، اور مغالطہ یہ دیا ہے کہ یہ نام محدث بیہقی نے بتائے ہیں اور ہم نے دلائل النبوۃ نکالی، دیکھا تو اس میں روایت اس طرح ہے۔ سعيد بن كثير بن عفير الانصاری يقول قتل يوم الحرة الخ۔ (دلائل النبوۃ ج۶ ص۴۷۴)

اب ہم نے سعید بن کثیر کا ترجمہ تہذیب میں دیکھا تو اس طرح پایا، سعيد بن كثير

بن عفير بن مسلم بن يزيد الانصاری ، ولد سنة ١٤٦ وتوفی سنة ٢٢٦ هجری ۔ (تہذیب التہذیب ج۴ ص۷۴/۷۵)

اب مولانا ہی یہ مسئلہ حل فرمائیں کہ واقعہ ۶۳ھ کا ہے اور سعید بن کثیر ۱۴۶ھ میں پیدا ہی ہوئے ہیں، یعنی واقعۂ حرہ کے تراسی سال بعد، اب یہ تو ناممکن ہے کہ انھوں نے حرہ کا واقعہ دیکھا ہو، لازماً انھوں نے کسی سے اس کو سنا ہوگا؟ تو جس سے انھوں نے سنا ہے اس کا نام انھوں نے بتایا نہیں کہ اس کی تحقیق ہو سکے، صاف ظاہر ہے کہ انہوں نے سنی سنائی بات نقل کر دی ہے، اور ایسی سنی سنائی بات کو مولانا ہی حجت بنا سکتے ہیں؟ اور جب بنیاد ہی ثابت نہیں ہے تو اس کے لئے بیکار میں بخاری کے حوالوں سے کیا حاصل؟ بلکہ بخاری میں حضرت عبداللہ ابن زید کی روایت موجود ہے کہ ان سے حرہ کے موقع پر کسی نے کہا کہ عبداللہ ابن حنظلہ لوگوں سے موت کی بیعت لے رہے ہیں تو آپ نے فرمایا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کے ہاتھ پر اس بات کی بیعت نہیں کرونگا، بخاری کی روایت دیکھئے۔ حدثنا موسى بن اسماعيل ، حدثنا وهيب ، حدثنا عمرو بن يحيىٰ عن عباد بن تميم عن عبد الله بن زيد قال : لما كان زمن الحرة اتاه آت ، فقال له ان ابن حنظلة يبايع الناس على الموت ، فقال لا ابايع علىٰ هذا احداً بعد رسول الله صلى الله عليه وسلم ۔ (بخاری حدیث نمبر ۲۹۵۹ ج۲ ص۵۹۹)

غور فرمائیے جب عبداللہ بن زید حرہ کے موقعہ پر بیعت سے انکار فرمارہے ہیں تو وہ باغی جماعت کے ساتھ شامل کب ہوئے؟ کہ انھیں شامی فوج نے قتل کر دیا؟ دوسری بات یہ بھی ہے کہ یہ واقعہ حضرت عبداللہ بن زید سے عباد بن تمیم نے نقل کیا ہے تو ظاہر ہے کہ اس کے بعد ہی نقل کیا ہے، کیونکہ زیر نظر عبارت میں حکایت کی نسبت عبداللہ

بن زید رضی اللہ عنہ، کی طرف کی گئی ہے قال : لما کان زمن الحرة ، یہ طرز بیان صاف بتا رہا ہے کہ اس کو واقعۂ حرہ کے بعد حضرت عبداللہ نے عباد بن تمیم سے بیان فرمایا ہے، اور اگر وہ اس میں شہید ہو گئے تھے تو واقعہ بیان کیسے فرمایا؟ بدیہی طور سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ حضرت عبداللہ اس واقعے میں شہید نہیں ہوئے تھے، مذکورہ روایت کا حال قارئین کرام دیکھ ہی چکے ہیں آگے بھی دیکھئے!

محترم مولانا سید طاہر حسین صاحب مدظلہ لکھتے ہیں،

یزیدی فوج بہت بڑی تعداد میں مدینہ بھیجی گئی تھی، علامہ بدرالدین عینی علیہ الرحمۃ بحوالہ مدائنی لکھتے ہیں، قال المدائنی کان فی سبعة وعشرین الفا الخ مولانا کا ترجمہ ہے کہ یزیدی لشکر ستائیس ہزار تھا۔

(کردار یزید ص ۵۳)

اس روایت کو بھی دیکھ لیجئے! علامہ بدرالدین عینی رحمۃ اللہ کی وفات ۸۵۵ھ میں ہوئی ہے، وہ اس روایت کو مدائنی کے حوالے سے نقل فرماتے ہیں اور مدائنی کی وفات ۲۲۵ھ میں ہوئی ہے، دونوں کے درمیان کچھ صدیوں کا فاصلہ ہے، پھر علامہ عینی نے کسی کتاب کا حوالہ بھی نہیں دیا کہ اس کتاب سے بحوالہ مدائنی انھوں نے یہ روایت نقل فرمائی ہے، پھر مدائنی کی وفات دوسو چوبیس یا پچیس میں ہوئی ہے، علامہ ذہبی فرماتے ہیں وهو صاحب الاخبار قل ماله من الروايات المسندة ـ مات المدائنی سنة اربع او خمس و عشرين ومأتين من ثلاث وتسعين سنة۔

(میزان الاعتدال ج۳ ص ۱۵۳)

یزیدی لشکر کی تعداد

علی بن محمد ابوالحسن مدائنی اخباری راوی ہیں، ان کے پاس باسند روایتیں بہت کم ہیں،

ان کی وفات ترانوے سال کی عمر پا کر دوسو چوبیس یا پچیس میں ہوئی ہے۔ اب مدائنی فوج کی اس کثرت کا مشاہدہ تو فرمانے سے رہے؟ کیونکہ خود ان کی پیدائش ہی واقعۂ حرہ کے تریسٹھ سال کے بعد ہوئی ہے، اور جن سے انھوں نے سنا، ان کا نام انھوں نے ذکر نہیں فرمایا تو اس روایت پر یقین کیسے کیا جا سکتا ہے، اس کے برخلاف شیعہ مؤرخ مسعودی نے یہ تعداد نہیں لکھی ہے، لکھتے ہیں فبعث اليهم يزيد مسلم بن عقبة المری فی اربعة آلاف ومعه زفر بن الحاث الكلابی وحبيش بن دلجة القينی ، والحصين بن نمير الكندی وعبد الله بن مسعدة االفزاری وغيرهم من روس الاجناد۔ (التنبیہ والاشراف ص ۲۶۳)

تو ان کی طرف یزید نے مسلم بن عقبہ مری کو چار ہزار لشکر لے کر بھیجا، اور اسکے ساتھ فوج کے سرداروں میں سے زفر بن الحارث کلابی، حبیش بن دلجہ قینی، حصین بن نمیر کندی، عبداللہ بن مسعدہ فزاری، اور دوسرے لوگ تھے۔ فطرتاً مسعودی کو فوج کی تعداد بہت بڑھا کر پیش کرنی چاہئے تھی، لیکن وہ بھی فوج کی تعداد چار ہزار بتاتے ہیں اور ہمارے مولانا بے سند فرماتے ہیں، کہ بہت بڑی تعداد میں فوج مدینہ کے لئے بھیجی گئی تھی۔

مولانا طاہر صاحب کی نام بگاڑنے کی وکالت

پھر مولانا نے ابن کثیر کے دو اقوال البدایہ سے نقل فرمائے ہیں، کہ یزید کے حکم سے مسلم بن عقبہ نے تین دن حلال کر ڈالا، اشراف اور قاریوں کو قتل کیا، بہت سارے مال لوٹ لئے وغیرہ وغیرہ، اس کے بعد مولانا لکھتے ہیں ”حافظ ابن کثیر علیہ الرحمہ یہ ساری باتیں آپ کو واقعۂ حرہ کے تحت بتاتے ہیں لیکن انہوں نے یزید کے ساتھ لا جزاہ اللہ لکھا اور مولانا

حبیب الرحمٰن اعظمی یزید کے ساتھ رحمہ اللہ یا رحمۃ اللہ علیہ کہنے کا فتویٰ دیتے ہیں دونوں کے موقف میں کتنا فرق ہے؟ آپ خود محسوس کیجئے! اسی طرح مسلم بن عقبہ جو یزیدی فوج کا کمانڈر تھا اس کو ابن کثیر علیہ الرحمہ کتنا برا بوڑھا اور کتنا بڑا جاہل اللہ اس کا برا کرے جیسے الفاظ لکھتے ہیں، اور مزید کہتے ہیں کہ اسلاف تو اس کا نام ہی مسلم کے بجائے مسرف رکھتے تھے، مجھے نہیں معلوم کہ یزید کے حمایتی حضرات اس کا اعزاز والقاب کیا رکھتے ہیں۔ (کردار یزید ص ۵۴)

میں عرض کرتا ہوں کہ مولانا کے پاس جب پیش کرنے کو روایت نہ رہی تو انھوں نے اقوال گنانے شروع کر دیئے، لیکن چونکہ مولانا کے سامنے صرف ایک ضابطہ ہے کہ بس اپنے مطلب کی روایت یا کسی کا قول بے جھجک تسلیم کر لو! اور مطلب کے خلاف انھیں بزرگوں کے حوالے سے کوئی روایت آئے تو منطق بگھارنے بیٹھ جاؤ! دیکھئے یہی مولانا حضرت محدث اعظمی علیہ الرحمہ کے ابن کثیر کی روایت سے استدلال کو رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں،

''جواباً عرض ہے کہ حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی نے یزید کی موت کے وقت کا جملہ جو نقل فرمایا ہے کیا اس واقعہ کے لئے کوئی قابل اعتماد سند ذکر کی ہے؟ یا صرف ابن کثیر کی نقل اور تاریخی بے ثبوت ایک روایت کو دلیل بنا دیا ہے؟ اگر کوئی قابل اعتماد سند ہے تو پیش فرما کر اس سند کے راویوں کی حیثیت واضح فرما دیں''۔ (کردار یزید ص ۵۷)

میں پوچھتا ہوں کہ اپنے اقوال اور اپنی روایت پیش کرتے وقت مولانا کو یہ اصول کیوں یاد نہیں رہتا؟ اس وقت مولانا کیوں جمع غائب ہو جاتے ہیں؟ ہم بھی کہتے ہیں

کہ ابن کثیر نویں صدی ہجری کے ہیں، اس قدر طویل عرصے کے بارے میں کسی واقعے کی تصویر کشی کے لئے صحیح سند والی روایت پیش کریں، ہم ماننے کو تیار ہیں۔ ورنہ اڑی اڑائی خبر علامہ ابن کثیر کی ہو یا علامہ عینی یا کسی اور کی اور ہمارے نزدیک مستدل بننے کے لائق ہرگز نہیں ہو سکتی، مولانا فرماتے ہیں سلف مسلم کا نام مسرف رکھتے تھے، میں عرض کرتا ہوں کہ اس کا مبداء صحیح روایت کے ساتھ سامنے لائیں کہ ابتداءً کس بزرگ نے اسے مسرف کہا؟ ورنہ ہم یہ ماننے پر مجبور ہیں کہ جنہوں نے بے سر و پا خبریں اڑائیں، انھیں میں سے کسی نے اس کے مسرف کہنے کی خبر کو پھیلایا، اور متأخرین نے بلا تحقیق اسے اپنی کتابوں میں درج کر دیا، مولانا کہتے ہیں کہ مجھے نہیں معلوم کہ یزید کے حمایتی حضرات اس کا اعزاز و القاب کیا رکھتے ہیں، یعنی در پردہ مولانا یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ہم بھی مسلم کا نام بگاڑ دیں اور اس کو انھیں القاب سے یاد کریں جو مولانا اور ان کے ہمنوا چاہتے ہیں، تو ہم عرض کر دیں کہ یہ شوق انھیں کو مبارک ہو! ہمارے سامنے قرآنی ہدایت ہے، ولا تنابزو بالالقاب، القاب مت بگاڑو! مولانا اپنی انا کی خاطر اسے نظر انداز کر دیں، انھیں اختیار ہے، ہم ان کا ساتھ ہرگز نہیں دے سکتے، اور ہمیں یقین ہے کہ ہمارے اسلاف میں سے کسی نے بھی ابتداءً ایسا ہرگز نہیں کیا ہے، اگر کیا ہے تو ہمت کر کے کوئی وہ روایت سند کے ساتھ ہمارے سامنے لائے، کہ ہمارے کس بزرگ نے پہلے پہل مسلم کو مسرف کہا؟ بینوا و توجروا۔

مولانا لکھتے ہیں، کہ ''ابن کثیر نے مسلم کے نام کے ساتھ لا جزاہ' اللہ لکھا اور مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی یزید کے نام کے ساتھ رحمہ اللہ کہنے کا فتویٰ دیتے ہیں، دونوں موقف میں کتنا فرق ہے'' میں کہتا ہوں! مولانا تحقیق کرنے بیٹھے ہیں یا کسی چوپال میں گپ ہانکنے؟ انھیں دکھائی نہیں دیتا تو میں دکھاتا ہوں کہ جس یزید کو وہ اپنے قلم سے

ص۱۱۳ پر پلید لکھ کر محدث اعظمی علیہ الرحمہ کو اکابر دیوبند کے موقف سے منحرف دکھا رہے ہیں، اس کے متعلق دارالعلوم دیوبند کا دارالافتاء کیا کہتا ہے؟ یزید کے بارے میں عقیدہ: سوال۔

دارالعلوم دیوبند کا فتویٰ کہ یزید کو رحمہ، اللہ کہنا چاہئے

میرا سوال یہ ہے کہ یزید بن معاویہ کو رضی اللہ عنہ، کہہ سکتے ہیں یا نہیں؟ اس کے بارے میں کیا عقیدہ ہونا چاہئے، ان کو امیر المؤمنین کہنا کیسا ہے؟

جواب: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم Fatwa id: 503-499/B=1436-4

یزید حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ، کے صاحبزادے تھے، اس لئے وہ تابعی تھے، ان کے لئے رحمہ اللہ کہنا چاہئے، کیونکہ رضی اللہ عنہ، کو صحابۂ کرام کے ساتھ خاص کر دیا گیا ہے۔ حضرت امیر معاویہؓ کے بعد بیشک وہ امیر المؤمنین بنائے گئے تھے، ان کے ہاتھ پر بیعت عامہ ہوئی، صحابہ وتابعین نے انکے ہاتھ پر بیعت کی تھی، خلفائے راشدین کے بعد جتنے خلفاء ہوئے، اگرچہ ان کی خلافت بالکل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ پر نہ تھی، ان خلفاء کو امیر المؤمنین کہنا درست ہے، ملا علی قاری نے مرقاۃ میں ولا باس بان یسمی القائم بامور المسلمین امیر المؤمنین لکھا ہے۔

(مرقات ج۱۰/۱۲۳)

یزید کے بارے میں شیعوں نے فاسق و فاجر ہونے کا عقیدہ پھیلایا ہے، لیکن صحیح روایت سے ان کا فسق وفجور ثابت نہیں ہوتا، بلکہ بخاری شریف کی حدیث میں آیا ہے کہ جو لوگ قسطنطنیہ کی جنگ میں شریک ہونگے وہ جنتی ہیں، اور بلاشبہ یزید بھی اس جنگ میں شریک ہوئے تھے، بلکہ فوج کے ایک حصہ کے امیر تھے، امام بخاری نے اس کی تصریح کی ہے۔ (واللہ تعالیٰ اعلم دارالافتاء دارالعلوم دیوبند، ماخذ دارالافتاء فتویٰ

نمبر۵۸۶۴۲۔ تاریخ اجراء اپریل ۲۰۱۵ء)

اب قارئین کرام انصاف سے فیصلہ فرمائیں، کہ یزید کو رحمۃ اللہ علیہ کہنا اور اس کو فاسق نہ سمجھنے کا فتویٰ تنہا محدث اعظمی کا ہے یا دارالافتاء دارالعلوم دیوبند کا؟ اور علمائے دیوبند کے موقف سے انحراف کون کر رہا ہے؟ بات مسلم بن عقبہ کی چل رہی ہے، اس طرح کی روایتوں کو جنھیں روافض نے یزید کے خلاف جعلسازی سے گھڑا اور پھیلایا ہے، علمائے دیوبند نے تحقیق کے بعد رد کر دیا ہے، اور مسلم بن عقبہ کو بھی چونکہ یزید پر الزام قائم کرنے کے لئے واسطہ بنایا گیا ہے، لہٰذا حرہ کے باب میں بھی اسی طرح کی روایات بنا بنا کر پھیلائی گئیں، اور جب روایات ہی ثابت نہیں ہیں، تو ہم یزید یا مسلم بن عقبہ کو برے الفاظ سے کیسے یاد کر سکتے ہیں؟

موت کے وقت مسلم ابن عقبہ کی دعاء

پھر یہ بھی دیکھئے! کہ مسلم ابن عقبہ نے موت سے پہلے دعا مانگی تھی، جس کو مولانا طاہر صاحب نے علامہ ابن کثیر کے حوالے سے نقل کیا ہے" اللھم انی لم اعمل عملاً قط بعد شھادۃ ان لا الہ الا اللہ وان محمداً رسول اللہ احب الی من قتل اھل المدینۃ واجزیٰ عندی فی الآخرۃ، وان دخلت النار بعد ذالک انی لشقی ثم مات قبحہ اللہ و دفن بالمشلل۔

(البدایۃ والنہایۃ ج۸ص۳۱۷/۳۱۸)

مولانا ترجمہ فرماتے ہیں:

"اے اللہ میں نے کبھی کوئی عمل کلمۂ شہادت کے بعد اہل مدینہ کے قتل سے زیادہ محبوب عمل نہیں کیا ہے اب اس کے بعد جہنم میں ڈالا جاؤں تو میں بہت شقی اور بدنصیب ہوں، اس کے بعد انتقال کر گیا، خدا اس کا برا

کرے اور مقام مشلل میں دفن میں کیا گیا''۔ (کردار یزید ص ۱۳۴)

ہمارے مولانا نے ترجمہ میں ''واجزی عندی فی الآخرۃ'' کا ترجمہ چھوڑ دیا ہے، یعنی میرے نزدیک آخرت میں بدلے کے لائق، میں سمجھتا ہوں کہ ''اجزیٰ'' کتابت کی غلطی ہے کیونکہ البدایہ کے علاوہ دوسری کتابوں میں یہ لفظ ارجیٰ ہے۔

ابن اثیر لکھتے ہیں۔ ولا ارجیٰ عندی فی الآخرۃ۔ (الکامل ج ۳ ص ۴۶۳)

ابن جریر لکھتے ہیں: ولا ارجیٰ عندی فی الآخرۃ۔ (تاریخ الطبری ج ۵ ص ۳۹۷)

علامہ ذہبی لکھتے ہیں: ولا ارجیٰ عندی منه ثم مات ((تاریخ الاسلام ج ۵ ص ۳۳)

مطلب یہ ہے کہ میرے نزدیک کلمہء شہادت کے اقرار کے بعد اہل مدینہ کے قتل سے زیادہ محبوب اور آخرت میں مغفرت کے لئے زیادہ قابل امید کوئی دوسرا عمل نہیں ہے، اس کے بعد بھی میں جہنم میں ڈالا جاؤں تب تو میں بد بخت ہی ثابت ہونگا۔

علامہ ابن کثیر کی سادگی

اگر چہ علامہ ابن کثیر نے یہاں پر اسے بد دعا سے یاد کیا ہے کہ اللہ اس کا برا کرے لیکن میں ابن کثیر کو اس باب میں معذور خیال کرتا ہوں، کیونکہ علامہ موصوف نے کہیں تو تحقیق فرمائی ہے اور کہیں بلا تحقیق محض سادگی سے اپنا تبصرہ سپرد قلم فرما دیا ہے، علامہ طاہر صاحب کے قلم سے ہی دیکھ لیجئے! محدث طبرانی فرماتے ہیں اور ان سے محقق ابن کثیر علیہ الرحمہ نقل کرتے ہیں قال الطبری حدثنا محمد بن زکریا الغلابی حدثنا ابن عائشة عن ابیه قال کان یزید فی حداثته صاحب شراب یاخذ ماخذ الاحداث فاحس معاویة بذالك فاحب ان یعظه فی رفق۔

(البدایۃ والنہایۃ ج ۸ ص ۳۲۲ / کردار یزید ص ۲۴)

مولانا نے اس کا اور اس کے بعد اشعار کا ترجمہ چھوڑ دیا ہے، ہم ان کا بھی ترجمہ پیش

کرتے ہیں پھر اس پر کچھ عرض کریں گے۔

طبرانی نے کہا ہم سے محمد بن زکریا غلابی نے بیان کیا اس نے کہا ہم سے ابن عائشہ نے اپنے والد کے حوالے سے بیان کیا کہ اس کے والد نے کہا: یزید نوجوانی میں شرابی تھا، اس سے نوجوانوں کی سی حرکت ہوتی تھی، معاویہ نے اس کو محسوس کر لیا تو نرمی سے سمجھانا پسند کیا۔۔ چنانچہ انھوں نے کہا: بیٹے! ایسی حرکت سر عام کرنے پر تمہیں کس چیز نے قدرت دی، جو تمہاری عزت کے لئے خطرہ بن جائے؟ اے بیٹے! میں تمہیں کچھ اشعار سناتا ہوں تم ان سے سیکھو اور انھیں یاد کرو۔ جب رات کی تاریکی چھا جائے اور دشمن سو جائیں تو رات میں جو چاہو سو کرو کیونکہ رات چالاک لوگوں کے لئے دن ہے'' (کل چھ اشعار ہیں)

ابن الجوزی علیہ الرحمۃ نے مولانا طاہر صاحب کی مستدل اس روایت کو یزید کے خلاف سخت موقف رکھنے کے باوجود موضوع قرار دیا ہے، اس پوری روایت کو مع اشعار نقل کر کے علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں قلت وهذا کما جاء فی الحدیث "من ابتلی بشئ من هذه القاذ ورات فلیستتر بستر الله عزوجل"۔

(البدایہ ج ۸ ص ۲۲۸)

''جو شخص اس طرح کی کسی گندگی میں مبتلا ہو جائے تو اللہ کے پردہ ڈالنے کی وجہ سے اس کو چھپا دے'' اہل علم حضرات البدایہ کی اس پوری روایت کو دیکھیں اور بتائیں کہ اس حرماں نصیب ابن زکریا غلابی نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ، کو بدنام کرنے کیلئے جو روایت گھڑی ہے، کہ حضرت معاویہ یزید کی بدقماشی اور شراب نوشی پر لگام لگانے کی جگہ اسے دن کی بجائے رات میں پینے کا مشورہ دیا کرتے تھے (معاذ اللہ) ابن الجوزی علیہ الرحمہ باوجودیکہ یزید کے خلاف انتہائی سخت موقف رکھتے ہیں، وہ اپنی

کتاب الموضوعات میں اس روایت کے متعلق لکھتے ہیں: قال المصنف : قلت ذکر معاویة فی هذا الحدیث انما هو من قصده بالشین وذالك من الغلابی فانه کان غالیاً فی التشیع وقال الدارقطنی کان یضع الحدیث ، قال المصنف قلت ، وانما هذه الابیات لیحییٰ بن خالدبن برمك کتبها الی ابنه عبد الله وکان قد احب جاریة مغنیة فاشتراها سراً وانقطع عن ابیه ایاماً فکاتبه بهذا۔ (کتاب الموضوعات لابن الجوزی ج۳ص۲۷۸)

ابن الجوزی کہتے ہیں ''کہ اس روایت میں حضرت معاویہ کا ذکر ایسے شخص نے کیا ہے جو ان کی ہتک عزت کرنا چاہتا ہے، اور یہ غلابی سے ہوا ہے، کیونکہ وہی متشدد قسم کا غالی شیعہ ہے، دارقطنی نے اس کے بارے میں کہا کہ وہ جعلی حدیث بناتا تھا، ابن الجوزی نے کہا: یہ اشعار یحییٰ ابن خالد بن برمک کے ہیں جس نے اپنے بیٹے عبداللہ کو لکھ کر بھیجے تھے، اسے کسی گانے والی لونڈی سے عشق ہوگیا تھا تو اس نے اس کو پوشیدہ طور سے خرید لیا، اور اپنے باپ سے علٰحدہ ہوگیا، اسی معاملے میں یحییٰ نے اپنے بیٹے کو لکھا تھا''۔ میں پوچھتا ہوں علامہ ابن کثیر کیلئے اس روایت کی تحقیق کی جگہ حدیث سنانے کا موقع تھا؟ کہ بیٹے! دن کے بجائے رات میں پیا کرو۔ لاحول ولاقوۃ الا باللہ، اسی طرح زیر بحث روایت میں مسلم بن عقبہ کی بوقت موت دعا نقل کرتے وقت علامہ ابن کثیر کا قبحہ اللہ کہنا بھی اسی سادہ لوحی کا مظاہرہ ہے اور کچھ نہیں۔

اب میں عرض کرتا ہوں کہ جس روایت کو علامہ ابن کثیر علیہ الرحمہ اور مولانا طاہر گیاوی صاحب یزید کے خلاف لے کر آئے ہیں، اسی میں واقعہ حرہ کے تعلق سے سبائی جعلسازیوں کے خلاف واضح اشارہ موجود ہے، کیونکہ مسلم بن عقبہ کا یہ بیان اپنے کسی شناسا کے سامنے نہیں دیا جارہا ہے، بلکہ اس احکم الحاکمین کے پاس جاتے

ہوئے دیا جارہا ہے جس کی شان یعلم خائنة الاعین وما تخفی الصدور ہے۔ اور جس کا حال یہ ہے کہ وهو معکم اینما کنتم، کوئی بھی شخص بلاوجہ کسی معصوم کا قتل کر کے اللہ کے یہاں اس کو اپنی مغفرت کا وسیلہ ہرگز نہیں بنا سکتا؟ اور یہاں تو دعا میں ٹھیک موت کے وقت مسلم نے اللہ ہی کو مخاطب کر کے کہا ہے، کہ میرا یہی عمل پوری زندگی میں مجھے سب سے محبوب اور اور میری مغفرت کے لیے میری امیدوں کے معیار پر اترنے کے لائق ہے، تو کوئی بھی بتادے کہ ایسے وقت میں جب فرعون جیسا ظالم اپنی زبان سے کلمۂ ایمان نکالنے پر مجبور ہوتا ہے، کیا کوئی شخص اپنے انتہائی قابل نفرت عمل کو محبوب بنا کر رحمت ومغفرت کی امید کے ساتھ اللہ کی بارگاہ میں پیش کرنے کی بات خواب میں بھی سوچ سکتا ہے؟ جس سے کوئی ذرہ دور، قلب پر گذرنے والا کوئی خطرہ پوشیدہ اور مخفی نہیں ہے، ظاہر ہے کہ دعا کرنے والا زندگی کے بالکل آخری وقت میں علیم بذات الصدور کیسامنے اپنا یہ عمل پیش کررہا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس نے صرف ارشاد نبوی کی تعمیل کی ہے کہ ''جو شخص مسلمانوں میں ایسے وقت میں پھوٹ ڈالنا چاہے جب ان کا معاملہ ایک امیر پر اکٹھا ہو تو اس کو چاہے وہ جو بھی ہو قتل کردو۔ (مسلم شریف ج۲ص۱۲۸)

مسلم ابن عقبہ نے صرف باغیوں کے خلاف کارروائی کی تھی

اس نے باغیوں کی سرکوبی کے علاوہ کوئی دوسرا کام ہرگز نہیں کیا ہے، اسی لئے وہ اپنے اس عمل کو مقبول بارگاہ الٰہی سمجھتے ہوئے اسے آخری دعا میں پیش کررہا ہے اس کے اس خیال کی تائید علامہ ذہبی کی تاریخ الاسلام میں نقل کی ہوئی اس موقع کی گفتگو سے ہوتی ہے، علامہ ذہبی مسلم کے ترجمے میں لکھتے ہیں: مسلم بن عقبة الذی یقال له مسرف بن عقبة بن رباح بن اسد ابو عقبه المری ادرك النبی صلی الله علیه

وسلم وشهد صفين على الرجالة مع معاوية وهو صاحب وقعة الحرة ۔ پھر مدائنی عن الواقدی ہی کے حوالے سے لکھا ہے۔شرب مسلم دواء بعد ما نهب المدينة ودعا بالغداء فقال له الطبيب لا تعجل قال ويحك انما كنت احب البقاء حتى اشفى نفسى من قتلة امير المؤمنين عثمان ، فقد ادركت ما اردت فانى لا اشك ان الله قد طهرنى من ذنوبى بقتل هؤ لاء الارجاس۔

(تاریخ الاسلام ج۵ص۲۳۵)

مسلم بن عقبہ بن رباح بن اسد ابوعقبہ مری جسے مسرف بن عقبہ کہا جاتا ہے، اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پایا ہے، اور حضرت معاویہ کے ساتھ صفین کی لڑائی میں شریک ہوا، مدائنی نے محمد بن عمر غالباً واقدی سے نقل کیا ہے، کہ مسلم نے مدینہ لوٹنے کے بعد دوا پی، اور دوپہر کا کھانا منگوایا، طبیب نے کہا جلدی مت کیجئے! اس نے کہا تمہارا ناس ہو میں تو اپنے لئے زندگی اسی واسطے چاہتا تھا، کہ میں امیر المؤمنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں سے اپنے دل کو تشفی پہونچاؤں، میں نے جو سوچا تھا پالیا، تو اب مجھے اپنی طہارت کے لئے موت سے زیادہ محبوب کوئی دوسری چیز نہیں ہے، کیونکہ مجھے اس بات میں شک نہیں ہے کہ ان گندے لوگوں کے قتل کی وجہ سے اللہ نے مجھے میرے گناہوں سے پاک کردیا ہے۔

(تاریخ الاسلام ج۵ص۲۳۵)

واقدی تک کی اس روایت سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ مسلم بن عقبہ نے صرف فتنہ پرور سبائی ٹولے کے خلاف کارروائی کی تھی جس کو وہ حضرت سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ، کے قتل کا ذمہ دار بھی سمجھتا تھا، نہ کہ عام اہل مدینہ کے خلاف، اور اگر کوئی اس کا دعویدار ہے تو اسے الزام لگانے سے پہلے صحیح سند کے ساتھ متصل روایت پیش کرنی چاہئے

جس نے یزید کو لوٹ مار کا حکم دیتے دیکھا، اور حرہ کے واقعہ میں شریک بھی رہا ہو، ورنہ بعد میں پیدا ہونیوالے بزرگوں کے اقوال نقل کرکے الزام قائم کرنا کہیں سے بھی قرین انصاف ہرگز نہیں ہے۔

مولانا طاہر صاحب کی بے بنیاد توجیہہ اور اس کا جواب

محترم مولانا سید طاہر حسین صاحب مدظلہ فرماتے ہیں، اگر جنگ صفین یا جنگ جمل کو نظیر بنا کر اعتراض کیا جائے کہ پھر تو ان دونوں جنگوں میں مقتول صحابۂ کرام ہی ہیں، اس لئے قاتلین کو فاسق کہئے! تو جواباً عرض ہے کہ یہاں قاتلین میں کوئی غیر صحابی نہیں ہے، البتہ قاتلین جنگ حرہ میں کوئی بھی قاتل صحابی نہیں ہے، اس لئے پوری یزیدی فوج مع کمانڈر و یزید کے سب فاسق ہو چکے ہیں، اور ان کو کوئی بھی ارتکاب فسق کے کبیرہ گناہ سے نہیں بچا سکتا، زیادہ سے زیادہ وہی حافظ ابن کثیر علیہ الرحمہ کے دامن میں پناہ لینی پڑے گی، کہ مقتول سارے کے سارے صحابہ خود باغی اور خلیفہ وقت سے بغاوت کرنے کے جرم میں مبتلا تھے، اس لئے ان کے قاتل فاسق نہ ہوئے، ٹھیک ہے یہ تاویل ان کو فسق سے بچانے کے لئے کفایت کرسکتی ہے، مگر جن کی حرمتیں لوٹی گئیں اور جن کے مال واسباب لوٹے گئے ان کے بارے میں شرعاً کیا جواز ہے؟ وہ اور ان کے حمایتی اور اس عمل سے راضی رہنے والے یزید کے لئے فسق سے خلاصی کا راستہ پھر بھی نہیں نکل پاتا ہے، اس لئے غور کیجئے کہ مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی اور ان کی طرح دوسرے اہل علم یزید کے حمایتی حضرات کے لئے سوائے رجوع کرنے اور اپنے فیصلے بدلنے کے کوئی راستہ نہیں ہے'' (کردار یزید ص۵۶)

یعنی ہلدی لگے نہ پھٹکری رنگ آئے چوکھا، دعوے پر دعویٰ کرتے جایئے، ثبوت پیش کرنے کی کوئی ضرورت ہی نہیں ہے، بس لگاتار کچھ دعوے کردیجئے، پھر بقلم خود فیصلہ

اپنے نام کرالیجئے ؟اب اسی تحریر میں دیکھ لیجئے !مولانا کے بے ثبوت دعوے اس میں کتنے ہیں،(۱)جنگ جمل وصفین دونوں میں کوئی قاتل غیر صحابی نہیں ہے(۲) قاتلین حرہ میں کوئی صحابی نہیں ہے(۳) جنگ حرہ میں حرمتیں لوٹی گئیں (۴) مال اور اسباب لوٹے گئے (۵)اس لوٹ کا حکم یزید نے خود دیا تھا۔

مولانا اگر واقعی جادۂ حق وانصاف کے مسافر تھے تو انھیں ثبوت پیش کرنا چاہئے تھا، کہ جنگ جمل وصفین میں کوئی قاتل غیر صحابی نہیں ہے،مولانا نے ثبوت پیش نہیں فرمایا ہم ہی جھلکیاں دکھادیتے ہیں،امام بیہقی علیہ الرحمۃ دلائل النبوۃ میں لکھتے ہیں۔اخبرنا ابو الحسین بن الفضل اخبرنا عبد الله بن جعفر حدثنا یعقوب بن سفیان حدثنا ابو الیمان حدثنا صفوان بن عمر و قال : کان اهل الشام ستین الفاً فقتل منهم عشرون الفاً، و کان اهل العرق مائة وعشرین الفاً فقتل منهم اربعون الفاً۔ (دلائل النبوۃ ج۶ص۴۱۹)

''شامی فوج ساٹھ ہزار تھی جن میں سے بیس ہزار مقتول ہوئے،اور عراقی فوج ایک لاکھ بیس ہزار تھی،جن میں سے چالیس ہزار قتل کئے گئے''۔اب مولانا ذرا یہ بتادیں کہ صفین کے موقع پر صحابہ بچے ہی کتنے تھے؟اس جنگ میں تو دونوں طرف کی تعداد ایک لاکھ اسی ہزار دکھائی دے رہی ہے،اور جناب فرمارہے ہیں کہ ان میں کوئی غیر صحابی نہیں ہے۔علامہ بلاذری لکھتے ہیں،حدثنا شریح بن یونس وعمر و بن محمد قالا : حدثنا اسماعیل بن ابراهیم عن منصور بن عبد الرحمن قال قال الشعبی لم یشهد الجمل من اصحاب رسول الله صلی الله علیه وسلم من المهاجرین و الانصار غیر علی وعمار وطلحة والزبیر فان جاؤوا بخامس فانا کذاب ۔ (انساب الاشراف ج۳ص۶۱)

شعبی کہتے ہیں کہ''جنگ جمل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب مہاجرین اور انصار میں سے حضرت علی،عمار،طلحہ اور زبیر کے علاوہ کوئی صحابی شامل نہیں ہوا،اگر لوگ پانچواں سامنے لے آئیں تو میں جھوٹا ہوں''۔

علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔رواه الامام احمد عن اسماعیل بن علیة عن ایوب عن محمد بن سیرین انه قال : هاجت الفتنة واصحاب رسول الله صلی الله علیه وسلم عشرات الوف فلم یحضرها منهم مائة بل لم یبلغوا ثلاثین ۔ (البدایۃ والنہایہ ج۷ص۲۵۳)

امام احمد نے محمد بن سیرین کی روایت کے حوالے سے فرمایا،صفین کا فتنہ اٹھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ دسوں ہزار تھے لیکن ان میں سے اس میں ایک سو صحابہ بھی شریک نہیں تھے، بلکہ انکی تعداد تیس تک بھی نہیں پہونچی۔روایتیں دیکھئے اور مولانا طاہر صاحب کی ڈھٹائی اور سینہ زوری دیکھئے کہ''قاتلین میں کوئی غیر صحابی نہیں ہے''

مولانا طاہر صاحب کی غلط بیانی کہ شامی فوج میں کوئی صحابی نہیں ہے

مولانا نے اپنا دوسرا دعویٰ بھی بالکل بے ثبوت فرمایا ہے کہ''قاتلین حرہ میں کوئی صحابی نہیں ہے، میں پوچھتا ہوں انھیں کیسے پتہ چلا کہ یزیدی لشکر کا کوئی فوجی صحابی نہیں ہے؟ روح بن زنباع کا ترجمہ آپ پڑھ چکے ہیں کہ امام ابوزرعہ نے انھیں صحابی کہا ہے، دوسرے امیر لشکر جن کی ماتحتی میں یزید کی فوج مدینہ آئی تھی ان کے متعلق علامہ ذہبی لکھتے ہیں،عبد الله بن مسعدة الفزاری ویقال ابن مسعود ویدعیٰ صاحب الجیوش لانه کان امیرا علیٰ غزو الروم قال الطبرانی له صحبة وقال الحافظ بن عساکر له روية ۔ (تاریخ الاسلام ج۵ص۱۶۷)

عبداللہ بن مسعدہ فزاری جنہیں ابن مسعود کہا جاتا ہے، سپہ سالار کے نام سے بلائے جاتے تھے کیونکہ وہ روم کے غزوہ میں امیر تھے، طبرانی نے کہا ہے کہ انھیں صحبت حاصل ہے اور حافظ ابن عساکر نے کہا کہ وہ رؤیت والے ہیں، مولانا طاہر صاحب فرمارہے تھے کہ یزیدی فوج میں کوئی صحابی نہیں ہے، یہاں دو دو ذمہ دار باختلاف الروایۃ صحبت والے صحابی ہیں، اور رؤیت میں تو (عبداللہ بن مطیع کی طرح) کوئی اختلاف ہی نہیں ہے، اور جب غیر صحابی کا صحابی کو قتل کرنا فسق ہے اور مولانا کے نزدیک پوری فوج مع کمانڈر ویزید کے سب فاسق ہوچکی ہے تو پھر اسی سانس میں مولانا یہ کیوں کہنے لگے کہ ''ان کے قاتل فاسق نہ ہوئے، ٹھیک ہے یہ تاویل ان کو فسق سے بچانے کے لئے کفایت کرسکتی ہے''۔ اب مولانا ہی بتائیں کیا اس صورت میں مولانا کے نزدیک غیر صحابی کا صحابی کو قتل کرنا منسوخ ہوگیا؟ مولانا کی تیسری دلیل یہ کہ حرمتیں لوٹی گئیں، پہلے مولانا صحیح روایت سے اس کو ثابت تو کریں کہ واقعی حرمت لوٹی گئی؟ یا وہ سبائی راویوں پر ایمان لے آئے ہیں؟ مال واسباب کے لوٹے جانے کا افسانہ بھی اس سے کچھ کم نہیں ہے، اور سچائی ہمارے نزدیک یہ ہے کہ، پہلے تو ان بدطینت سازشیوں نے یزید کے معائب بیان کئے اور اس ترتیب اور تسلسل سے بیان کئے، کہ کچھ سادہ لوح بزرگوں کو بھی ان کی کہانیوں پر یقین آ گیا اور وہ بھی اس سے متأثر ہوگئے، اس موقع پر پیش پیش رہنے والے حضرت عبداللہ بن مطیع ہی کے بیان کو دیکھ لیجئے! وہ یزید کی شراب نوشی بیان بھی فرماتے ہیں اور یہ بھی کہتے ہیں، میں نے نہیں دیکھا لیکن میں جانتا ہوں، سوال یہ ہے کہ جب دیکھا نہیں تو اپنے ذریعۂ علم کا اظہار فرمائیں، وہ بھی انھوں نے نہیں کیا، اسی لئے ہم کہتے ہیں کہ اس کے پیچھے سازشیوں کا ہاتھ تھا، جن کے زیر اثر عبداللہ بن مطیع وغیرہ آ گئے تھے اور جب بغاوت کچل دی گئی تو

یہی روپوش خبیث فطرت سازشی، افسانہ تراش تراش کر دنیا کے سامنے لے آئے کہ یزیدی فوج نے حرمتیں لوٹیں، اموال واسباب کی غارت گری کی، ورنہ ہمیں تلاش کرنے کے باوجود ایک بھی صحیح روایت نہ مل سکی جس سے پتہ چل سکے کہ درحقیقت ایسا ہوا تھا، اور اگر مولانا یہ سمجھتے ہیں کہ صرف ان کے لکھنے اور سبائی روایتوں کی بنیاد پر ہم بھی یزید کو فاسق مان لیں گے، اور ہمارے پاس اس کے علاوہ کوئی دوسرا چارۂ کار نہیں ہے، تو ہم بھی سمجھنے پر مجبور ہونگے کہ مولانا شاید احمقوں کی جنت میں رہتے، اور شیخ چلی کی طرح خوابوں پر خواب دیکھتے رہتے ہیں۔

فسق یزید کی سبائی روایتیں تائیدی یا بنیادی؟

مولانا فرماتے ہیں کہ:

> ''گذر چکا ہے کہ صحیح روایتوں سے یزید کا فسق ثابت ہے، اور تاریخی روایتیں صرف اور صرف تائیدی ہیں ان پر سب کا دارومدار نہیں ہے''۔
>
> (کردار یزید ص ۹۵)

عرض کرتا ہوں کہ بے ثبوت دعوی کرنا مولانا کی جبلی فطرت معلوم ہوتی ہے اور اس میں نہ انھیں کوئی حجاب محسوس ہوتا ہے، نہ اس باب میں وہ اپنے ضمیر کی آواز سننے کے روادار ہیں، ورنہ اگر مولانا اپنے دعویٰ میں سچے ہیں؟ تو تاریخ کا خزانہ خالی نہیں ہوگیا، تاریخ کے دامن سے چن کر ایک ہی ایسی روایت لادیں جس میں ان کے دعووں کا ثبوت موجود ہو شرط یہ ہے کہ اس روایت کے سارے رواۃ ثقہ ہوں، اور کہیں سے اس میں کوئی انقطاع نہ ہو، یہ بھی ضروری ہے کہ یزید چونکہ طبعاً روافض کے نشانے پر ہے اس لئے اس سلسلۂ سند میں کوئی شیعہ راوی موجود نہ ہو، مولانا ایک روایت ایسی لے آئیں ہم اپنا موقف بدل کر اس باب میں مولانا کے متبع ہوجائیں گے! ھاتوا

برھانکم ان کنتم صادقین ۔

مولانا طاہر صاحب لکھتے ہیں:

''مولانا حبیب الرحمٰن صاحب حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب کے سامنے اپنی کم علمی کا اعتراف کرنے کے بجائے ان پر ہی الزام کر دیتے ہیں''۔ (کردار یزید ص ۹۵)

یہ الزام کر دینے کا محاورہ شاید مولانا کی نئی ایجاد ہے، اور حضرت محدث کبیر رحمہ اللہ ممکن ہے مولانا گیاوی کی نظر میں کم علم ہوں، لیکن میں بتادوں کہ ان کے علم کو عالم اسلام نے تسلیم کیا اور اس پر اعتماد کا اظہار کیا ہے، ان کو محدث کبیر ہم نے نہیں عالم اسلام نے کہا ہے، اور یہ بھی بتادوں کہ شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہٗ نے اپنے دور کی جمعیۃ علماء ہند کے سامنے جب اس میں بڑے بڑے اساطین علم موجود تھے، یہ تجویز منظور کرائی کہ جمعیۃ علمائے ہند کی ورکنگ کمیٹی کے سامنے جب بھی کوئی فقہی مسئلہ پیش ہو تو محدث جلیل مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی سے استصواب رائے کے بغیر کوئی فیصلہ نہ کیا جائے۔

حضرت محدث کبیرؒ کی فقہی بصیرت پر اکابر کا اعتماد

سہ ماہی مجلّہ ترجمان الاسلام جامعہ اسلامیہ ریوڑی تالاب کے مدیر محترم مولانا اسیر ادروی تحریر فرماتے ہیں ''میں جو کچھ کہہ رہا ہوں تجربات ومشاہدات کی روشنی میں کہہ رہا ہوں، دو درجن علماء وفقہاء نے لکھنؤ میں کچھ خاص مسائل پر تین دنوں کی بحث اور مذاکرہ کے بعد کچھ محقق مدلل اور متفقہ فیصلے کئے، اور اس کے درست اور برحق ہونے پر ہر ایک کو ان کی فقہی بصیرت نے مطمئن کر دیا تھا، لیکن جب یہی متفقہ فیصلہ حضرت محدث اعظمی کی خدمت میں تصویب کے لئے پیش کیا گیا، تو چند جملوں میں یہ محققانہ

فیصلہ تار عنکبوت ثابت ہوا۔

جو شاخ نازک پہ آشیانہ بنے گا ناپائیدار ہوگا

مولانا اعظمی کا فیصلہ حرف آخر ثابت ہوا۔ جن لوگوں کے سامنے اپنے نقطۂ نگاہ پر دلائل وبراہین کا انبار تھا، وہ گرد وغبار کی طرح ہواؤں میں اڑ گیا، اور پیاسے کے لئے سراب ثابت ہوا، اور خود فیصلہ کرنیوالے نے پوری بشاشت کے ساتھ اس فیصلہ کو قبول کیا''۔

''بات پر بات یاد آرہی ہے، ۱۹۴۵ء میں جمعیۃ علماء ہند کا کل ہند سالانہ اجلاس سہارنپور میں ہوا اس میں دوسرے مسائل کے ساتھ امارت شرعیہ کا نظام قائم کرنے کا مسئلہ پیش ہوا، ورکنگ کمیٹی ایک مسئلہ پر متفق ہوگئی، مگر علماء سہارنپور کو دلائل کی بنیاد پر اس سے اختلاف تھا، اور یہ اختلاف تحریری طور پر ورکنگ کمیٹی کے سامنے پیش بھی کر دیا گیا، ارکان عاملہ میں برہمی پیدا ہوگئی، علماء سہارنپور اور مجلس عاملہ دونوں کو اپنے اپنے نقطۂ نگاہ پر اصرار تھا، اور محاذ آرائی کی شکل اختیار کرتا جارہا تھا، جلسہ کی صدارت دنیائے اسلام کی ایک مقتدر شخصیت انجام دے رہی تھی وہ شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی ذات گرامی تھی، صدر نے اپنے اختیارات خصوصی سے اس فیصلہ کو کالعدم قرار دے کر آئندہ کے لئے ملتوی کرنے کا حکم دیا، اور یہ تجویز متفقہ طور پر منظور کرائی کہ جمعیۃ علماء کی ورکنگ کمیٹی کے سامنے جب بھی کوئی فقہی مسئلہ پیش ہو تو محدث جلیل حضرت مولانا اعظمی سے استصواب کئے بغیر کوئی فیصلہ نہیں کیا جائے گا، یہ تجویز پوری مجلس عاملہ نے متفقہ طور پر منظور کی، جب کہ مولانا اعظمی اجلاس میں موجود بھی نہیں تھے، یہ مولانا اعظمی کی فقہی بصیرت پر کلی اعتماد اور ان کے فضل وکمال کا اعتراف کئی درجن عظیم المرتبت علماء ومشائخ کی مجلس میں کیا جارہا ہے، اور کسی کو اس سے مجال اختلاف نہیں تھا''۔ (ترجمان الاسلام جنوری، فروری، مارچ ۱۹۹۳ء ص ۶/۵) ہفت

روزہ الجمعیۃ ص۱۴۴/محدث اعظمی نمبر فروری ۲۰۱۹ء

اب میں مولانا سے کہتا ہوں کہ پارۂ زر بجائے خود اپنے اندر بڑی قیمت رکھتا ہے لیکن اگر کوئی بقراط زماں اس کا تقابل کسی گوہر یکتا سے کرنے بیٹھ جائے، تو پارۂ زر کی قیمت میں تو کوئی فرق نہیں آئے گا، لیکن اس بقراط زماں کی عقلمندی کا ڈھول سر بازار ضرور چاک ہوجائے گا۔

مولانا طاہر صاحب کی پیش کردہ حدیثی روایت کی اصلیت

محترم مولانا سید طاہر حسین صاحب گیاوی مدظلہ لکھتے ہیں۔ ''اب مدینہ اور اہل مدینہ کی بے حرمتی لوٹ مار اور غارتگری کو مبالغہ اور تاریخ کا مبالغہ بتائیں تو اخیر میں حدیثی سند سے ایک روایت پڑھ لیں تاکہ یزیدی لشکر نے مدینہ کا جو حال بنادیا تھا، اس کا کچھ منظر سامنے آجائے، محدث دارمی اپنی سند سے نقل فرماتے ہیں اور روایت مشہور درسی کتاب مشکوٰۃ کی کتاب الفتن باب الکرامات میں بھی موجود ہے، آسانی سے دیکھ سکتے ہیں۔

وعن سعيد بن عبد العزيز قال : لما كان يوم الحرة لم يوذن في مسجد النبي صلى الله عليه وسلم ثلاثاً ولم يقم ولم يبرح سعيد بن المسيب المسجد وكان لا يعرف وقت الصلوة الا بهمهمة يسمعها من قبر النبي صلى الله عليه وسلم۔ (مشکوٰۃ ج۲ ص۵۴۵)

سعید ابن عبدالعزیز سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں: جب حرہ کے دن آئے تین دن مسجد نبوی میں نہ اذان دی گئی نہ اقامت کہی گئی اور سعید بن مسیّب نے مسجد نبوی نہیں چھوڑی اور وہ نماز کا وقت نہیں پہچانتے تھے مگر ایسی دھیمی آواز سے جو قبر نبوی علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ والسلام سے سنتے تھے''۔ (کردار یزید ص۱۳۱/۱۳۲)

عرض ہے کہ مولانا کی اس آخری حدیثی روایت کا بھی وہی حال ہے، جو اس سے قبل مولانا کی پیش کردہ دوسری روایتوں کا ہے، آیئے دیکھ لیجئے! مولانا نے اس کو مشکوٰۃ سے نقل کیا ہے اور اس روایت کو بیان کرنے والے حضرت سعید بن العزیز ہیں، جن کی پیدائش واقعۂ حرہ کے ستائیس سال بعد ۹۰ھ میں ہوئی ہے۔ علامہ ذہبی فرماتے ہیں ولد سنة تسعين في حياة سهل بن سعد وانس بن مالك''۔ ان کی پیدائش ۹۰ھ میں سہل بن سعد اور انس ابن مالک کی زندگی میں ہوئی ہے۔

(سیر اعلام النبلاء ج۸ ص۳۲)

اب یہ تو ممکن نہیں ہے کہ انھوں نے حرہ کا زمانہ پایا ہو، کیونکہ یہ تو اس کے ستائیس سال بعد پیدا ہی ہوئے ہیں، اور یہ بھی ممکن نہیں ہے کہ واقعۂ حرہ کے بعد ان کی زندگی میں حضرت سعید ابن المسیب نے ان سے یہ بات بیان کی ہو، کیونکہ حضرت سعید ابن المسیب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات ترانوے میں ہوئی ہے، جب سعید بن عبدالعزیز تین سال کے بچے تھے، علامہ ذہبی علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں، وقال ابو نعيم وعلي بن المديني توفي سنة ثلاث وتسعين ،ابونعیم اور علی ابن المدینی نے کہا کہ سعید بن المسیب کی وفات ترانوے ہجری میں ہوئی ہے۔

اب ہم عرض کرتے ہیں کہ حضرت سعید ابن العزیز نے اسی بازگشت کو سن کر بیان فرمادیا ہے، جو سبائیوں کی روایتوں کے نتیجے میں اطراف میں پھیلی ہوئی تھی، اور خود مولانا بھی جانتے ہونگے کہ شریعت سنی سنائی کسی بات پر حکم لگانے میں کوئی دلچسپی نہیں رکھتی۔

مولانا گیاوی کا فرمان کہ یزید کی بیعت کا توڑنا اسکی تفسیق کے بغیر درست نہیں ہوسکتا

حرہ کے متعلق مولانا سید طاہر حسین صاحب اپنی کتاب میں تحریر فرماتے ہیں:

''یہ واقعہ اسلامی تاریخ کا مشہور ومتواتر واقعہ ہے، جس کا کوئی انکار نہیں کرسکتا، اس کا شکار وہ صحابہ وتابعین ہوئے جنہوں نے یزید کی بیعت توڑی اور اس کے خلاف خروج کیا، کیونکہ ان کا کہنا تھا کہ یزید فاسق ہو چکا ہے شراب پیتا ہے، تو جب واقعہ مشہور متواتر ہے تو صحابہ وتابعین کا بغاوت کرنا اور یزید کا شراب پینا یہ بھی مشہور ومتواتر ہی ہوا، کیوں کہ اس کے بغیر صحابہ وتابعین کا بیعت توڑنا اور قتل وقتال کا واقع ہونا درست ثابت ہو ہی نہیں سکتا''۔ (کردار یزید ص ۱۳۳)

اس کا مطلب یہ ہے کہ مولانا پوری کتاب میں اثبات فسق یزید کے لئے اپنا زور علم اور اپنی تمام تر صلاحیت صرف اس بنا پر استعمال کر رہے تھے کہ باغیوں کی بغاوت اور ان کے خروج کو درست ثابت کیا جا سکے، خواہ ثبوت فسق ملے یا نہ ملے، کیونکہ بقول مولانا اس کے بغیر ان کی بیعت شکنی اور اس کے نتیجے میں قتل وقتال کا وقوع درست ہی نہیں ہوسکتا، میں پوچھتا ہوں کیا اسی کا نام انصاف ہے کہ ثبوت ملے یا نہ ملے، کسی کو بچانے کے لئے خواہ مخواہ کسی کی گردن ناپ دی جائے؟ اور بار بار صحابہ کا نام لینا تو صرف جذباتی ہمدردی حاصل کرنے کے لئے ہے، ورنہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ اجلۂ صحابہ کرام یا تو اس کے بالکل خلاف اور مقابل تھے، یا بالکل کنارہ کش، اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ، طائف میں اور حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ، یزید کے پاس شام میں تھے، البتہ حضرت عبداللہ بن حنظلہ رضی اللہ عنہ، کا نام ملتا ہے جو صغار صحابہ میں سے ہیں، اور عبداللہ بن مطیع اور معقل بن سنان کی اصطلاحی صحبت ثابت نہیں ہے، جب کہ یزیدی فوج کے کمانڈروں میں خود مسلم بن عقبہ، روح بن زنباع، عبداللہ بن مسعدہ فزاری، کو بعض حضرات نے صاحب صحبت صحابی کہا ہے،

اسلئے خواہ مخواہ بار بار صحابۂ کرام کو اس تحریک میں شامل کر کے باغی بتانا مولانا کو ہرگز زیب نہیں دیتا، اسی طرح شامی فوجوں کے بارے میں یہ تأثر دینا کہ وہ بدقماشوں اور بداطواروں کی جمعیۃ تھی جو لوٹ مار کیلئے مدینے پر چڑھ دوڑی تھی، انصاف کا دن دہاڑے خون کرنے کے مرادف ہے، ہم وہ تفصیل پیش نہیں کرنا چاہتے کیونکہ خواہ مخواہ تطویل ہو جائے گی، لیکن اگر کوئی مصر ہوگا، اور نوبت پڑیگی تو ہم تاریخ کے اوراق سے وہ تفصیل بھی ضرور پیش کریں گے، کہ یہی سربراہان فوج جن کو فاسق ثابت کرنے کیلئے زمین وآسمان کے قلابے ملائے جا رہے ہیں، کیونکہ ان کی تفسیق کے بغیر تفسیق یزید کی راہ ہموار نہیں ہوسکتی، حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ، کی فوج میں بھی شریک اور ذمہ دار ہیں، اس وقت ہم سوال کریں گے کہ ان پر سے فسق حرہ کا داغ کب دور ہوا؟ اور اگر دور نہیں ہوا تو کیا حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ، نے فاسقوں کو اپنی فوج میں مقام دے رکھا تھا؟

تواتر کی گیاوی تشریح اور اس کا جواب

اور مولانا کی یہ منطق تو ہماری سمجھ میں بالکل نہیں آئی، کہ واقعہ متواتر ہے تو یزید کا شراب پینا بھی متواتر ہوا، میں پوچھتا ہوں کہ اگر کسی الزام کو کسی عمل کے لئے بنیاد بنایا جائے، اور اس عمل کی خبر مشہور ومتواتر ہو، تو اس وجہ سے بنائے عمل کو متواتر کہہ کر اس پر قطعیت کا حکم کیسے لگا دیا جائے گا؟ علمی اعتبار سے یہ دلیل مولانا کی سمجھ میں نہیں آئیگی، اس لئے ہم زمینی لحاظ سے انھیں سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں، اور ایک تمثیل ان کے آگے رکھتے ہیں، ایک معزز اور مشہور ذمہ دار کو چند اوباش اور بدطینت اس کے موقف سے اختلاف رکھنے کے باعث اغوا کر کے اس کے ساتھ انتہائی بدسلوکی کرتے ہیں، لیکن اپنی قبیح حرکت پر پردہ ڈالنے کے لئے، اس ذمہ دار پر کوئی غلیظ الزام رکھ کر

یہ خبر پھیلا دیتے ہیں، کہ ان کی یہ حرکت ذمہ دار کی بدکاری کے نتیجے میں تھی، اور یہ خبر پورے ملک میں پھیل جاتی ہے، اب مولانا یہ فرمائیں کہ بدسلوکی کے ساتھ ساتھ کیا ذمہ دار کی بدکاری کو بھی بلاتحقیق متواتر مان لیا جائے گا؟ اور ذمہ دار پر بدکار ہونے کا حکم چسپاں کر دیا جائے گا؟

محترم مولانا سید طاہر حسین صاحب نے زبیر بن بکار کی اپنے چچا مصعب بن عبداللہ زبیری سے واقعہ حرہ کے متعلق ایک روایت (جمہرہ نسب قریش واخبارہا ج۲ ص ۴۷ سے پیش کی ہے)

عرض کیا جا چکا ہے کہ، مصعب بن عبداللہ کی پیدائش ہی واقعہء حرہ کے ترانوے سال بعد ہوئی ہے، اور وہی اس واقعے کے راوی ہیں، پھر انہوں نے یہ بات کس سے سنی ہے اس کا نام بھی نہیں بتایا کہ اس کی تفتیش ہو سکے، مولانا اس قسم کا کوئی واقعہ آج ہی کی عدالت میں پیش کر کے دیکھ تو لیں کوئی جج ان کی گواہی کا کیا حشر کرتا ہے؟ مولانا چاہتے ہیں کہ صرف ان کے کہنے پر ہم بھی ناممکن پر ایمان لے آئیں، تو ہم پھر کہیں گے کہ یہ عمل مولانا ہی کو مبارک ہو، ہم ان لغویات پر یقین کرنے والے نہیں ہیں۔

حضرت محدث اعظمی نور اللہ مرقدہٗ نے اپنے استدلال میں تحریر فرمایا تھا۔ ''اور اس سے بڑھ کر یہ کہ مجتہد مطلق خلیفۂ راشد امیر المؤمنین عمر بن عبدالعزیز یزید کے حق میں دعائے رحمت کرتے تھے حافظ ابن حجرؒ نے لسان المیزان میں ابراہیم ابن ابی عبد (ابن ابی عبلہ) کا قول نقل کیا ہے کہ: سمعت عمر بن عبد العزیز یترحم علی یزید بن معاویة (میں نے عمر بن عبدالعزیز کو یزید کے حق میں دعائے رحمت کرتے خود سنا) (تبصرہ بر شہید کربلا و یزید ص ۹۲)

اس پر مولانا گیاوی صاحب لکھتے ہیں:

''عرض یہ ہے کہ اس روایت کو حافظ ابن حجر نے کہاں سے نقل کیا، کسی کتاب کا حوالہ دیا نہیں کہ اس کی سند دیکھی جا سکے، ابن حجر محمد ابراہیم ابن ابی عبلہ کے آٹھ سو سال بعد کے ہیں، مسند نقل نہیں، نہ کتاب کا حوالہ دیا پھر اس پر کسی مسئلہ کی بنیاد کیوں کر رکھی جا سکتی ہے''۔

(کردار یزید ص ۱۳۴/۱۳۵)

مولانا طاہر صاحب کا دوہرا معیار

میں عرض کرتا ہوں کہ یہ قول مولانا کے مخالف مطلب نکلا تو انھیں سند کی یاد آ گئی، اور انہوں نے اپنے مطلب کے لئے جہاں بے سند اقوال کو مستدل بنایا ہے، وہاں انھیں سند کا خیال کیوں نہیں آیا؟ چنانچہ دو صفحوں کے بعد مولانا نے الصواعق المحرقۃ سے علامہ ابن حجر ہیتمی کا بیان نقل کیا ہے، جس کا ترجمہ مولانا ہی کے الفاظ میں پیش خدمت ہے، ''اور عمر بن عبدالعزیز کے سامنے حضرت معاویہ کو ایک شخص نے برا بھلا کہا تو اس کو آپ نے تین کوڑے مارے، اور جس نے حضرت معاویہ کے لڑکے یزید کو امیر المؤمنین کہہ دیا تو آپ نے بیس کوڑے مارے، دونوں باتیں درست ہیں، اب غور کرو کہ حضرت معاویہ اور یزید دونوں میں کتنا فرق ہے''۔

یعنی ابن حجر مکی کے نزدیک دونوں باتوں میں نہ کوئی اختلاف ہے نہ کوئی تضاد ہے بلکہ یہ دونوں روایتیں حضرت عمر بن عبدالعزیز کے خیال میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور یزید کے درمیان فرق پر دلالت کرتی ہے، لیکن مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی کے نزدیک دونوں روایتوں کا صحیح ہونا درست نہیں، دونوں ایک دوسرے کو مشکوک بناتی اور آپس میں تضاد و اختلاف پیدا کرتی ہیں۔ (کردار یزید ص ۱۳۷)

حضرت عمر بن عبدالعزیز کے کوڑے لگانے کی تحقیق

پہلی بات تو یہ عرض کرنی ہے کہ مولانا نے ابن حجر کے قول کما سیاتی کا ترجمہ کیا ہے ''دونوں باتیں درست ہیں'' کوئی معمولی عربی داں بتائے کہ مولانا کا یہ ترجمہ درست ہے؟ اور نہیں تو یہ مولانا کی خیانت ہے یا نہیں؟ دوسری بات یہ کہ ابن حجر مکی نے حضرت عمر بن عبدالعزیز کے اس فعل کی کوئی سند بیان کی ہے؟ اگر نہیں کی تو وہ مولانا جو حضرت محدث اعظمی رحمۃ اللہ علیہ کے ابن کثیر کا قول پیش کرنے پر محض اس وجہ سے ان کی تردید فرمارہے ہیں، کہ ابن کثیر نے یزید کی دعا کو بلا سند نقل کیا ہے؟ وہی مولانا ابن حجر مکی کا بے سند قول ہمارے سامنے پیش کر کے اس سے نتیجہ بھی برآمد فرمارہے ہیں، تو ہمیں ان کی دورخی پالیسی کا کیا نام رکھنا چاہئے؟ کیا ان کے نزدیک بے سند قول صرف اپنے مطلب کی تائید کیلئے قابل قبول ہوتا ہے؟ اتامرون الناس بالبر وتنسون انفسکم تیسری بات یہ ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کی طرف سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ، کی شان میں گستاخی کرنے والے کی پٹائی تو سمجھ میں آتی ہے، کیونکہ اس نے ارشاد نبوی صلی اللہ علیٰ صاحبہ وسلم کی کھلی مخالفت کی تھی، اور یہ شرعی جرم تھا، لیکن یزید کو امیر المؤمنین کہہ کر اس شخص نے کون سا شرعی جرم کیا تھا؟ اگر صرف امیر المؤمنین کہدینا جرم تھا تو سیدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہ، نے بھی تو آخری دنوں میں امیر المؤمنین فرمایا تھا، حوالے گذر چکے ہیں، اور بلا شرعی جرم کے ہم نہیں مان سکتے کہ حضرت سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمہ، اللہ جیسی عادل شخصیت نے کسی کو بھی کوڑے لگائے ہوں، اس لئے ہمیں تو حضرت محدث اعظمی علیہ الرحمہ کا نقل فرمودہ، ابراہیم بن میسرہ کا قول ہی قرین صواب معلوم ہوتا ہے، کہ میں نے عمر بن عبدالعزیز علیہ الرحمہ کو کبھی بھی کسی انسان کو کوڑے مارتے نہیں دیکھا، بجز اس کے کہ ایک شخص نے حضرت

معاویہ کے حق میں بدگوئی کی تھی، تو عمر بن عبدالعزیز نے اس کو چند کوڑے مارے تھے، اور اگر مولانا کو ابن حجر مکی کی روایت پر ہی اعتماد ہے، تو ان پر لازم ہے کہ ڈھونڈھ کر ابن حجر مکی کے اس دعوے کی دلیل پیش کردیں، مولانا بھی خوب اچھی طرح جانتے ہیں کہ ابن حجر ہیتمی کا انتقال ۹۷۳ھ میں ہوا ہے، یعنی وہ دسویں صدی ہجری کے ہیں اور حضرت عمر بن عبدالعزیز اور ان کے مابین صدیاں حائل ہیں، مولانا کو اگر دونوں روایتوں کا اتحاد دکھانا ہے تو انھیں صحیح سند پیش کرنی ہی ہوگی، ورنہ ہم عرض کرنے پر مجبور ہونگے ع کہ بے سکہ رائج نباشد درم۔

بخاری کی روایت سے استدلال اور اس کی حقیقت

محترم مولانا سید طاہر حسین صاحب گیاوی مدظلہ نے بخاری شریف کی روایت اور اس کا ترجمہ پیش فرمایا ہے، ہم مولانا کا ترجمہ نقل کردیتے ہیں۔

''میں نے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ، سے سنا ہے وہ فرمارہے تھے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینے کے قلعوں میں سے ایک قلعہ کی طرف دیکھا اور کہا جو میں دیکھ رہا ہوں کیا تم دیکھ رہے ہو؟ میں تو تمہارے گھروں میں فتنہ کو بارش کے قطروں کی طرح گرتے دیکھ رہا ہوں''۔ (بخاری جلد اول ص ۲۵۲ کتاب فضائل المدینۃ باب آطام المدینۃ)

اس حدیث کی شرح میں ابن حجر عسقلانی نے قتل عثمان غنی کے ساتھ واقعۂ حرہ کو بھی اس پیشین گوئی کا مصداق قرار دیا ہے، فرماتے ہیں، ''یہ نبوت کی نشانیوں میں سے ہے کیونکہ جو آنے والے زمانے میں ہونے والا تھا، اس کی خبر ہے، اور ایسا ہی ظاہر بھی ہوا، اس کا مصداق حضرت عثمان غنی کا قتل ہے، اور اسی طرح ہوتا رہا اور اس کا خاص مصداق حرہ کا واقعہ ہے۔ (فتح الباری ج ۴ ص ۱۱۷)

اور علامہ بدرالدین عینی علیہ الرحمہ بعینہ یہی الفاظ لکھ رہے ہیں۔

(عمدۃ القاری ج۱۰ص۳۵۸/ کردار یزید ص۱۳۸)

پہلے تو میں عرض کر دوں، کہ مولانا عبارت کے ترجمے میں یہاں بھی ہاتھ کی صفائی دکھانے سے باز نہیں آئے ہیں، عبارت ہے وقد ظهر مصداق ذالك من قتل عثمان وهلم جرا ولا سيما يوم الحرة ۔ترجمہ لکھتے ہیں، اور ایسا ہی ظاہر بھی ہوا، اس کا مصداق عثمان غنی کا قتل ہے، اور اسی طرح ہوتا رہا اور اس کا خاص مصداق حرہ کا واقعہ ہے، میں عرض کرتا ہوں کہ یہ ترجمہ بالکل غلط ہے، بلکہ اس کا صحیح ترجمہ یہ ہے کہ ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آئندہ پیش آنے والے واقعے کی خبر دی تھی، اسکا مصداق سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے واقعۂ قتل سے ظاہر ہوا اور ایسا ہی ہوتا رہا، خاص طور سے حرہ کے دن پیش آیا، عربی داں حضرات دونوں ترجموں کا تقابل کر کے خود تصویب فرمالیں۔

دوسری بات یہ کہ حدیث پاک میں آئندہ کے واقعات کی خبر دی گئی، اور بلا شبہ یہ علامت نبوت سے ہے، پھر شارحین حدیث نے اپنے طور سے واقعات معلوم کئے اور اس کی وجہ سے شہادت سیدنا عثمان غنی اور وقعۂ حرہ کو اس کا مصداق قرار دیا، ہمیں یہ بھی تسلیم ہے، لیکن اس کی بنا پر یہ نتیجہ نکالنا ہمارے نزدیک باطل اور بالکل غلط ہے، کہ حرہ کے دن مدینے میں عام لوٹ پاٹ ہوئی، ایک ہزار پاک دامن کنواریوں کو بغیر شوہر کے ماں بنا دیا گیا، اور ان سب کا ذمہ دار یزید اور اس کی فوج کے افراد ہیں، اگر حدیث پاک سے یہ مضمون نکلتا ہے تو ذرا ہمیں یہ بھی سمجھایا جائے کہ کیسے نکلتا ہے؟ یا علامہ ابن حجر اور عینی کے اقوال سے ہی یہ مضمون کشیدہ کیا جاتا ہے تب بھی ہم اس کو سمجھنا چاہیں گے کہ یہ مضمون ان اقوال سے کیسے کشید کیا جا سکتا ہے؟ اس کے لئے اقوال کی نہیں تاریخی ٹھوس حوالوں کی ضرورت ہوگی، اور ہم دیکھتے ہیں کہ اس طرح کے

مضمون کو دکھانے والی روایتیں یا تو منقطع ہیں یا پھر غالی قسم کے سبائی رافضی راویوں کی معرفت سامنے آئی ہیں، ہم کسی بھی طرح کسی مسلمان پر الزام تراشی کیلئے اس طرح کی روایتوں سے استدلال کے ہرگز قائل نہیں، نہ ہمیں اس طرح کی روایتوں سے یہ مضمون کسی بھی طرح قبول ہے۔محترم مولانا سید طاہر حسین صاحب مدظلہ نے حضرت سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کی ایک تفسیر بحوالہ البدایہ ودلائل النبوۃ پیش فرمائی ہے۔

عن ابن عباس قال جاء تاويل هذه الآية على راس ستين سنة (ولو دخلت عليهم من اقطارها ثم سئلوا الفتنة لآتوها ۔(الاحزاب ١٤) قال : لا عطوها يعنى ادخال بنى حارثة اهل الشام علىٰ اهل المدينة۔

(البدایۃ والنہایۃ ج۶ص۳۴۷/دلائل النبوۃ للبیہقی ج۶ص۴۱۷)

''حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ اس آیت کی ساٹھ سال کے بعد تفسیر ہوئی کہ اگر ان پر مدینہ کے اطراف سے داخل ہوا جائے اور پھر فتنہ کا سوال کیا جائے، تو وہ اس پر آجائیں گے، یعنی بنی حارثہ کے فتنہ پر اہل شام کو داخل کر دیں گے''۔اس کے بعد ابن کثیر کا قول نقل کیا ہے کہ ''ابن عباس تک اس کی سند صحیح ہے اور صحابی کی تفسیر بہت سے علماء کے نزدیک مرفوع کے درجہ میں ہوتی ہے''۔ (کردار یزید ص۱۴۰)

مولانا طاہر صاحب کا بالکل غلط ترجمہ

عرض ہے کہ یہاں بھی مولانا نے بالکل غلط ترجمہ فرمایا ہے، لیجئے! دیکھ لیجئے عبارت ہے یعنی ادخال بنی حارثة اهل الشام على اهل المدينة ،اور ترجمہ لکھا ہے ''بنی حارثہ کے فتنہ پر اہل شام کو داخل کر دینگے''۔کوئی بھی عربی داں بتادے کہ یہ ترجمہ کسی بھی زاویئے سے درست ہوسکتا ہے؟ صحیح ترجمہ یہ ہے لآتوها: یعنی بنی حارثہ کا اہل شام کو مدینے میں داخل کرنا مراد ہے۔

آیت کا صحیح مفہوم

اب عرض ہے کہ یہ آیت دراصل غزوۂ احزاب سے متعلق ہے، جس میں مدینے کے منافقوں کا حال بیان کیا گیا ہے، کہ اس موقع پر کچھ منافقین کی ایک جماعت نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس لڑائی سے غیر حاضری کی یہ کہہ کر اجازت چاہتی ہے، کہ ہمارے گھر خالی پڑے ہیں، جب کہ درحقیقت وہ خالی نہیں ہیں، بس یہ لوگ فرار کی راہ ڈھونڈھ رہے ہیں، اور اگر مدینے کے اطراف سے ان پر فوج داخل کی جائے، پھر ان سے فتنے کا سوال کیا جائے تو یہ اس کو ضرور پورا کر دیں، جمہور مفسرین نے یہاں پر فتنے سے شرک مراد لیا ہے، یعنی اطراف مدینہ سے فوج ان پر داخل کر دی جائے، پھر ان سے شرک کو کہا جائے تو یہ فوج کا مطالبہ پورا کر دیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اس فتنے سے بنی حارثہ کا اہل شام کو مدینے میں داخل کرنا مراد لیا ہے، اور مماثلت کے لئے میں عرض کرتا ہوں، کہ یہ روایت ہمارے مخالف نہیں، بلکہ ہمارے موقف کی تائید میں ہے، کیونکہ احزاب میں بھی منافقین مدینہ کا اہم کردار تھا، اور واقعۂ حرہ میں بھی اس دور کے منافقین یعنی سبائیوں کا زبردست رول تھا، اور وہی اس حادثے کے اصلی ذمہ دار تھے۔

مولانا طاہر صاحب گیاوی کی پیش کردہ سیدنا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ، کی تفسیر کو غور سے دیکھئے! اس میں حضرت ابن عباس نے مدینے کے بنو حارثہ کو زمرۂ منافقین میں رکھا ہے نہ کہ شامی فوج کے لوگوں کو، اور اس اعتبار سے مجھے کہنے کا حق ہے، کہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ، بھی مدینے کے شر پسندوں کو ہی واقعۂ حرہ کا اصلی ذمہ دار سمجھتے تھے، بنو حارثہ کے شامی فوجوں کو مدینے میں داخل کرنے کا معاملہ کیا ہے؟ مولانا نے تو نہیں بتایا نہ وہ بتائیں گے، آیئے ہم دکھاتے ہیں۔ گذشتہ صفحات میں حضرت

سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ، کا واقعہ آپ پڑھ چکے ہیں کہ جب وہ غار میں داخل ہوئے تو ان کے پیچھے ایک شخص داخل ہوا، پھر اسی نے شامی فوجی سے کہا کہ میں ایک شخص کا پتہ بتاتا ہوں تم اسے قتل کر دو، وہ شامی فوجی جب غار میں گیا تو اس نے پہچان لیا یا نام پوچھ کر پہچان گیا، تو ان سے اپنے لئے دعائے مغفرت چاہی، اور انھوں نے مغفرت کی دعا دی سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پتہ بتا کر ایک صحابیٔ رسول کے قتل کے درپے یہ بدفطرت شخص کون تھا؟ اگر شامی ہوتا تو ان سے دعائے مغفرت کرا کر کیوں لوٹ آتا؟ اور شامی نہیں تھا تو مولانا طاہر صاحب اسے عبداللہ ابن حنظلہ کا ساتھی تو مان نہیں سکتے؟ کیونکہ اس صورت میں ان کی بساط ہی الٹ جائے گی، تو ذرا وہی بتا دیں کہ صحابیٔ رسول کے قتل کا خواہشمند یہ فسادی کون تھا؟ مولانا نہیں بتائیں گے ہم بتاتے ہیں کہ یہ شخص اسی فسادی جماعت کا ایک فرد تھا جو مسلمانوں کو لڑانے کے لئے شاطرانہ چالیں چلتی تھی، اور اسلام کی شوکت سے کڑھتی تھی۔

مقتولین سے زیادہ خندق میں گر کر مر گئے

اب آیئے ذرا بنو حارثہ کا معاملہ بھی دیکھ لیجئے۔ واقعہ یہ ہے کہ اہل مدینہ نے اپنی حفاظت کے لئے خندق کھود رکھی تھی، اور اس پار سے ہی لڑ رہے تھے، شامی فوجوں کو اندر داخلے کا موقع نہیں مل رہا تھا، اس لئے آغاز میں مدینے والوں کا پلہ بھاری تھا، اس درمیان کسی طرح بنو حارثہ نے شامی فوج کو اندر داخل کرا دیا، انھوں نے اندر جا کر تکبیر کی آواز بلند کی، تو حضرت ابن حنظلہ اور ابن مطیع کے لوگ گھبرا کر بھاگے، تلوار سے مرنے والوں سے زیادہ خندق میں گر کر مر گئے، شامی فوج اسکے بعد فتحیاب ہوگئی اور اس نے باغیوں کی دھر پکڑ شروع کر دی۔

علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں وقد اقحم علیهم بنو حارثة من اهل الشام وهم علی

الجدر فانهزم الناس فكان من اصيب فی الخندق اعظم ممن قتل ۔

(البدایۃ والنہایۃ ج۸ص۲۲۲)

’’بنوحارثہ نے شام والوں کو اہل مدینہ پر داخل کر دیا تو لوگوں کو شکست ہوگئی، خندق میں گر کر مرنے والے قتل ہونیوالوں سے زیادہ تھے ‘‘۔ علامہ ابن حجر لکھتے ہیں، وذالك ان بنی حارثة ادخلوا قوما من الشامئين من جانب الخندق فترك اهل المدينة القتال ودخلوا المدينة خوفا من اهلهم فكانت الهزيمة وقتل من قتل۔ (فتح الباری ج۲۵ص۱۴۰)

یہ اس طرح ہوا کہ بنوحارثہ نے شامی فوج کی ایک ٹکڑی کو خندق کی طرف سے مدینہ میں داخل کر دیا، تو مدینہ والوں نے لڑائی چھوڑ دی اور گھر والوں کے اندیشہ سے مدینہ میں داخل ہوگئے تو انھیں شکست ہوگئی، اور جسے قتل ہونا تھا مقتول ہوا‘‘۔ ابن اثیر نے نقل کیا ہے: وكان سببه ان بنی حارثة ادخلوا اهل الشام المدينة فانهزم الناس فكان من اصيب فی الخندق اكثر ممن قتل۔ (الکامل ج۳ص۴۶۰)

شکست کی وجہ یہ ہوئی کہ بنوحارثہ نے شام والوں کو مدینہ میں داخل کر دیا، تو لوگوں کو شکست ہوگئی اور قتل ہونے والوں سے زیادہ خندق میں گر کر لوگ جاں بحق ہوئے۔ ابن جریر کی کی جو روایت ابومخنف وغیرہ سے ہے اس میں اس کا کوئی ذکر نہیں ہے، طبری نے بروایۃ غیر ابی مخنف کہہ کر جو بیان کیا ہے اس میں ہے واقحم عليهم بنو حارثة اهل الشام فانهزم الناس فكان من اصيب فی الخندق اكثر ممن قتل من الناس فدخلوا المدينة۔ (تاریخ الطبری ج۵ص۲۶)

بنوحارثہ نے شام والوں کو مدینہ میں داخل کر دیا، تو جتنے لوگ مقتول ہوئے اس سے زیادہ خندق میں گر کر ہلاک ہوئے، یہی روایت علامہ بلاذری نے انساب الاشراف

ج۵ص۳۵۳ پر اور علامہ ذہبی نے تاریخ الاسلام ج۵ص۲۶ پر نقل کی ہے۔

اب غور فرمایئے شامی فوج خود سے مدینے میں داخل نہیں ہوئی تھی، بلکہ اس کا پلہ بھی ہلکا تھا، اسی میں بنوحارثہ نے کسی طرح انھیں اندر داخلے کا موقع فراہم کر دیا، مدینے والے ہڑ بڑا کر بھاگے، تو بہت سے لوگ خندق میں گر کر اللہ کو پیارے ہوگئے، اور انھیں شکست ہوگئی، اس تصویر کی روشنی میں خود فیصلہ فرمایئے! کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ، کی پیش کردہ تفسیر کا مصداق کون ہے؟ یزید کی فوج یا کوئی اور؟ بحث کے آغاز میں تاریخی روایتوں کی روشنی میں آپ کو معلوم ہو چکا ہے کہ یزید نے یکبارگی فوج نہیں بھیجی، بلکہ پہلے حضرت نعمان ابن بشیر رضی اللہ عنہ، کو بھیجا تھا انھوں نے سمجھانے کی پوری کوشش فرمائی عبداللہ بن مطیع کو ڈانٹ بھی پلائی، کہ تمہارا کیا؟ جب شامی فوج آئے گی اور یہ بیچارے غریب مارے جائیں گے تو تم انھیں میدان کارزار میں مرنے کیلئے چھوڑ دو گے اور اپنے خچر پر بیٹھ کر مکہ فرار ہو جاؤ گے۔ اور مؤرخین لکھتے ہیں کہ نعمان بن بشیر نے جیسا کہا تھا ٹھیک اسی طرح ہوا، پھر ان سرپھروں کو اجلۂ صحابہ حضرت ابن عمر، عبداللہ بن جعفر، حضرت ابن عباس اور سعید ابن المسیب نے بھی سمجھایا تھا، مگر انھوں نے کسی کی بات نہیں مانی، پھر جب مسلم بن عقبہ کی سرکردگی میں یزید کی فوج آ گئی، تو مسلم بن عقبہ نے بھی تین دنوں تک سمجھایا، انھوں نے کہا ہم تو لڑیں گے اور جب شکست ہوگئی، تو بغاوت کے ذمہ داروں کے ساتھ کارروائی کی گئی، اب جو پس پردہ اس کے محرکین اور اصلی ذمہ دار تھے، انھوں نے اپنے راویوں کی زبانی لوٹ مار عصمت دری کی فرضی کہانیاں پھیلانی شروع کر دیں۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ وہی واقعہ جب رافضی اور سبائی راویوں کی زبانی سننے کو ملتا ہے تو اس کا رنگ کچھ اور ہوتا ہے اور وہی واقعہ جب ان کے علاوہ دوسرے راویوں کی معرفت ہمارے سامنے آتا

ہے تو اس کا رنگ کافی بدلا ہوا ہوتا ہے۔

واقعۂ حرہ کا یزید پر اثر

اب ہم ایک آدھ روایت یزید کے تعلق سے پیش کرنے کی اجازت چاہیں گے کہ اس واقعے کا یزید پر کیا اثر ہوا؟

علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں: وروی المدائنی ان مسلم بن عقبة بعث روح بن زنباع الیٰ یزید ببشارة الحرة فلما اخبره بما وقع قال: واقو ماه ثم دعا الضحاك بن قیس الفهری فقال له تری ما لقی اهل المدینة ؟ فما الذی یجبرهم ، قال : الطعام والاعطیة فامر بحمل الطعام الیهم وفاض علیهم اعطیته وهذا خلاف ما ذکره کذبة الروافض۔(البدایۃ والنہایۃ ج۸ص۲۳۳)

مدائنی کی روایت ہے کہ مسلم بن عقبہ نے روح بن زنباع کو حرہ کی خوشخبری کے ساتھ جب یزید کے پاس بھیجا اور انھوں نے اس کو واقعہ کی خبر دی، تو اس کے منہ سے نکلا ہائے میری قوم: پھر اس نے ضحاک بن قیس کو بلا کر اس سے کہا مدینہ والوں پر جو بیتی تم دیکھ رہے ہو؟ اس کی تلافی کیسے ہوسکتی ہے؟ اس نے کہا کھانا اور عطیات، تو اس نے ان کے پاس کھانا بھیجنے کا حکم دیا، اور ان پر عطیات بہا دیئے۔ اور یہ بیان اس بیان کے خلاف ہے جسے جھوٹے رافضیوں نے بیان کیا ہے''۔ اور وہ روایت تو آپ پڑھ ہی چکے ہیں کہ اس نے حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کو جب چالیس لاکھ دیئے تھے تو کسی کے اعتراض پر اس نے جواب دیا تھا، کہ عبداللہ ابن جعفر اپنے پاس کچھ رکھتے نہیں، بلکہ سب مدینہ والوں میں بانٹ دیتے ہیں، تو میرا ان کو دینا گویا مدینے والوں کو ہی دینا ہے

قاضیٔ بحرین کا خواب

اخیر میں علامہ ابن کثیر کی زبانی ابن عساکر کا بیان بھی دیکھ لیجئے۔ اگر چہ اس سے کوئی شرعی حکم مستنبط نہیں ہوتا، تاہم بیان میں کوئی حرج بھی نہیں ہے، ابن کثیر لکھتے ہیں:

وقال ابن عساکر حدثنا ابو الفضل محمد بن الفضل بن المظفر العبدی قاضی البحرین من لفظه و کتبه لی بخطه قال : رأیت یزید بن معاویة فی النوم فقلت له انت قتلت الحسین فقال لا : فقلت له هل غفر الله لك ؟ قال نعم وادخلنی الجنة ۔ (البدایۃ والنہایۃ ج۸ص۲۳۶)

ابن عساکر کہتے ہیں ''مجھ سے ابوالفضل محمد بن الفضل بن المظفر عبدی بحرین کے قاضی نے بیان کیا اور اپنے ہاتھ سے مجھے لکھ کر دیا: انھوں نے کہا کہ میں نے خواب میں یزید کو دیکھا، تو اس سے پوچھا تو نے حسین کو قتل کیا تھا؟ اس نے کہا نہیں، میں نے پوچھا کیا اللہ نے تیری مغفرت کردی، اس نے کہا ہاں! اور مجھے جنت میں داخل بھی کردیا''۔

مقتولین حرہ کے متعلق مولانا طاہر صاحب کا مغالطہ

محترم مولانا سید طاہر حسین صاحب گیاوی مدظلہ فرماتے ہیں۔

''اب ان اصحاب کے نام درج کئے جاتے ہیں جو یزید بن معاویہ کی مخالفت میں شہید ہوئے''۔ (کردار یزید ص۱۴۷)

اس عبارت میں مولانا نے یہ مغالطہ دینے کی کوشش کی ہے کہ یہ تمام حضرات جن کے اسمائے گرامی انھوں نے پیش فرمائے ہیں یہ سب کے سب صحابی تھے، اسی لئے انھوں نے حضرات کے بجائے اصحاب کا لفظ استعمال کیا ہے، دوسرا مغالطہ یہ دیا ہے کہ پیش کئے ہوئے تمام بزرگوں کو یزید کی مخالفت میں شہید بتایا ہے جب کہ ان کے پیش کئے ہوئے ناموں میں کچھ کا وصال تو یزید کے امیر المؤمنین بننے بلکہ اس کی ولیعہدی کی

بیعت سے بھی بہت پہلے ہو چکا تھا۔ مثلاً عشرہ مبشرہ میں سے ایک حضرت سیدنا سعید ابن زید رضی اللہ عنہ، کے بارے میں مولانا لکھتے ہیں:

''سعید بن زید بن عمر و بن نفیل احد من العشرة المبشرة۔ ۵۱ ہجری میں انتقال ہوا یزید کی ولیعہدی کی بیعت نہیں کی تھی''۔ اور ان کا ذکر مولانا نے یزید کی مخالفت میں شہید ہونے والوں میں تیسرے نمبر پر کیا ہے۔ (کردار یزید ص ۱۴۷)

مولانا خود لکھتے ہیں کہ ان کا انتقال ۵۱ ہجری میں ہوا ہے، اور یزید کی ولیعہدی کی بیعت ۵۶ ہجری میں لی گئی ہے، یعنی جس وقت یزید کی خلافت وامارت کا تصور تک نہ تھا اس وقت حضرت سعید بن زید کا وصال ہوا ہے، اور مولانا دکھا رہے ہیں کہ حضرت سعید ابن زید یزید کی مخالفت میں شہید ہوئے ہیں۔ مولانا کی پیش کردہ فہرست میں دوسرا نام حضرت سیدنا عبدالرحمٰن بن ابی بکر کا ہے، بیعت ولیعہدی کی تجویز کے وقت حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ، نے بلاشبہ مخالفت فرمائی تھی، لیکن ان کا اختلاف انتخاب کے طریقہء کار سے تھا، نہ کہ یزید کی ذات سے، چنانچہ آپ نے نہ یزید کی اہلیت کے بارے میں ایک حرف فرمایا نہ اس کے کردار کے متعلق، بلکہ یہ فرمایا تھا اجعلتموها هرقلوية او كسروية، ''کیا آپ نے اس طریقۂ انتخاب کو قیصر وکسری کا طریقہ بنا دیا ہے؟ پھر آپ کی وفات ۵۸ھ میں ہوئی ہے یعنی یزید کے خلیفہ بننے سے دو سال قبل، مولانا طاہر صاحب نے آپ کو بھی یزید کی مخالفت میں شہید ہونیوالوں کی فہرست میں شامل کیا ہے۔

چوتھے نمبر پر حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ، کا نام درج کیا گیا ہے، علامہ ابن کثیر البدایۃ میں لکھتے ہیں ثم دخلت سنة ثلاث و سبعين ، فيها كان مقتل عبد الله

بن الزبير رضى الله عنه على يدى الحجاج بن يوسف الثقفى المبير قبحه الله و اخزاه ۔(ج۸ص۳۲۹)

پھر ہم ۷۳ھ میں داخل ہوئے، اس سال حضرت عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ، حجاج بن یوسف ثقفی مبیر کے ہاتھوں مقتول ہوئے، اللہ اس کا برا کرے اور اسے رسوا فرمائے''۔ اور مولانا انھیں بھی یزید کی مخالفت میں شہید ہونے والوں میں فرما رہے ہیں۔ ع قیاس کن زگلستان من بہار مرا

میں صرف اتنا عرض کرنا چاہوں گا کہ مولانا یا کوئی بھی یزید کی خوب مخالفت کرے، لیکن انصاف کا دامن تو ہاتھ سے نہ چھوڑے؟ مجھے انتہائی افسوس سے کہنا پڑ رہا ہے کہ مولانا نے اپنی پوری کتاب میں زبردستی یزید کو فاسق ثابت کرنا چاہا ہے، لیکن یا تو ابومخنف، ابن زکریا، واقدی جیسے راویوں کی روایتوں کو انھوں نے اپنا مستدل بنایا ہے، یا پھر جوڑ توڑ سے منقطع روایتوں کو صحیح روایتوں کا مقام دینے کی کوشش کی ہے، کہیں کہیں عبارتوں سے برعکس نتیجہ نکالنے کی سعی فرمائی ہے، اور کہیں صرف اقوال نقل کر کے ان سے کام چلایا ہے، البتہ پوری کتاب میں جگہ جگہ یہ دعویٰ پیش کرتے گئے ہیں کہ ہم نے، مضبوط اور ناقابل تردید دلائل سے یزید کا فسق ثابت کر دیا۔

حضرت محدث اعظمیؒ کا تبصرہ اور مولانا طاہر صاحب کی تنقید

اپنی کتاب کے اخیر میں مولانا نے عنوان قائم فرمایا ہے۔ ''مولانا اعظمی کی غفلت'' اور پھر لکھا ہے، ''اب مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی کی غفلت ملاحظہ فرمائیں، لکھتے ہیں'' حضرت مہتمم صاحب نے یہ بھی نہیں سوچا کہ اگر یزید باتفاق صحابہ فاسق ہوتا تو نعمان بن بشیر جیسے جلیل القدر صحابی اس فاسق و فاجر کے ساتھ ہرگز لگے نہ رہتے، ہماری عقیدت اس بات کو کسی طرح قبول نہیں کرتی کہ حضرت نعمان بن بشیر

جیسے صحابی ایک شرابی، زانی، بے نمازی، امیر کی مجلسوں میں برابر شریک ہونگے، اور اس کی طرف سے سفارت کی خدمت انجام دینگے، اوراس کی طرف سے حمص کے امیر بن کراس کی حکومت کوقوت پہونچائیں گے''۔(تبصرہ برشہید کربلاویزیدص۷۴/۷۵)

''جواباً عرض ہے کہ نعمان ابن بشیر کا یزید کی مجلسوں میں برابر شریک ہونا ثابت نہیں ہےاور فاسق امیر کی اطاعت یااس کی حکومت میں حصہ بننا گناہ نہیں، بہت سے بہت جو ثابت ہے، وہ یہی کہ انھوں نے یزید کے دورحکومت میں حکومت کی بعض ذمہ داریاں قبول کیں، لیکن اس سے یہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ انھوں نے یزید کے تمام موقف کوصحیح سمجھا ہو، تاریخ میں ایسی روایات موجود ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت نعمان بن بشیر نے کبھی کسی کی بے جا حمایت نہیں کی، بلکہ انھوں نے یزید کے غلط کاموں پرتنقید بھی کی''۔ (کردار یزیدص۱۵۱)

پھر لکھتے ہیں حمص سے پہلے نعمان بن بشیر جیسے صحابی عراق کے بھی گورنر رہ چکے تھے، اورعبداللہ بن مسلم بن شعبہ خزرمی نے نعمان بن بشیر صحابی سے شکایت کی تھی،'' انك لضعيف او متضعف قد فسد البلد ''جواب میں نعمان بن بشیر نے کہا تھا، ترجمہ: میں اللہ کی معصیت میں ضعیف رہوں، یہ مجھے پسند ہے اس بات سے کہ میں اللہ کی معصیت میں قوی رہوں، اور میں اس پردے کو چاک نہیں کرونگا جس کو اللہ نے ڈالا ہے''۔ (تہذیب التہذیب ج۱ص۵۳۰/اصابہ ج۱ص۳۳۳/کردار یزیدص۱۵۲)

تنقید کا مدلل جواب

میں عرض کرتا ہوں کہ مولانا نے دعوی تو کیا ہے کہ انھوں (حضرت نعمان بن بشیرؓ) نے یزید کے غلط کاموں پرتنقید بھی کی'' لیکن قارئین کرام مولانا کی پوری تقریر پڑھ جائیں اور فیصلہ فرمائیں! کیا مولانا نے ایک روایت بھی تاریخ کے حوالے سے پیش

فرمائی؟ جس سے پتہ چلتا ہو کہ حضرت نعمان بن بشیر نے یزید کے کس فعل پرتنقید فرمائی تھی؟ مولانا کی ذمہ داری تھی کہ جب انہوں نے بلند بانگ دعویٰ پیش کیا تھا تو محنت کر کے تاریخ کے دامن سے چن کراس کا ثبوت بھی فراہم کرتے؟ بہت زور لگایا تو انہیں حضرت نعمان بن بشیر کا ایک قول ملا، جس کا تذکرہ انہوں نے تہذیب التہذیب کے حوالے سے اپنی کتاب میں فرمایا ہے، میں اس کی قدرے تفصیل البدایہ سے قارئین کے سامنے رکھتا ہوں، واقعہ یہ ہے کہ مسلم بن عقیل حضرت حسین رضی اللہ عنہ، کے حکم سے کوفہ تشریف لائے تو ابتداء میں شیعوں نے بڑا جوش وخروش دکھایا، اور چپکے چپکے حضرت مسلم بن عقیل کے ہاتھ پر حضرت حسین کے لئے بیعت کر لی، یہاں تک کہ مسلم بن عقیل نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ، کو کوفہ تشریف آوری کے لئے خط بھیج دیا، حضرت حسین رضی اللہ عنہ، نے کوفہ آنے کی تیاری فرمائی تو یہ خبر کوفہ بھی پہونچ گئی، اس وقت حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ، کوفہ کے گورنر تھے، جب آپ کو خبر ملی کہ یزید کے خلاف بیعت لی جارہی ہے تو آپ نے اس پر زیادہ توجہ نہیں دی اور لوگوں کو جمع کر کے فتنہ واختلاف سے منع فرمایا۔ ابن کثیر لکھتے ہیں، ولكنه خطب الناس ونهاهم عن الاختلاف والفتنة وامرهم بالائيتلاف والسنة ، وقال : انى لا اقاتل من لا يقاتلنى ولا اثب على من لايثب على ولا آخذكم بالظنة ولكن والله الذى لااله الا هو لئن فارقتم امامكم ونكثتم بيعته لأ قاتلنكم مادام فى يدى من سيفى قائمة ، فقام اليه رجل يقال له عبد ا لله بن مسلم بن شعبة الحضرمى فقال له ان هذا الامر لا يصلح الا بالغشمة وان الذى سلكته ايها الامير مسلك المستضعفين فقال له النعمان لان اكون من المستضعفين فى طاعة الله احب الى من ان اكون من الاقوياء الاعزين فى

معصية الله ۔ (البدایۃ والنہایۃ ج۸ص۱۵۲)

لیکن انھوں نے لوگوں کومخاطب فرمایا، انھیں اختلاف اور فتنہ سے روکا، اور اتفاق اور سنت کا حکم دیا، ، اور فرمایا جو مجھ سے نہیں لڑے گا، میں اس سے لڑائی نہیں کرونگا اور جو مجھ پر حملہ نہیں کرے گا میں بھی اس پر حملہ نہیں کرونگا، محض گمان سے میں تمہیں نہیں پکڑونگا لیکن اس اللہ کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں، اگر تم میں سے کوئی اپنے امیر سے الگ ہوا اور اس نے اس کی بیعت توڑی، تو جب تک میرے ہاتھ میں میری تلوار باقی رہے گی میں تم سے لڑتا رہونگا، یہ سن کر ایک آدمی کھڑا ہوگیا، جس کو عبداللہ بن مسلم بن شعبہ حضرمی کہا جاتا تھا اس نے ان سے کہا یہ معاملہ سختی کے بغیر ٹھیک نہیں ہوگا اور اے امیر آپ جس راستے پر چل رہے ہیں یہ کمزوروں کا راستہ ہے۔ اس سے حضرت نعمان نے فرمایا میں اللہ کے راستے میں کمزور رہوں یہ مجھے اللہ کی نافرمانی کی راہ میں طاقتور بننے سے زیادہ پسند ہے''۔

قارئین کرام ہی انصاف فرمائیں! کیا اس بیان میں حضرت نعمان ابن بشیر رضی اللہ عنہ، نے یزید کے کسی غلط کام پر تنقید فرمائی ہے؟ پھر مولانا ہمیں یہ بتائیں کہ ان حالات میں بھی جب کہ حضرت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ، کے نام کی بیعت کوفہ میں لی جارہی ہے، اور حضرت سیدنا حسینؓ کی کوفہ کے لیے روانگی کی خبر کوفہ میں پھیل چکی ہے، حضرت نعمان ابن بشیر رضی اللہ عنہ، نے کھلے لفظوں میں یہ فرمادیا ہے، کہ اگر کوئی یزید کی امارت سے الگ ہوا اور اس نے اس کی بیعت توڑی، تو جب تک میرے ہاتھ میں تلوار ہے میں اس سے لڑتا رہوں گا، مولانا حضرت نعمان رضی اللہ عنہ، کا گول مول مسلک بتانے چلے تھے، میں پوچھتا ہوں اس بیان کو دیکھ کر بتائیں! حضرت نعمان بن بشیر کا مسلک کیا ہے؟ کیا وہ ایک فاسق امیر کے لئے اس حد تک جانے کو تیار تھے؟

مولانا نے دعویٰ کیا ہے کہ نعمان ابن بشیر کا یزید کی مجلسوں میں برابر شریک ہونا ثابت نہیں ہے، میں کہتا ہوں مولانا کا یہ دعویٰ بالکل غلط اور بے بنیاد ہے، آیئے دیکھ لیجئے! یزید نے حضرت نعمان ابن بشیر کو یہ سوچ کر ولایت کوفہ سے معزول کر کے ان کی جگہ عبیداللہ ابن زیاد کو کوفہ کا والی بنادیا کہ معاملہ سنگین ہے، شاید حضرت نعمان سے کنٹرول نہ ہوسکے، اب سوال یہ ہے کہ معزولی کے بعد حضرت نعمان کہاں تشریف لے گئے؟ تاریخ یہ بتاتی ہے کہ جب حضرت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ، کے مظلوم اہل بیت کا قافلہ یزید کے پاس روانہ کیا گیا تو حضرت نعمان بن بشیر وہیں یزید کے پاس ہی تھے، ہشام عن ابی مخنف جیسا رافضی بھی بیان کرتا ہے، کسی بدبخت نے مشورہ دیا کہ علی بن حسین کو قتل کردیجئے تاکہ حضرت حسین کی اولاد میں سے کوئی باقی ہی نہ بچے، آگے ابومخنف ہی کی زبانی سنئے، فسكت يزيد فقال النعمان بن بشير يا امير المؤمنين اعمل معهم كما كان يعمل معهم رسول الله صلى الله عليه وسلم لو رآهم على هذا الحال فرق عليهم يزيد وبعث بهم الى الحمام واجرى عليهم الكساوىٰ والعطايا، والاطعمة وانزلهم فى داره۔ (البدایہ والنہایہ ج۸ص۱۹۶)

یزید چپ ہوگیا تو نعمان ابن بشیر نے کہا! اے امیر المؤمنین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انھیں اس حال میں دیکھتے تو ان کے ساتھ جو سلوک فرماتے آپ ان کے ساتھ وہی برتاؤ کیجئے! یہ سن کر یزید پر رقت طاری ہوگئی، اور اس نے سب کو حمام میں بھیجا، ان کیلئے پوشاک اور عطیات جاری کئے ان کے کھانے کا نظم کیا اور اپنے گھر میں ٹھہرایا، مولانا بتائیں! یزید نے انھیں معزول کردیا تھا، تو کیا بالکل معزول کردیا تھا، یا معزولی کے بعد بھی اس نے ان کو اپنے پاس ہی رکھا تھا، اور ان کے مشوروں پر عمل بھی کرتا تھا، پھر یہ بھی دیکھئے، کہ یہ واقعہ تو ۶۱ھ کے آغاز کا ہے، ۶۳ھ میں جب مدینہ میں

بغاوت کی تیاری ہورہی تھی، اس موقع پر بھی یزید نے انھیں حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ، کو اہل مدینہ کو سمجھانے کے لیے مدینہ بھیجا تھا۔ ابن کثیر لکھتے ہیں، فبعث یزید النعمان بن بشیر الانصاری وقال له ان عدد الناس بالمدینة قومك فانهم ما یمنعهم شئ عما یریدون فانهم ان لم ینهضوا فی هذا الامر لم یجترئ الناس علی خلافی ، فاقبل النعمان فاتی قومه فامرهم بلزوم الاطاعة۔

(الکامل ج۳ص۴۵۰)

تب یزید نے نعمان بن بشیر انصاری کو مدینہ بھیجا اور ان سے کہا مدینہ میں آپ کی قوم کے لوگ زیادہ ہیں، اور انھیں اپنی منشأ کے مطابق جینے سے کسی نے روکا نہیں ہے اگر اس معاملے میں وہ لوگ کھڑے نہیں ہونگے تو کسی کو میرے خلاف کھڑے ہونے کی ہمت نہیں ہوگی، حضرت نعمان اپنی قوم کے پاس آئے تو انھیں لازمی طور سے یزید کی اطاعت کرتے رہنے کا حکم فرمایا۔ مولانا بتائیں! کہ اگر حضرت نعمان یزید کے پاس ہی نہیں تھے اور اس کی مجلسوں میں شریک نہیں ہوتے تھے، تو وہ دو سال کے بعد بھی یزید کے پاس ہی کیوں پائے گئے، اور یزید نے پھر انھیں کو اہل مدینہ کے سمجھانے کے لئے مدینہ کیوں بھیجا؟ مولانا سید طاہر حسین صاحب مدظلہ، اپنی کتاب کی آخری سطر میں فرماتے ہیں۔

''یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ غیر نبی کی ہر خاموشی کسی بات کی تائید نہیں کرتی ہے''۔ وآخر دعوانا الخ'' (کردار یزید ص۱۵۲)

آخری دم تک مغالطہ

میں عرض کرتا ہوں کہ مولانا آخری سطر میں بھی مغالطے سے باز نہیں آئے، ہم ابھی ابھی تفصیل پیش کر چکے ہیں کہ حضرت نعمان ابن بشیر رضی اللہ عنہ، نے ہر مقام پر یزید

کی تائید فرمائی، نیک مشورہ بھی دیا، آخری موقع پر بھی اہل مدینہ کو یزید کی اطاعت کرتے رہنے اور اس کی بیعت نہ توڑنے کی تاکید فرمائی، حضرت عبداللہ بن مطیع نے دخل اندازی کی تو انھیں سخت الفاظ میں ڈانٹا، اور مولانا فرماتے ہیں کہ نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ، خاموش رہے اور غیر نبی کی خاموشی تائید نہیں کرتی؟ کیا مولانا نے انصاف کا خون کرنے کی قسم کھا رکھی ہے؟ میں اپنی طالبانہ جستجو اور اپنے مطالعہ کی روشنی میں پورے یقین سے عرض کرتا ہوں، کہ یزید کے بارے میں جو موقف حضرت محدث اعظمی نور اللہ مرقدہٗ نے پیش فرمایا ہے، وہی مبنی بر انصاف، معتدل موقف ہے اور بے وجہ کسی پر فسق کا الزام عائد کرنا کم از کم اہل سنت کا مسلک تو ہرگز ہرگز نہیں ہوسکتا۔

والحمد لله الذی هدانا لهذا وما کنا لنهتدی لو لا ان هدانا الله وصلی الله علیٰ خیر خلقه سیدنا ومولانا محمدو بارك وسلم ۔